بعونِ صناعِ مکین و مکان بفضلِ خلاقِ زمین و زمان

۳۱

اُردو کا کلاسیکی ادب

آرایشِ محفل

از

میر شیر علی افسوس

ناشر

مجلسِ ترقیِ ادب ۲۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

بعونِ صناعِ مکین و مکان بفضلِ خلاقِ زمین و زمان

۳۱

اردو کا کلاسیکی ادب

آرائشِ محفل

از

میر شیر علی افسوس

ناشر

مجلسِ ترقیِ ادب ۲۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

طبع اول : اپریل ، ۱۹۶۳ء

تعداد ۲۱۰۰

ناشر : سید امتیاز علی تاج (ستارۂ امتیاز)
ناظم مجلس ترقیٔ ادب ، لاہور

مطبع : زرین آرٹ پریس ، ۶۱ ریلوے روڈ

مہتمم : محمد ذوالفقار خاں

قیمت : سفید کاغذ پر
اخباری کاغذ پر

حرف آغاز

فورٹ ولیم کالج کلکتے کی مطبوعات میں میر شیر علی افسوس کی تالیف آرائش محفل معلومات اور اپنے ادبی محاسن کے اعتبار سے اہم اور قابل قدر کتاب ہے ۔ اپنی مقبولیت کی وجہ سے پاک و ہند اور انگلستان میں اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ۔ پہلا ہندوستانی نسخہ مصنف کی زندگی اور ذاتی نگرانی میں وفات سے ایک سال قبل کلکتے کے ہندوستانی چھاپے خانے میں ۱۸۰۸ء میں چھپا ، اس لیے یہ نسخہ بلا تکلف زیادہ صحیح اور اہم قرار دیا جا سکتا ہے ۔

جو نسخے انگلستان میں چھپے ، وہ مجلس کی دسترس سے باہر تھے ، چناں چہ متذکرہ بالا پہلے نسخے کو اساس بنا کر کلب علی خاں صاحب فائق نے مندرجہ ذیل چار نسخوں سے استفادہ کیا ۔ یہ سب نسخے لاہور کی یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہیں ۔

کتاب کا دوسرا نسخہ جس کا سر ورق نہیں قرائن سے معلوم ہوتا ہے ۱۸۵۰ء سے قبل شائع ہوا تھا ۔ تیسرا نسخہ بنارس سے ۱۸۶۵ء میں طبع ہوا ۔ یہ نسخہ پہلے نسخے سے کسی حد تک مختلف ہے ۔ اس کی اغلاط بھی دوسرے نسخے کے مطابق نہیں لیکن اس میں بعض نئی غلطیاں نظر آتی ہیں ۔ چوتھا نسخہ بھی ۱۸۶۵ء ھی میں لاھور کے سرکاری مطبع سے شائع ہوا ۔ اس میں سے نثر و نظم کے بعض حصے حذف کر دیے گئے ہیں ۔ پانچواں نسخہ انجمن ترقیٔ اردو کی مطبوعات میں سے ہے ۔ یہ غالباً دوسرے نسخے کو اساس بنا کر مرتب کیا گیا ہے ۔ مجلس منتظمین پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ ان کے تعاون سے مندرجہ بالا سب نسخے

دستیاب ہو گئے اور کتاب زیادہ قابل قدر طور پر مرتب کرنے میں امداد حاصل ہوئی ۔

افسوس نے خلاصۃ التواریخ کو سامنے رکھ کر نہ صرف اس کا آزاد ترجمہ کیا ہے بلکہ جگہ جگہ آئین اکبری اور سیر المتاخرین اور تاریخ کی دوسری کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے چناں چہ اس کی عبارت کی ترتیب خلاصۃ التواریخ کے مطابق نہیں رہی ۔ علاوہ ازیں افسوس نے جگہ جگہ اشخاص و مقامات کے متعلق ذاتی معلومات سے اضافہ بھی کر دیا ہے ۔ ان ہی وجوہ سے اس نے آرایش محفل کے مقدمے میں اسے خلاصۃ التواریخ کا ترجمہ نہیں بلکہ اپنی تالیف قرار دیا ہے ۔

جہاں جہاں افسوس نے خلاصۃ التواریخ سے اختلاف کیا ہے وہاں مرتب نے حواشی میں اس کی صراحت کر دی ہے جس سے ترجمے اور تالیف کی بحث میں قابل قدر معلومات حاصل ہو جاتی ہیں ۔ خلاصۃ التواریخ کا نسخہ مطبوعہ دہلی ۱۹۱۰ء مرتب کے پیش نظر رہا ہے ۔

فائق صاحب نے اس کتاب کو بہت محنت سے مرتب کیا ہے اور تلاش و تحقیق سے اس پر جا بجا معلومات افروز حواشی بھی تحریر فرمائے ہیں ۔ کتاب کا اشاریہ بھی مرتب کر کے شامل کر دیا ہے جس سے کتاب کی افادی حیثیت میں اضافہ ہو گیا ہے ۔ چناں چہ اب یہ کتاب بمقابلہ تمام سابقہ ایڈیشنوں کے زیادہ صحیح اور زیادہ مفید بن گئی ہے ۔

سید امتیاز علی تاج

۱۹ - ۳ - ۶۳

مقدمہ

سوانح حیات : کلب علی خاں فائق

انتقاد : سید عابد علی عابد

حیات افسوس

(از کالب علی خان فائق)

برصغیر پاک و ہند کی سنہری زمین غیر ملکیوں کے لیے ہمیشہ کشش کا باعث بنی رہی ۔ دور دور سے لوگ یہاں آتے اور دولت کی فراوانی اور ملکی امن کو دیکھ کر یہیں رہ پڑتے ۔ افسوس کے مورثِ اعلیٰ بھی خاف[1] سے یہاں آئے اور نارنول کے علاقے میں مقیم ہو گئے (آنے والے حضرت امام جعفر صادقؓ کی اولاد میں سے دو بھائی سید بدرالدین اور سید عالم‌الدین حاجی خانی تھے، سید بدرالدین، افسوس کے جد بزرگ تھے) ۔ محمد شاہ کے عہد میں (۱۷۱۹ء تا ۱۷۴۸ء) افسوس کے دادا سید غلام مصطفیٰ اور چچا سید غلام علی خان اور والد سید علی مظفر خان نارنول سے دہلی آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کی ۔ عمدۃ‌الملک امیر خان انجام کی سرکار سے متوسل ہو گئے ۔ صحیح تاریخ اس توسل کی مقرر نہیں کی جا سکتی لیکن قرائن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہنگامۂ نادری سے بہت پہلے وہ عمدۃ‌الملک کی سرکار سے وابستہ ہو چکے تھے ۔ افسوس نے آرایش محفل میں حسن ذکی خان کی روایت نقل کی ہے جو عمدۃ‌الملک کی سرکار سے متعلق تھا اور پھر امیرالامراء خان دوراں کی ملازمت میں شامل ہو کر

یہ ایران کا ایک قصبہ ہے ۔ (استفسارات ص ۸۴ از نیاز فتح پوری رسالہ نگار اگست ۱۹۲۵ء) ۔

اس سلسلے میں محبی ڈاکٹر وحید قریشی کا افسوس پر مقالہ بھی ملاحظہ ہو جو ''صحیفہ'' نمبر ۲۲ و ۲۳ میں بالاقساط شائع ہوا ہے ۔ (فائق)

ہنگامۂ نادری میں مارا گیا (۱۷۳۹ء) ۔ امیر خاں انجام ۱۱۵۳ھ اور ۱۱۵۶ھ کے درمیان الہ آباد میں مقیم تھا ۔ اس زمانے کی بعض حکایتیں اپنے والد علی مظفر خاں کی زبانی سنی ہوئی نقل کی ہیں ۔ اس مدت کو ۱۷۲۹ء اور ۱۷۳۹ء کے مابین محدود کیا جا سکتا ہے ۔

دونوں بھائی غلام علی خاں اور علی مظفر خاں (جس کا نام بعض تذکرہ نگار مظفر علی خاں لکھتے ہیں ۔ مثلاً لطف ''گلشن ہند'' ص ۷۴ میں سید مظفر علی خاں) ۔ عمدۃ الملک کے توپ خانے سے منسلک تھے اور فارغ البالی سے زندگی گزار رہے تھے ۔ ہنگامۂ نادری سے پہلے مرہٹوں نے دلی کو لوٹا تھا ۔ عمدۃالملک نے دلی کی حفاظت کے لیے مرہٹوں سے جنگ بھی کی تھی ۔ غلام علی خاں اور علی مظفر خاں بھی شامل رہے ہوں گے ۔

نادر شاہ کے بر صغیر پاک و ہند سے جانے کے بعد ملک کی اقتصادی حالت بگڑ گئی لیکن مرکزی خزانے میں دُور افتادہ صوبوں سے کچھ نہ کچھ آمدنی جاری رہی ۔ دوسرے امیروں نے دھلی سے دور رہنے میں مصلحت دیکھی ۔ آصف جاہ مدتوں پہلے دکن میں خود مختار ریاست کی بنیاد ڈال چکا تھا ، برھان الملک کے مرنے کے بعد صفدر جنگ نے اودھ کی ریاست کا استحکام شروع کیا ۔ (بعد ذی‌حجہ ۱۱۵۱ھ) مہابت جنگ نے بھی‌نام کے لیے مرکز سے تعلق کر رکھا تھا اس لیے عمدۃ الملک امیر خاں مرکز میں وزارت عظمیٰ کے خواب دیکھنے لگا ۔ قمر الدین خاں وزیر اعظم کی پشت پناھی نظام الملک آصف جاہ اول نے کی اور امیر خاں کو اپنے صوبے الہ آباد کو با دل نا خواستہ جانا پڑا ، (۱۱۵۲ھ تا ۱۱۵۶ھ) ۔ غلام علی خاں اور علی مظفر خاں بھی ساتھ گئے ۔

رمضان ۱۱۵۶ھ کے آخر میں محمد شاہ کے بلانے پر عمدۃ الملک اپنے صوبے الہ آباد سے واپس آیا اور محمد شاہ کی طبیعت میں اتنا رسوخ پیدا کیا کہ اُس کی ہر بات بادشاہ مان لیتا ۔ ان دونوں بھائیوں کو اس زمانے میں نہ صرف فارغ البالی نصیب ہوئی بلکہ اقتدار بھی بڑھ گیا اور غلام علی خاں بہ قول افسوس الہ آباد کی صوبہ داری کے فرائض کی نگرانی بھی کرنے لگا ۔ محمد شاہ پہلے ہی رندانہ مزاج رکھتا تھا ، نادر شاہ سے شکست کھانے کے بعد اُس نے ملکی مسائل کی طرف سے آنکھیں بالکل بند کر لیں ۔ عمدۃ الملک کا عروج حد سے تجاوز کر گیا تھا اس لیے محمد شاہ کے ایماء سے ۲۳ ذی حجہ ۱۱۵۹ھ کو دیوانِ خاص میں اُسے قتل کر دیا گیا ۔ کئی مہینے سے عمدۃ الملک کے ملازموں کو تنخواہ نہیں ملی تھی ۔ محمد شاہ نے اُس کا سامان ضبط کرنا چاہا ، ملازمان مانع آئے اور غریب کی لاش دفن ہونے سے روک دی ۔ آخر صفدر جنگ نے مروت اور شرافت سے کام لے کر ملازمان کی تنخواہ کی ادائیگی کا ذمہ لیا اور چار دن بعد لاش کو سپرد زمین کیا ۔ جب قیمتی سامان محمد شاہ نے دس لاکھ روپے میں خرید لیا تب سپاہ کی تنخواہ ادا ہوئی ۔ غلام علی خاں اور علی مظفر خان بھی اعلیٰ ملازم ہونے کی حیثیت سے سپاہ کا ساتھ دینے پر مجبور ہوئے ہوں گے ۔

افسوس کا کہنا ہے :

> ''عمدۃالملک کے واقعے کے بعد بالذات سید غلام علی خاں نائب صوبہ دار الہ آباد کے رہے ''۔

مگر تاریخی کتابوں سے اس کی تائید نہ ہو سکی ۔ بہرحال الہ آباد میں اہم خدمت پر مامور ہوئے ہوں گے لیکن جلد ہی غلام علی خاں فالج میں مبتلا ہوئے اور کچھ مدت بعد دنیا سے رخصت ہوگئے ۔

سید غلام علی خاں اس سانحے سے بہت متاثر ہوئے اور گوشہ نشین ہو گئے۔ چوں کہ محمد شاہ کا آخری دور کش مکش کا دور تھا ، ابدالی نے بر صغیر پاک و ہند پر حملہ کیا تھا ، صوبے مرکز سے باغی ہو چلے تھے ۔ ادھر محمد شاہ کی آنکھیں بند ہوئیں اور آدھر صوبوں نے مرکز سے بغاوت اختیار کی ۔ صفدر جنگ نے ایرانی جماعت کی حمایت کے بل بوتے پر وزارت تو حاصل کر لی لیکن تورانی امیروں کا دل ہاتھ میں نہ لا سکا ۔ مرکزی حکومت میں اور انتشار پیدا ہو گیا ، علی مظفر خاں گوشہ نشین نہ ہوتے تو کیا کرتے ۔

ولادت :

افسوس محمد شاہ کے آخر عہد حکومت (۱۱۶۰ھ یا ۱۷۴۷ء) میں پیدا ہوا ۔ اس وقت خاندان میں امارت کا چراغ جل رہا تھا اور غلام علی خاں سرکاری خدمات انجام دے رہا تھا ۔ ولادت کے سن کا تعین کرنا اہم مسئلہ ہے ۔ اس سلسلے میں سب سے اہم شہادت افسوس کا اپنا بیان ہے ۔

دوسرا بیان لطف کا ہے جو افسوس کا دوست ہے لیکن ان بیانات میں اختلاف ہے ۔ دونوں بیانوں کا تجزیہ کرنے سے ایک حد تک حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ پہلے افسوس کا بیان قابل غور ہے ۔ وہ کہتا ہے :

۱۔ اور اس (افسوس) کا مولد نیا شہر ہے ۔ ۔ ۔ ۔ بعد برہم ہونے سلطنت اور وفات نواب صاحب مغفور کے ایک مدت مدید والد مرحوم خانہ نشین رہے ۔ آخر دلّی چھوڑا اور روزگار بنگالے کے صوبہ داروں کا کیا ۔ ان دنوں میں فقیر کا سن گیارہ برس کا تھا ۔ (دیباچۂ باغِ اردو ، مشمولہ سیر المصنفین ، ص ۱۰۱)

۲- قصہ کوتاہ والد ماجد نواب جعفر علی خاں بہادر مرحوم کے واقعے تلک بھی عظیم آباد میں تھے ۔ بعد اس سانحے کے لکھنؤ میں آئے اور حقیر ان سے دو برس پہلے یہاں آ چکا تھا ۔

۳- ابتدائے جوانی سے سرکار میں نواب سالار جنگ بہادر مرحوم کی پرورش پائی ، بلکہ جب تک مرشد زادۂ آفاق صاحب عالم جہاں دار شاہ جنت آرام گاہ رونق افزا لکھنؤ کے رہے ، اسی سرکار میں بہ عہدۂ مصاحبت سرفراز تھا ۔ (باغ اردو)

(مثنویات میر حسن نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۴۵ء ، ص ۱۸)

دیباچۂ ''سحر البیان'' میں افسوس لکھتا ہے :

> اسی سرکار میں میں بھی نوکر اور اسی صاحب زادے کا ہم نشین تھا ۔ دس برس تک دن رات ایک جگہ رہے ۔ ۔ ۔ ۔ اتفاقاً میرا روزگار سن گیارہ سے ننانوے میں صاحب عالم مرزا جواں بخت کی سرکار میں ہوا ۔

افسوس نے پہلی بات یہ کہی ہے کہ عمدۃ الملک امیر خاں کی وفات (۲۳ ذی الحجہ ۱۱۵۹ھ مطابق ۲۶ دسمبر ۱۷۴۶ء) اور سلطنت کی برہمی کے بعد مدت دراز تک میرے والد خانہ نشین رہے ۔ مؤرخین کی نظر میں محمد شاہ بادشاہ کے مرنے پر سلطنت میں ابتری پھیل گئی اور احمد شاہ کا عہد حکومت (اپریل ۱۷۴۸ء تا ۱۷۵۴ء) برہمیٔ سلطنت کا دور ہے ۔ عالم گیر ثانی کا زمانۂ سلطنت (۱۷۵۴ء تا ۱۷۵۹ء) مغل حکومت کے انتہائی زوال کا دور شمار ہوتا ہے ۔ (افسوس نے بھی آرائشِ محفل میں احمد شاہ کے عہد کو برہمیٔ سلطنت کا دور کہا ہے) ۔

افسوس کے بہ قول یہ زمانہ اس کے باپ کی خانہ نشینی کا

تھا ۔ آخر حالات کی ابتری سے تنگ آ کر اُس نے بنگالے کے صوبہ داروں کی ملازمت کی ۔ اس عبارت کی وضاحت افسوس نے نہیں کی ہے ۔ اس لیے یہ کہنا دشوار ہے کہ فلاں صوبہ دار کے عہدِ ریاست میں دلی چھوڑی ۔ محمد شاہ کے عہد سے لے کر عالم گیر ثانی کے عہد تک بنگالے میں تین صوبے دار یکے بعد دیگرے رہے : مہابت جنگ ، سراج الدولہ ، میر محمد جعفر ۔ احمد شاہ اور عالم گیر ثانی کے بعد شاہ عالم ثانی کا دورِ حکومت ہے ۔ اس کے عہد کے آغاز میں میر محمد جعفر بنگالے کا صوبہ دار تھا ۔ کچھ مدت بعد کمپنی کے سربراہوں سے جھگڑا ہوا اور ۱۰ ربیع الاول ۱۱۷۴ھ (مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۷۶۰ء) کو قاسم علی خاں کو بنگالے وغیرہ کی صوبہ داری عطا ہوئی ۔ ۱۷۶۳ء کے آغاز میں اس کا بھی انگریزوں سے اختلاف ہوا اور آغازِ ستمبر ۱۷۶۳ء میں قاسم علی خاں کو انگریزوں کے مقابلے میں شکست ہوئی ۔ میر محمد جعفر کو دوبارہ بنگالے وغیرہ کی صوبہ داری پر کمپنی کے عہدے داروں نے سرفراز کیا ۔ ٦ فروری ۱۷۶۵ء کو میر محمد جعفر کا انتقال ہوا اور نجم الدولہ اُس کا بیٹا جانشین منتخب ہوا ۔ مئی ۱۷۶٦ء میں وہ بھی ہیضے سے چل بسا تو اس کا جانشین چھوٹا بھائی سیف الدولہ ہوا ۔

دھلی چھوڑتے وقت افسوس کی عمر گیارہ سال تھی اور عظیم آباد سے میر علی مظفر خاں کی واپسی میر جعفر کے انتقال (٦ فروری ۱۷۶۵ء) کے بعد ہوئی ۔ وہ لکھنؤ آیا اور افسوس اپنے باپ سے دو سال پہلے ھی لکھنؤ آ چکا تھا ؛ افسوس نے اپنے والد کو قاسم علی خاں عالی جاہ کے توپ خانے کا داروغہ بھی ظاہر کیا ھے ۔ اس سے یہ بات تو واضح ھو جاتی ھے کہ علی مظفر خاں نے میر قاسم علی خاں اور میر جعفر کی ملازمت کی لیکن وہ یہ بھی کہتا ھے کہ میر جعفر کے واقعے کے بعد اُس کا

باپ اوؔدھ آ گیا ۔ واقعے [1] سے مراد میر جعفر کی موت ھے ۔ میر جعفر کی صوبہ داری دوبار ھوئی ۔ سراج الدولہ کی شکست (۷ شوال ۱۱۷۰ھ ۲۵ جون ۱۷۵۷ء) کے بعد وہ بنگالے کا صوبہ دار ھو گیا ۔ ۲۰ اکتوبر ۱۷۶۰ء کو معزول ھوا اور اس کی صوبہ داری قاسم علی خاں کو ملی ۔ قاسم علی خاں سے بگاڑ کے بعد کمپنی کی غلامی کا طوق پھر میر جعفر کے گلے میں ڈالا گیا (۷ جولائی ۱۷۶۳ء) ۔ اس کے مرنے (۶ فروری ۱۷۶۵ء) پر اس کے بیٹے نجم الدولہ اور سیف الدولہ یکے بعد دیگرے صوبہ دار ھوئے ۔ علی مظفر خاں اس کے بیٹوں کے عہد میں لکھنؤ آ گئے ۔ یعنی ۱۷۵۷ء اور ۱۷۶۵ء کے مابین بنگالے رھے اور اس عہد میں دھلی چھوڑ چکے تھے اور دھلی چھوڑتے وقت افسوس کی عمر گیارہ سال تھی ۔

اگر میر جعفر کے ابتدائی صوبہ داری کے عہد کو نظر انداز کر دیا جائے اور قاسم علی خاں کے عہد میں بنگالے پہنچنا مانا جائے تو اکتوبر ۱۷۶۰ء اور جون ۱۷۶۳ء کے مابین افسوس کی عمر گیارہ سال کی ثابت ھوتی ھے اور سن ولادت ۱۷۴۹ء یا ۱۷۵۲ء رھے گا ۔

دوسری صورت یہ بھی ھو سکتی ھے کہ میر جعفر کے ابتدائے عہد صوبہ داری ۲۵ جون ۱۷۵۷ء اور ۲۰ اکتوبر ۱۷۶۰ء کے درمیان علی مظفرخاں بنگالے آئے ھوں ۔ اس کی روشنی میں اس کی ولادت کا سن (۱۱ سالہ عمر کے حساب سے) ۱۷۴۷ء اور ۱۷۵۰ء

۱۔ افسوس فیض آباد کے سلسلے میں لکھتا ھے ۔ ”سن گیارہ سے اٹھاسی میں بعد نواب حافظ الملک ، حافظ رحمت خاں کی شکست کے نواب موصوف کا واقعہ ھوا“ (انتقال شجاع الدولہ ۱۱۸۸ھ)
(آرائش محفل نسخۂ انجمن ، ص ۱۱۱)

کے مابین علی الترتیب ہوگا۔ (یعنی آغاز سال ۱۷۴۷ء، ۱۷۴۸ء، ۱۷۴۹ء، ۱۷۵۰ء ترتیباً)۔

ان دونوں صورتوں میں افسوس کی ولادت ۱۷۴۷ء اور ۱۷۵۲ء کے مابین قرار پاتی ہے اور لکھنؤ میں اپنے والد کے عظیم آباد آنے سے (جو ۱۷۶۵ء کے لگ بھگ ہے)۔ دو سال پہلے آنے کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ ۱۷۶۳ء میں لکھنؤ آ چکا تھا۔ اس کی عمر سترہ سال (بہ حساب ولادت ۱۷۴۷ء) یا بارہ سال (بہ حساب ۱۷۵۲ء) تھی۔ دوسری مفروضی عمر اس وجہ سے غلط ٹھہرتی ہے کہ جس وقت افسوس گیارہ سالہ تھا تو اس کے والد علی مظفر خاں نے دلی چھوڑی تھی اور بنگالے میں وہ کئی صوبہ داروں کا ملازم رہا۔ اس لیے ۱۷۴۷ء کے لگ بھگ ولادت ہونا زیادہ قرین قیاس ہے۔ افسوس نے سالار جنگ کی سرکار میں دس گیارہ سال ملازمت کی۔ (۱۱۹۹ھ ۱۷۸۵ء) میں علٰحدگی اختیار کی۔ ابتدائی ملازمت کے وقت اس کا آغاز شباب تھا۔ یعنی ۱۷۷۵ء میں۔ حسن نے اپنے تذکرے میں (جو ۱۷۷۷ء میں بکمل ہو چکا تھا) افسوس کو جوان اور جوان رنگین کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ تذکرہ ۱۷۷۱ء کے قریب لکھا جانا شروع ہوا تھا، حسن نے اسے ۱۷۷۱ء میں جوان لکھا ہو یا ۱۷۷۷ء میں، اس سے تیس سالہ ہونا قیاس کیا جا سکتا ہے اور اس اندازے سے ۱۷۴۱ء یا ۱۷۴۷ء سال ولادت ہوگا اور یہی قیاس صحیح نتائج اخذ کرنے میں آئندہ مدد دے گا۔ اب لطف کے بیان پر بھی نظر ڈالیے وہ جسب ذیل باتوں کی وضاحت کرتا ہے:

۱۔ بعد شہید ہونے عمدۃ الملک کے سید غلام علی خاں کو نیابت صوبہ الہ آباد کی بالذات بھی تھوڑے دنوں رہی۔ آخر فالج بیماری سے انھوں نے سیر روضہ رضوان کی کی۔ ان

کی وفات کے بعد سید مظفر علی خان خانہ نشین ہوئے اور بارہ برس بے روزگار بیٹھے رہے -

۲- آخر نواب خان عالم بقاء اللہ خان مرحوم نے لکھنؤ میں انہیں بلوایا اور سرکار وزیر الممالک نواب شجاع الدولہ مرحوم کے مشاهرہ میں تین سو روپے کا واسطے ان کے درماهه ٹھہرایا - آن ایام میں میر شیر علی افسوس کا سن گیارہ برس کا یا کچھ کم زیادہ هے - - - - یہ بھی همراہ اپنے والد ماجد کے لکھنؤ میں آئے اور طور بود و باش کے یہیں ٹھہرائے -

۳- بعد کئی برس کے حسب الامر نواب صادق علی خان کے کہ بڑے بیٹے نواب میر محمد جعفر خان صوبہ دار بنگالہ کے تھے ، سید مظفر علی خان وارد مرشد آباد ہوئے اور داروغگی توپ خانہ وغیرہ کے ساتھ مورد عنایت و امداد ہوئے -

۴- غرض جب نواب شجاع الدولہ بہادر معہ صوبہ دار بنگالہ صاحبان عالی شان سے معرکہ آرا هیں تو سید مظفر علی خان همراہ رکاب کے تھے -

۵- بعد میر محمد جعفر خان کی وفات کے روزگار نواب سیف الدولہ کا انہوں نے نہیں کیا بلکہ لکھنؤ چلے آئے -

۶- اور بعد کئی برس کے حیدر آباد کی طرف گئے ، وهیں وصال ان کا هوا -

۷- اس ایام میں میر شیر علی افسوس کا سن آنیس برس کا تھا -

۸- ابتدا میں یہ سر رشتہ روزگار کا نواب سالار جنگ مرحوم کے ملازموں میں رکھتے تھے اور میرزا نوازش علی خان جو نواب مذکور کے بڑے بیٹے هیں ، گیارہ برس آن کے مصاحب رہے -

لطف کے بیان کے چند حصے افسوس کے بیان سے ٹکراتے ہیں، مثلاً :

(الف) سید غلام علی خاں کی وفات کے بعد (۱۷۴۷ء) علی مظفر خاں کا بارہ سال خانہ نشین رہنا۔

(ب) دلی سے لکھنؤ جانا اور نواب شجاع الدولہ کی سرکار میں تین سو روپیہ مشاہرا پر ملازم ہونا۔

(ج) افسوس کا اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ آنا اور لکھنؤ آتے وقت اس کی عمر گیارہ سال ہونا اور وہیں رہ پڑنا۔

(د) کئی برس بعد نواب صادق علی خاں خلف میر محمد جعفر خاں کے بلانے پر علی مظفر خاں کا مرشد آباد پہنچنا اور داروغگی توپ خانے کے عہدے پر سرفراز ہونا۔

(ہ) میر محمد جعفر خاں کی وفات (فروری ۱۷۶۵ء) کے بعد سیف الدولہ کی ملازمت نہ کرنا اور لکھنؤ چلے آنا۔

(و) کئی برس بعد (۱۷۶۵ء) حیدر آباد کی طرف جانا اور وہیں مر جانا۔

(ز) بکسر وغیرہ کی لڑائیوں (مابین ۱۷۶۴ و ۱۷۶۵ء) میں نواب شجاع الدولہ وغیرہ کے ساتھ لڑنا۔

(ح) علی مظفر خاں کے بہار سے آنے کے وقت افسوس کی عمر انیس سال ہونا۔

لطف کے بیان کے یہ اجزا باہم مربوط نہیں۔ مثلاً سید غلام علی خاں کی موت اگر ۱۷۴۷ء میں (جو محمد شاہ کے آخری اور احمد شاہ کے ابتدائی عہد پر مشتمل ہے) مان لیں اور علی مظفر خاں کی خانہ نشینی (دھلی) بارہ سال آخر ۱۷۴۷ء سے ۱۷۵۸ء تک مان لیں اور دھلی سے سفر کا سال بھی آخر ۱۷۵۸ء تسلیم کر لیں تو گیارہ سالہ عمر کے لحاظ سے افسوس کی ولادت کا

سن ۱۷۴۸ء نکلتا ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ عمدۃ الملک کے قتل کے بعد سے ہم نے ۲۶ دسمبر ۱۷۴۶ء سے ۲۵ دسمبر ۱۷۵۸ء تک بارہ سال شمار کیے ہیں۔ اگر غلام علی خاں عمدۃ الملک کے قتل سے ایک سال بعد مرے ہوں تو ۱۷۴۸ء تا ۱۷۵۹ء بارہ سال ہوتے ہیں اور علی مظفر خاں لکھنو سے (آخر ۱۷۵۹ء یا آغاز ۱۷۶۰ء) شاہ عالم ثانی کے عہد حکومت میں مرشد آباد پہنچا ہوگا اور اس نظریے کے تحت افسوس کا سالِ ولادت ۱۷۴۹ یا ۱۷۵۰ء قرار پائے گا۔

لطف نے یہ بات بھی کہی ہے کہ بقاء اللہ خاں کی سفارش پر نواب شجاع الدولہ نے تین سو روپے مشاہرے پر ملازم رکھا۔ کئی برس بعد نواب صادق علی خاں خلف میر محمد جعفر خاں کے بلانے پر مرشد آباد پہنچے اور داروغہ توپ خانے کے مقرر ہوئے۔ صادق علی خاں کا انتقال ۱۳ جولائی ۱۷۶۰ء کو ہوا۔ کئی برس بعد جانے کے یہ معنی ہوں گے کہ کم سے کم دو تین سال پہلے لکھنؤ آ گئے ہوں گے اور پھر لکھنؤ سے مرشد آباد گئے ہوں۔ میر محمد جعفر خاں کی پہلی صوبہ داری کا دور ۲۵ جون ۱۷۵۷ء سے شروع ہو کر ۲۰ اکتوبر ۱۷۶۰ء تک چلتا ہے۔ علی مظفر خاں کی خانہ نشینی کی مدت بارہ سال مانتے ہوئے اور لکھنو میں قیام چند سالہ تسلیم کرتے ہوئے ۲۰ اکتوبر ۱۷۶۰ء تک ورود مرشد آباد غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ میر صادق علی کی حیات میں (قبل ۱۳ جولائی ۱۷۶۰ء) علی مظفر خاں بارہ سالہ خانہ نشینی کے بعد دھلی سے مرشد آباد براہ راست ۱۷۵۹ء میں پہنچ سکتا ہے اور اس طرح افسوس کی ولادت ۱۷۴۹ء کے آغاز میں متعین ہوتی ہے۔ لیکن یہ مفروضہ بھی لطف کے بیان ہی سے غلط ہو جاتا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ میر جعفر کی وفات (۶ فروری ۱۷۶۵ء)

کے بعد علی مظفر خاں لکھنؤ آ گئے اور اُس وقت افسوس کا سن اُنیس سال کا تھا ۔ علی مظفر خاں اگر ۱۷۶۵ء کے وسط یا آخر میں لکھنو آئے ہوں اور افسوس اُس وقت انیس سالہ ہو تو سال ولادت ۱۷۴۷ء ماننا ہوگا اور سال ولادت ۱۷۴۹ء غلط ٹھہرے گا ۔ افسوس نے مدت مدید لکھ کر بات مبہم کر دی ، لیکن لطف نے بارہ سال مدت کا تعین کرکے واقعات کو مسخ کر دیا ۔ علی مظفر خاں کا دھلی سے لکھنو پہنچنا اور وہاں سے مرشد آباد جانا ، اُس وقت صحیح ہوسکتا تھا کہ بارہ سالہ مدت کا تعین نہ ہوتا ۔ پھر لکھنو میں چند سالہ قیام بات کو اور بھی بگاڑ دیتا ھے ۔ البتہ انیس سالہ عمر کا تعین کرنے سے لطف ھمیں ولادت کے مسئلے کو حل کرنے میں حقیقت سے قریب کر دیتا ھے ۔ میر جعفر کے انتقال کے بعد افسوس کا انیس سالہ ھونا اس بات کا ثبوت ھے کہ افسوس ۱۷۴۷ء میں پیدا ھوا ھوگا اور لطف کا یہ بیان افسوس کے بیان کے خلاف بھی نہیں کہ عمدۃ الملک کے واقعے اور سلطنت کی برھمی کے بعد اُس کے چچا غلام علی خاں فوت ھوگئے اور والد مدت تک خانہ نشین رھے ۔ ”اس کے بعد میں گیارہ سالہ تھا کہ والد نے بنگالے کے صوبہ داروں کی ملازمت کر لی اور میر جعفر کے انتقال کے بعد وہ ترک ملازمت کرکے عظیم آباد سے لکھنو آ گئے ۔ میں اُن سے دو سال پہلے لکھنؤ آ چکا تھا“۔

لطف کے بیان کا یہ حصہ کہ افسوس اُنیس سالہ تھا ، مسئلے کے اختلافات کو دور کر دیتا ھے اور یہ بات طے ھو جاتی ھے کہ جو ۱۷۶۵ء میں اُنیس سالہ ھو ، اُس کی ولادت ۱۷۴۷ء میں ھوئی ھوگی ۔ اگر میر جعفر کی وفات کے فوراً بعد علی مظفر خاں کی آمد لکھنؤ میں مان لیں تو سالِ ولادت ۱۷۴۶ء قرار پائے گا اور ۲۵ جون ۱۷۵۷ء (جو میر محمد جعفر خاں کی صوبہ داری کا

زمانۂ آغاز ہے) کے بعد علی مظفر خاں دھلی سے بنگالے روانہ ہوئے ہوں گے ، تب میر صادق علی خاں کی ملازمت میں داخل ہوئے ہوں گے ۔ اب ایک حد تک لطف کا بیان افسوس کی تائید میں آ جاتا ہے ، لیکن لطف نے ۱۸۰۱ء میں ''گلشن ہند'' کی تالیف کے وقت افسوس کو جوان لکھا ہے ۔ ہوسکتا ہے کہ لطف نے ۱۲۱۵ھ مطابق اکتوبر ۱۸۰۰ء اور ۱۳ مئی ۱۸۰۱ء کے درمیان حال لکھا ہو۔ مگر اس صورت میں بھی افسوس کی عمر ۵۴ سال سے کم نہیں رہتی اور چوّن سالہ آدمی کو جوان کہنا پہلی مثال ہے ۔ میر نے سودا کا ذکر ۴۷ ، ۴۸ سال کی عمر میں جوان کی حیثیت سے کیا ہے مگر ۵۴ سالہ کو جوان کہنا لطف کی جدت ہے ۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ حالات کے بیانات میں اُس نے احتیاط سے کام نہیں لیا ۔

اسی ضمن میں لطف کی بعض اور باتیں اُلجھاؤ پیدا کرتی ہیں ۔ افسوس کہتا ہے کہ میرے والد قاسم علی خاں کے توپ خانے کے داروغہ تھے ، لطف کہتا ہے کہ میر صادق علی خاں خلف میر جعفر کے توپ خانے وغیرہ کی داروغگی سے سرفراز تھے ۔ لیکن یہ اختلاف اس طرح دور ہوسکتا ہے کہ دونوں باتیں ایک حد تک صحیح ہیں ۔ میر جعفر کے اول دور صوبہ داری میں اُس کے بیٹے میر صادق علی کا انتقال ہوا اور اُس کے بعد میر قاسم علی خاں صوبہ دار ہوا ۔

لطف یہ بھی کہتا ہے کہ جب نواب شجاع الدولہ مع صوبہ دار بنگالہ انگریزوں سے معرکہ آرا تھے تو علی مظفر خاں بھی ہم راہ تھے ۔ یہاں بات اُلجھ جاتی ہے ۔ انگریزوں سے معرکہ آرا ہونے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انگریزوں کے خلاف علی مظفر خاں لڑے ، اور شجاع الدولہ اور قاسم علی خاں عالی جاہ

کے ہم راہ تھے ۔ اس بات کو بہ ظاہر ماننے میں تو کوئی ہرج نظر نہیں آتا ، چوں کہ علی مظفر خاں کی نسبت افسوس نے خود نہیں لکھا ھے کہ وہ کس کس صوبہ دار کے ملازم رہے ، لیکن معاصرین نے اُس کے والد کی نسبت صریحاً یہ لکھا ھے :

''داروغۂ توپ خانہ عالی جاہ (میر حسن ، مصحفی ، مبتلا) ''۔ اور عالی جاہ کا داروغۂ توپ خانہ گرگین خاں ارمنی تھا ۔ اس کے بعد غالباً مال کار ارمنی، علی مظفر خاں کا ذکر نہیں (دیکھیے سیرالمتاخرین جلد دوم) ۔

قاسم علی خاں عالی جاہ انگریزوں کی امداد سے بنگالے کی گدی[1] پر بیٹھا ۔ پھر محصول کے سلسلے میں کمپنی کے ملازمین سے جھگڑا ہوا اور انگریزوں نے میر جعفر کو[2] جولائی ۱۷۶۳ء میں دوبارہ مسند ریاست پر بٹھایا ۔ میر قاسم علی خاں عالی جاہ سے جنگ چھڑ گئی ۔ انگریزوں سے کئی لڑائیاں ہوئیں ۔ اب یہ پتا نہیں چلتا کہ علی مظفر خاں ان لڑائیوں میں کس فریق کے ساتھ تھے ۔ اگر علی مظفر خاں آخر تک عالی جاہ سے منسلک رہتے تو اُسی کے ساتھ بہار سے اوؔدھ آتے ، لیکن افسوس نے اتنا کہہ کر بات ختم کر دی ۔ ''میر جعفر کے واقعے تلک عظیم آباد میں تھے'' اور

۱- و میر محمد قاسم خاں روز دوشنبہ دھم ربیع الاول یک ہزار و یک صد و ہفتاد و چہار ھجری ۔ ہرسہ صوبہ را مالک گشت ۔ سیر المتاخرین جلد ۲ ، ص ۶۹۵ ۔

۲- تاریخ ہند (عہد جدید) مؤلفۂ ڈاکٹر یوسف حسین خاں مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۹۴۸ء ص ۱۱۱ سیرالمتاخرین ص ۷۳۰ ج ۲ مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ (۱۲ محرم ۱۱۷۷ھ مطابق ۲۳ جولائی ۱۷۶۵ء) ۔

لطف بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ میر جعفر کے بعد سیف‌الدولہ کی ملازمت علی مظفر خاں نے نہیں کی - ٦ فروری ١٧٦٥ء کو میر جعفر کا انتقال مرشد آباد میں ہوا اور نجم الدولہ[1] اُس کا بیٹا گدی نشین ہوا -

علی مظفر خاں کے میر جعفر خاں کی موت کے وقت عظیم آباد میں ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ میر جعفر خاں کے زمرۂ ملازمان میں تھا - جولائی ١٧٦٣ء میں عظیم آباد پر میر جعفر خاں کا قبضہ ہو چکا تھا - قاسم علی خاں سے مقابلہ یہیں بیٹھ کر کیا - اس کے بعد نند کمار کو ہم راہ رکھنے کے لیے عظیم آباد سے کلکتے روانہ ہوا، دھیرج نارائن (برادر راجہ رام نارائن غرقاب) کو نائب صوبہ عظیم آباد بنا گیا اور کلکتے سے مرشد آباد گیا اور وہیں ٦ فروری ١٧٦٥ء کو دنیا سے سدھار گیا - قاسم علی خاں دوبارہ عظیم آباد نہ لے سکا - جب خود نہ لڑ سکا تو بادشاہ اور شجاع‌الدولہ کو مدد کے لیے بلایا - شجاع‌الدولہ نے اتنا تنگ کیا کہ ٢٩ مئی ١٧٦٤ء کو فقیرانہ لباس پہن کر بیٹھ رہا اور آخر میں شجاع‌الدولہ نے زر و جواہر چھین کر حقیقی معنوں میں قاسم علی خاں کو فقیر بنا دیا - (دیکھیے سیرالمتاخرین، جلد دوم صفحات ۴۰۴ تا ۴۵۲) -

اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ علی مظفر خاں قاسم علی خاں کی ملازمت چھوڑ کر میر جعفر کے ملازم ہو چکے تھے اور یہ ملازمت عظیم آباد پر میر جعفر کے دوبارہ قبضے کے بعد

۱- نجم‌الدولہ :— بہ تاریخ بست و دوم ذی قعدہ ١١٧٩ھ ۲۰ اکتوبر ١٧٦٠ء، بہ یک ناگاہ ازیں عالم انتقال نمود - ۲ مئی ١٧٦٦ء - سیرالمتاخرین، ص ٧٧٥، جلد دوم -

جولائی ۱۷۶۳ء میں چھوڑی ہوگی ۔ اس صورت میں افسوس اور لطف کے بیان مطابق ہو سکتے ہیں ۔

اب لطف کا یہ کہنا کہ ''جس وقت نواب شجاع الدولہ مع صوبہ دار بنگالہ انگریزوں سے معرکہ آرا تھے تو علی مظفر خاں ہم راہ تھے'' کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ انگریز کے مخالفوں سے لڑا ۔ ایک وقت میں دو آقاؤں کی ملازمت ناممکن ہے ، علی مظفر خاں جب کہ شجاع الدولہ کی مصالحت (اگست ۱۷۶۵ء) انگریزوں سے ہو گئی ، اس کے بعد اودھ آیا ہوگا یا اس سے پہلے (جب کہ اودھ پر انگریزی فوجیں قابض ہو چکی تھیں) اور افسوس اُس سے قریباً دو سال پہلے لکھنؤ آ چکا تھا ۔ صاحب ارباب نثر اردو کا بیان ہے کہ نواب بقاءاللہ خاں نے علی مظفر خاں کو شجاع الدولہ کی سرکار میں ملازم کرا دیا تھا ، اس کے بعد وہ لکھنؤ سے حیدر آباد چلے گئے ۔ اس بیان کی تائید میں کوئی دستاویزی شہادت پیش نہیں کی ہے ۔ اگر لطف کے بیان کی تصحیح کی کوشش کی ہو ، تو یہ بیان تسلیم نہیں کیا جا سکتا ۔ وہ تو بنگالے جانے سے پہلے اس ملازمت کا ذکر کرتا ہے ۔

اب ہم پھر ولادت کے اصل مسئلے پر آ جاتے ہیں ۔ جیسا کہ دلائل سے ثابت کیا جا چکا ہے ، افسوس کی ولادت آغاز ۱۷۴۷ء قرار پاتی ہے ، مگر افسوس کے سوانح نگار اُس کے خلاف لکھتے ہیں ۔ مثلاً صاحب ارباب نثر اور کا یہ بیان ہے کہ :

> ''اُن کا سن ولادت معلوم نہیں مگر اُن کی پیدائش ۱۷۳۵ء سے دو تین سال قبل ہوئی ہوگی'' ۔ (ص ۸۲ ارباب نثر اُردو ۔ مؤلفہ سید محمد ، مطبوعہ ۱۹۲۷ء) ۔

کسی طرح درست نہیں ، ثبوت میں وہ افسوس کا اپنا بیان نقل نہیں کرتے بلکہ اپنی یہ دلیل پیش کرتے ہیں ۔ کیوں کہ

خود افسوس نے لکھا ہے کہ : نواب عمدۃالملک کی وفات کے تین چار سال بعد جب آن کے والد تلاش معاش میں نکلے تو آس وقت آن کی عمر گیارہ برس کی تھی ۔ عمدۃالملک نے ۱۷۴۶ء میں انتقال کیا اور اس لحاظ سے افسوس کی ولادت ۱۷۳۵ء سے قبل کی ہونی چاہیے ؟

افسوس کا بیان جو باغ اردو کے دیباچے میں ہے ، تفصیلی بیان ہے ۔ مثنوی میر حسن کے مقدمے میں بھی کچھ حالات لکھے ہیں ۔ آرایش محفل سے بھی بعض باتیں واضح ہوتی ہیں ۔ افسوس کے دیوان کا دیباچہ پیش نہیں کیا گیا ہے اس لیے اس بیان کو موجودہ حالات میں تسلیم نہیں کیا جاتا ۔

افسوس نے سالار جنگ کی سرکار میں اپنی ملازمت ۱۱۹۹ھ میں گیارہ سال بتائی ہے ۔ حسن نے ۱۱۹۱ھ سے قبل آسے جوانِ رنگین کے الفاظ سے یاد کیا ہے ۔ تذکرۂ ہندی میں مصحفی نے افسوس کو جوان لکھا ہے ۔ اگرچہ مصحفی کے اس تذکرے کا آغاز ۱۲۰۰ھ میں ہوا لیکن اختتام ۱۲۰۹ھ میں ہوا اور تمام تذکروں کی تالیف کا سن ، عموماً سنِ اختتام کو قرار دیتے ہیں ۔ اگر صاحب ''ارباب نثر اردو'' کا بیان ۱۷۳۵ء کی ولادت کا مان لیا جائے تو مصحفی نے ۱۲۰۹ھ (مطابق ۱۷۹۴ء) میں آس کا ذکر جوان کی حیثیت سے کیوں کیا ، حالاں کہ آس کی عمر ساٹھ سال تھی اور ۱۷۳۵ء سے دو تین سال پہلے ولادت کے معنی یہ ہیں کہ ۶۲ یا ۶۳ سال کی عمر میں بھی افسوس جوان تھا ۔ یا یہ مان لیا جائے کہ ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۷۸۶ء میں مصحفی نے آس کی ۵۲ سال کی عمر ہوتے ہوئے بھی جوان تصور کیا ۔ پھر لطف کا بیان کہ ۱۸۰۰ء یا ۱۸۰۱ء میں افسوس جوان تھا ، حقیقت سے اور بھی دور کر دے گا ؛ اس لیے یہ بیان قطعاً تسلیم کرنے کے قابل نہیں ۔

صاحب ''ارباب نثر اردو'' کا انحصار فہرست نگار (بلوم ہارٹ) مخطوطات برٹش میوزیم لائبریری کی تحقیقات پر ھے ، جس کا بیان ھے کہ نواب عمدۃالملک کی وفات سے (۱۷۴۶ء) کچھ سال بعد جب کہ افسوس کی عمر گیارہ سال تھی ، اُس کا باپ پٹنے چلا گیا اور نواب میر قاسم علی خاں کے توپ خانے میں داروغے کی حیثیت سے ملازم ھوا اور اس کے بعد نواب جعفر علی خاں کے ماتحت ملازمت کی اور پھر وہ لکھنؤ آیا ۔ لیکن بلوم ہارٹ نے افسوس کا سنِ ولادت متعین نہیں کیا ۔ اس طرح ایسی تمام رائیں نہیں مانی جا سکتیں اور سالِ ولادت ۱۷۴۷ء قرار پاتا ھے ۔

مولد :

افسوس نے شاہ جہاں آباد یا نئی دلی (سابقہ) کو اپنا مولد بتایا ھے ۔

تعلیم :

رسمی تعلیم افسوس کے مکان پر شروع ھوئی ھو گی ، جیسا کہ شرفا کا دستور تھا اُن کے مکان پر معلم آ کر درس دیتا ۔ علی مظفر خاں انقلاب سلطنت سے متاثر تو ھوئے لیکن اپنے بچے کو تعلیم حسب حیثیت گھر ھی پر دلائی ۔ افسوس کا اپنا بیان ھے کہ وہ گیارہ سالہ تھے کہ اُن کے والد بنگالے روانہ ھوئے اور اُس وقت وہ گلستان پڑھتے تھے اور شعر بھی کہنے لگے تھے ۔

افسوس کا گیارہ سال کی عمر میں ''گلستان'' پڑھنا اور شعر کہنا ظاھر کرتا ھے کہ اُسے تحصیل علم سے دل چسپی نہ تھی اور سلطنت کی برھمی سے عوام اور خواص دونوں متاثر تھے ۔ علم اور ادب سے توجہ ھٹتی جا رھی تھی اور شعر و سخن سے دل چسپی بڑھ رھی تھی ۔ گیارہ سالہ بچہ مشقِ سخن کر رھا تھا ، اب سے اسّی (۸۰) سال پہلے گلستان تیسری جماعت کے نصاب میں داخل تھی ۔

علی مظفر خاں کی خانہ نشینی سے افسوس نے فائدہ اُٹھایا اور پڑھائی کی طرف خاص توجہ نہ کی ۔ جون ۱۷۵۷ء میں میر محمد جعفر خاں بنگالے کا صوبہ دار ہوا اور کسی شناسا کی سفارش پر علی مظفر خاں کو بھی بنگال جانے کی دعوت ملی ۔ یہ تو مدت سے بے کار ہی تھے ، ترک وطن کی ٹھانی ۔ متعلقین کو دہلی میں کس پر چھوڑتے ، ابدالی کے حملۂ دہلی سے متاثر ہو کر ہزاروں آدمی وطن کو خیر باد کہہ چکے تھے ؛ یہ بھی غالباً آخر ۱۷۵۷ء میں مع متعلقین پیارے وطن کو الوداع کہنے پر مجبور ہو گئے ۔ یہ قافلہ اوَدھ اور الہ آباد سے ہوکر مرشد آباد پہنچا ۔ الہ آباد کا افسوس کے بیان سے پتا چلتا ہے ۔ الہ آباد کے ذیل میں افسوس لکھتا ہے :

> "شاہ غلام قطب الدین ۔ ۔ ۔ ۔ جن دنوں شاہ عالم بادشاہ شہر مذکور میں رونق افزا تھا ، ان ہی دنوں حج کو گیا ۔ آخر اماکن مشرّفہ کے اہل قبور سے سن گیارہ سَے ستاسی ہجری میں واصل ہوا ۔ فقیر نے بھی صغرسن میں اس بزرگ کو دیکھا ہے ، فی الواقع کہ جمیع صفات سے متصف تھا ۔ ۔ ۔ ۔ شاہ اجمل ۔ ۔ ۔ ۔ مؤلف کو اس سراپا امتیاز کی خدمت میں ایام طفلی سے نیازِ دلی و رسوخِ قلبی ہے"۔

(آرائش محفل ، ص ۹۳ ، نسخۂ انجمن)

صغرسنی کا لفظ گیارہ سالہ کی عمر والے کے لیے صحیح ہے ۔ عمدۃ الملک کے صوبہ داری کے زمانے میں علی مظفر خاں آس کے ہمراہ ۱۷۴۰ء سے ۱۷۴۳ء تک ضرور رہے ، لیکن میری نظر میں افسوس کی ولادت اس کے بعد ہوئی اور اس لیے اس عہد میں شاہ اجمل یا غلام قطب الدین مصیب (متوفی ۱۱۸۷ھ) سے ملاقات

کا امکان نہیں ۔ شاہ اجمل کی ولادت ۱۱۶۰ھ مطابق ۱۷۴۷ء میں ہوئی اور افسوس کے ایام طفلی سے تعلقات کے معنی یہی ہیں کہ دونوں ہم عمر تھے۔ شاہ اجمل کی تاریخ ولادت لفظ ''خورشیدم'' سے ۱۱۶۰ھ مطابق ۱۷۴۷ء برآمد ہوتی ہے ۔ اسی لیے الہ آباد میں مصیب اور اجمل سے ملاقات ۱۱۷۱ھ مطابق ۱۷۵۷ء میں ہوئی ۔ واپسی میں افسوس کی ملاقات ۱۱۷۷ھ مطابق ۱۷۶۳ء میں ہو سکتی تھی ، مگر اس وقت وہ سترہ سالہ تھا اور یہ عمر صغرسنی کی نہ تھی ۔ غرض مرشدآباد پہنچ کر علی مظفر خاں میر محمد جعفر خاں کے توپ خانے میں کسی عہدے پر مامور ہوا ۔

لطف کا بیان قیام اوّدھ کے بارے میں اختلاف کی وجہ سے تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور افسوس کا قیام لکھنؤ میں بنگالے جانے سے پہلے بھی قابلِ تسلیم نہیں ۔ مرشد آباد میں افسوس کو اپنی تعلیم مکمل کرنے کا موقع نہ ملا اور وہ لہو و لعب میں وقت ضائع کرتا رہا ۔ ۱۳ جولائی ۱۷۶۰ء کو میر صادق علی عرف میرن (میر جعفر کا بڑا بیٹا) پر بجلی گری اور وہ ختم ہو گیا ۔ میر جعفر پر اس سانحے کا بہت اثر ہوا ۔ ادھر کمپنی نے اُسے اتنا تنگ کیا کہ اُس نے کمپنی کے مطالبات کے ماننے سے انکار کردیا ۔ میرقاسم علی خاں جو میرجعفر کا داماد تھا ، کمپنی کے پھندے میں آ گیا اور ۲۰ اکتوبر ۱۷۶۰ء کو کمپنی نے اُسے بنگالے کا صوبہ‌دار بنا دیا ۔ علی مظفر خاں کی ملازمت قائم رہی اور اب میر جعفر کی جگہ میر قاسم علی خاں کے ملازمان کے زمرے میں داخل ہوگیا ۔ ڈاکٹر یوسف حسین خاں (مؤلف تاریخ ہند عہد جدید مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۹۴۸ء ، ص ۱۰۸ تا ۱۱۱) کا بیان ہے کہ میر قاسم منتظم شخص تھا ۔ وہ انگریزوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کر نہیں رہنا چاہتا تھا ۔ تجارتی محصولات کے تعین کے متعلق اَن بن ہو گئی ۔ ۱۷۶۳ء میں تنگ آ کر اُس نے تجارتی

محصول ملکی اور غیر ملکی تاجروں کا معاف کر دیا ۔ اس پر انگریزوں نے پٹنے پر قبضہ کر لیا ، قاسم علی خاں کی فوج نے پٹنہ انگریزوں سے چھین لیا ، انگریز تو بہانہ چاہتے تھے اس لیے جولائی ۱۷۶۳ء میں دوبارہ میر جعفر کو صوبہ دار بنگلہ وغیرہ بنایا گیا ۔ علی مظفر خاں نے اب میر قاسم علی خاں کے ساتھ رہنے میں مصلحت نہ سمجھی ہوگی ، اس لیے جب دوبارہ انگریزی فوج نے عظیم آباد پر قبضہ کیا تو ان کی ہمدردیاں میر جعفر سے ہو گئیں اور یہ میر جعفر سے منسلک ہو گئے ۔ ٦ فروری ۱۷۶۵ء کو میر جعفر کا انتقال ہو گیا اور نجم الدولہ اس کا بڑا بیٹا گدی نشین ہوا ۔

افسوس کو علی مظفر خاں نے ۱۷۶۳ء میں روزانہ کی لڑائیوں سے تنگ آ کر اودھ کو محفوظ جگہ سمجھ کر روانہ کردیا ، جب کہ میر قاسم علی خاں خود بھی اپنے متعلقین کو رھتاس کے قلعے بھیج چکا تھا ۔ افسوس کے لکھنؤ آنے کے معنی یہی لیے جائیں گے کہ وہ بہار سے لکھنؤ آیا ۔ ابدالی نے آغاز ۱۷۶۱ء میں دلّی کو دوبارہ لُوٹا تھا اور ہزاروں خاندان وطنِ عزیز کو خیر باد کہہ گئے تھے ۔ ایسی صورت میں دھلی میں قیام کا تصور ممکن نہیں اور اگر لطف کا یہ بیان مان لیں کہ دھلی سے افسوس لکھنؤ آ کر مقیم ہوگیا تھا تو یہ بات بھی غلط ہوگی ۔ افسوس اور لطف ایک ھی بات کہتے ھیں کہ وہ اپنے والد کے لکھنؤ آنے سے دو سال پہلے یہاں آ چکا تھا ۔ اس طرح آخر ۱۷۶۳ء میں افسوس کا لکھنؤ میں آنا اور قیام کرنا ثابت ہوتا ہے ۔ لکھنؤ کے قیام کے زمانے میں اسے فرصت تو حاصل تھی مگر توجہ علم کی تحصیل کی طرف نہ تھی ، لیکن آھستہ آھستہ اسے پڑھنے کا شوق ھوا اور شاعری کے ساتھ ساتھ تعلیم بھی جاری رکھی ۔ علی مظفر خاں آخر ۱۷۶۵ء

میں عظیم آباد سے لکھنؤ آ گئے اور پھر فیض آباد میں سکونت اختیار کی ۔ صاحب ''اربابِ نثر اُردو'' کا بیان ہے کہ نواب بقاء اللہ خاں کی سفارش سے شجاع الدولہ کی سرکار میں تین سو روپیہ مشاہرہ مقرر ہو گیا ، اس روایت کا ماخذ افسوس کے بیان کو قرار دیا گیا ہے لیکن یہ مکمل بیان نقل نہیں کیا گیا اس لیے تسلیم نہیں کیا جا سکتا ۔ اگر علی مظفر خاں کو تین سو روپے اودھ میں ملنے لگے تھے تو پھر کیوں حیدر آباد دکن کے سفر کا ارادہ کیا ؟ شجاع الدولہ اپنے دشمن کے ملازم کو اپنی ملازمت کی اجازت کس طرح دیتا ۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اودھ میں جب اس کی بات نہ پوچھی گئی تو کچھ مدت بعد وہ حیدر آباد دکن چلا گیا اور وہیں رحلت کر گیا ۔ افسوس نے علم مجلسی میں اتنی مہارت پیدا کرلی تھی کہ نواب سالار جنگ نے اپنے بڑے بیٹے مرزا نوازش علی خاں کی مصاحبت پر افسوس کو مامور کر دیا ۔

سالار جنگ سے توسل (۱۷۷۴ء تا ۱۷۸۵ء) :

افسوس کا تعلق سالار جنگ سے ۱۷۷۴ء میں ہوا اور دس گیارہ سال نوازش علی خاں سے مصاحبت رہی اور غالباً ۱۷۸۵ء میں یہ سلسلہ ختم ہو گیا ۔ (بہ وجہ ملازمت جہاں دار شاہ)

عربی تعلیم :

نوازش علی خاں کی مصاحبت کا زمانہ فرصت کا تھا ۔ شاعری کے علاوہ اور کوئی شغل نہ تھا ۔ افسوس کو اسی زمانے میں عربی کی تحصیل کا شوق ہوا ، چناں چہ خود لکھتے ہیں :

> ''ابتدائے جوانی سے سرکار میں نواب سالار جنگ بہادر مرحوم کے پرورش پائی ، بلکہ جب تک مرشد زادۂ

آفاق صاحب عالم جہاں دار شاہ جنت آرام گاہ رونق افزا لکھنؤ کے رہے ، اسی سرکار میں بہ عہدۂ مصاحبت سرفراز تھا۔ اُن دنوں بھی فکرِ سخن تھی لیکن تحصیل عربیہ میں نہایت مصروف تھا''۔ (دیباچہ ''باغ اردو'' از نسخۂ قلمی) منقول از ''عصر جدید'' میرٹھ ، نومبر ۱۹۰۸ء جلد ٦ ، نمبر ۱۱)

اس بیان سے یہ بھی ثابت ہے کہ کتب درسیہ عربی کی تحصیل انتہائی شوق سے کی ۔ لطف کے بیان سے بھی وضاحت ہوتی ہے :

''منطق و معانی کے بیان میں صاحبِ استعداد ہیں''۔ (گلشن ہند صفحہ ۴۹ طبع ، اول)۔

شاعری کا عروج :

یہی زمانہ شاعری کے عروج کا بھی تھا ، چناں چہ افسوس خود لکھتا ہے :

''راقم کو اُس (حسن) سے دلی دوستی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ دس برس تک دن رات ایک جگہ رہے ، بلکہ اکثر آپس میں ہم طرح غزلیں ہوئیں اور صحبتیں شعر کی رہیں ، لیکن نہ بہ طور استفادہ کے جیسا کہ نواب علی ابراہیم خان مغفور نے بے تحقیق اپنے تذکرے میں لکھا ہے ۔ صاف اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میں نے مشورہ سخن کا اُس مرحوم سے بھی کیا ہے ۔ اگر یہ بات حقیقت میں ہوتی تو کچھ عیب نہ تھا ۔ ہر گاہ فقیر میر حیدر علی حیران کی شاگردی کا مقرّ ہے ، باوجود اس کے کہ شاعری اُن کی میر حسن سے زیادہ نہ تھی ، پھر کس لیے

اس بات کا انکار کرتا‘‘۔ (دیباچہ افسوس ، مثنویات حسن مطبع نول کشور لکھنو، ۱۹۴۵ء) ۔

افسوس نے حسن کی شاگردی سے انکار کیا ہے اور حیدر علی حیران دھلوی کا اقرار ، لیکن سوز کی شاگردی کے متعلق خاموش ہے ۔ میر حسن کے بیان سے سوز کی شاگردی ثابت ہے ، ملاحظہ ہو :

’’از شاگردان میر حیدر علی حیران ۔ ۔ ۔ ۔ چندے از میر سوز نیز فائدہ برداشت‘‘۔ (تذکرہ میر حسن ، طبع دوم صفحہ ۲۱) ۔

افسوس نے میر حسن کی شاگردی سے انکار کیا ہے لیکن حسن کے بیان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ افسوس نے اس سے مشورہ ضرور کیا ہے ، وہ کہتا ہے :

’’فقیر سے ہم نشینی صحبت شعرا کے باعث اکثر ملاقات ہوتی ہے ۔ میں جو بات کہتا ہوں ، منصفی کی رو سے وہ اسے صحیح جانتا ہے ؛ ابتدائی کلام کو ضائع کر دیا ، اب شستہ اور سلیس کہتا ہے‘‘۔ (تذکرہ میر حسن ، طبع دوم ، صفحہ ۲۱) ۔

ہر بات کے تسلیم کرنے سے مراد یہ بھی ہوگی کہ وہ اپنی غزلیں سناتا اور حسن جو مشورہ دیتا ، افسوس اسے مان لیتا تھا ۔ آخر اس کی شہرت اتنی بڑھ گئی کہ جہاں دار شاہ جو ان دنوں لکھنو میں مقیم تھا ، افسوس کے کلام کا شائق ہوگیا ، بلایا اور اپنی سرکار سے منسلک کر لیا ۔ سالار جنگ کی ملازمت کا سلسلہ ختم ہوگیا ۔ اس وقت افسوس کا دیوان مرتب ہو چکا تھا ، جیسا کہ باغ اردو کے دیباچے میں بیان کرتا ہے :

’’چناں چہ کلام اس ہیچ مدان کا مرشد زادۂ آفاق کو

نہایت پسند آیا اور خواصانِ حضور میں بہ عہدۂ شاعری سرفراز فرمایا ۔ بہ سبب آن کی قدردانی کے پھر بسا اوقات بندہ فکرِ سخن ھی میں رھتا تھا ، غرض جب انھوں نے رحلت فرمائی ، تب میں نے شعر و سخن ترک کیا ، بلکہ مشاعرے کی صحبت میں بھی جانا چھوڑ دیا"۔

اس بیان سے یہ واضح ہو جاتا ھے کہ افسوس کی شاعری کا عروجی دور ۱۷۷۳ء سے شروع ہوتا ھے اور ۱۷۸۸ء میں جہاں دار شاہ کے مرنے کے بعد ختم ہو جاتا ھے اور پھر افسوس کو شاعری سے قطعاً دل چسپی نہیں رھی ، یہاں تک کہ مشاعروں کی شرکت بھی اس نے چھوڑ دی ۔ یعنی بیالیس سال کی عمر میں وہ شاعری ترک کر چکا تھا ۔

تحصیل طب :

جہاں دار شاہ کی موت نے افسوس کی روزی کا سلسلہ ختم کر دیا ۔ آخر ھاتھ پاؤں مارے تو سرفراز الدولہ حسن رضا خاں کے یہاں سے کچھ ملنے لگا ، خدمت کوئی نہ لی جاتی تھی ۔ اس زمانے میں درس تدریس کا مشغلہ رھا ، چناں چہ افسوس کا اپنا بیان ھے ۔

"درس تدریس سے سروکار تھا اور سب کاموں سے بے کار ۔ خرچ روزمرہ نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں بہادر کی بہ دولت جو کچھ کہ مقدور تھا ، پہنچے جاتا تھا اور تکلیف نوکری کی کچھ نہ تھی"۔

افسوس کی گزر بسر تو حسن رضا خاں کی امداد سے ہو جاتی تھی ، پھر پڑھنے پڑھانے کا شغل تفریحاً ہوگا نہ کہ ضرورۃً ۔

حکیم احمد علی خاں یکتا صاحب ''دستور الفصاحت'' صفحہ ۱۰۱ یہ کہتے ہیں کہ :

> ''افسوس سے میری گہری دوستی تھی اور علم طب ہم دونوں نے حکیم آغا محمد باقر مغفور سے پڑھا تھا اور ایک مدت تک ہم سبق رہے تھے''۔

میری نظر میں احد علی خاں یکتا سے افسوس بہت بڑے تھے اور ۱۸۰۰ء میں افسوس لکھنؤ چھوڑ چکے تھے۔ افسوس کا انتقال ۱۸۰۹ میں ہوا۔ علم طب کی تحصیل بے کاری کے دنوں میں کی ہوگی ورنہ سالار جنگ اور جہاں دار شاہ کی ملازمت کے دوران میں حکیم سے طب پڑھنا اور مطب میں بیٹھ کر نسخہ نویسی کرنا ممکن نہ تھا، ۱۷۸۸ء اور ۱۸۰۰ء کے درمیان انھوں نے علم طب کی تحصیل کی اور اسی بنا پر افسوس نے اس وقت کو درس و تدریس میں گزارنے کا حوالہ دیا۔ لطف نے اسی بنا پر لکھا ہے :

> ''کلیات اور معالجات فن طب کے بھی بہ خوبی یاد ہیں''
> (گلشن ہند، طبع اول، صفحہ ۳۹)۔

سفر بنارس :

۱۷۶۳ء سے ۱۷۸۵ء تک افسوس کا قیام فیض آباد اور لکھنؤ میں رہا، لیکن ۱۷۸۶ء میں جہاں دار شاہ کی ملازمت کی وجہ سے افسوس کو شاہ زادے کے ہم راہ بنارس جانا پڑا۔ صاحب ''تاریخ اودھ'' عشرۂ دوم ذی حجہ ۱۲۰۰ھ (اکتوبر ۱۷۸۶ء) میں بنارس کا سفر کرنا لکھتے ہیں۔ افسوس شاہ زادہ جہاں دار شاہ کے ساتھ بنارس پہنچا، اسی کے کچھ دنوں بعد کارنوالس دورے پر روانہ ہوا اور بنارس آیا تو جہاں دار شاہ بھی ملا اور گورنر جنرل سے خواہش ظاہر کی کہ اضلاع کوڑہ اور الہ آباد اسے

مصارف کے لیے دلائے جائیں ۔ کارنوالس نے اطمینان دلایا کہ وہ آصف‌الدولہ سے اس بارے میں کہے گا ۔ گورنر جنرل لکھنؤ روانہ ھوا ۔ شاہ زادہ بھی پیچھے پیچھے چلا ۔ جب لکھنؤ پہنچے کارنوالس نے آصف‌الدولہ سے شاہ زادے کا ایما ظاھر کیا ۔ آصف‌الدولہ نے انکار کر دیا ۔ فیض آباد روانہ ھوا تو چلتے وقت شاہ زادے سے رخصت نہیں ھوا ۔ شاہ زادہ مجبور ھو کر آگرے گیا ۔ شاہ عالم ثانی نے دلی بلایا ، شاہ زادہ باپ سے مل کر پھر آگرہ آیا ۔ (۱۱ فروری ۱۷۸۷ء) لیکن یہاں مالی مشکلات حل نہ ھو سکیں ۔ آخر فرخ آباد کے راستے ۱۵ رجب ۱۲۰۱ھ (۳ مئی ۱۷۸۷ء) کو لکھنؤ آیا اور یہاں سے بنارس روانہ ھو گیا ۔ اس عرصے میں افسوس ساتھ رھا یا نہیں ؟ اس سلسلے میں افسوس کا واضح بیان نہیں ؛ البتہ لطف نے یہ صراحت کی ھے :

> ”جس ایام میں اُس نیّر اوج شہر یاری کا خیمہ مغرب کی سمت نکلا اور کوچ شاہ جہاں آباد کو ھوا ، تو میر مذکور بہ سبب بعضے بعضے عوارض کے رہ گئے اور ساتھ نہ جا سکے“۔ (گلشن ہند ، ص ۲۹)

اس بیان سے اتنا پتا چلتا ھے کہ افسوس شاہ زادے کے ساتھ بنارس گیا تھا اور جب شاہ زادہ کارنوالس کے پیچھے اضلاع کوڑہ اور الہ آباد کے متعلق بات کرنے لکھنؤ آیا تو افسوس ھم راہ تھا ۔ لیکن جب شاہ زادے نے آگرہ کی طرف رخ کیا اور وھاں سے دھلی گیا تو افسوس بہانہ کرکے رہ گیا اور شاہ زادے کے ساتھ نہ گیا ۔ مئی ۱۷۸۷ء میں جب شاہ زادہ دھلی ھو کر لکھنؤ آیا تو اس کا امکان ھے کہ شاہ زادے کے ھم راہ بنارس گیا ھو اور ۳۱ مئی ۱۷۸۷ء کو جب شاہ زادہ دنیا سے سدھار گیا تو وہ بھی لکھنؤ آگیا ھو ۔ مگر لطف کے بیان سے

شاہ زادے کے دہلی جانے کے بعد سے ہم راہی کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے ۔ افسوس صرف اتنا کہتا ہے کہ شاہ زادے کے مرنے کے بعد اُس کی شاعری ختم ہو گئی ۔

غالباً افسوس نے فنون سپہ گری میں مہارت پیدا نہ کی تھی ، واقفیت ہونا اور بات ہے ۔ اُس کے والد اور چچا نے توپ خانے کی ملازمت کو ذریعۂ معاش بنایا تھا اور افسوس نے شعر و شاعری کو، اور جب اس سے بھی طبیعت اُکتائی تو طب پڑھنا شروع کر دی اور طبابت میں کچھ نہ کچھ دست رس پیدا کی ، لیکن ایک شاعر اور ادیب سے یہ توقع رکھنا کہ وہ دکان داری کے اصولوں سے با خبر ہوگا ، غلط توقع ہے ۔

سرفرازالدولہ حسن رضا خاں کا توسل :۔

افسوس کو حسن رضا خاں نے فکر معاش سے آزاد کر دیا تھا ۔ جو کچھ مل جاتا اُسی پر گذارا کر لیتا اور درس و تدریس کو شغل بنایا ۔ صاحب ''دستور الفصاحت'' نے مرزا قمرالدین احمد خاں بہادر صولت جنگ کے بارے میں لکھا ہے : (دستور الفصاحت، ص ۱۲)

> ''مرزا قمرالدین احمد خاں، قمر تخلص، نواب سرفرازالدولہ نائب وزیر آصف الدولہ کے بھانجے اور مرزا فخرالدین احمد خاں کے بڑے بیٹے اور قتیل کے شاگرد تھے ۔ سات آٹھ سال سے اردو شاعری کا شوق پیدا ہوا ۔ انتہائی التفات سے پیش آتے ہیں ۔ بلکہ عاصی اُن ہی کے خاندان کا پروردہ اور احسان گذار ہے ۔ ۳۵ سال عمر ہوگی ۔''

قرائن ایسے ہیں کہ افسوس سرفرازالدولہ حسن رضا خاں کے خاندان میں اثر اور رسوخ رکھتا تھا ۔ آصف الدولہ کے

انتقال کے بعد حسن رضا خاں کے تعلقات انگریز افسران سے رہے لیکن مرزا فخرالدین احمد خاں عرف مرزا جعفر کا رسوخ بھی انگریز افسران متعینہ لکھنؤ سے بڑھ گیا تھا۔ حسن رضا خاں کے انتقال کے بعد افسوس کی ملازمت فخرالدین احمد خاں کے ذریعے سے ہوئی، جیسا کہ آرایش محفل کے دیباچے میں افسوس نے اپنی رسائی کمپنی کے افسران تک فخرالدین احمد خان کے ذریعے ظاہر کی ہے، ملاحظہ ہو:

"اور شکر گذاری ۔۔۔۔ فخرالدین احمد خاں عرف مرزا جعفر ۔۔۔۔ کی شب و روز کرنی شروع ہوئی کیوں کہ سرکار دولت مدار میں سبب اپنی رسائی کا وہی ہوا۔" (دیباچہ "آرایش محفل" ص ۵، نسخہ طبع ۱۹۴۵ء)۔[۳]

اس کی تائید یکتا کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

"وآخر به اعانت و سفارش خان رفیع الشان مرزا فخرالدین خاں بہادر مرحوم و مغفور در سرکار فیض مدار کمپنیٔ انگریز بہادر به صیغهٔ شاعری و اردو دانی نوکر شده۔ مدتے در کلکته مانده۔" (دستورالفصاحت ص ۱۰۱)۔

اس طرح افسوس کی پریشان حالی کا دور ختم ہوا۔ باغ اردو کے دیباچے میں افسوس نے اس طرح وضاحت کی ہے:

"ستائیسویں تاریخ روز جمعه که وهی سترھویں ماہ اکتوبر کی تھی، سن ھجری بارہ سے پندرہ تھے اور ۱۸۰۱ء (۱۸۰۰ء) که صاحب جلیل القدر کرنل اسکاٹ بہادر نے مجھے بلوا بھیجا اور کلام میرا سنا۔ پھر الطاف نوازش سے فرمایا که تو سرکار کمپنی دام دولتہم کے ملازموں

میں اسی تاریخ سے سرفراز ہوا ۔ بہ دل جمعی تمام کلکتے کو روانہ ہو کہ صاحب عالی شان دام ظلہم زبان اردو کا محاورہ اور صحت دریافت کیا چاہتے ہیں۔ بنا بر اس کے تجھے طلب کیا ہے ۔"

کمپنی کی ملازمت :

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ۱۷ اکتوبر[1] ۱۸۰۰ء کو افسوس کا تقرر فورٹ ولیم کالج میں مترجم کی حیثیت سے ہو گیا اور اسے ہدایت کی گئی کہ وہ کلکتے روانہ ہو جائے ۔ لطف نے اس واقعے کی تفصیلات اس طرح بیان کی ہیں :

"ایک مدت سے بہ توکل و قناعت ہم راہی میں نواب سرفرازالدولہ بہادر کے دن زندگی کے بسر کر رہے تھے کہ صاحب والا مناقب عالی شان بارلو صاحب نے مشورے سے عالی قدر ، سخن آفریں مسٹر گل کرسٹ صاحب ، زبان دان ریختہ لکھنؤ سے طلب کیے۔ بڑے صاحب نے لکھنؤ کے کہ نام نامی اس معدنِ رافت کا ہر (اسکاٹ ؟) صاحب ہے ۔ بہ عزت تمام ان کو بلوا کے اور مشاہرہ دو سو روپے کا ٹھہرا کے ، پانچ سو

۱- تاریخ تقرر شیر علی افسوس ۱۵ اکتوبر ۱۸۰۰ء "(گل کرسٹ اور اس کا عہد" ص ۱۹۸ ، از محمد عتیق صدیقی) اگرچہ اختلاف تاریخ تقرر میں صرف دو دن کا ہے لیکن افسوس نے جمعہ کا دن بھی لکھا ہے ۔ جو مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۸۰۰ء ہے اور اس کی تردید مشکل ہے ۔ (فائق)

روپیہ خرچ راہ دیا اور کلکتے کی طرف روانہ کیا۔''
(گلشن ہند، ص ۴۹) ۔

کلکتے کا سفر :

افسوس کس تاریخ کو لکھنؤ سے روانہ ہوئے اس کا تعین دشوار ہے؛ ہاں سفر طویل تھا اور سامان کی تیاری میں ایک دو ہفتے لگے ہوں گے ۔ نومبر ۱۸۰۰ء میں وہ لکھنؤ سے کلکتے کے سفر پر روانہ ہوئے ۔

مرشد آباد :

راستے میں مرشد آباد ٹھہرے ۔ اس کا حال لطف نے گلشن ہند (ص، ۴۹) میں ان الفاظ میں لکھا ہے :

''چناں چہ جب مرشد آباد میں یہ آئے تو وفور محبت سے اسی دن غریب خانے میں تشریف لائے ۔ کس واسطے کہ ان کے نکلنے کی تقریب سے دو مہینے آگے راقم حقیر لکھنؤ سے نکلا تھا اور وارد مرشد آباد کا تھا ۔ دیدار سے اپنے انھوں نے نہایت خوش و خرم کیا اور چلتے ہوئے وعدہ کلکتے کی سیر کا اس عاصی سے لیا ۔''

مرشد آباد میں آخر نومبر ۱۸۰۰ء میں پہنچے ہوں گے اس لیے کہ ذرائع آمدورفت دشوار تھے ۔

کلکتے میں ورود :

دسمبر ۱۸۰۰ء میں افسوس کلکتے پہنچ گئے اور فورٹ ولیم کالج میں پہنچ کر گل کرسٹ، (پرنسپل کالج) سے ملاقات کی ۔ چند دن آرام کیا ۔ اس کے بعد گل کرسٹ نے افسوس سے گلستان سعدی کے ترجمے کی فرمائش کی، کام اہم تھا اس لیے گھبرائے ۔ اردو میں علمی کتاب کا آسان اور عام فہم زبان میں ترجمہ کرنا

دشوار تھا لیکن همت سے کام لےکر قاضی همدان کی حکایت کا فارسی سے اُردو میں ترجمه کیا ۔ احباب کو دکھایا ، سب نے پسند کیا ؛ آخر مکمل کتاب کا ترجمه کر ڈالا ۔ اب روئداد افسوس کی زبانی سنیے :

''عازم اس ملک کا هوا اور آب و دانه یہاں لے آیا ۔ غرض صاحبان ذوی الاحترام کی قدر دانی جیسی سنی تھی ، اُس سے دو چند دیکھی ۔ واقعی ملک میں انھیں کے سبب اس هیچ مدان کی اس قدر عزت هوئی اور اس کے کلام نے اس قدر رونق پکڑی ، ورنه یه کس قطار میں اور اس کا کلام کس شمار میں ۔ لیکن تعلق میرا جو مدرسۂ هندی سے هوا ، بنا بر اس کے بسا اوقات خدمت میں صاحب عالی طبیعت ، والا فطنت مدرس هندی مسٹر جان گل کرسٹ کے که جامع قوانین اس زبان کے هیں ، حاضر هونے لگا ۔ ایک دن صاحب موصوف نے مہربانی سے فرمایا که گلستان سعدی شیرازی کا زبان اُردو میں ترجمه کر ۔ میں نے دھیان کیا که عبارت اس کی به ظاهر صاف و به باطن پیچ دار هے ، علاوه اس کے عبارت کا اختلاف بے شمار هے اور رتبه اپنی قوت تالیف کا اور شیخ مرحوم کی تصنیف کا جو خیال کیا تو کسی طرح کی نسبت نه پائی ۔ مصرع

چه نسبت خاک را با عالم پاک

اراده کیا که اس سے پہلوتہی کروں اور سرعجز آگے دھروں؛ پھر دل میں سوچ آیا که مبادا حاشیۂ خیال میں اُن کے گزرے که اُس نے همارا کہنا نه مانا اور اس بات کو

سہل جانا ۔ قصد کیا کہ ایک حکایت طولانی کو کہ
نظم و نثر اس میں کثرت سے ہو ، اُسے ترجمہ کروں ؛
اگر بہ‌خوبی سر انجام ہوئے اور اہل معانی کو پسند پڑے
تو فبہا ، و الاّ صاحب ممدوح سے اس امر کی معافی
چاہوں گا ۔ چناں چہ قاضی ہمدان کی حکایت کا ترجمہ
کیا اور وہ علماء ، عقلاء و شعراء کہ یہاں تھے ، اُن کے
پسند پڑا ۔ جب اس ضعیف نے کمر ہمت بہ قوت
باندھی اور سعئی بلیغ کی ، بارے فضل ایزدی اور
لطف سرمدی سے تمام کتاب زبان اُردو میں لکھی اور وہ
مقبول خاص و عام ہوئی ، نام اس کا ''باغ اُردو''
رکھا ۔''

(دیباچہ باغ اُردو ، منقول از عصر جدید)

غالباً ۱۸۰۱ء میں افسوس گلستان کے ترجمے سے فارغ
ہو چکا تھا ۔ گل کرسٹ نے اپنے ۱۲ جنوری ۱۸۰۲ء کے خط میں
''باغ اُردو'' کے چھپنے کی اطلاع دی ہے (''گل کرسٹ اور اس کا
عہد''۔ از محمد عتیق صدیقی) ۔

''باغ اُردو'' ۲۱ اپریل ۱۸۰۲ء (۱۸ ذی حجہ ۱۲۱۶ھ) کو
چھپ گئی اور افسوس کو گلستان کے ترجمے سے فراغت نصیب
ہوئی ۔ اس ترجمے سے گل کرسٹ کو افسوس کی صلاحیتوں کا
اندازہ ہو گیا اور اُس نے فورٹ ولیم کالج کے مترجموں یا مؤلفوں
کے کام کا نگران افسوس کو بنا دیا اور یہ شرط لگا دی کہ
جب تک افسوس تصحیح نہ کر دیں ، کتاب نہ چھپے اور جو
غلطیاں کتاب میں رہ جائیں گی ، اُن کا ذمہ دار مترجم یا مؤلف نہ
ہوگا بلکہ افسوس ہوگا ۔ افسوس کا بیان اس سلسلے میں ملاحظہ
ہو :

جب میں ''باغ اُردو'' کی تحریر سے فراغت پا چکا ،
صاحب مدرس ہندی مسٹر جان گل کرسٹ بہادر دام الطافہ'
نے اُس کا چھاپا شروع کرا دیا ، چناں چہ پان سو کتاب
چھپی اور دور دور تلک پہنچی ۔ بعد اس کے فرمایا :
'فی الواقع تو اس فن میں دست گاہ کامل رکھتا ھے ،
تیرے کلام کی طرز سے ہم بہت محظوظ ہوئے ، اب
جتنی کتابیں کہ لوگوں کی تالیف ھیں یا ترجمے، تو
انھیں اصلاح دے ۔ زنہار اس امر میں کسی کی خاطر نہ
کرنا ، ان کی صحت و غلطی کی پرسش تجھی سے ہوگی ،
مؤلفوں ، مترجموں سے کچھ علاقہ نہیں ، میں مجبور
تھا ، حکم اُن کا رد نہ کر سکا ، طوعاً و کرہاً اس کام
میں مشغول ھوا ۔ چناں چہ چار کتابیں تو بالکل درست
کیں ۔ تفصیل اُن کی دیباچہ رقمی میں لکھ چکا ھوں اور
ایک آدھ کے جملے ھی مربوط کر دیے ۔ بعد اُس کے
اس کام سے دست بردار بھی ھوا کہ '' نیکی برباد گنہ
لازم '' جس کا نتیجہ ھو ، وہ بے فائدہ ھے لیکن بے کار
رھنا اس ناکارے کا جو شعار نہیں ، بنابر اس کے چند
اوقات ۔ ۔ ۔ ۔ مرزا رفیع سودا کے کلیات کی صحت
میں کاٹے'' (دیباچہ آرایش محفل ، صفحہ ۳ ، طبع دھلی ،
۱۹۳۵ء) ۔

اس بیان سے یہ پتا چلتا ھے کہ ۱۸۰۲ء اور ۱۸۰۳ء کے
درمیان افسوس نے چار کتابوں کی تصحیح کی ۔ چوتھی کتاب
''نقلیات لقمان[۱]'' کی تالیف میں افسوس کا نام شریک ھے لیکن قرینہ

۱۔ ''گل کرسٹ اور اُس کا عہد'' (از محمد عتیق صدیقی) ۔

یہی ہے کہ اس کتاب کی نظر ثانی اور تصحیح کی ہوگی ۔ کتابوں کے نام ملاحظہ ہوں :۔

۱ ''بہادر دانش'' تالیف محمد اسماعیل عرف مرزا جان طپش ۔ ۱۸۰۱ء
۲ ''مذہب عشق'' تالیف نہال چند لاہوری ---- ۱۸۰۳ء
۳ ''نثر بے نظیر'' تالیف میر بہادر علی حسینی ---- ۱۸۰۳ء
۴ ''نقلیات لقمان'' تالیف تارنی چرن متر، مولوی امانت اللہ سدل مسر پنڈت میر بہادر علی حسینی، سری لال کب، غلام اشرف، شیر علی افسوس ۔ ۱۸۰۲ء

ان کتابوں کے نام بھی افسوس نے نہیں لکھے ہیں بلکہ دوسرے ذرائع سے معلوم ہوئے ہیں حالاں کہ دیباچے میں اُن کے نام لکھنے کا ذکر کیا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ جن کتابوں کی تصحیح افسوس نے کی تھی، اُن کے مؤلفوں اور مترجموں نے گل کرسٹ سے احتجاج کیا ہوگا کہ تالیفات پر افسوس کا نام لکھنے سے اُن کی ذلت ہوگی اور اُن کی بات مان لی گئی ہوگی ؛ اسی لیے افسوس نے آرایش محفل کے دیباچے میں سے بھی کتابوں کے نام نکال دیے ۔ وہ لکھتا ہے :

> صاحبانِ خرد پہ ظاہر ہووے کہ بعضے مؤلفین و مترجمین نے چھاپے کے وقت جو درخواست کی کہ نام کتب مسطورہ کے اگر دیباچے میں رہیں گے تو ہماری کسر شان ہوگی، ناگزیر اُن کے پاسِ خاطر (؟) راقم نے صفحۂ تحریر سے نکال ڈالے ۔ (دیباچہ آرایش محفل، صفحہ ۶ طبع دہلی ۱۹۴۵ء)۔

افسوس کی کارکردگی سے گل کرسٹ بہت زیادہ مطمئن تھا لیکن ۱۸۰۴ء میں گل کرسٹ ملازمت سے استعفا دے کر انگلستان چلا گیا اور مسٹر مارنگٹن کی فرمائش پر ۱۸۰۴ء میں بہ قول افسوس

''خلاصۃ التواریخ'' مؤلفہ سجان رائے بھنڈاری بٹالوی ترجمے کے لیے اُس کے سپرد کی گئی ، بلکہ صاحبان کونسل کا یہ حکم تھا ۔ یہ کتاب ۱۱۰۷ھ تک کے واقعات ہند پر محیط تھی ۔ گلستان ادبی کتاب تھی ، اس میں افسوس کو ادبی جوہر دکھانے کا موقع تھا لیکن ''خلاصۃ التواریخ'' کا ترجمہ خشک موضوع تھا اور تاریخی کتب سے باخبر ہونا ضروری تھا ، جغرافیے سے بھی گونہ ربط درکار تھا ۔ قصے کہانی میں حسب منشا واقعات میں مناسب تبدیلی کی جا سکتی ہے لیکن تاریخ کی کتاب میں رنگینی پیدا کرنا اور اصل مطلب کو چھوڑنا ممکن نہ تھا ، اس لیے آہستہ آہستہ افسوس نے کام شروع کیا اور کتاب کا ترجمہ لفظی چھوڑ کر مطالب کے اظہار پر زور دیا ، واقعات کی صحت کے لیے ''آئین اکبری'' ، ''ریاض السلاطین'' اور ''سیر المتاخرین'' سے بھی اُس نے فائدہ اُٹھایا ۔ اس طرح آرایش محفل کے ترجمے اور اضافے سے ۱۸۰۸ء میں فارغ ہوا ۔ اس سلسلے میں افسوس کا بیان ہے :

> ''خلاصۃالتواریخ'' کا ترجمہ نہیں کیا ۔ ہاں مضمون اُس کا اس زبان میں لکھا ہے اور کمی زیادتی بھی جہاں موقع دیکھا ، کی ہے لیکن صوبوں اور سرکاروں کے حالات میں اکثر اور قلعوں کے احوال میں کم تر ۔ سبب اس کا تغیر و تبدل ہے ، خواہ آبادی کی جہت سے ہو ، خواہ ویرانی و خرابی کے باعث اور بعضے شہر و قصبہ کا اُسی نہج پر رہنے دیا ، یہاں تک کہ صیغے بھی عبارت میں حال ہی کے لکھے ۔ ہر چند اس عہد میں وہ اس رنگ پر نہیں ، بلکہ کہیں سے کہیں تفاوت ہوگیا ہے ۔ مگر آمدنی ہر ایک صوبے کی جو عالم گیر کی سلطنت میں تھی ، وہی لکھی ، کیوں کہ

مطابق اس دور کے دریافت کرکے لکھنا محال تھا اور بعضے صوفیہ کی کراست و خرق عادت اور اُن کی درگاھوں کے احوال و تصرفات جو ثبت کیے ، فقط کتاب مذکور کی مطابقت کے لیے ، بلکہ اسی لحاظ سے ہنود کے فقیر اور معابد کے اوصاف و احوال کہ خلافِ عقل و عقیدہ تھے ، لکھنے میں آئے ، نہ از راہِ اعتقاد کیوں کہ اس خاکسار کا مذھب ہے :

گر دو عالم پُر از ولی باشد
پیرِ ما مرتضیٰ علیؓ باشد

آرایش محفل ۱۸۰۳ء میں لکھنی شروع کی تھی اور ۱۸۰۸ء ۱۲۲۳ھ میں چھپی۔ اس میں ۱۲۱۹ھ سے ۱۲۲۲ ھجری تک کے بعض اضافے ملتے ھیں۔ مثلاً افسوس لکھتا ھے :

"چناں چہ بالفعل کہ ۱۲۲۲ھ ھیں ، صوبۂ مذکور کا حاکم رنجیت سنگھ ھے"۔ (دیباچہ آرایش محفل صفحہ ۲۳۰ طبع دھلی ، ۱۹۳۵ء)۔

فیض آباد کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ھے :

"چناں چہ بالفعل کہ سن بارہ سو بیس ھجری ھیں اور نواب سعادت علی خاں بہادر وزیر ابن وزیر دام اقبالہ کی حکومت کا آٹھواں سال ، دونوں شہر اسی نہج پر ھیں" (آرایش محفل ، صفحہ ۱۱۰ و ۱۱۱)۔

یہ حوالہ بھی ۱۲۲۰ھ کا ھے :

"اب کہ شاہ عالم کا اڑتالیسواں سن جلوسی ھے ، راجہ رنجیت سنگھ ، سورج مل کا بیٹا اسی قوت و تسلط کے ساتھ اپنے ملکوں پر محیط ھے"۔ (آرایش محفل ، صفحہ ۹۳ طبع انجمن)۔

افسوس نے آرایش محفل پر زیادہ محنت کی اور اُس کی تالیفات میں اس کا مقام بلند ہے۔ اس کے بعد اُس نے کسی کتاب کا ترجمہ کیا ہو یا کوئی کتاب تالیف کی ہو، سوانح نگار اس سلسلے میں خاموش ہیں۔

۱۲۲۴ھ مطابق ۱۸۰۹ء میں افسوس نے اس جہانِ فانی سے عالمِ باقی کی طرف سفر کیا۔ احد علی خاں یکتا نے اُس کی وفات کا یہ تاریخی قطعہ لکھا ہے:

از جہاں رفت میر شیر علی
کرد ہر پیر و ہر جواں افسوس

بود افسوس چوں تخلصِ او
ہمہ کردند، شاعراں افسوس

گفتم از روے درد تاریخے
رفت افسوس زیں جہاں افسوس

شادی:

افسوس کی شادی کب ہوئی؟ اس کا تعین کرنا دشوار ہے، لیکن قیاساً اُس کی شادی میر علی مظفر خاں کے پٹنے سے اودھ آنے کے بعد فیض آباد میں ۱۱۸۰ھ کے بعد ہوئی ہوگی۔ افسوس کے والد اودھ کے قیام سے دل برداشتہ ہو کر تلاش معاش میں ۱۱۸۰ھ کے بعد ہی روانہ ہوئے اور اس سے پہلے ہی وہ افسوس کی شادی کی ذمہ داری سے فارغ ہو چکے ہوں گے۔ افسوس کی کتنی اولادیں ہوئیں؟ اس کا ابھی تک کوئی ثبوت نہیں ملا، البتہ ایک لڑکی کی نسل چل رہی تھی اور اس کا حوالہ سخن شعرا میں ملتا ہے۔ اُس کے داماد کا نام سید علی (طباطبائی) تھا اور نواسے کا نام محمد علی تخلص مسرور۔ ۱۲۸۰ھ میں عین شباب میں اُس کا انتقال ہوا۔ نساخ کا بیان ہے:

''مسرور تخلص ، سید محمد علی ولد سید علی طباطبائی نواسۂ میر شیر علی افسوس ، باشندۂ کلکتہ شعر عاشقانہ اچھا کہتے تھے، کلام اپنا راقم کو دکھلاتے تھے، اطراف و پنجاب و ہندوستان و رنگون وغیرہ بہت سے ملک و شہر کی سیر کی تھی ، عین شباب میں تیسویں شہر ذی الحجہ بارہ سو اسّی ہجری (۱۲۸۰ھ) کو انتقال کیا ۔''

(سخن شعرا ، ص ۴۳۲)

اس بیان کی روشنی میں کہ مسرور کا ۱۲۸۰ھ میں عین شباب میں انتقال ہوا ، اندازہ ہوتا ہے کہ ۳۵ سال سے عمر کم نہ ہوگی اور ۱۲۴۵ھ کے لگ بھگ اس کی ولادت ہوئی ہوگی ۔ افسوس کا انتقال ۱۲۲۴ھ میں ہوا اس لیے مسرور کی والدہ افسوس کی چھوٹی اولاد ہوگی اور افسوس نے اپنی لڑکی کی شادی کلکتے میں سید علی طباطبائی سے کی ۔

افسوس کی بیوی کب تک زندہ رہی اور کہاں رہی ؟ اس کا بھی حال معلوم نہ ہو سکا۔

شاگرد :

حیف تخلص اور میر چراغ علی نام کا ذکر آرایش محفل میں افسوس نے بنارس کے قیام کے سلسلے میں کیا ہے کہ وہ ایک باغ میں ساون کے دنوں میں بیٹھے تھے اور وہاں مندر سے نکلتی ہوئی ہندو عورتیں دیکھیں ، جن میں ایک کھترانی نہایت حسین و جمیل تھی اور دونوں اس کے حسن سے متاثر ہوئے ، وغیرہ وغیرہ ۔

مصحفی نے تذکرہ ہندی (ص ، ۸۲) میں حیف کو افسوس کا شاگرد لکھا ہے :

''میر چراغ علی حیف شاگرد میر شیر علی افسوس جوان خوش خلق و با تواضع است ۔''

سرور (عمدۂ منتخبہ ، ص ۲۳۴) لکھتے ہیں :

"حیف تخلص سید چراغ علی از سکنائے لکھنؤ شاگرد میر شیر علی افسوس از احوالش کما حقہ آگاہی نیست"۔

مجموعہ نغز (جلد اول ، ص ۲۲۹) میں قاسم بھی اسی قدر ھی لکھتے ہیں کہ لکھنؤ کا رہنے والا اور افسوس کا شاگرد ہے۔

یہ اس کے اشعار ہیں :

یہ دل فراق کے صدموں سے آہ مر نہ گیا
ترے مریض کا اے جان دردِ سر نہ گیا

ملنے بھی نہ پائے اس جواں سے
حسرت زدہ ہم چلے جہاں سے

جہاں دار شاہ :

میرزا جواں بخت خلف شاہ عالم ۱۱۹۸ھ میں دھلی کے قلعے سے چھپ کر نکلے اور اودھ پہنچے ۔ ھسٹنگز نام نہاد شاہ پر اثر قائم رکھنا چاھتا تھا ، ادھر شاہ عالم بھی مرھٹوں سے بیزار تھا ۔ اسی سلسلے میں جہاں دار شاہ بھی دھلی سے چلا کہ انگریزوں کی حمایت سے فائدہ اٹھایا جائے ۔ اودھ میں نواب آصف الدولہ نے اس کا شایانِ شان استقبال کیا ، اس کے مصارف اودھ کے خزانے سے ادا ہونے لگے۔ شعر و سخن سے بھی شہزادے کو دل چسپی تھی۔ شیر علی افسوس کو بلایا گیا ، کلام سنا اور پسند کر کے شاہ زادے نے اسے اپنے درباری شعراء میں منسلک کر لیا ۔ ۱۱۹۹ھ میں جب وہ بنارس گیا تو افسوس کو بھی ساتھ لے گیا ۔ تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ شاہ زادہ شعر بھی کہتا تھا ۔ اس لحاظ سے افسوس کی اصلاح سے فائدہ اٹھاتا ہوگا ۔ جہاں دار شاہ کی بیوی بھی شاعرہ تھی اور تذکروں میں اس کے اشعار بھی ملتے ہیں ۔ قیاس یہی ہے کہ

جینا بیگم زوجۂ جہاں دار شاہ نے بھی افسوس سے اصلاح لی ہوگی۔ انڈیا آفس میں جہاں دار کا دیوان موجود ہے ۔ (خُم خانۂ جاوید جلد ۲ ، ص ۳۲۲)۔

ذیل کے اشعار سے جہاں دار کی شاعری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے :

آخر گلِ اپنی صرفِ درِ مے کدہ ہوئی
پہنچے وہاں ہی خاک جہاں کا خمیر ہو

میں تو سو بار ترے ملنے کو آیا تنہا
لیکن افسوس کبھی تجھ کو نہ پایا تنہا

انتقاد

(از سید عابد علی عابد)

فورٹ ولیم کالج اور اس کے منسلکہ انشا پردازوں نے اردو زبان کی جو خدمت کی ھے (بالخصوص نثر کے دائرے میں) اس کی لِم، من جملہ رموز کشور کشائی ھے ۔ اس اجمال کی توضیح یہ ھے کہ ۱۸۰۰ء سے کچھ پہلے جب لارڈ ولزلی ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے برّصغیر ہند پاک کی انگریزی مقبوضات کی فرماں روائی کا پروانہ لے کر آیا تو سیاسی صورت حال اس بات کی مقتضی تھی کہ کوئی با بصیرت ناظم موقع سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں کو برّصغیر ہند پاک کی شہنشاھیت کا وارث بنا دے ۔ لارڈ ولزلی کو تاریخ ھمیشہ اس لیے یاد رکھے گی کہ اس نے برّصغیر کی سیاسی اور معاشرتی زبوں‌حالی ، پستی ، انتشار اور ضعف سے فائدہ اٹھا کر ھندوستان کی زمام کار اپنے ھاتھ میں لے لی ۔

سر جان شور کے بعد یعنی ۱۷۹۸ء مین جب لارڈ ولزلی نے مسندِ حکومت پر قدم رکھا تو اس نے دیکھا کہ ھندوستان کے سیاسی کوائف میں تیزی سے تبدیلیاں رونما ھو چکیں ۔ مرھٹوں کا سردار مہاد جی سندھیا ناگہاں ۱۷۹۴ء میں فوت ھوگیا ۔ ۱۷۹۵ء میں اھلیابائی کا انتقال ھوا جس نے مالوہ کو گویا امن چین کا گہوارہ بنا رکھا تھا ۔ اس کے جانشین کے مرتے ھی ہُلکر خاندان

انتشار کا شکار ہوگیا ۔ ۱۷۹۵ء میں جب نام نہاد مرہٹہ پیشوا نے خود کشی کر لی تو مرہٹوں کے اقتدار کو بہت ضعف پہنچا ۔ اس سال نواب ارکاٹ بھی مر گیا ۔ ۱۷۹۷ء میں اودھ کے نواب نے وفات[1] پائی ۔

ولزلی نے سب سے پہلے تو فرانسیسی اقتدار کو ملیا میٹ کیا کہ ٹیپو سلطان فرانس کی مدد سے انگریزوں کو ملک سے نکال دینا چاہتا تھا ۔ ۱۷۹۹ء کے وسط میں لارڈ ولزلی کی فوجوں نے ٹیپو سلطان کے بڑھتے ہوئے حوصلوں سے آخری ٹکر لی اور حسب معمول غداروں کے ہاتھوں یہ شیر دل سلطان برباد کروا دیا گیا ؛ اس کے بعد کرناٹک کا قصہ پاک ہوا کہ کمپنی نے حکم ران کو بر طرف کرکے ملک پر تصرف کر لیا ۔ حیدر آباد کی ریاست باقی رہ گئی ، اس کے علاوہ برّصغیر کے جنوبی مثلث کا تمام علاقہ کمپنی کی مقبوضات میں شامل ہوگیا ۔ اودھ کے فرماں رواؤں کی طاقت بھی توڑ دی گئی ۔ بہ تدریج کیا شمال اور کیا جنوب میں ولزلی نے کمپنی کا اقتدار اس طرح قائم کیا کہ اس نعرے کے صحیح معنی مسلّم ہو گئے ۔ 'ملک بادشاہ کا حکم کمپنی بہادر کا ، ۱۸۰۵ء سے پہلے (کہ زمام کار ولزلی کے ہاتھوں سے نکل گئی) انگریزی اقتدار کی یہ صورت ہوگئی تھی کہ کمپنی کو بجا طور پر وہی مقام دیا جاتا تھا جو ازمنۂ قدیم میں موریہ یا گپتا خاندان کے فرماں رواؤں کو حاصل تھا ؛ یعنی برّ صغیر کے کچھ حصے تو بلاواسطہ کمپنی کے تصرف میں تھے اور جو حصے ریاستوں میں بٹے ہوئے تھے، ان کے رجواڑے کمپنی کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کرنے پر مجبور تھے

۱۔ تاریخ مجمل ہند (انگریزی) تالیف مورلینڈ ، دوسرا ایڈیشن ، لندن صفحہ ۳۲۰ ۔

اور آئینی اعتبار سے گویا کمپنی کے مطیع اور منقاد تھے [1] ۔

لارڈ ولزلی نے جو حکمت عملی اختیار کی تھی وہ اس کے پیش رؤوں کی منصوبہ بندی کا لازمی اور منطقی نتیجہ تھی۔ مورخوں کی نظر سے بالعموم کسی سلطنت کے زوال کے اسباب اوجھل نہیں رہ سکتے ۔ یہ اور بات ھے کہ برّصغیر کی آزادی سے پہلے اغیار نے جو تاریخیں لکھیں یا لکھوائیں اُن کا مقصد ھی یہ تھا کہ تاریخی کوائف یوں پیش کیے جائیں کہ گزشتہ بادشاھتوں کی کمزوریاں اور خامیاں واضح ھوں اور انگریزی نظم و نسق کی خوبی روشن ھو ۔

اگرچہ برّصغیر کی ایک نئی اور مکمل تاریخ نہیں لکھی گئی لیکن خود انگریز مصنفوں نے یا ان کے ایما پر ھندوستانی مؤلفوں نے جو کچھ لکھا ھے ، اس سے ظاھر ھوتا ھے کہ اس برّصغیر پر اغیار نے کیسی چابک دستی اور ھنر مندی سے قبضہ کیا اور ھم نے کس بے بصیرتی اور بد معاملگی کا مظاھرہ کیا ۔ خوئے غلامی کی پیدا کردہ غداری جب سیاسی انتشار کے ساتھ مل جائے تو صورت حال کی نزاکت کا اندازہ کیا جا سکتا ھے ۔

اغیار نے شروع ھی سے مغلوں کی مرکزی حیثیت پر کاری ضرب لگانے کے لیے ھندوستان میں خود مختار ریاستوں کے قیام میں مدد دی تھی اور ان شورہ پشت سرداروں کی اعانت کی تھی جنھوں نے مغلوں کی مرکزی حکومت کے خلاف بغاوت کی تھی۔ جب تک حیدر علی کی طرف سے انگریز مطمئن تھے وہ اُسے فرانسیسوں کے مقابلے میں اپنا حلیف بنانے کی تدبیریں سوچتے رہے۔ جب ٹیپو کی حکمت عملی کے خد و خال نمایاں ھوئے، نظام

۱۔ دیکھیے کیمبرج ، تاریخ ھندوستان (انگریزی) اور تاریخ مجمل ھند مذکور ، خاص طور پر صفحات ۳۲۳ تا ۳۲۵ ۔

کو اور مرہٹوں کو میسور کے خلاف ابھارا گیا ، اس وقت انگریز حکمران کیا سوچ رہے تھے، اس کا اندازہ سرٹامس منرو کے ان الفاظ سے ہوسکتا ہے : ''ہو سکتا ہے کہ نظام کی مسند پر کوئی قابل حکمران آبیٹھے ، ہوسکتا ہے کہ مرہٹے کسی وقت اکٹھے ہو جائیں۔ یہ دونوں طاقتیں ٹیپو جیسے حکمران سے مل جائیں تو انگریزوں کو ہندوستان سے خارج کر دینا غیر ممکن نہ رہے گا۔۔۔۔ ایسی صورت حالات سے بچنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ٹیپو کو تباہ کر دیا[1] جائے'' ۔

بکسر کے مقام پر جب شجاع الدولہ کو شکست ہوئی تو انگریزوں نے شرائط صلح ایسی تجویز کیں کہ در اصل اودھ میں انگریزی عمل داری شروع ہوگئی اور خود شجاع الدولہ دل شکستہ ہو کر نفسیاتی اعتبار سے ایسا حرماں زدہ ہوا کہ انگریزوں سے جنگ آزما ہونے کا اہل نہ رہا[2] ۔

شرر لکھتے ہیں کہ جب آصف الدولہ فوجی امور سے بے خبر ہو کر انگریزوں کے اشاروں پر چلنے لگے اور عیش و عشرت میں مصروف ہو گئے تو انگریزوں نے روہیل کھنڈ پر ان کا قبضہ کرا[3] دیا ۔ ان باتوں پر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ نوابان اودھ کا قیام بھی انگریزوں ہی کا مرہون منت تھا اور اس صوبے کی بدنظمی اور فرماں رواؤں کی عشرت کوشی بھی انگریزوں ہی کی ترغیب کا نتیجہ تھی ۔ قصہ یہ ہے کہ اکبر شاہ ثانی (۱۸۰۶ء تا

۱۔ ''ٹیپو سلطان'' قومی کتب خانہ لاہور ، ۱۹۵۰ء ۔

۲۔ شرائط صلح کی تفصیل کے لیے دیکھیے ''تاریخ اودھ'' تالیف نجم الغنی ، جلد دوم ، ۱۹۱۹ء لکھنؤ ۔

۳۔ مضامین شرر ''گزشتہ لکھنؤ'' لاہور ۔

۱۸۳۷ء) کے عہد حکومت ہی میں انگریزوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ دہلی کی بساط سیاست پر مغلوں کا جو شاہ شطرنج بیٹھا ہے، اُسے اُٹھا دیا جائے۔ چناں چہ مغل سلطنت کی مرکزی حیثیت کو یوں ایک کاری ضرب لگائی گئی کہ ۸- اکتوبر ۱۸۱۹ء کو نواب غازی الدین حیدر فرماں روائے اودھ کو بادشاہ کا لقب عطا کیا گیا۔ اس سلسلے میں بزمِ جشنِ جلوس منعقد[1] ہوئی۔ غازی الدین حیدر کو بادشاہ بنا کر یہ دیکھنا مقصود تھا کہ لوگ احتجاج کرتے ہیں یا نہیں اور مغلوں کی مرکزیت پارہ پارہ ہو جانے سے کسی گوشے سے بغاوت کی صدا اُٹھتی ہے یا نہیں؛ علاوہ ازیں غازی‌الدین حیدر کو بادشاہ بنانا یوں بھی قرین مصلحت تھا اور خود انگریزوں ہی کے خاص مؤرخ نجم‌الغنی نے ضمناً رموزِ درونِ پردہ کا انکشاف کر دیا ہے۔

فاضل مصنف لکھتا ہے:

''اس امر میں (یعنی بادشاہ کا لقب اختیار کرنے میں) نواب کو اجازت دینا سراسر مصلحت کے موافق ہے (یہ کونسل کے ارکان کی رائے نقل کی جا رہی ہے جو وزارت کو بادشاہت میں تبدیل کرنے کا منصوبہ بنا کر بیٹھے تھے) تمام ہندوستانیوں کے دل متنفر ہو جائیں گے۔ (یعنی نواب اودھ کی طرف سے) کہ اپنے بادشاہ کو کمزور پاکر اپنے رتبے سے بڑھ کر قدم رکھا ہے - - - - اور یہ کام نواب کا فتنہ اور فساد کا احتمال رکھتا تو روکنے کے قابل ہوتا بلکہ یہ تو ایک قسم کے لہو و لعب اور عیش و عشرت کی شاخ ہے؛ پس

۱- تاریخ اودھ مذکور۔

یہ کام سرکار کمپنی کے لیے عین مصلحت ہے ، کیوں
کہ جس قدر عیش و عشرت میں مبتلا ہوں (یعنی
فرماں روایانِ اودھ) روکنا اس سے مقتضاے دانائی
کے خلاف[1] ہے'' ۔

ان باتوں سے اور خاص طور پر مندرجہ بالا اقتباس سے واضح ہوگا کہ لارڈ ولزلی کیوں ہندوستان کے مختلف حصوں میں رجواڑوں کو باقی رکھنا چاہتا تھا ۔ مراد یہ تھی کہ ہندوستان کی سیاسی اکائی مختلف حصوں میں بٹ جائے ، تمرکز کا شعور باقی نہ رہے ، راجے مہاراجے ایک دوسرے کے حریف ہو جائیں اور کمپنی اپنے اقتدار اعلیٰ کی بنا پر انھیں اپنی عنایات سے سرفراز فرمائے ۔ رجواڑوں کو اور نوابوں کی شہ دی جائے کہ وہ امور مملکت سے غافل ہو کر عیش و عشرت کی طرف راغب ہوں تاکہ جب جی چاہے انگریز یہ کہہ کر کہ ''ملک میں بد نظمی راہ پا گئی ہے'' خود حکومت سنبھال لیں ۔ جب اودھ کا الحاق مناسب سمجھا گیا تو یہی آڑ لی گئی اور جان عالم پیا کو معزول کر دیا گیا ۔

واقعات کے منطقی نتائج کی توجیہ کرتے ہوئے میں ذرا متعلقہ عہد سے آگے نکل آیا ہوں ۔ بہر حال کہنا یہ مقصود تھا کہ لارڈ ولزلی کی تیز بین آنکھوں نے بھانپ لیا تھا کہ اب بر صغیر کا سیاسی انتشار اس مقام تک آ پہنچا ہے کہ بہت جلد اقتدار اعلیٰ کمپنی کے ہاتھوں میں آ جائے گا اور کمپنی کے ملازموں

۱۔ نجم الغنی ، کتاب مذکور حصہ چہارم ۔ ۔ ۔ ۔ قوسین میں الفاظ کا اضافہ میں نے کیا ہے ۔ کہ مفہوم واضح ہو جائے اس کے علاوہ نجم الغنی کے الفاظ نقل کر دیے گئے ہیں ۔

کو بلا واسطہ مقبوضہ خطّوں کے نظم و نسق کی ذمہ داری قبول کرنا ہوگی ۔ اب ضروری ہو گیا کہ جو انگریز ہندوستانیوں کے حکم ران بنا کر یہاں بھیجے جاتے تھے، وہ اس ملک کی معاشرت، ثقافت، سیاست، وضعِ زندگی، اخلاقی اقدار اور آداب محفل سے بہ خوبی آگاہ ہوں تاکہ نظم و نسق میں یا مقدمات کا فیصلہ کرتے وقت وہ کوئی ایسی بات نہ کر بیٹھیں جو اگرچہ انگریزی قانون کے مطابق ہو لیکن رعایا کے مسلّمہ عقائد کے بالکل برخلاف ہو۔ سوال پیدا ہوا کہ جو انگریز افسر ہندوستان بھیجے جاتے ہیں (مجسٹریٹ، جج، کمشنر، ڈپٹی کمشنر، مال کے افسر وغیرہ) اُن کی تعلیم و تربیت کا کیا انتظام ہو ۔ اٹھارویں صدی کے آواخر میں فارسی برّصغیر کی ثقافتی زبان تھی اور تمام سیاسی و ملکی معاملات کی ترجمان تھی ۔ لارڈ ولزلی نے یہ محسوس کیا کہ زبان ایک ہو تو آخرکار یہ ایک زبان بولنے والے ایک ہی ثقافتی رنگ میں رنگے جاتے ہیں اور بہر حال لسانی رشتے کی مضبوطی کی وجہ سے ایک دوسرے سے پیوست رہتے ہیں ۔ یہ بات حکومت کے آئین نظم و نسق اور اصول جہاں داری کے بر خلاف تھی کہ برّ صغیر میں ایک زبان کو سرکاری یا دفتری زبان کا رتبہ عطا کر دیا جائے ۔ فارسی سے بالکل دامن چھڑانا تو ناممکن تھا لیکن لارڈ ولزلی نے غالباً یہ نکتہ پا لیا تھا کہ اگر سیاسی انتشار اور افتراق کو اور گہرا رنگ دینا مقصود ہو تو لسانی اختلافات کی بنا بھی رکھ دینی چاہیے تاکہ علاقائی ادب کی تربیت و پرداخت کی آڑ میں تعصب کو ہوا دی جائے اور لسانی اختلاف آخرکار ثقافتی اور معاشرتی اختلاف پر منتج ہو ۔ فورٹ ولیم کالج کے قیام کی غایت میں ان امور کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔ ان کے مد نظر رہنے سے بہ سہولت سمجھ میں آتا

ہے کہ اس کالج کے لیے جن مصنفین اور مؤلفین کا انتخاب کیا گیا ان سے کیا کام لیا گیا ۔ ان کی تصانیف کے اوصاف مشترک کیا تھے ۔ ان کے اسلوب بیان میں مشابہت کس حد تک تھی ۔ جو کتابیں فورٹ ولیم کالج نے شائع کیں ، ان کی اهمیت اور نوعیت کیا تھی ۔ ان تمام باتوں کا جواب ان هی معروضات کی روشنی میں دیا جائے گا جو اوپر پیش کی گئیں ۔ یہ نہ سمجھنا چاهیے کہ میں گل کرسٹ کو یا ان کے ساتھیوں کو ان کے جائز حق سے محروم کر رها هوں ؛ هرگز نہیں لیکن اس بات کی صراحت میرے فرائض میں داخل ہے کہ فورٹ ولیم کالج کے قیام کی غرض و غایت ذهن نشین کردوں تاکہ آگے جو مباحث آتے هیں ان میں نہ کوئی تشابہ پیدا هو اور نہ کوئی اُلجھن سامنے آئے ۔ هر گرہ خود بہ خود کھلتی چلی جائے ۔

سیاسی مؤرخوں سے زیادہ ادبیات کے مؤرخ اس نکتے سے آگاہ تھے کہ فورٹ ولیم کالج کے قیام کی غرض و غایت کیا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ میں کوئی حیرت انگیز انکشاف نہیں کر رها هوں بلکہ صرف پرانے مؤلفوں اور مؤرخوں کے اجمالی خاکوں میں رنگ بھر رها هوں اور یہ بتانے کی کوشش کر رها هوں کہ ادبیات کے مؤرخ اگرچہ کاملاً تو حقیقت حال پر مطلع نہ تھے لیکن وہ اصلیت سے بالکل بے خبر اور نا آشنا بھی نہ تھے ۔ جا بجا جو انھوں نے اشارے کیے هیں ، ان سے یہ پتا چلتا ہے کہ وہ فورٹ ولیم کالج کے قیام کی رمز تک پہنچنے هی والے تھے ۔

سید محمد لکھتے هیں :

”عموماً کمپنی کے ملازمین نو عمر هوتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ اس لحاظ سے یہ لوگ حقیقی معنوں میں کاردان اور اهل ثابت نہ هوسکتے تھے ۔ اس بنا پر لارڈ ولزلی

نے جو تجویز پیش کی تھی اس میں ایشیائی زبانوں ۔۔۔۔ کے علاوہ علوم و فنون میں تاریخ عمومی ، تاریخ ہند قدیم و جدید ، اصول قانون شرع شریف ، دھرم شاستر ، جغرافیہ شمالی ہند و دکن وغیرہ کی تعلیم کا انتظام چاہا تھا[۱]'' ۔

حامد حسن قادری کہتے ہیں :

''گورنر جنرل (یعنی لارڈ ولزلی) کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ جو انگریز کمپنی میں ملازم ہو کر آتے ہیں وہ ولایت سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے نہیں آتے اور کاردانی کے لیے علوم و فنون کی مہارت ضروری ہے ۔۔۔۔ کمپنی نے ایسے عظیم الشان کالج کے مصارف کثیر برداشت کرنے سے قطعاً انکار کر دیا اس لیے کالج کو صرف زبان دانی کا کالج بنانا پڑا ۔ ڈاکٹر گل کرسٹ ۔۔۔۔ اردو کے بڑے حامی اور ماہر تھے ۔۔۔۔ کمپنی کے ملازموں کو بھی اپنے طور پر اردو پڑھایا کرتے تھے ۔ اب کالج میں باقاعدہ اردو کی تعلیم شروع کر دی ۔۔۔۔ کتابوں کے چھاپنے کے لیے اردو ٹائپ کا مطبع بھی قائم کر دیا[۲] ۔

صرف یہی نہیں کہ کمپنی کے ملازموں کو نظم و نسق میں اور معدلت گستری کے معاملات میں اردو کی ضرورت پڑتی ہو بلکہ یہ بھی

۱۔ ''ارباب نثر اردو'' ، مکتبۂ معین الادب لاہور ، تیسرا ایڈیشن ، ۱۹۵۰ء ، (ص ۱۴) ۔

۲۔ ''داستان تاریخ اردو'' ، آگرہ ، ۱۹۵۷ء دوسرا ایڈیشن ۔ دیکھیے صفحات ۸۱ ، ۸۲ ۔

تھا کہ آردو کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے پیش نظر جو عیسائی مشنری اس برِ صغیر میں وارد ہوتے تھے ، وہ آردو سے آگاہ ہونا اپنا فرضِ منصبی سمجھتے تھے - یہی وجہ ہے کہ فورٹ ولیم کالج کے قیام سے پہلے ہی ھالینڈ اور پرتگال والے آردو کے قواعد اور صرف[1] و نحو پر کتابیں لکھ چکے تھے اور انگریزی کے کلماتِ کثیر یا تو بجنسہٖ آردو کا جزو بن گئے تھے یا بہ قول کیفی انھیں موّرد کر لیا گیا تھا (یعنی وہ الفاظ جنھیں آردو کا روپ دے دیا گیا ہو) -

گارسن دتاسی بیان کرتا ہے کہ ۷ جنوری ۱۸۶۵ء کو پنجاب کے لیفٹننٹ گورنر نے - - - انگریزی میں نہیں بلکہ ھندوستانی (آردو) زبان میں حاضرین جلسہ کو مخاطب کیا[2] -''

جمیل نقوی بہ صراحت کہتے ھیں '' فورٹ ولیم کالج کا قیام یوں تو ملکی مصالح کی بنا پر عمل میں آیا تھا لیکن حسن اتفاق سے اس ادارے نے آردو کی جو بیش بہا خدمات انجام دیں اسے آردو ادب کی تاریخ میں ھمیشہ ایک نمایاں جگہ حاصل رہے گی - - - لارڈ ولزلی نے ۱۸۰۰ء میں ایک کالج کا افتتاح کیا جو فورٹ ولیم کالج کے نام سے مشہور ہے - اس کالج میں علاوہ فارسی و عربی کے دوسری ھندوستانی زبانوں کی تعلیم کا انتظام بھی کیا گیا تھا - آردو زبان بھی ان میں شامل تھی[3] -

---

۱- داستان تاریخ آردو ، آگرہ ۱۹۵۷ء ، دوسرا ایڈیشن - دیکھیے صفحہ ۶۸ -

۲- داستان تاریخ آردو ، آگرہ ۱۹۵۷ء ، دوسرا ایڈیشن - دیکھیے صفحہ ۶۸ -

۳- رسالہ مشرب، مقالات نمبر ، ترتیب ابو مسلم صحافی - دیکھیے صفحات ۱۰۲۸ تا ۱۰۳۱ -

اس اقتباس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فورٹ ولیم کالج میں مختلف علاقائی زبانوں کو یوں فروغ دینا مقصود تھا کہ لسانی اختلاف کی بنا پر آخر الامر ثقافتی اختلاف وجود میں آئے۔ یہی وجہ ہے کہ سرسید نے اپنی تحریک میں اردو کی مرکزیت کے سوال کو ایک اہم اور نمایاں مقام دیا تھا اور ہمیشہ کوشاں رہے تھے کہ یہ زبان برِ صغیر میں عمومی زبان کا درجہ حاصل کر لے۔

جو کچھ کہا گیا ہے اس کا ما حاصل یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ فورٹ ولیم کالج کے قیام میں وہ تمام مصلحتیں مد نظر رکھی گئیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ بنگالی، ہندی اور اردو تینوں زبانوں میں تعلیم کا انتظام کیا گیا اور مشترکہ زبان کی بنیاد یوں رکھی گئی کہ ایک ہی متن کو عربی حروف میں شائع کرتے تھے تو اردو کہتے تھے اور دیو ناگری میں ہندی۔ یہی رسم الخط کا اختلاف شدید ثقافتی اختلاف کی صورت میں رو نما ہوا۔

مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے کہ فورٹ ولیم کالج کے مصنفوں نے جو کتابیں ترجمہ کیں یا تالیف کیں، ان کا مقصد یہ تھا کہ انگریز افسروں کی تین بنیادی ضروریات پوری کریں۔ یہ مقصد چوں کہ عمومی ہے اس لیے ہر تصنیف کی قدر مشترک ہے۔ اب جو تین بنیادی ضرویات ہیں ان کا ذرا تفصیلاً ذکر کیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ صنف انشا پردازی کے امتیاز و اختلافات کے باوصف اس کالج کی تصنیفات کی خصوصیات مشترک کیا ہیں اور عموماً اسلوب نگارش میں مشابہت کی کیا صورت ہے؟ وہ تین بنیادی ضرورتیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، یہ ہیں:

۱۔ لسانی:

جو انگریز منتظم یا مدبر ہندوستان میں وارد ہوتے تھے، ان میں سے اکثر ہندوستان کی زبانوں سے معمولی آشنائی رکھتے تھے

لیکن معمولی آشنائی سے بات نہیں بنتی تھی۔ نظم و نسق میں، عدالتوں کی کاروائی میں، عام تقاریب میں رعایا جو زبان بولتی تھی اس کی صرف و نحو کے قواعد سے آگاھی بھی ضروری تھی اور اس زبان کے محاورات پر عبور بھی لازمی تھا؛ یہ تب ھی ممکن تھا کہ کوئی کاردان افسر ناظم، مدبّر یا جج اپنے ملاقاتیوں یا فریقین مقدمہ کے مافی‌الضمیر سے کاملاً آگاہ ھو جائے۔ اس مقصد کے لیے اعلیٰ درجے کی لغات کا ھونا ضروری تھا اور قواعد صرف و نحو کا یوں لکھا جانا مطلوب تھا کہ غیر قوم کے لوگ بہ سہولت اردو گرامر پر حاوی ھو سکیں، اپنے ملنے والوں سے بات چیت کر سکیں اور تقاریب پر انگریزی نما اردو بول کر مضحکے کا سامان نہ بنیں۔ اس سلسلے میں گل کرسٹ نے سب سے زیادہ کام کیا اور ظاہر ھے کہ فورٹ ولیم کالج کے منشیوں اور منسلکہ مؤلفوں نے اسے مدد دی۔ شیر علی افسوس جن کی تالیف ''آرایش محفل'' زیر نظر ھے، گل کرسٹ کے دستِ راست تھے۔ یہ بات ان کے فرائض منصبی میں شامل تھی کہ تالیفات و تراجم کی زبان درست کریں اور اصل سے مقابلہ کر کے اپنی تسلی کر لیں کہ کام دیانت داری سے ھوا ھے۔ یہ بات انھوں نے خود ''آرایش محفل'' کے دیباچے میں لکھی[۱] ھے۔

۲۔ انتظامی:

انتظامی مشکلات پر قابو پانے کے لیے یہ ضروری ھے کہ منتظم، مدبر یا حاکم جیسی بھی صورت ھو، ملک کے آداب معاشرت سے کاملاً آگاہ ھو، ھر قسم کے لوگوں کے رجحانات پر مطلع ھو، طبقات اناس کی تقسیم کی رمز جانتا ھو۔ مشرق میں

۱۔ آرائش محفل، مطبوعہ مجلس ترقی ادب، صفحہ ۳۔

شریف اور رذیل کے درمیان سلوک کرنے میں جو امتیاز روا رکھا جاتا ہے ، اس سے واقف ہو ۔ رعایا حاکموں سے کس سلوک کی توقع رکھتی ہے اور کن رعایات کی خواہاں ہوتی ہے ، اُن سے آگاہ ہو۔ مختصر یہ ہے کہ جن خطّوں پر اُسے حکومت کرنی ہے وہاں کے معاشرتی حالات اور کوائف اس پر بالکل روشن ہوں تاکہ کوئی ایسی بات نہ کرے جو توقعاتِ عوام کے خلاف ہو یا جسے لوگ قرینِ آدابِ حکومت نہ خیال کرتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ معاشرت کی تصویریں ، آداب محفل کے خاکے ، رجحانات عمومی کے نقوش اور طبقات اناس کی تقسیم کے رموز جتنے بھرپور اچھے ناولوں میں مل سکتے ہیں اور کہیں نہیں مل سکتے ۔ سنسکرت سے جو پرانے قصے ترجمہ کرائے گئے ہیں ، الف لیلہ ، حاتم طائی کا افسانہ ، میر امن کی ''باغ و بہار'' ، ان تمام کتابوں کی تالیف کا مقصد یہ ہے کہ حاکم یہ سمجھ لے کہ معاشرے کے جو رجحانات ہیں اُن کی جڑیں زمین میں کتنی گہری پیوست ہیں ۔ ''الف لیلہ'' اور میر امن کی '' باغ و بہار'' میں معاشرے کا بُعد زمانی موجود ہے لیکن زندگی کی ، عرفان و اخلاق کی اقدار نہیں بدلی ہیں ؛ اسی طرح حاتم طائی کے افسانوں میں جواں مردی کی جن مہات کا ذکر موجود ہے ، وہ گویا زمان و مکان سے ماورا ہیں ۔ مشرق کے عوام کے عقاید و نظریات ان مہات کے ذریعے روشن ہوتے ہیں ۔ انسان کو جہد و جہد حیات میں بہت سے جاں گسل مراحل طے کرنا پڑتے ہیں ، لیکن ہمت سے کام لیا جائے (اور توفیق ایزدی اس صورت میں یقیناً شامل حال ہوتی ہے) تو مصیبتوں کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور جو مشکلات کسی طرح حل نہ ہوتی تھیں ، بہ تائید غیبی حل ہو جاتی ہیں ۔ بدی ہمیشہ مفتوح نظر آئی ہے اور نیکی کو ہمیشہ فتح حاصل ہوئی ہے ۔ انسان مقدّرات امور کا مطیع بھی

معلوم ہوتا ہے لیکن تدابیر سے کام لینے پر مجبور بھی ہوتا ہے، تو میر امن کی باغ و بہار اور حاتم کی مہمات کے ذریعے ہم عوام الناس کے عقائد سے آگاہ ہوتے ہیں، ان کی اقدار حیات سے واقفیت حاصل کرتے اور زندگی کی کایت کی ایک تصویر دیکھتے ہیں جو فن کار بہ کمال مہارت فن بناتا ہے۔ جو انگریز افسر حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر مامور ہوتے تھے انھیں قصے کہانیوں کے ذریعے سہل زبان میں رعایا کے میلانات و رجحانات کا راز دار بنا دیا جاتا تھا۔

۳۔ عدالتی:

جو انگریز ہندوستان میں عدالتوں کے حاکم اعلیٰ ہوتے تھے، ان کے لیے ضروری تھا کہ وہ برصغیر کی اخلاقی اقدار سے آگاہ ہوں۔ اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ ایسا بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ کوئی فعل منشائے قانون کے خلاف تو نہ ہو لیکن معاشرہ اسے بد اخلاق سے تعبیر کرے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی فعل قانون کی نظر میں معاشرے کے لیے مضر ہو لیکن عوام الناس اس قانون کی افادیت کے منکر ہوں۔ برصغیر کی ایک تو یہ الجھنیں تھیں، پھر یہ کہ برصغیر کی اخلاقی اقدار مغرب کی اخلاقی اقدار سے مختلف ہیں۔ یہ اختلاف اب تک تعزیرات کے دائرے میں نظر آتا ہے کہ جہاں کوئی بیاہتا عورت اغوا کر لی جاتی ہے وہاں مغویہ صرف گواہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ عورت نے صریحاً بدکاری کا ارتکاب کیا ہے یا عقد نکاح کے قائم ہوتے ہوئے دوسرا نکاح کر لیا ہے تو اسے سزا نہیں دی جا سکتی۔ انگلستان میں بیاہتا زندگی کے متعلق اس قسم کے قصے دیوانی نوعیت رکھتے ہیں، فوج داری سے ان کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ برصغیر میں عورت کی بدکاری کی بنا پر قتل

تک کا ارتکاب کیا جاتا ہے اور قانون مشرق کے اخلاق مزاج کو مد نظر رکھ کر بعض صورتوں میں اشتعال ناگہاں کو تخفیف سزا کی وجہ قرار دیتا ہے ۔ صرف یہی نہیں ، برّصغیر میں اگر کوئی عورت راہ راست سے منحرف ہوجائے تو اس کے نزدیکی اقربا تمام قانوناً مشتعل ہو سکتے ہیں ۔ دیہات کی زندگی میں خاندان کے افراد اس طرح گتھے ہوئے ہوتے ہیں کہ سگے بھائیوں میں اور چچیرے بھائیوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا ۔ اکثر اوقات چچیرے بھائی بھی سگے بھائیوں کی طرح مشتعل ہوکر بدکار بہن کو ٹھکانے لگا دیتے ہیں ، دیور بھابی کو قتل کر دیتا ہے ، یہاں تک کہ بہنوئی بھی سالی کی آبرو مندی کی حفاظت کے لیے تیار و مستعد ہوتا ہے ۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ دیہات کے رہنے والے گواہ اپنے چچیرے بھائیوں کو اپنا سگا بھائی ظاہر کرتے ہیں اور جب شجرۂ نسب کے ذریعے ان کے بیانات کی تردید کی جاتی ہے تو حیرت سے وہ پوچھتے ہیں کہ کیا چچیرے اور سگے بھائی میں کوئی فرق ہوتا ہے ؟ افسانے ، قدیم داستانیں ، قدیم زمانے کی تاریخیں ، تریا چرتر پر مشتمل کہانیاں ارباب اختیار کی توجہ اس طرف منعطف کراتی ہیں کہ فیصلہ دیتے وقت کن معاشرتی اور اخلاقی اقدار کو ملحوظ رکھنا چاہیے ۔

فورٹ ولیم کالج کی اہم ترین تالیفات پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ انھیں کم و بیش چار شقوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے ۔

(۱) افسانے ، داستانیں ، رومان ، پرانی داستانوں کی نئی نثری یا منظوم صورتیں ؛ مثلاً میر امن کی ''باغ و بہار'' حیدری کی ''آرائش محفل'' تپش کی ''بہار دانش'' کاظم علی جوان کی ''شکنتلا'' للو لال کوی کی ''سنگھاسن بتیسی''۔ ان کتابوں کی تالیف کا مقصد یہ تھا کہ قصہ کہانی کے پیرایے میں ہندوستان

کی قدیم و جدید معاشرت کا چربہ اتارا جائے۔ ہندؤوں اور مسلمانوں کے مختلف النوع معاشروں کی اخلاقی اقدار کی توضیح کی جائے کہ انگریز منتظم اور مدبر انتظامی معاملات کا فیصلہ کرتے وقت ٹھوکر نہ کھائیں اورکسی عدالتی قضایے میں ایسا فیصلہ صادر نہ کریں۔ جو قانون کے مطابق ہو لیکن رائے عامہ سے ٹکراتا ہو۔

(۲) کالج کی تالیفات کی دوسری اہم شق میں اخلاقی کتابیں آ جاتی ہیں۔ مثلاً ''اخلاق محسنی'' کا ترجمہ ، '' گلستان'' کا اردو ترجمہ ، قرآن شریف کا ترجمہ۔ گلستان اور اخلاق محسنی کا انتخاب خاص طور پر معنی خیز ہے۔ گلستان کے متعلق تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ مشرق کی اہم ترین اخلاقی اقدار کا نچوڑ اس کتاب میں موجود ہے۔ اخلاقِ محسنی میں مشرق کے اخلاق و آداب اس وضاحت سے بیان کیے گئے ہیں کہ ناظم اس کتاب کے مطالعے کے بعد انتظامی گتھیاں سلجھاتے وقت فریقین کے ذہنی ردّ عمل سے کاملاً نہیں تو کافی حد تک آگاہ ہوتا تھا۔

(۳) تیسری شق میں وہ کتابیں شامل ہیں جو تاریخی ہیں۔ ظاہر ہے کہ تاریخی واقعات سے بھی نہایت اہم نتائج مستخرج کیے جا سکتے ہیں۔ ماضی بہ تدریج حال سے آ ملتا ہے اور حال ماضی کے کوائف کو لے کر مستقبل کی طرف رواں ہو جاتا ہے ، اس لیے تاریخ معاشرے کے ثقافتی اور تہذیبی تسلسل کی ترجمانی کرتی ہے اور حوادث تاریخی کے لزوم و جبر کا سراغ دیتی ہے۔ صرف یہی نہیں تاریخی کتابوں کی اشاعت سے اگرچہ بظاہر برصغیر کے ماضی کا حال دریافت کرنا مقصود تھا لیکن ضمناً اغیار تاریخی واقعات کو اس طرح

استعمال کر سکتے تھے کہ ہندوستان کی گزشتہ شاہنشاہیوں کے عیوب واضح ہوں اور ان کے مقابلے میں انگریزوں کے نظم و نسق کے خد و خال روشن ہوں ۔ غور کیجیے جہاں تاریخ میں فرماں روا کو معدلت گستری کا آخری ماخذ سمجھا جاتا ہے ، وہاں اغیار کی لکھوائی ہوئی تاریخیں کس طرح ہجو ملیح کا سامان بھی مہیا کرتی ہیں ۔ مثال کے طور پر ماضی کے رجواڑے اور سلاطین فوراً فریادی کی داد رسی کرتے تھے لیکن ضمناً معدلت گستری کا یہ پہلو بھی سامنے آتا تھا کہ ''گاہے بہ دشنامے بہ بخشند و گاہے بہ سلامے بر نجند ۔ مختصر یہ ہے کہ اغیار یہ کہہ سکتے تھے کہ انصاف پرانے زمانوں میں جلدی ملتا تھا لیکن کچھ بے تکا ملتا تھا ۔ انگریزی انصاف ضوابط کا پابند ہے اور قواعد کا مطیع ، دیر ضرور ہوتی ہے لیکن اندھیر نہیں ہوتا ۔ جج ، منصف اور اعلیٰ ترین عدالتوں کے افسر دھیرے دھیرے مقدمے کی کاروائی کو آگے بڑھاتے ہیں اور بہ اطمینان تمام گواہوں کا بیان لے کر فیصلہ صادر کرتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ تاریخیں مرتب کروانے کا یہ مقصد سامنے کبھی آنے نہیں دیا جاتا تھا لیکن تاریخ نویسی کا اسلوب ایسا ہوتا تھا کہ اس پہلو کی طرف برابر اشارے ہوتے رہتے تھے ۔

جو باتیں میں نے تفصیل سے بیان کی ہیں مجملاً ان کا ذکر سید محمد نے بھی کیا ہے ۔ وہ 'نظر باز گشت' میں کہتے ہیں :

> ''فورٹ ولیم کالج کے قیام اور اس کے ذریعے اردو نثر نویسی کی تحریک کا اصلی مقصد ان نو وارد انگریزوں کو ہندوستانیوں سے واقف اور ان کے طور طریقوں سے آشنا کر کے ہندوستان میں حکمرانی کے قابل

بنانا تھا جو انگلستان سے کمپنی کی ملازمت میں داخل ہو کر یہاں آتے تھے۔ اس کالج کی بنیاد اہل ہند کے فائدے پر نہیں رکھی گئی تھی بلکہ صرف کمپنی کی ضروریات کی تکمیل نے اس کو بالواسط اردو لٹریچر کے لیے ممد و معاون[1] بنا دیا۔''

یہی اجمال ہے جس کی تفصیل میں نے پیش کی ہے۔ اب ان کوائف و واقعات اور توجیہات و تفصیلات سے آگاہ ہونے کے بعد ہم بہ آسانی کہہ سکتے ہیں کہ فورٹ ولیم کالج کی وساطت سے جو ادب پروان چڑھا، بالخصوص نثری ادب، اس کی خصوصیات مشترک بہ تفصیل ذیل ہیں:

(۱) کم و بیش تمام تالیفات میں ادبی پہلو پر افادی پہلو کو ترجیح دی گئی ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ فورٹ ولیم کالج کی تالیفات میں وہ جمالیاتی سنگار اور نکھار موجود نہیں جو ادبی تخلیقات سے خاص ہوتا ہے: بلکہ یہ مراد ہے کہ ہر تالیف میں ایک نصب‌العین یا مقصد پیش نظر رہتا تھا۔ انگریزی کی اصطلاح میں فورٹ ولیم کالج کے منشیوں کی تمام تالیفات کم و بیش (Purposive) ہیں، یعنی مقصدیت کی حامل ہیں یا افادے کا عنصر خاص طور پر مد نظر رکھتی ہیں۔

(۲) کم و بیش تمام تالیفات میں زبان کی سلاست، روانی اور قطعیّت پائی جاتی ہے، اندازِ بیان میں سادگی ہے۔ واضح رہے کہ اگرچہ سادگی اور قطعیّت دونوں انداز نگارش کی صفات کے اعتبار سے عقلی ہیں لیکن دونوں میں فرق واضح

۱۔ ارباب نثر اردو، تیسرا ایڈیشن ۱۹۵۰ء۔

موجود ھے ۔ سادگی اور سلاست سے مراد یہ ھے کہ بات کتنی ھی اُلجھی ہوئی کیوں نہ ھو ، اس کی یوں وضاحت کی جائے کہ مطلب قاری کے ذھن نشین ھو جائے ۔ قطعیّت سے انداز کی وہ صفت مراد ھے جسے انگریزی میں Clarity کہتے ھیں ، یعنی یہ کہ بات لاکھ الجھی ہوئی اور دقیق ھو اور انداز بیان میں کتنا ھی پیچ و خم کیوں نہ ھو ، مصنف اس طرح ٹھوک بجا کر بات کرے کہ اپنا مافی الضمیر بالکل واضح کر دے ۔ ضروری نہیں کہ وہ سادگی اور سلاست نگارش اختیار کرے ۔ وہ ادّق عبارات میں بھی اپنا مافی الضمیر کما حقہ بیان کر سکتا ھے اور اسی صفتِ عقلی کو قطعیت کہتے ھیں ۔

(۳) تالیفات میں زبان شعوری طور پر ایسی استعمال کی گئی ھے جو انشا پردازوں کے تصنعات اور تکلفات سے بری ھے ۔ معانی کی اصطلاح میں طوالت یا اطناب کی بجائے ایجاز یا اختصار کا شیوہ اختیار کیا گیا ھے ۔ ھندی کے الفاظ و کلمات یوں استعمال کیے گئے ھیں کہ فارسی ترکیبوں سے شیر و شکر ھو گئے ھیں ۔ کہیں کہیں قافیوں کے کھٹکے برابر سنائی دیتے ھیں اور ترصیع کی صدا درِ گوش پر دستک دیتی ھے ۔ لیکن اس کیفیت میں بھی تحریر کا وہ خاص انداز قائم رھتا ھے جسے 'اردو پن' کہتے ھیں اور جس کی بنا پر یہ زبان یعنی اردو بہ تدریج بر صغیر کے ھر گوشے میں سمجھی اور بولی جانے لگی ۔

(۴) ''صاحبان ذی شان'' کی مصلحت کے مطابق جہاں کسی کتاب کا ترجمہ کیا جاتا ھے ، وھاں ضروری ترمیم اور اضافہ کر دیا جاتا ھے ۔ بعض چیزیں جو انگریز حاکموں کو ناگوار گزرتیں ، حذف کر دی جاتی ھیں ۔ مثال کے طور پر مولوی

امانت اللہ کی تصنیف ''ھدایت الاسلام'' جس کا ایک نسخہ مطبوعہ ۱۲۴۰ھ (چھاپہ خانہ شیخ ھدایت اللہ) مجلس ترقی ادب کے کتب خانے میں موجود ھے، ضروری محذوفات کی ایک نہایت معنی خیز مثال پیش کرتی ھے۔ اس تصنیف میں مسلمانوں کے بنیادی عقائد کا بیان کیا گیا ھے۔ مذکورہ بالا نسخے کے صفحہ ۸۲ پر عربی میں خطبۂ جمعہ درج ھے، صفحہ ۸۹ پر اس خطبے کا اُردو ترجمہ ملتا ھے۔ اصل عربی عبارت میں یہ کلمات پائے جاتے ھیں کہ قیامت کے دن تمام نبی جن میں حضرت عیسیٰ بھی شامل ھیں، نفسی نفسی پکاریں گے۔ ترجمے میں حضرت عیسیٰ کا ذکر حذف کر دیا گیا ھے کہ اُن کا نفسی نفسی پکارنا فورٹ ولیم کالج کے منتظمین کو یا انگریز حاکموں کو ناگوار نہ گزرے۔ یہ میری توجیہ ھے، ممکن ھے کہ مصنف نے سہواً عربی عبارت کے ایک حصے کا ترجمہ نہ کیا ھو لیکن یہ بات کچھ دل کو نہیں لگتی کہ سہواً وھی حصہ حذف ھو جائے جسے رسولؐ پاک کا تفوق ظاھر کرنے کے لیے بیان کیا گیا تھا کہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ نفسی نفسی پکاریں گے۔ اس بات کے پیش نظر کہ فورٹ ولیم کالج کے مصنف غیر زبان سے بہ کمال دیانت و صیانت ترجمہ کرتے ھیں اور اضافہ و ترمیم کرتے ھیں، تو اس کی نشان دھی کرتے ھیں، یہ بات مستبعد معلوم ھوتی ھے کہ عربی عبارت کا ایسا اھم حصہ ترجمے میں حذف کر دیا جائے اور مؤلف اس بات کی طرف اشارہ نہ کرے۔

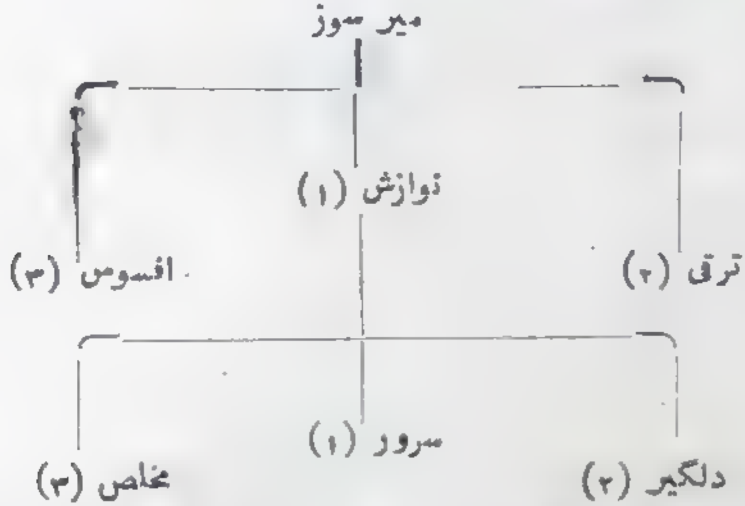
یہ تو نثری تصانیف کے اوصاف مشترک تھے۔ اب رھا نظم کا معاملہ تو مختلف شعرا کے دیوان تصحیح کے بعد شائع

کرنے سے مقصد یہ تھا کہ شعرا کی واردات قلبی سے آگاہی حاصل ہو اور انگریز حاکموں کو اردو کے محاورے اور روزمرے پر عبور حاصل ہو جائے ۔ روایت کا تقاضا یہی رہا ہے کہ روزمرے اور محاورے کی سندا اکثر نظم ہی سے دیتے ہیں ، نثر سے نہیں دیتے۔

اب جب یہ واضح ہو چکا کہ فورٹ ولیم کالج کی نثری تصانیف کے اسلوب نگارش کے اوصاف مشترک کیا ہیں تو وقت آ گیا کہ شیر علی افسوس کے انداز کی انفرادیت کا تجزیہ کیا جائے جس کی تصنیف ''آرایش محفل'' زیر نظر ہے ۔

''آرایش محفل'' سے تعرض کرنے سے پہلے یہ کہہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شیر علی افسوس (جن کے سوانح میرے رفیق کار کلب علی خاں فائق نے بغایت تحقیق قلم بند کیے ہیں) نے آرایش محفل کی تالیف سے پہلے ''گلستان'' سعدی کا اردو میں ترجمہ کیا اور اس کا نام ''باغ اردو'' رکھا ۔ یہ کتاب طبع ہو چکی ہے اور مطبوعہ نسخے کی ایک نقل مجلس نے ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد دکن سے حاصل کی ہے ۔ یہ نقل اس وقت مجلس میں اشاعت کے مراحل سے گزر رہی ہے ۔ گلستان کے فقروں کا در و بست ، سلیس اور فصیح کلمات کا برمحل استعمال ، مناسب اشعار کا موقع بہ موقع اندراج ، فقروں کی اور جملوں کی ہم آہنگی ، یہ تمام چیزیں ایسی ہیں کہ سعدی کی یہ تصنیف بے نظیر زمان قرار دی گئی ہے ۔ افسوس کا اس کے ترجمے پر آمادہ ہونا اور پھر اچھا ترجمہ کر ڈالنا (کہ اشعار کا منظوم ترجمہ کیا گیا ہے) اس کے اعتماد نفس کی شہادت دیتا ہے اور ہمیں فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ افسوس نہ صرف اردو زبان پر کاملاً حاوی تھا بلکہ فارسی زبان کی شیرینی اور اس کے کلمات کی دلالتوں سے بھی بہ خوبی با خبر تھا ۔ ۔ ۔ ۔ افسوس نے گلستان کے ترجمے میں جو کام یابی حاصل کی ہے اور

جس کا ذکر وہ ''آرایش محفل'' کے دیباچے میں کرتا ہے ، اس کی ایک وجہ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ وہ خود شاعر تھا اور گلستان کے شعرمنثور کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ افسوس صفِ اول کا شاعر ہے لیکن جستہ جستہ اس کے جو اشعار ملے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ذوق سخن صحیح اور سلیم تھا۔ معانی ، بیان اور بدیع سے واقف تھا ، عروض پر اسے پورا عبور تھا ۔ حسرت موہانی نے میر سوز کے حالات بیان کرنے کے سلسلے میں افسوس کا شعری خانوادہ یوں دکھایا ہے ۔



حسرت نے افسوس کے جو شعر نقل کیے ہیں ان میں سے کچھ سن[1] لیجیے :

کیوں نہ ہو اس قدر گھمنڈ اس بتِ پُر غرور کو
صبر کسی طرح نہیں اس دلِ ناصبور کو

۱۔ دیوان سوز مرتبۂ حسرت موہانی احسن‌المطابع علی گڑھ ۱۹۰۵ء نسخہ مملوکہ مجلس ترقی ادب لاہور۔

دیکھتے ہی اسے حاضر ہوئے مر جانے کو
وہی اشخاص جو یاں آئے تھے[1] سمجھانے کو

اکتوبر ۱۹۳۳ء کے "نگار" میں جو افسوس کے کلام کا انتخاب شائع ہوا ہے ، اس میں سے کچھ اشعار اس لیے نقل کیے جاتے ہیں کہ افسوس کی نثر کے اسلوب و انداز کی صفات متعین کرنے میں آسانی ہو۔ فن کار کی شخصیت یک آہنگ اور متوازن (integrated) ہوتی ہے ، بدیں معنی کہ انداز کی جن صفات کا اظہار وہ دائرۂ شعر میں کرتا ہے ، انھی کی جھلک نثری تخلیقات میں بھی دکھائی دیتی ہے ۔ یہ دعویٰ تمام انتقادی اصولوں کے خلاف ہے کہ فن کار کی شعر گوئی کے خصائص اس کی نثر نگاری سے اس طرح متمیّز ہوں کہ نظم و نثر میں کسی قسم کی مشابہت کا سراغ ہی نہ ملے ۔ بہر حال اب افسوس کے یہ اشعار دیکھیے :

دیکھو بے تابی دل کی اس در پر
ایک دن میں ہزار بار گیا

پاس سے اس کے سب گئے خرسند
ایک افسوس سو گوار گیا

مقطع میں خرسند اور سوگوار کا تضاد توجہ طلب ہے ۔ سوگوار اور افسوس میں جو ابہام تناسب ہے ، وہ بھی پر لطف ہے ۔ خرسند

۱- مندرجہ ذیل اشعار پر بھی غور کیجیے کہ غزل جدید کے ارتقاء کی نشان دہی کرتے ہیں :

آخر وہ بھی زمانے آئے
لوگ ہمیں سمجھانے آئے

ترک وفا کا درس مجھے دو بحضور یار
اے دوستو جو حوصلۂ دم زدن پڑے

اور افسوس میں ایہام تضاد ہے ۔ گویا ایک شعر میں تین صنعتیں تو صاف سامنے کی معلوم ہوتی ہیں :

کیا گلہ اس کی بے وفائی کا
کچھ بھروسہ ہے آشنائی کا
وصل میں چین کب رہا مجھ کو
دل کو دھڑکا رہا جدائی کا

ایک مطلع افسوس نے قیامت کا کہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے اردو روزمرہ اور محاورے پر کتنا عبور ہے ۔ مطلع میں عموماً شعر دولخت ہو جاتا ہے اور ایک مصرع کی ردیف بے کار جاتی ہے مگر افسوس کے اس مطلع میں پہلا مصرع دوسرے سے اس طرح پیوست ہے کہ اس کا عالم بیان میں نہیں آتا ، ذوق کے مطلعوں کا عالم یاد آتا ہے ۔ اب وہ مطلع سنیے :

بزم میں اس کی نہ ہنستے ہیں نہ رو سکتے ہیں
چپکے بیٹھے ہوئے ہر ایک کا منہ تکتے ہیں[1]

افسوس نے اس مطلع میں جس مشّاقی سے کام لے کر بے تکلفانہ صنعتیں برتی ہیں ، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نثر میں بھی اس کی عبارت سلیس اور با محاورہ ہونے کے باوصف شگفتہ اور مرصّع ہوگی ؛ اس اعتبار سے وہ محمد حسین آزاد کا پیش رو معلوم ہوتا ہے ۔ اس اجمال کی توضیع آگے آتی ہے ۔ ذرا ''باغ اردو'' کی طرف پھر لوٹیے ۔

۱۔ ذوق کہتا ہے :

جس جگہ بیٹھے ہیں با دیدۂ نم اٹھے ہیں
آج کس شخص کا منہ دیکھ کے ہم اٹھے ہیں

تبسّم کا شعر ہے :

نظر اٹھا کے کوئی ہم کو دیکھتا بھی نہیں
اگرچہ بزم میں سب رو شناس بیٹھے ہیں

گلستان کے ترجمے سے یہ ہوا کہ افسوس نے اپنی صلاحیتوں اور استعداد کا صحیح اندازہ کر لیا۔ سعدی کے مطالب کو اردو میں منتقل کرنے کے بعد اعتماد علی النفس لازماً بڑھ گیا۔ اس کوشش میں کہ سعدی کی شگفتگی اردو میں قائم رہے، افسوس نے بھی سلاست اور شگفتگی کو اسلوب نگارش میں جمع کرنا چاہا۔ صنائع لفظی و معنوی کی میناکاری پر عبور ایسا حاصل کیا کہ شعر میں جب وہ صنعت گری سے کامِ لتیا ہے تو قافیے کی موجودگی کا شعور تو ہوتا ہے لیکن صنعتیں ایسی بے تکلفانہ استعمال ہوتی ہیں کہ خاص طور پر توجہ دلانے سے ذہن ان کی طرف منتقل ہوتا ہے، ورنہ نثر نگاری کے انداز کی مینا کاری اور مرصّع نگاری سلاست اور روانی کے روپ میں اس طرح جلوہ گر ہوتی ہے کہ مطالب و معانی سے قطع نظر پڑھنے والا حسنِ کلام اور لطف بیان کا رنگ دیکھ کر چٹخارے لیتا ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ ''باغ اردو'' میں افسوس نے اپنے اسلوب نثرنگاری کی مشق کی تکمیل کی اور یہ اسلوب آرایش محفل میں اپنے عروج تک پہنچا۔

یہ مسلّم ہے کہ افسوس کی تالیف زیرِ نظر ''آرایشِ محفل'' سجان رائے کی تاریخ 'خلاصۃالتوریخ' کے ایک حصے کا ترجمہ ہے۔ سجان رائے پٹیالوی نے یہ تاریخ مستند مآخذ سامنے رکھ کر تیار کی تھی اور عہد ہنود سے لے کر مغلوں کے عہد حکومت تک کے حالات اس میں سمو دیے تھے۔ شروع میں سجان رائے نے ہندوستان کے پرگنوں اور صوبوں، شہروں اور ولایتوں کا حال لکھا ہے، موسموں کا ذکر کیا ہے، پیداوار سے بحث کی ہے، پھر تاریخ کی طرف متوجہ ہوا ہے۔ افسوس نے راجا یدھشتر سے لے کر رائے پتھورا یا پرتھوی راج کے عہد حکومت تک کے واقعات سے بحث کی ہے۔ اسلامی عہد کی تاریخ بھی ترجمہ کرنے کا خیال تھا لیکن ممکن

نہ ہو سکا ۔ وہ خود دیباچے میں لکھتا ہے کہ کتاب کی تکمیل ۱۸۰۵ء مطابق ۱۲۲۰ھ میں ہوئی ۔ یہیں اس بات کی صراحت کر دینی چاہیے کہ افسوس نے سجان رائے کی تاریخ کا لفظاً ترجمہ نہیں کیا لیکن بہ کمال دیانت اس کے مطالب با محاورہ زبان میں قلم بند کر دیے ہیں ۔ کہیں کہیں دوسری تاریخیں سامنے رکھ کر اصل کے مطالب میں اضافہ کر دیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ افسوس اس کتاب کو ترجمہ نہیں کہتا بلکہ تالیف کہتا ہے ۔ یہ بات اس نے بہ صراحت دیباچے میں کہہ دی[1] ہے ۔ اصل کتاب میں ترمیم کی توجیہ افسوس خود یوں کرتا ہے :

''کمی زیادتی بھی جہاں موقع دیکھا ہے ، وہاں کی ہے لیکن صوبے اور سرکاروں کی حالات میں اکثر اور قلعوں کے احوال میں کمتر ، سب اس کا تغیر و تبدل ہے ، خواہ آبادی کی جہت سے ہوا ، خواہ خرابی و ویرانی کے باعث ۔ ۔ ۔ ۔ آمدنی ہر ایک صوبے کی جو عالم گیر کی سلطنت میں تھی وہی لکھی کیوں کہ مطابق اس دور کے دریافت کرکے لکھنا محال[2] تھا''۔

افسوس نے ایک اور معنی‌خیز بات بھی دیباچے میں لکھی ہے ، وہ یہ ہے :

''اور بعضے صوفیہ کی کرامت و خرق عادت اور ان کی درگاہوں کے احوال و تصرفات جو ثبت کیے ، فقط کتابِ مذکور کی مطابقت کے لیے ؛ بلکہ اسی لحاظ سے

۱۔ دیکھیے زیر نظر کتاب آرایش محفل ، صفحہ ۴ ۔

۲۔ کتاب مذکور دیباچہ صفحہ ٦ ۔

هنود کے فقیر اور معابد کے اوصاف و احوال کہ
خلاف عقل و عقیدہ تھے، لکھنے میں آئے؟ نہ از
راہِ اعتقاد کیوں کہ اس خاکسار کا مذہب یہ ہے:

بیت

گر دو عالم پُر از ولی باشد
پیرِ ما مرتضیٰ علی باشد

"آرایش محفل" خود مرتب کے قول کے مطابق ۱۸۰۵ء مطابق ۱۲۲۰ھ میں اتمام پذیر[1] ہوئی۔ احسن مارہروی جو اردو ادب کے نہایت اچھے مزاج دان ہیں، اس کتاب کے متعلق بے تکلف کہتے ہیں کہ "افسوس نے اردو جیسی بے مایہ زبان کو مالا مال کر دیا[2]"۔ طبعاً سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اپنے معاصرین کے مقابلے میں افسوس زیادہ تعریف و تحسین کا سزاوار کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ میر امن بھی اپنے اسلوب تحریر میں ایک انفرادیت رکھتے ہیں جو انھی سے خاص ہے لیکن افسوس در حقیقت اردو کا پہلا صاحب طرز انشاء پرداز ہے اور کچھ اعتبارات سے آزاد کا پیش رو ہے۔ جہاں تک آزاد سے اس کی مشابہت کا تعلق ہے، اس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اس کے صاحبِ طرز ہونے کے متعلق بات یہاں کھول کے کرتا ہوں۔

قصہ یہ ہے کہ انیسویں صدی کے آغاز میں اردو اگرچہ صاحبِ تالیف و تصنیف تھی لیکن اکثر تصانیف کی زبان میں ایک الجھاؤ سا پایا جاتا تھا جو ظاہر کرتا تھا کہ مصنف یا مؤلف کو

۱۔ کتاب مذکور، دیباچہ صفحہ ۳۔
۲۔ دیکھیے منشورات تاریخی، علی گڑھ، نثر کا پانچواں دور، ۱۹۳۰ء۔

اس بات کا شعور نہیں کہ اردو جن زبانوں سے مل کر بنی ہے ، ان کے الفاظ کی باہمی نسبت کیا ہے اور وہ کس حد تک اردو میں کھپ سکتے ہیں ۔ مثال کے طور پر ہندی الفاظ اور کلمات کس حد تک اردو کا جزو بن سکتے ہیں ؟ عربی اور فارسی الفاظ و تراکیب کا محل استعمال کیا ہے ؟ پھر عربی ، فارسی ، ہندی اور دوسری پراکرتوں کے الفاظ کے استعمال کا وہ کون سا مجموعہ ہے جسے ہم خالص اردو کا لقب دے سکتے ہیں اور جس کے متعلق فراق کے الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ اس میں ” اردو پن “ موجود ہے ۔

افسوس کے سامنے یہ سب مسائل موجود تھے ، بالخصوص ہندی الفاظ کے استعمال کا مرحلہ بہت نازک تھا ۔ ہندی الفاظ و کلمات کس حد تک اردو زبان میں دخیل ہونے چاہییں ؟ یہ بات ہمیشہ ماہرین زبان کے درمیان متنازعہ فیہ رہی ہے ؛ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ میر اور سودا کے عہد میں ہندی الفاظ بہ کثرت استعمال ہوتے تھے ۔ ناسخ نے بہت سے ہندی الفاظ و کلمات کا استعمال ناجائز قرار دیا اور وہ گویا متروک ہو گئے ۔ ظاہر ہے کہ الفاظ کسی کے کہنے سے نہ متروک ہوتے ہیں ، نہ مستعمل ؛ زبان اپنی ضروریات کے مطابق الفاظ کو سمیٹے رکھتی ہے ۔ چناں چہ حسرت موہانی نے ” نکات سخن “ میں ناسخ کی بہت سی متروکات پر اعتراض کیا اور خاص طور پر یہ پوچھا کہ بعض کلمات جو ایسے متروک کر دیے گئے ہیں جن کا ہم معنی کلمہ یا لفظ یا حرف اردو میں نہیں ملتا ، ان کا کیا جواز ہے ؟ صرف ایک مثال کافی ہے : کلمہ ” سو “ پر غور فرمائیے :

هم نے چاها تها کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

بساط عجز میں ہے ایک دل یک قطرہ خوں وہ بھی
سو رہتا ہے بہ انداز چکیدن سرنگوں وہ بھی

ان دونوں مصرعوں میں ''سو'' کی جگہ کون سا کلمہ استعمال کیا جائے کہ مفہوم میں کوئی تغیر واقع نہ ہو اور یہ محاورہ اپنی پوری شان کے ساتھ قائم رہے۔

افسوس نے سب سے پہلے اس بات پر غور کیا کہ ہندی الفاظ و کلمات کا صحیح محل استعمال کیا ہے؟ اس کی نکتہ سنج طبیعت بہت جلد اس نتیجے تک پہنچ گئی کہ ہندوستان کے موسم کی بہاروں، تقریبوں، تہواروں، میلوں ٹھیلوں اور متعلقہ کوائف کے بیان کے لیے عربی، فارسی کام نہیں دے سکتی۔ مثال کے طور پر جن ملکوں میں ساون کی ''جھڑیاں'' اور بھادوں کے ''دڑیڑے'' ہوتے ہی نہیں، ان ملکوں کی زبان متعلقہ کیفیات کو کس طرح بیان کر سکے گی۔ اسی طرح موسمی تہوار، میلے ٹھیلے اور تقریبیں جن کا تعلق ملک کی معاشرت سے بہت گہرا ہوتا ہے اور جن کی جڑیں گویا ملک کی زمین میں پیوست ہوتی ہیں، طبعاً اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ان کے بیان میں عربی اور فارسی نسبۃً کم استعمال کی جائے۔ افسوس نے شروع ہی میں ہندوستان جنت نشان کی تعریف میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا اسلوب بتاتا ہے کہ اس کے ہاں زبان کا ''اردو پن'' کس حد تک موجود ہے۔ ہندی الاصل الفاظ اور کلمات کیسے برمحل اور برجستہ استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ اقتباس دیکھیے:

> ''ندی، نالے، تالاب، کنویں لطیف و پاکیزہ ہزارہا؛ پانی ان میں میٹھا، ٹھنڈا، ستھرا بھرا ہوا؛ بڑے دریاؤں میں کشتیاں، نواڑیں، بجرے وغیرہ بے شمار؛ شاہ راہ کے ندی نالوں پر بیش تر مقاموں میں پل بندھے ہوئے تیار، اکثر رستوں میں کوسوں تلک سایہ‌دار درختوں کی دو رستہ قطار۔۔۔ مسافر خوش و خرّم،

کھاتے پیتے ، اٹھتے بیٹھتے دن بھر چلے جاتے ہیں اور
شام کو منزل پر بھی سب طرح کا آرام پاتے ہیں[1] ''۔

اس اقتباس کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ افسوس نے ایک نیا اسلوب نگارش ایجاد کیا ہے جس میں مختلف اجزا اس طرح شیر و شکر ہو گئے ہیں کہ طرزِ نگارش کی ایک نئی اکائی وجود میں آ گئی ہے ۔ دیکھیے عبارت میں قافیوں کے کھٹکے برابر سنائی دیتے ہیں لیکن تصنع کا شعور ذرا نہیں ہوتا ۔ ہندی الفاظ اور کلمات عربی اور فارسی کلمات کے دوش بہ دوش اس طرح کھڑے ہیں کہ افسوس کی زبان ایک ایسی زبان بن گئی ہے جس میں مختلف زبانوں کے محسناتِ کلام موجود ہیں ۔ آزاد کے ہاں بھی یہی بات ہے ۔ وہ بھی ہندی الفاظ کا برمحل استعمال کرتے ہیں ، محاورے اور روزمرے کی حدود میں رہتے ہیں ، جگہ جگہ خوش نما عربی اور فارسی تراکیب جڑتے ہیں ، گویا انداز کو مرصع کرتے ہیں ۔ یہی بات افسوس میں ہے کہ وہ اپنے اندازِ تحریر کو مرصع رکھتا ہے اور جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے ، صنعت گری یا تصنع کا شعور نہیں ہوتا ؛ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے قافیے بے تکلف آ گئے ہیں ، کھینچ کر نہیں لائے گئے ۔

افسوس کی قوتِ بیان یا قوتِ وصفی (Descriptive Power) حیرت انگیز ہے ۔ ظاہر ہے کہ قوتِ بیانیہ تبھی میسر ہوتی ہے کہ مصنف کا مشاہدہ تیز اور دور رس ہو ، اس کا تخیل حدِ اعتدال میں

۱۔ آتش کہتا ہے :

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

نہ بدرقہ ہے ، نہ کوئی رفیق ساتھ اپنے
فقط عنایت پروردگار راہ میں ہے

رہ کر کام کرتا ہو ، اس کو زبان پر عبورِ کامل حاصل ہو ۔ (افسوس نے ہندوستان کے موسموں کا جو نقشہ کھینچا ہے ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف زبان کے مزاج سے آگاہ تھے بلکہ اپنے ملک کے مزاج سے بھی واقف تھے) ۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ بہار کی رت سب رتوں پر افضل ہے ۔ یہ درست ہے ، اس برِ صغیر میں بھی بہار اور گل و گل زار کا تعلق ظاہر ہے لیکن جن ملکوں میں سردی بہت کثرت سے پڑتی ہے اور سورج دنوں بلکہ مہینوں تک نظر نہیں آتا وہاں بہار کا لطف کہ آغاز موسم گرما سے عبارت ہے ، کچھ اور ہی رنگ رکھتا ہے ۔ ایران کی مثال سامنے ہے ، وہاں سردیوں میں کام کاج رک جاتے ہیں ، لوگ جیسے گوشہ نشین ہو جاتے ہیں ۔ بہار آتی ہے ، برف پگھلتی ہے ، سورج نکلتا ہے تو پھولوں کے ساتھ دلوں کی کلیاں بھی کھلتی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی میں کلمہ ''سرد'' لاحقے کے طور پر استعمال ہوتا ہے تو ناخوشی اور نا خوش گواری کے معنی پیدا کرتا ہے ۔ گرمی ایران والوں کو سردی کے مقابلے میں زیادہ پسند ہے اس لیے ''گرمی'' کا کلمہ لاحقے کے طور پر خوبی اور زیبائی کے معانی پر دلالت کرتا ہے ۔ یوں الفاظ اپنے ملک کے موسموں کے تغیّرات اور اثرات کا اظہار کرتے ہیں ۔ مثلاً سرد مہر ، سرد خو ، سرد رو ، سرد بازاری ۔ اس کے مقابلے میں ان کلمات پر غور کیجیے ۔ گرم رفتاری ، گرم خوئی ، گرم روی ، گرم جوشی ۔

برِ صغیر ہند و پاکستان کی بہار در اصل برسات سے اور اس کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں سے عبارت ہے ، بہار سے نہیں کہ آغاز موسم گرما ہے ۔ یوں بہار کا موسم خوش گوار ہے لیکن برسات کی ٹھنڈک کی بات ہی اور ہے ۔ اردو زبان کے محاورات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ اس ملک کی اصل بہار برسات ہے مثلاً : کوکھ سے ٹھنڈا رہنا

دل ٹھنڈا ہو جانا ، آنکھ میں ٹھنڈک آ جانا[1] ، ٹھنڈ پڑ جانا ۔

افسوس کو اس بات کا شعور کامل حاصل ہے کہ برسات کو تمام رُتوں میں کیا درجہ حاصل ہے ؛ چناں چہ جب وہ برسات کا ذکر کرتا ہے تو تصریح کرتا ہے کہ یہ رُت بہار سے خوش گوار تر ہے ۔ برسات کے جو مختلف مناظر اس کے مشاہدے میں آتے ہیں ، انھیں بیان کرتے وقت وہ ہندی کلمات و الفاظ کا بے تکلف استعمال کرتا ہے ۔ افسوس کی قدرت بیانیہ کے باعث یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہندی کلمات نگینے ہیں کہ جگہ جگہ فقروں میں جڑ دیے گئے ہیں ۔ مختلف رُتوں کی برسات اور ان کا باہمی فرق افسوس کی زبان میں ملاحظہ ہو :

> ”اگرچہ فصل ربیع میں بھی اس ملک کے بیچ بھول پھل بہتایت سے انواع و اقسام کے پھولتے پھلتے ہیں ، آم موراتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ دھوپ بے حدت اور چاندنی بے کدورت ان دنوں رہتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ مرزایانِ ہند اس موسم کو فصل بہار یا موسم بہار کہتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن اس ملک میں برسات کا موسم نہایت لطف دکھاتا ہے ۔ زمین یک لخت سبزہ زار ، ہر ایک پہاڑ مثل گلزار اور گلزار سراپا بہار ۔ ۔ ۔ ۔ سبزے کی لہک ، بیر بہٹی کی دمک ، بجلی کی چمک ، بادل کی کڑک ایک عالم دکھاتی ہے ۔ بگلوں کی ڈار ، مینہ کی پھہار ، موروں کی جھنکار ، پپیہوں کی پکار دلوں کو لبھاتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔

۱۔ آرزو کہتا ہے :

گورا گورا ان کا مکھڑا چاندنی کا جیسے پھول
دیکھتے ہی دیکھتے آنکھوں میں ٹھنڈک آ گئی

ساون بھادوں بھی اس رت میں داخل ھیں ۔۔۔۔ اساڑھ میں اکثر ابر غبار آلود بلکہ گاھے آندھی کے ساتھ آتا ھے اور مینہ زور و شور سے برس کر کھل جاتا ھے ۔ دوسرا ساون ، اس میں بیش تر سہاونی گھٹائیں ، ٹھنڈی ٹھنڈی ھوائیں ، بارش بھی اکثر میانہ و معتدل ۔۔۔۔ تیسرا بھادوں بجلی اس میں اکثر کڑکتی چمکتی ھے اور مینہ دڑیڑے سے برستا ھے اور بیش تر جلد کھل جاتا ھے ۔۔۔۔ بنا بر اسی کے اساڑھ کے ڈونگرے ، ساون کی جھڑیاں ، بھادوں کے دڑیڑے مشہور ھیں ''۔

اس اقتباس میں جو ھندی کلمات و الفاظ آئے ھیں ان کی جگہ فارسی یا عربی لفظ رکھ کر دیکھیے ۔ ساون بھادوں اور اساڑھ کے مینہ میں امتیاز قائم کرنے کے لیے اور اصطلاحات وضع کیجیے تو معلوم ھو گا کہ افسوس کو اس زبان پر کتنا عبور ھے اور اس کی قوت بیانیہ کتنی زبردست ھے ۔

(یہ نہ گمان گزرے کہ اصل تالیف ان خوبیوں کی حامل ھے ۔ ترجمے میں عربی فارسی الفاظ کی کثرت ھوتی تو اس گمان کو تقویت پہنچتی لیکن افسوس نے اپنے تالیفی ترجمے میں اپنے انداز نگارش کا راستہ بھی نیا نکالا ھے)۔

عرض کیا گیا تھا کہ افسوس کا مشاھدہ بہت دور رس اور تیز بین ھے ۔ اس نے ھندوستان کے عام کوائف بیان کرتے ھوئے چند سطریں '' محبوبوں کی صفت '' میں لکھی ھیں ۔ ان سطروں کے مطالعے سے اندازہ ھوتا ھے کہ وہ حسن و جمال کی تمام کیفیات پر کاملاً مطلع تھا اور دلستانی اور دلبری کے تمام اسالیب سے آگاہ تھا ۔ حسن کی مختلف کیفیات اور روپ کے مختلف مظاھر بیان کرنے کے لیے اس نے نہایت موزوں الفاظ کا انتخاب کیا ھے ۔ صاف معلوم ھوتا ھے

کہ وہ ان الفاظ کے معنی کے امتیاز سے واقف ہے اور جانتا ہے کہ ''آن و ادا'' کی دلالت اور ہے ، ''ناز و انداز'' کی اور۔ وہ کہتا ہے :

'' تراش خراش ، آن و ادا ، ناز و انداز ، سجاوٹ لگاوٹ ، بناوٹ ، بانک پن ، پھبن جو یہاں ہے سو کسی اور ملک میں کہاں ''۔

ان چند سطروں میں یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ہند کو حُسن آباد کیوں کہتے تھے اور امیر خسرو بار بار دھلی اور اس کے بتانِ سادہ کے ذکر سے دل کی لگی کیوں بجھاتے ہیں ۔ یہ موقع نہیں کہ میں آن و ادا سے لے کر پھبن تک حسن کی جو صفات بیان ہوئی ہیں ، اُن سے تفصیلی بحث کروں ؛ صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ جتنی صفات افسوس نے گنوائی ہیں وہ مشاھدے میں آتی ہیں۔ سجاوٹ ، لگاوٹ ، بناوٹ ، پھبن مترادف الفاظ نہیں ، ان کی دلالتیں مختلف ہیں۔ دو تین اشعار نقل کر دینے سے شاید اس معاملے میں افسوس کی دقتِ نظر کا اندازہ ہو اور واضح ہو سکے کہ وہ دلبری کی تمام اداؤں کا رمز شناس تھا ۔

حالی کہتا ہے :

جس کو غصے میں لگاوٹ کی ادا یاد رہے
آج دل لے گا اگر کل نہ لیا ، یاد رہے

اور اسی کا شعر ہے :

یہ لطف بناوٹ میں دیکھا نہ سنا قاصد
ان پڑھ ہے تو یہ کچھ ہے پڑھتا تو بلا ہوتا

کسی کا شعر ہے ۔

وہ جو ہم نے چھب دیکھی دوستوں نے کب دیکھی
ہم کو جیت سکتی تھی روپ کی پھبن تنہا ؟

کسی پرانی مثنوی کے یہ اشعار ابھی تک مجھے یاد ہیں ۔

ہلکی ہلکی وہ چمپئی رنگت
بھولی بھولی وہ موہنی صورت
تیکھی تیکھی نگاہیں قہرِ خدا
بانکی بانکی ادائیں ہوش ربا

شاہجہان آباد (دہلی) ہمیشہ سے تمام ثقافتی اور تمدنی تحریکات کا مرکز رہا ہے ، اس لیے افسوس کا دعویٰ ہے کہ ''جو حسین ٹکسال باہر یہاں آتا ہے ، ترش ترشا کر چند روز کے بیچ حسن میں کھرا ہو جاتا ہے'' ۔

(صوبہ شاہجہان آباد کے بیان میں افسوس نے نخاس کے بازار کا ذکر کیا ہے اور ایسی تصویر کشی کی ہے کہ خوبی اس کی بیان میں نہیں آتی)، معلوم ہوتا ہے کہ ہم پرانی دہلی کا منظر اپنی آنکھ سے دیکھ رہے ہیں ۔ حسن تخیل اور قوت مشاہدہ کی آمیزش سے افسوس نے ایسی صورت گری سے کام لیا ہے کہ نخاس کی تصویر میں ہرنقش اپنی جگہ پر برمحل اور درست نظر آتا ہے ۔ لطف یہ ہے کہ زبان بھی یہاں عین منظر کے مطابق استعمال کی ہے ۔ افسوس کا بیان ہے ''کسی طرف بانکے ٹیڑھے اپنی مجلس جمائے بیٹھے ہیں ، ایک طرف کئی شہدے شکستے سلفے کے دم مارتے ہیں ، کہیں دو چار لچے نچنے زیادہ گو اپنے اڑھائی چاول جُدے ہی بگھارتے ہیں ۔ غرض میلے کی سی دھوم اور جھڑیوں کا سا ہجوم ہر روز سوائے جمعہ کے دوپہر ڈھلے تلک رہتا ہے'' ۔

ناصر نذیر فراق نے ، وزیر حسن دہلوی نے ، راشدالخیری نے ، ہنگامہ ۱۸۵۷ء سے پہلے کی دلی کی جو تصویریں کھینچی ہیں وہ بہت خوب صورت ہیں لیکن افسوس کے بیانات شاہجہان آباد کے

متعلق پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تصویر کشی کسی سے کم نہیں)۔ اس کے اسلوب میں اور بعد کے مصنفوں کے انداز میں بھی ایک گونہ مشابہت ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے ۔ معمورۂ دھلی کا بیان کرتے وقت سب نے ایک جیسی باتوں کو اہمیت دی ـــ بنارس کے بیان میں جسے کاشی بھی کہتے ہیں ـــ افسوس نے ایک حسین و جمیل عورت کو دیکھ کر اپنے بے خود ہونے کا ذکر کیا ہے اور ایک فقرہ نہایت خوب صورت لکھا ہے۔ ''جھمکڑا دکھاتی ہوئی نہ جانے کدھر گئی، پھر نہ پھری تا شام راہ دیکھی ۔ ۔ ۔ ۔ نداں سمجھے کہ تجلی کو تکرار نہیں'' ۔

''تجلی کو تکرار نہیں'' کا ٹکڑا ایسا پر لطف ہے کہ کیا کہیے ۔ اس کی لذت سے صحیح طور پر آشنا تو وھی لوگ ہوں گے جو تصوف کی اصطلاحات سے واقف ہیں اور تجلی کی برق وشی سے آگاہ ۔ بہر حال اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ (افسوس کو متنوع علوم و فنون میں مہارت حاصل تھی)۔ ہندوؤں کے علوم کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے گندھرپ بدیا یعنی علم موسیقی کا ذکر کیا ہے ۔ اصل کتاب میں تفصیلات مندرج نہیں لیکن افسوس نے اپنی طرف سے بہت کچھ اضافہ کیا ہے ۔ ''چھ راگ تیس راگنی کی ماھیت ، تین گرام کی حقیقت ، سات سر کی نسبت کھل جاتی ہے'' ۔ جو لوگ کلاسیکی سنگیت سے آگاہ ہیں ، وہ واقف ہوں گے کہ سُروں کی باھمی نسبت کا مسئلہ کوئی سامنے کی بات نہیں بلکہ ایک رمزِ دقیق ہے ۔ پھر چھ راگ کی تخصیص بھی عین اصول موسیقی کے مطابق ہے ۔ اصلی تالیف میں چھ راگوں کا ذکر نہیں ۔ شِو مت ، بھرت مت ، کل ناتھ مت اور ھن ونت مت کے مطابق راگ تو چھ ھی ہیں ، البتہ مروجہ مت کے مطابق ناموں کا اختلاف رفع کرکے یہ فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ

چھ راگ یہ ہیں ۔ بھیروں ، مالکونس ، ہنڈول، دیپک ، شری ، میگھ ۔ ہر راگ کی پانچ راگنیاں ہیں ۔ تو کل تیس راگنیاں[1] ہوئیں ۔ انھی کا ذکر افسوس نے کیا ہے ۔ پُتر اور بھارجا کا ذکر افسوس نے نہیں کیا کہ تالیف اصطلاحات سے بوجھل ہو جاتی ۔

افسوس نے دیباچے میں اشارہ کیا تھا کہ میں ہندوؤں کے عقائد کا ذکر کر رہا ہوں ، اپنے معتقدات سے بحث نہیں ؛ اس کے باوجود جہاں وہ دیکھتا ہے کہ بر صغیر میں کچھ ایسی رسمیں رائج ہو گئی ہیں جو شرع اسلامی کے منافی ہیں تو بے باکانہ مجرموں کو ٹوکتا ہے ۔ ہندو بھائیوں میں مدت تک بیوہ سے شادی بالکل ممنوع رہی ۔ افسوس نے اس بات کا ذکر کرکے لکھا کہ مسلمان بھی بیوہ عورتوں کی شادی کرنے سے گریز کرنے لگے ہیں ۔ مسلمان بیواؤں کے متعلق وہ لکھتا ہے :

> ''ہر چند کہ اس کا ولی عالم فاضل کیوں نہ ہو پر اس بات میں جاہل بن جاتا ہے اور شرع کے طریقے سے ہاتھ اٹھاتا ہے'' ۔

مختصر یہ ہے کہ افسوس کی صورت گری اور قوت بیانیہ کا یہ عالم ہے کہ وہ دریاؤں کا بیان کرے یا پہاڑوں کا ، گلزاروں کا نقشہ کھینچے یا صحراؤں کا ، تصویر کھینچ دیتا ہے ۔ مختلف شہروں کا بیان کرتے وقت متعلقہ تقریبات اور تہواروں کا ذکر بڑی تفصیل سے کرتا ہے ۔ کوئی مزار مرجع خلائق ہو ، کوئی میلہ ہو ، کوئی جشن ہو تو افسوس قارئین کو ساتھ لے کر وہاں ضرور پہنچتا ہے اور جس ملک یا شہر کا ذکر کر رہا ہو اس کی خصوصیات روشن

۱۔ ''تکمیل موسیقی'' تالیف محمد افضل خاں ، ۱۹۳۱ء ، لاہور

ھو جاتی ھیں ۔

کہا نہیں جا سکتا کہ لسانی تحقیقات میں افسوس کا کیا مقام ھے لیکن جہاں ممکن ھو، وہ ایسی معلومات بھی مہیا کرتا چلا جاتا ھے ۔ مثلاً بنگالے کے متعلق کہتا ھے کہ یہ بنگ اور آل سے مرکب ھے ۔ آل بڑے پشتے کو کہتے ھیں ۔ اس ملک کے زمندار دامن کوہ میں کئی کئی ھاتھ اونچے اور چوڑے پشتے بنا کر مکان کی بنیاد رکھتے تھے ، اس لیے اس ملک کا نام بنگالہ قرار پایا ۔

بنگالیوں کے آداب معاشرت کا بیان کرنے کے سلسلے میں ان کی خوراک اور لباس کا تفصیل سے ذکر کیا ھے ۔ ایک فقرہ اس سلسلے میں بڑا پر لطف لکھا ھے :

''مچھلی حضرت یونس[۴] کے وقت کی بھی اگر پائیں تو کھا جائیں'' ۔

شہر کلکتہ کے حالات جن کا ذکر اصل کتاب میں نہ تھا ، افسوس نے بڑی تفصیل سے لکھے ھیں ۔ شہر کے نام کی توجیہ یوں کرتے ھیں : کالی[۱] نام بت کی پرستش ھوتی ھے اور بنگلہ زبان میں ''کتا'' صاحب کو کہتے ھیں۔ رفتہ رفتہ 'ی' گر گئی اور اخیر کا الف 'ہ' میں تبدیل ھو گیا ۔ کلکتے کے میلوں ٹھیلوں کا ذکر کرتے ھوئے افسوس نے محرّم کی رسموں کا اور درگا کی پوجا کا خاص طور سے بیان کیا ھے ۔ انیسویں صدی کے شروع میں کلکتے کی معاشرت کا کیا حال تھا ؟ وھاں ثقافتوں کے میل جول سے کیا کیفیت پیدا ھو رھی تھی ؟ ان تمام چیزوں کا ذکر افسوس کے ھاں ھو رھا ھے ،

۱۔ کالی دیوی ۔ مشہور دیوی جسے ھندوستان کے ٹھگ بہت عقیدت سے یاد کرتے ھیں ۔

اس لیے یہ حصہ جیسا کہ فائق صاحب نے حواشی میں لکھا ہے، بہت تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔

افسوس کی یہ خصوصیت ہے کہ آن رسوم و عقائد کا بیان کرتے وقت جو صریحاً خلاف عقل معلوم ہوتی ہیں، یا تو اس بات کی طرف اشارہ کر دیتا ہے یا واقعے کی کوئی معقول توجیہ پیش کرتا ہے۔ مثال کے طور پر صوبہ ٹھٹھہ کا ذکر کرتے ہوئے وہ وہاں کی ڈائنوں کا ذکر کرتا ہے کہ ''لڑکوں کے کلیجے منتر کے زور سے ترت لے جاتی ہیں''۔

پھر صاحبِ ''خلاصۃ التواریخ'' کا حوالہ دے کر لکھتا ہے کہ سجان رائے نے بہ چشم خود ایک لڑکے کا کلیجہ ایک ڈائن کو لے جاتے دیکھا تھا۔ اس پر تنقید کرتے ہوئے افسوس کہتا ہے: ''عقل میں نہیں آتا کہ جنسِ بشر میں اس طرح کی عورت یا مرد ہو کہ جگر کسی کے سینے سے بدون چاک کیے نکال لے جائے اور کوئی نہ دیکھے''۔ یہ اعتراض کرنے کے بعد افسوس بڑے پتے کی بات کہتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم بیسویں صدی کے کسی انسان سے ہم کلام ہیں۔ اس کا قول ہے:

> ''اگر ہمارے مدرکے نے ادراک نہ کیا تو یہ لازم نہیں کہ وہ حقیقت میں بھی نہ ہوئے''۔

بہت سے مسائل اور کوائف کے متعلق اسی اصل اصول پر عمل کرنا پڑتا ہے کہ کسی امر کے واقع ہونے سے ہماری ناواقفیت اس امر کے واقع نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔ آگے چل کر افسوس یہ بھی کہتا ہے کہ ممکن ہے مصنف نے مجازاً کلیجہ لے جانا یا کھا جانا کہا ہو تو مضائقہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں وہ بے جا بات کی تردید کرتا ہے وہاں مصنف کی تنقیص بھی خواہ مخواہ نہیں کرتا۔

خود افسوس نے اپنے دعوے کے مطابق ''آرایش محفل'' کی تالیف میں مختلف تاریخوں سے مدد لی ھے لیکن اس کے باوجود بعض باتیں ایسی حقائق تاریخی کے طور پر پیش کی گئی ھیں جو بالبداھت غلط ھیں مثلاً صوبہ لاھور کے بیان میں داتا گنج بخش (علی ھجویری) کا ذکر کرتے ھوئے وہ لکھتا ھے کہ ھجویری سلطان محمود کے ساتھ لاھور آئے بلکہ انھی کے یُمن قدم سے صوبۂ لاھور فتح ھوا ۔ محمود غزنوی نے ۳۸۸ھ میں تخت سلطنت پر قدم رکھا اور ۴۲۱ھ میں وفات[1] پائی ۔

''کشف المحجوب'' شفق کے قول کے مطابق قرن پنجم کے اواسط میں تالیف ھوئی ۔ یعنی ۴۵۰ھ کے لگ بھگ[2] ۔ ملک الشعرا بہار کے قول کے مطابق ھجویری ۴۶۵ھ میں فوت[3] ھوئے ۔ کوئی مؤرخ یا ادبیات ایران کا کوئی محقق یہ ذکر نہیں کر رھا کہ علی ھجویری کو صوبہ لاھور کی فتح سے کوئی تعلق ھے یا محمود غزنوی سے اُن کا کوئی رابطہ رھا ھے ۔ اگر یہ بات صحیح ھوتی تو مؤرخ بہ اجماع اُس کا ذکر کرتے اور ادبیات ایران کے متعلق تالیفات میں بھی اس کا ذکر ملتا ۔ صوبہ لاھور کا ذکر کرتے ھوئے افسوس نے لکھا ھے کہ اچل ، نگر کوٹ ، جوالہ مکھی ، سیال کوٹ ، چھوٹی گجرات ، شمس آباد اس کی حدود میں شامل ھیں ۔ بٹالہ کے متعلق بڑی مفید تفصیلات درج ھیں ۔

صوبہ کشمیر کا ذکر کرتے ھوئے مختلف مقامات کا ذکر

۱- ''طبقات سلاطین اسلام'' تصنیف لین پول ، ترجمہ عباس اقبال (فارسی- صفحہ ۲۵۹)

۲- ''تاریخ ادبیات ایران'' ، وزارت فرھنگ ، صفحہ ۲۳۳ -

۳- سبک شناسی جلد دوم -

کیا ہے لیکن وہاں کے موسم اور گل و گلزار کا بیان تفصیل سے نہیں کیا۔ دس بارہ سطروں میں اس سر زمین بہشت آئین کی فضائے دل کش کی تصویر کشی کی ہے۔ صوبہ کابل کا ذکر بھی تالیف میں موجود ہے۔

کتاب کے دوسرے حصے میں افسوس نے راجا یدھشٹر سے لے کر رائے پتھورا تک کے حالات لکھے ہیں۔

اس سے پہلے کہا جا چکا ہے کہ اسلوب تحریر کے اعتبار سے افسوس آزاد کا پیش رو ہے کہ اس کی تعریف و تحسین تو کی جا سکتی ہے لیکن اس کی تقلید ناممکن ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ افسوس بھی آزاد ہی کی طرح ایسی نثر لکھتا ہے جو اپنی نظیر آپ ہے۔ فقروں کا اندرونی آہنگ قافیوں کے ذریعے قائم رکھا جاتا ہے جو برابر درِ گوش پر دستک دیتے رہتے ہیں۔ عربی اور فارسی کی مشکل اور ادق تراکیب سے احتراز کرتا ہے۔ ہندی کلمات بہ کثرت استعمال کرتا ہے۔ عربی، فارسی اور ہندی کلمات کو یوں شیر و شکر کرتا ہے کہ کہیں ذرا سی بھی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ اردو زبان کے اعتبار سے ایک وحدت تالیفی ہے، جس میں مختلف زبانوں کے کلمات یوں مل جل گئے ہیں کہ سب پر اردو بن کی چھاپ لگ گئی ہے۔ آزاد کی طرح افسوس بھی تشبیہ اور استعارے کا دامن تھامتا ہے، روزمرہ اور محاورے سے کام لیتا ہے، تصویر کشی میں وہ خطوط لگاتا ہے جو جانے پہچانے ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی زبان میں متروک کلمات ملتے ہیں۔ مثلاً 'وے' یعنی 'وہ' 'جاوے' یعنی 'جائے' 'جاگہ' یعنی 'جگہ' لیکن ان سے قطع نظر کر لیا جائے تو اس کی زبان بالکل آج کل کی زبان معلوم ہوتی ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ افسوس کی نظر

آج پر نہیں بلکہ اس آنے والے کل پر ہے جو اردو کی مقبولیت اور عالم گیری کا ضامن ہوگا - یہی بات دھیان میں رکھ کر اس نے ایک رنگین، مرصع لیکن اس کے باوجود سادہ اور شگفتہ انداز نگارش اختیار کیا اور دوسری زبانوں کے الفاظ بہ کثرت استعمال کیے کہ اردو کا دامن وسیع ہو جائے اس کی ممکنات نمایاں ہو جائیں اور واضح ہو جائے کہ یہ زبان ہر قسم کے مطالب و مضامین خوبی اور محبوبی سے ادا کر سکتی ہے - اردو کی مقبولیت میں افسوس بالعموم اور ''آرائش محفل'' بالخصوص دخیل ہے اور یہی اس کتاب کے زندہ رہنے کی دلیل ہے -

---

آرایشِ محفل

مؤلفہ : میر شیر علی افسوس

مرتبہ : کلب علی خان فائق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد کرتا ہوں میں اُس خالق کی جس نے ماہیات کو مرتبۂ تقرر کے بعد خلعت وجود کا بخشا اور حقیقت انسانی کو زیور عقل سے آراستہ کیا ۔ شکر کرتا ہوں ایسے منعم کا جس نے نعمتیں انواع و اقسام کی عنایت کیں اور قوتیں مختلفہ ہر ایک عضو کے مناسب جسمِ واحد میں بخشیں ، جن کے باعث ہر ذی روح نے اپنے دوست دشمن کو پہچانا اور نیش و نوش کا تفاوت جانا کہ اُس سے بچایا اور اس سے لطف اُٹھایا ؛ خصوصاً ارسال انبیائے کرام کا اور اوصیائے عظام کا کہ اعلاے انواع نعمت اور اقصاے اقسام رحمت ہے ، کیوں کہ ان کے ہی سبب ہم نے اپنے تئیں گم راہی سے بچایا اور رستہ ہدایت کا پایا ۔ بعد اُن کے تسلط سلاطین عدول کا اور عمل شاہان مقبول کا ، تا اُن کے ظلِّ حمایت میں ہم چین کریں ، کسی ظالم کے ہاتھ سے دکھ نہ بھریں ۔

ابیات

اگر ہر موے تن میں سو زباں ہو
بشر سے شکر اُس کا پر کہاں ہو

وجود اُس کا ہے واجب ، یہ ہے ممکن
سدا ہے وہ ، یہ جگ میں ہے کوئی دن

ہوئیں محصور پھر کب اس کی نعمات
بغیر از عجز کچھ بنتی نہیں بات

ہے اب نعتِ پیمبر کی مجھے فکر
کہ بہتر اس سے اب کوئی نہیں ذکر

محمدؐ نام ہے اُس پیشوا کا
خلاصہ ہے وہ سارے انبیا کا

زہے نصیب کہ ہم اُس کی اُمت ہوئے۔ اب دغدغہ ہنگامۂ محشر کا مطلقاً نہ رہا اور خوف حساب کتاب کا یک لخت دل سے اُٹھ گیا۔

ابیات

کسے اب گناہوں کا ہے اپنے غم
کہ اپنا نبیؐ ہے شفیع اُمم

نہیں اک ذرا ترس نارِ جحیم
کہ حامی ہے اپنا رسولؐ کریم

ہے بعد اُس کے والی شہِ بو ترابؑ
ہمیں کیوں ہو پھر خوف روز حساب

خوشا اوقات ہماری کہ ہم اُس کے غلام ہوئے۔ اب مشکلوں میں کیوں گھبرائیں کہ والی اپنا مشکل کشا ہے اور ہر ایک روباہ وش کے فریب سے کس لیے ہڑھڑائیں[1] کہ مولا ہمارا شیر خدا ہے۔

ابیات

وہی دین و دنیا کا ہے پادشاہ
کرے گا بہ خوبی ہمارا نباہ

خدا نے اُسے دم بہ دم وصل ہے
نبیؐ کا خلیفہ بلا فصل ہے

وہی ہے پیمبر کا مسند نشیں
کسی اور کو یہ لیاقت نہیں

مگر اُس کے فرزند گیارہ امام
ہیں بعد اُس کے ہادیٔ دیں لا کلام

۱- ہڑ بڑائیں؟

مجھے پیروی اُن کی ہووے نصیب
کہ بے شبہ ہیں وے خدا کے حبیب

بعد اُس کے عاصی شیر علی جعفری متخلص بہ 'افسوس' ابن سید علی مظفر خاں یہ کہتا ہے کہ جب میں ''باغ اردو'' کی تحریر سے فراغت پا چکا، صاحب مدرس ہندی مسٹر جان گلکرسٹ بہادر دام الطافہٗ نے اُس کا چھاپا شروع کروا دیا؛ چناں چہ پانسو کتاب چھپی اور دور دور تلک پہنچی ۔ بعد اُس کے فرمایا ''فی الواقع تو اس فن میں دست گاہ کامل رکھتا ہے، تیرے کلام کی طرز سے ہم بہت محظوظ ہوئے؛ اب جتنی کتابیں کہ لوگوں کی تالیف ہیں یا ترجمے، تو انھیں اصلاح دے ۔ زنہار اس امر میں کسی کی خاطر نہ کرنا، ان کی صحت و غلطی کی پرسش تجھی سے ہوگی، مولفوں مترجموں سے کچھ علاقہ نہیں''۔ میں مجبور تھا، حکم اُن کا رد نہ کر سکا، طوعاً و کرھاً اس کام میں مشغول ہوا؛ چناں چہ چار کتابیں تو بالکل درست کیں، تفصیل اُن کی دیباچۂ رقمی میں لکھ چکا ہوں اور ایک آدھ کے جملے ہی مربوط کر دیے ۔ بعد اُس کے اس کام سے دست بردار بھی ہوا کہ محنت برباد گنہ لازم جس کا نتیجہ ہو، وہ بے فائدہ ہے؛ لیکن بے کار رہنا اس ناکارے کا جو شعار نہیں، بنا بر اس کے چند اوقات سر منشۂ شعرا مرزا رفیع السودا کے کلیات کی صحت میں کٹی ۔ از بس کہ وہ کاتبوں کے قلمِ جہل سے اغلط ہو گیا تھا، جیسا چاہیے ویسا صحیح نہ ہو سکا اور نسخہ بھی دوسرا کہ بہ مرتبۂ صحیح ہو، بہم نہ پہنچا ۔ بہ سبب اس کے کہیں کہیں غلط رہ گیا؛ بہ ہر صورت اُس سے جب فراغت حاصل ہوئی، تب صاحب عالی شان عادل زمان مسٹر ہارنگٹن بہادر دام دولتہٗ نے ترجمہ کرنا ''خلاصۃ التواریخ'' کا تجویز کیا بلکہ فرمایا کہ صاحبان کونسل

کا بھی حکم یہی ہے ۔ فقیر نے اس امر کو مقتضائے حال کے جو موافق دیکھا بہ رغبت تمام اس کے مطالب کو زبان اردو میں لکھنا شروع کیا ، پر بہ طور تالیف ۔ اگرچہ آغاز اس کا نواب فلک جناب گورنر جنرل مارکویس لارڈ ولزلی بہادر ، افتخارِ عقلاء بانیٔ مدرسۂ طلباء دام ظلہٗ کے سال آخر عہد حکومت میں ہوا ۔ سن ہجری اس وقت بارہ سو انیس تھے اور عیسوی اٹھارہ سَے چار لیکن احوال سلاطینِ ہنود کا نواب سپہر انتساب ، فطانت میں فلاطون ، دانائی میں ارسطو ، بہادرِ بہادراں ، سر سروراں گورنر جنرل سر جارج ہلیرو بارلو بارنٹ دام اقبالہ کی ابتدائے ریاست میں کہ سن عیسوی اٹھارہ سَے پانچ تھے اور ہجری بارہ سَے بیس ، تمام ہوا ۔ اب کریمِ کارساز و داورِ بے نیاز کے فضل سے امیدوار ہوں کہ احوالِ سلاطینِ مسلمین بھی اس طرح انصرام ہووے تا اس ہیچ مدان کی ایک یادگاری کتاب خانۂ دہر میں باقی رہے اور طلبائے زبانِ اردو کو فائدۂ کامل بخشے ۔ اس کا نام ''آرایش محفل'' رکھا ۔ فی الواقع کتاب و کلام سے بہتر شخص کی بقائے نام کے واسطے کوئی چیز نہیں کہ یہ مدت تلک باقی رہتے ہیں اور بقائے اولاد کی امید نہیں کیوں کہ ہم نے بہ چشم خود دیکھا کہ کتنوں کی نسل قطع ہو گئی اور ان کی نشانی دنیا میں اس قبیل سے کچھ نہ رہی ۔

بیت

اگر چاہتا ہے رہے تیرا نام
تو کچھ چھوڑ جا جگ میں اپنا کلام

لیکن اس بات کو معاش سے دل جمعی بلکہ اطمینان کلّی چاہیے ؛ سو صاحبان والا جاہ خلائق پناہ کی بہ دولت اپنے تئیں میسر ہے ، خصوصاً امیرِ امیرانِ جہاں ، صاحب کلاں ، صاحبان عالی شان دام ظلہم کی نوازش سے ۔ پس ہم کو دعا و ثنا اُس کی

صبح و شام لازم ہوئی ۔ مثل مشہور ہے ''جس کا کھائے اُس کا گائے''۔

ابیات

خدا نت رکھے اُس کے اقبال کو
شہامت کو، رفعت کو، اجلال کو
عدالت سدا اُس کی قائم رہے
ریاست ترقی میں دائم رہے
وہ حاکم جہاں میں رہے سال و ماہ
ہر اک اس کے سائے میں لیوے پناہ

اور شکر گزاری افتخارِ مرزایان ہندوستان، دولت خواہِ صاحبانِ عالی شان، فخر خاندان فخر الدین احمد خاں عرف مرزا جعفر ابن محسن الزماں خاں مرحوم کی شب و روز کرنی ضرور ہوئی کیوں کہ سرکار دولت مدار میں سبب اپنی رسائی کا وہی ہوا وِ الاّ امیروں تلک فقیروں کی پہنچ کہاں ۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اور صاحب کمال و شاعر اپنے سے بہتر بہتر لکھنؤ میں اس وقت موجود تھے بلکہ اب بھی ہیں ۔ غرض مرزاے موصوف کی جوہر شناسی و آشنا پرستی اور صاحبان عالی شان کی قدردانی و مہربانی لوح دل پر کالنقش فی الحجر[1] ہے، مٹنے کی نہیں ۔ ع

پتھر کا نقش ہے یہ مٹایا نہ جائے گا

اشارہ اُس کا باغ اُردو کے دیباچے میں ہو گیا ہے، بہ تفصیل وہاں لکھنا موقع نہ تھا ۔

۱۔ متن نسخہ اول ص ۴ پر ''نقش کالحجر'' غلط ہے ۔ نسخۂ دوم و سوم میں ''کالنقش فی الحجر'' ہے ۔ غلط نامے میں صحت کر دی گئی ہے ۔

بیت

بس اب بعضے عذروں کو تحریر کر
قلم ہاتھ میں ہے نہ تاخیر کر

صاحبانِ خرد پر ظاہر ہووے کہ بعضے مؤلفین و مترجمین نے چھاپے کے وقت جو درخواست کی کہ نام کتب مسطورہ کے اگر دیباچے میں رہیں گے تو ہماری کسر شان ہوگی ۔ ناگزیر اُن کے پاس خاطر راقم نے صفحۂ تحریر سے نکال ڈالے اور خلاصۃ التواریخ کا ترجمہ نہیں کیا ؛ ہاں مضمون اس کا اس زبان میں لکھا ہے اور کمی زیادتی بھی جہاں موقع دیکھا ہے ، وہاں کی ہے لیکن صوبے اور سرکاروں کی حالات میں اکثر اور قلعوں کے احوال میں کم تر۔ سبب اس کا تغیر و تبدل ہے ، خواہ آبادی کی جہت سے ہو ، خواہ ویرانی و خرابی کے باعث ؛ اور بعضے شہر و قصبے کا اُسی نہج پر رہنے دیا ، یہاں تک کہ صیغے بھی عبارت میں حال ہی کے لکھے ۔ ہر چند اس عہد میں وہ اُس رنگ پر نہیں بلکہ کہیں سے کہیں تفاوت ہو گیا ہے مگر آمدنی ہر ایک صوبے کی جو عالم گیر کی سلطنت میں تھی ، وہی لکھی کیوں کہ مطابق اس دور کے دریافت کر کے لکھنا محال تھا اور بعضے صوفیہ کی کرامت و خرق عادت اور ان کی درگاہوں کے احوال و تصرّفات جو ثبت کیے ، فقط کتاب مذکور کی مطابقت کے لیے ؛ بلکہ اسی لحاظ سے ہنود کے فقیر اور معابد کے اوصاف و احوال کہ خلاف عقل و عقیدہ تھے ، لکھنے میں آئے ؛ نہ از راہ اعتقاد کیوں کہ اس خاکسار کا مذہب یہ ہے :

بیت

گر دو عالم پُر از ولی باشد
پیر ما مرتضیٰ علیؓ باشد

والسّلام علیٰ من اتّبع الہدیٰ ۔

مقدّمہ

ہر انسان کو موافق اپنے مذہب کے معرفت و عبادت اپنے خالق کی ضرور ھے اور طریقے اُس کے بہ دون علم کے نہیں آتے بلکه جاهل کی عبادت بسا اوقات بدعت هو جاتی ھے ۔ پس تحصیل علم کی واجب هوئی : ع

که بے علم نتوان خدا را شناس

بلکه سلیقه معاش کا بھی اسی پر موقوف ھے ۔ بہر حال اس میں جتنی کوشش کرے بجا ھے اور جتنی مشقت کھینچے روا ھے ۔ بشر کو لازم نہیں که اوقات اپنی لہو و لعب[1] میں گزارے اور عمر گراں مایه کو هزلیات میں صرف کرے ۔ جس وقت که امور ضروری و واجبی سے فراغت پائے اور وقت فرصت هاتھ آئے تو کتب تواریخ دیکھے که سیر آن کی نہایت مفید ھے ؛ خصوصاً سلاطین و حکام کو کیوں که شاهان سلف کی نیکی و بدی سے آگھی هوتی ھے ۔ چاهیے که نیکوں کے چلن اختیار کرے اور بدوں کے رویے چھوڑ دے تا اس کی سلطنت میں فساد راه نه پاوے اور ریاست هاتھ سے نه جاوے ۔ سوائے اس کے هدایت و معرفت بھی حاصل هوتی ھے ؛ وجه اس کی یه ھے که جب انسان نے دریافت کیا که کیا کیا بادشاهِ ذوی‌الاقتدار اور سلاطینِ جبّار

۱۔ طبع اول اور دوم میں ''لہو لعب'' اور نسخۂ سوم میں ''لہو و لعب'' ھے جو درست ھے ۔

باوجود اُس جاہ و حشم، مال و[1] نعم کے ایک بار ایسے ناپید ہوئے کہ اُن کی قبروں کے بھی نشان نہ رہے۔ شاید اُس کو حرص جاہ و سلطنت کی نہ ہووے، دنیا و ما فیہا کو مورد فنا سمجھے اور عقبیٰ و لوازم عقبیٰ کو محل بقا۔

ابیات

اولوالعزم کیا کیا ہوئے بادشاہ
ہوئی خاک ہی اُن کی آرام گاہ

جو تھے مالکِ چتر و بان و نشان
نہیں اُن کی قبروں کے باقی نشان

سروں پر جو رکھتے تھے تاج زری
پڑی خاک پر اُن کی ہے کھوپری

بدی یا کہ نیکی اُنھوں نے جو کی
وہی صفحۂ دھر پر رہ گئی

کہاں میں، کہاں تو، بجز اُس کی ذات
کسی کو نہیں ہے دوام و ثبات

یہ چند سطریں مملکت ھندوستان کی تعریف میں :

جب سے یہ مرکزِ خاکی حیوانات کی آرام گاہ ھوا، سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں شہر، قصبے بسے اور بستے جاتے ھیں؛ کوئی ادنیٰ کوئی اعلیٰ، لیکن ھندوستان کی سر زمین کا عالم سب سے نرالا ھے۔ کوئی ولایت اس کی وسعت کو نہیں پہنچتی اور کسی مملکت کی آبادی اس کو نہیں لگتی۔ یہاں کی ہر ایک بستی میں گہما گہم، جا بجا ایک نئی طرح کا عالم۔ ہر شہر و قصبے

۱- طبع اول (ص ٦) و نسخۂ دوم (ص ۷) میں واؤ نہیں، نسخہ سوم (ص ۵) اور نسخۂ انجمن میں واؤ ہے۔

میں ستھری ، پاکیزہ ، پختہ[1] متعدد سرائیں ، مسافر کے واسطے ہر موسم کے اوڑھنے بچھونے اور اقسام کی غذائیں ۔ اکثر بستیوں میں مسجدیں ، خانقاھیں ، مدرسے ، باغات ، غریبوں ، بے کسوں ، مسافروں کے لیے متعدد مکانات ۔ قلعے بڑے بڑے ، مضبوط ، وسعت میں ایسے کہ سیکڑوں گاؤں اُن میں بسیں اور رفعت میں اس قدر کہ بادل اُن کے نیچے برسیں ۔ ندی نالے ، تالاب ، کنویں[2] لطیف و پاکیزہ ہزارھا ، پانی اُن میں میٹھا ، ٹھنڈا ، ستھرا بھرا ہوا ۔ بڑے بڑے دریاؤں میں کشتیاں ، نواڑے ، بجرے وغیرہ بے شمار ۔ شاہ راہ کے ندی نالوں پر بیش تر مقاموں میں پل بندھے ہوئے تیار ، اکثر رستوں میں کوسوں تلک سایہ دار درختوں کی دو رستہ قطار ، ایک ایک کوس کی مسافت پر ایک مینار نمودار ۔ ہر ایک چوکی پر ہمہ چیز مہیا ، سودے والوں کی دکانیں جا بجا ۔ مسافر خوش و خرم ، کھاتے پیتے ، اُٹھتے بیٹھتے ؛ دن بھر چلے جاتے ھیں اور شام کو منزل پر بھی سب طرح کا آرام پاتے ھیں ۔

بیت

جہاں دیکھیے خیر ھی خیر ھے
سفر یہ نہیں باغ کی سیر ھے ۔

سوائے اس کے راہ میں اگر سونا اُچھالتے چلے جائیں ، کہیں خطرہ نہیں اور جنگل میں رات کو جہاں چاھیں سو رھیں ، کچھ پروا نہیں ۔ چناں چہ ہمیشہ سوداگر بنجارے مال متاع ، غلہ

۱- طبع اول و نسخہ دوم (ص ۷ ، ص ۸) میں واو نہیں ، نسخۂ انجمن اور نسخۂ سوم میں واو ھے جو غلط ھے ۔

۲- نسخہ اول (ص ۷) و نسخہ سوم (ص ۸) ''کوئے'' نسخہ دوم (ص ٦) ''کوے'' نسخۂ انجمن (ص ۹) کنویں ۔

دور دور سے بھر لاتے ھیں اور منزل مقصود پر سلامت جوں کا توں پہنچ جاتے ھیں ۔ مشرق کی طرف اس مملکت کے بنگالہ ھے اور جنوب کی سمت دکھن ۔ مغرب کی جانب ٹھٹھہ ، وھاں سے شور دریا نزدیک ھے اور شمال کی طرف ایک بڑا پہاڑ ھے کہ اس کی انتہا کو کوئی نہیں پہنچا ۔ ہر چند اِس سر زمین میں الماس ، یا قوت سونے ، رُپے ، تانبے ، لوھے ، سُرب وغیرہ کی کانیں موجود ھیں اور ان کا حاصل بھی بہت سا ھے لیکن بیشتر آمدنی یہاں بہ دولت غلے کے ھے اور وہ انواع و اقسام کا ھوتا ھے ۔ اُن کا تفصیل وار لکھنا دقّت سے خالی نہیں ، پر یہاں کا اکثر اناج با مزہ و خوش ذائقہ ھوتا ھے ؛ خصوصاً سکھ داس کے چاول نہایت لطیف ، لذیذ ، خوش بُو ھوتے ھیں ۔ بادشاہ ، وزیر ، امیر بلکہ سارے دولت مند جن کو خدا نے ذائقہ دیا ھے ، ھر روز پکواتے ھیں اور چاہ کر کھاتے ھیں ۔ سچ تو یہ ھے کہ اگر یہ بہشت میں ھوتے تو حضرت آدم علیہ السلام گیہوں کا دھیان نہ کرتے ، توڑنا کھانا تو معلوم ۔ غرض غلے کی بہتایت زراعت کی کثرت پر موقوف ھے اور اس کا مدار بارش پر ۔ ھر چند بعضے بعضے مقاموں میں کھیتیاں ، جھیل ، تالاب اور کوئے (کنویں) کے پانی سے بھی ھوتے ھیں ؛ خصوصاً پہاڑ کی ترائی میں کہ وھاں ندی نالے بیشتر بہتے ھیں ۔ قطعے وھاں کی زمین کے بسا اوقات نم ناک رھتے ھیں ؛ وہ چنداں مینہ کے محتاج نہیں ، پر وہ کتنی اور کیا بساط رکھتی ھے کہ غلہ اُس کا وفا کرے اور ایک خلق خدا کا پیٹ بھرے ۔ الغرض اکثر زمینیں یہاں کی جو قابل جوتنے بونے کے ھیں ، اُن کی زراعت موقوف بارش پر ھے ۔ سینچنا وھاں متعذّر اور لا حاصل کیوں کہ وہ اس قدر ھیں کہ شمار بھی اُن کا دشوار ھے ۔ پھر کسانوں کا کیا مقدور جو اُن کے عشر عشیر کو بھی پانی دے سکیں ، سیراب کرنا تو در کنار ۔ یہ قادرِ لایزال

نے ابر ہی کو قدرت بخشی ہے کہ ایک پل میں جل تھل بھر دیتا ہے ۔ حاصل یہ ہے کہ غلے کی فراوانی اور اناج کی ارزانی کا سبب مسبّب الاسباب نے باران رحمت ہی کو بنایا ہے ۔ سینچے سنچائے سے یہ بات کہاں ، اور بعضی سیر حاصل کہ وہ سال میں دو بار مزروع ہوتی ہے بلکہ تین بار ۔ سبحان اللہ ! کیا صانع ہے کہ ہیولا تو عناصر کا ایک کیا ، پھر ایک کی ایک کو ضد بنایا اور تاثیرات مختلفہ اُن سے ظاہر کیں ، بلکہ ہر ہر واحد کو بھی خواص و اوصاف ایک سے نہ دیے ۔ چناں چہ کسی ملک کی ہوا کچھ ہے اور کسی شہر کی کچھ ۔ علیٰ 'ھذا القیاس پانی میں بھی کیفیت ایسی ہی کچھ دیکھی جاتی ہے ، ہر چند کہ جنس میں اتحاد رکھتا ہو ۔ اب گنگا جمنا میں کس قدر قربت ہے ۔ ساتھ اس کے پانی کی تاثیر بلکہ رنگت بھی جُدی ہے ؛ پھر جن دریاؤں میں کہ کالے کوسوں کا تفاوت ہے ، اُن کے پانی کی خاصیت کا فرق لکھنا زیادہ ہے اور کوئے (کنویں) تو ساتھ اس بات کے کہیں کھاری کہیں میٹھے ہوتے ہیں ۔ یہاں تو رات دن کا تفاوت ہے ، لکھنا اُس کا محض لغو ۔ زمین کی بھی ماہیت ایسی ہی کچھ ہے ۔ کسی جگہ تو ایک سال میں دو دو تین تین مرتبے اناج پیدا ہوتا ہے ، کہیں ایک مرتبے ، کسی مقام میں مطلق نہیں ، گو کہ مینہ سب جگہ مساوی برسے ۔ سوائے اس کے کہیں کا چاول خوب ہوتا ہے ، کسی جگہ کا گیہوں ، کسی طرف کا چنا ؛ مع 'ھذا کمتی زیادتی بھی ہر اناج کی جا بجا دیکھنے میں آتی ہے ۔ وجہ اس کی کماحقہ' ہم پر نہیں کھلی مگر آگ کی خاصیت و کیفیت میں فرق معلوم نہیں ہوتا ۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ وہ بہ دون لکڑی کوئلے وغیرہ کے علاحدہ موجود نہیں ہوتی یا کچھ اور ہو کہ اُسے ہم نہیں جانتے ۔ العلم عنداللہ ۔

چند سطریں موسم بہار و برسات کی تعریف میں :

اگرچہ فصل ربیع میں بھی اس ملک کے بیچ ، پھول پھل بہتایت سے انواع و اقسام کے پھولتے پھلتے ھیں ۔ آم موراتے ھیں بلکہ گلاب بھی باغوں کے بیچ بیش تر اسی فصل میں پھولتا ھے اور جنگلوں میں ٹیسو سرسوں اس کثرت سے کہ نگاہ کام نہیں کرتی اور آنکھ نہیں ٹھہرتی ۔ رنگت اُس کی عاشقوں کے چہرے کی زردی زیادہ چمکاتی ھے اور ھوا آتشِ عشق کو دونا بھڑکاتی ھے ۔

ابیات

جن کو وصل گل رُخاں ھے اُن کو بھاتی ھے بہار
ھم سے مہجوروں کو لیکن کب خوش آتی ھے بہار
دید گل کیا کیجیے بڑھتی ھے دونی بے کلی
خارِ ھجراں اور بھی دل میں چبھاتی ھے بہار

فی الحقیقت رات دن اُس کا خالی کیفیت سے نہیں کیوں کہ دھوپ بے حدّت اور چاندنی بے کدورت ان دنوں رھتی ھے اور باؤ بھی عطریت و اعتدال کے ساتھ بہتی ھے ۔ چناں چہ اُس کے جھوکے کی لپٹ دماغوں کو مہکاتی ھے اور رطوبت اجسام کی تازگی بڑھاتی ھے ۔ مرزایانِ ھند اس موسم کو فصل بہار یا موسم بہار کہتے ھیں ، پر اکثر خاص و عام گلابی جاڑا ۔ ابتدا اس رُت کی 'مِیْن' کی سنکرات ھے یعنی آفتاب کا آنا برج 'حوت' میں اور انتہا 'میکھ' کا آخر یعنی برج حمل کا تیسواں درجہ اور پنچمیں بسنت جو ھولی کے پہلے ھوتی ھے ؛ وہ ایک تیوھار ھے کہ جہان میں رائج ھو گیا و الاّ ھولی موافق اس حساب کے اس رُت سے مقدم ھے کیوں کہ دھلینڈی چیت کی پہلی کو ھوتی ھے لیکن نو روز کہ وہ عبارت تحویلِ آفتاب در برج حمل ھے ، ھولی کے آگے پیچھے ھوتا ھے ، پر تھوڑے دنوں کے فرق سے ؛ اور بعد سال ھاے سال کے

اتفاق ایسا ہوتا ہے کہ ہولی اور نو روز ایک دن جمع ہو جاتے ہیں لیکن اس ملک میں برسات کا موسم نہایت لطف دکھاتا ہے ۔ آسمان پر رنگ بہ رنگ کی گھٹا ، چاروں طرف خوش آیند ہوا ، زمین یک لخت سبزہ زار ، ہر ایک پہاڑ مثل گلزار اور گلزار سراپا بہار ۔ پھول طرح بہ طرح کے چمنوں میں کھلے ہوئے ، درخت ہرے ہرے گنجان آپس میں ملے ہوئے ۔ نہروں کی لب ریزی کا طور ہی جدا ، سبزے کی نوخیزی کا عالم ہی علاحدہ ۔ ہر ایک ندی نالا دریاؤ چڑھا ہوا ، ڈھرا ڈھرا تالاب پانی سے بھرا ہوا ۔ سبزے کی لہک ، بیر بہٹی کی دمک ، بجلی کی چمک ، بادل کی کڑک ایک عالم دکھاتی ہے ۔ بگلوں کی ڈار ، مینہ کی پھہار ، موروں کی جھنکار ، پپیہوں کی پکار دلوں کو لبھاتی ہے ۔ تھم جا بجا گڑے ہوئے ، جھولے پڑے ہوئے ، ہنڈولے کھڑے ہوئے ؛ ان میں رنگ بہ رنگ کی پوشاکیں پہنے ہوئے سینکڑوں پری پیکریں جھولتیاں ہیں ۔ کوئی پینگ چڑھا رہی ہے ، کوئی ہنڈولا گا رہی ہے ، کوئی پاؤں جوڑ کر کسی کے ساتھ جھولتی ہے ، کوئی کسی کا دل لے کر بھولتی ہے ۔

ابیات

ہر اک کام میں اپنے مشغول ہے
ادا اس کی جو ہے سو مقبول ہے

چڑھی ہے سبھوں کو جوانی کی مے
جسے دیکھیے مست ہی مست ہے

عجب طرح کی رُت ہے برسات کی
کہ شکل اور بدلی ہے دن رات کی

گھٹا کی یہ کثرت ہے شام و سحر
بس اب ایک صورت ہے شام و سحر

ہر اک طرف ہے بادلوں کا ہجوم
یہ کچھ مینہ کی ہے زمانے میں دھوم

ہمیشہ بندھا مینہ کا تار ہے
برستا پڑا موسلا دھار ہے

عیاں ہے ہر اک چشمہ با آب و تاب
پر اک ہے نہاں چشمۂ آفتاب

زمانے میں دورِ مئے ناب ہے
بسا ہر طرف عالم آب ہے

نہ دن کی خبر ہے نہ اب رات کی
اگر کچھ خبر ہے تو برسات کی

شروع اس رَت کی سنکرات 'کرک' کی یعنی آنا سورج کا 'سرطان' میں اور تمامی اس کی 'سنگبھ' کا آخر۔ مراد اس سے تیسواں درجہ 'اسد' کا ہے۔ پس اس حساب سے ساون بھادوں ہی اس رُت میں داخل ہیں اور اساڑھ کُوار خارج لیکن خاص و عام میں چاروں ہیں، موافق اس کے پہلا اساڑھ ہے: اس میں اکثر ابر غبار آلود بلکہ گاہے آندھی کے ساتھ آتا ہے اور مینہ زور شور سے برس کر کھل جاتا ہے۔ دوسرا ساون، اُس میں بیش تر سہاؤنی سہاؤنی گھٹائیں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں، بارش بھی اکثر میانہ و معتدل لیکن کئی کئی، دن ابر گھرا رہتا ہے اور آفتاب چھپا رہتا ہے۔ تیسرا بھادوں، بجلی اس میں اکثر کڑکتی چمکتی ہے اور مینہ دڑیڑے سے برستا ہے، پر بیش تر جلد کھل جاتا ہے اور اُس کے آخر میں یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک طرف مینہ، ایک طرف دھوپ بلکہ مبالغہ یہاں تلک کرتے ہیں کہ بھادوں کا مینہ اچنبھے کا ہے کہ بیل کا ایک سینگ گیلا اور ایک سوکھے کا سوکھا رہا۔ بنا بر اسی کے اساڑھ کے ڈونگڑے، ساون کی جھڑیاں، بھادوں کے دڑیڑے مشہور ہیں۔ چوتھا

کوار، پر وہ جاڑے کا دوار ہے ۔ مینہ اس میں بھی برستے ہیں بلکہ کئی کئی دن کی جھڑیاں لگ جاتی ہیں لیکن کوئی خاص طور اس کی بارش کا نہ تھا اس واسطے لکھنے میں نہ آیا ۔

چند سطریں میووں کے وصف میں :

میوے بھی رنگ بہ رنگ کے اس سر زمین کے بیچ اپنی اپنی رت میں ہوتے ہیں ۔ ہر ایک[1] گرد و نواح میں جہاں تہاں تربوز

۱- 'افسوس' نے لفظی ترجمہ نہیں کیا ہے اور کافی اضافہ کیا ہے اس لیے اس ترجمے کی حیثیت طبع زاد تصنیف کی سی ہے ۔ عبارت مندرجہ ذیل سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ متن کتاب ''خلاصۃ التواریخ'' سے ترجمے میں کتنا اختلاف ہے :

از رنگا رنگ میوہاے ربیعی و خریفی با کمال عذوبت و لطیفی اگر بہ تفصیل برنگرد کتابے علاحدہ باید ۔ اگرچہ انگور و خوربوزہ و تربوز و انار و سیب و شفتالو و انجیر و غیر ذالک بہتر از ولایت می شود ، اما میوۂ مخصوص ہندوستان کتھل در لذت بے بدل و ڈھل (بڑھل ؟) بہ حلاوت ضرب المثل و اناس بہ خوش مزگی و خوش بوے روشناس و کیلہ حلوا آمود شریفہ حلاوت اندود و نارجیل عدیم المثال و کونلہ و سنگ ترہ در مزہ بے عدیل و کنار شیریں کار است و از کنار صحرائی چہ نویسد کہ خود را بر ہمہ وقف کردہ ، نہالش داماں صادر و وارد می گردد ، واز ثمرات خویش فیض می بخشد و دیگر گونا گوں میوہا ست کہ بہ شمار در نیاید :

بیت

نو آئیں میوہائے نوش پرور
بہ لذت ہر یکے پر آب دیگر

و سر آمد میوہائے ایں ولایت انبہ است کہ از رنگ و ترکیب خوش دل ہا می رباید ...... دیگر نیشکر است سر چشمۂ قند و نبات شیرۂ آں ہم شیرہ آب حیات ۔

(خلاصۃ التواریخ سبحان رائے در مطبع جی اینڈ سنز دہلی مطبوعہ ۱۹۱۸ء ، مرتبہ ظفر حسن)

خربوزے سے فالیزیں معمور اور سیب ، انار ، شفتالو ، انجیر ، انگور وغیرہ کا باغوں میں نہایت وفور لیکن نہ ولایت کے سے ۔ حق تو یوں ہے کہ ان میں اُن میں فقط نام کی شراکت ہے اور ذات صفات میں اُس سرے کا تفاوت ۔ پر ہند کے بعضے خاص میوے کو کہ وہاں کے میووں پر ترجیح دیتے ہیں، وہ آم ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں عادت اور رغبت کو دخل بہت سا ہے ۔ یہیں کے باشندے بعضے تو ایک میوے کو چاہ کر کھاتے ہیں اور کتنے اُس کی بُو سے بھاگ جاتے ہیں ؛ چناں چہ کٹھل کی باس سے راقم ہی بیزار ہے حال آں کہ ایک عالم اُس کا خریدار ہے ۔ قصہ مختصر یہاں کا خاص میوہ ایک اناس ہے جس کا وہ رو شناس ہوا اور جس کے ٹک منہ لگا پھر نہ چھٹا ۔ باس اُس کی دماغ کا آرام ، شیرہ اُس کا شیرۂ جان کا قوام ۔ حلاوت اُس کی ناشپاتی کو پھیکا کرے ، رنگ پر اس کے بہی ٹپک پڑے اور شریفہ سب سے شریف تر ہے ؛ وضیع و شریف اُس کو چاہ کر منگواتے ہیں بلکہ اکثر صاحبِ ذائقہ سراہ کر کھاتے ہیں ۔ کٹھل بڑھل بھی اپنے اپنے مزے میں بے بدل ہیں لیکن اُس کے ایک ہی کوئے سے جی بھر جاتا ہے اور یہ اکثر کھانے میں آتا ہے ۔ اور کیلا تو سب میووں پر بھاری ہے ، اُسے اکیلے ہی کھایا چاہیے کیوں کہ حلوۂ بے دود ہے ؛ خصوصاً امرت بان کہ عطریت ، ملایمت ، حلاوت تینوں اُس میں بہ خوبی موجود ہیں ۔ اگرچہ چنیا کیلا بھی نہایت لطیف ، لذیذ ، خوب صورت ، خوش ذائقہ ہے پر ویسا کہاں ۔ اب اَور قسموں کا بیان لاحاصل ہے ۔ ہر چند کہ بعضا اَور بھی ایک طور کا مزا رکھتا ہے اور ہند کے سب ملکوں میں ہوتا ہے لیکن بنگالے برابر کہیں نہیں ۔ چناں چہ وہ دونوں قسم خاص اسی ملک میں ہیں ۔ کولہ سنگترا

بھی عجیب تر میوہ ہے ؛ رنگت میں تو گل سا اور رس اُس کا مُل سا ۔ باغ کی بہار دونی کر دکھائے اور گھر کو باغ بنائے ؛ مزے میں بے بدل ، صفرائیِ مزاج کے لیے امرت پھل ۔ ہر چند زیادتی اُس کی دانت کھٹے کرتی ہے پر زبان چٹکارے ہی بھرتی ہے ۔ محمد شاہ فردوس آرام گاہ نے نام قسم ثانی کا رنگترہ رکھا ہے اس لیے کہ اسم با مسمّٰی ہو اور یہ خاص شاہ جہاں آباد میں نہایت پاکیزہ ، خوش ذائقہ ، رسیلا بڑا ہوتا ہے اور لکھنؤ وغیرہ میں بھی بھلا چنگا ؛ پر قسم اول اِن ملکوں میں بہت بڑا نپٹ رسیلا بہ کثرت دیکھنے میں آیا ہے ۔ مزے میں بھی اتنا کہ بہ رغبت کھائیے لیکن سلہٹ اور بٹول کا کولا[1] ہر طرح سے اولاً ہے ۔ اس کے ہوتے کوئی انھیں دستوری میں بھی نہ لے بلکہ اندارایں کا پھل جانے ، کیوں کہ بے دانہ انگور بھی اس کے آگے نہیں بھلتا اور کسی بشر کا جی اس پر نہیں چلتا ۔ جہاں تلک مبالغہ اُس کی حلاوت و عطریت پر کیجیے ، بجا ہے بلکہ قسم کھانی بھی اس پر روا ہے ۔ اور جنگل بھی یہاں کے ثمر بخش ہیں ، بیش تر گھسیارے لکڑھارے وہاں سے بعضے بعضے پھل توڑ لاتے ہیں اور عوام الناس اُن کو مول لے کر کھاتے ہیں ؛ خصوصاً جھڑ بیری کا بیر کہ سیکڑوں لڑکیاں لڑکے ٹوکرے بھر ٹوٹ پڑتے ہیں بلکہ بعضی بعضی رنڈیاں بھی چاہ کر کھاتی ہیں لیکن مزا اس کا فی الحقیقت مسافروں سے پوچھیے کہ ہر ہر قدم پر جھاڑ ان کا دامن پکڑتے ہیں اور کانٹے بیر بیر پاؤں پڑتے ہیں ، غرض کھلائے بن نہیں چھوڑتے ۔ قصہ کوتاہ نچوڑ ہند کے میووں کا آم پر ہے ؛ فی الواقع عجب پھل

۱- کونلہ ؟

ہے ، کچا تو مادہ کنہاوے اور پکائے نر ، رنگت میں کبھو پیلا ، کبھی ہرا ، مزے میں کسی وقت کھٹا کسی وقت میٹھا ۔ میٹھے کی مٹھاس سیب ثمر قند کو حلاوت بخشے اور کھٹ مٹھے کی چاشنی انار رمانی کے دانت کھٹے کرے ۔ درخت اُس کا باغ کی آرایش اور مور کی بو باس دماغ کی آسایش ، سایہ اُس کا مسافروں کی آرام گاہ ، ہر ایک تھکا ماندہ دھوپ کا جلا اُسی کا ہوا خواہ ۔

ابیات

کیوں نہ درختوں میں وہ ہو سر بلند
اُس کا ہے پھل شاہ و گدا کی پسند

ہند کے سب میووں کا سردار ہے
رونقِ ہر کوچہ و بازار ہے

جو صفہانی اُسے اک بار کھائے
میوے صفہان کے سبھی بھول جائے

اس کی مٹھائی کا کروں کیا بیاں
ہے گا ہر اک کی وہ زباں پر عیاں

چوسے تو لب کھل نہ سکیں بار بار
کاٹے اگر بند چھری کی ہو دھار

اور مٹھائی جو کبھو اک ذری
کھائیے اک بار تو بھر جائے جی

آم میں ہے ایک حلاوت عجب
رہتی ہے اُس کی تو ہمیشہ طلب

پیٹ بھرے ، جی نہ پر اُس سے بھرے
آدمی پھر کھائے نہ تو کیا کرے

ہوتا ہے شیریں تو بہت پال کا
نیک ہے ٹپکے کا بھی طرفہ مزا

میووں میں ہے فوقیت اُس کے تئیں
باغ میں پھر کیوں نہ ہو بالا نشیں

بس کہ سرا پا ہے بھرا اُس میں رس
کیوں نہ ہر اک میوے سے ہووے سرس

شوخ یہ سیندوریے کا رنگ ہے
سیب سمرقند[1] بھی یاں دنگ ہے

ہے گا فواکہ میں وہ ہر دل عزیز
"سیب" غلام اُس کا "بہی" ہے کنیز

بعد اس کے نیشکر۔ مٹھاس اُس کی خدا داد ہے اور وہی ساری مٹھائیوں کی بنیاد۔ اودھ، لکھنؤ وغیرہ کے گنوار زمین دار اوکھ کہتے ہیں اور دلی کے قرب و جوار کے ایکھ۔ اقسام اُس کے بہت ہیں اور ہر قسم کا ایک نام علاحدہ لیکن صاحبان اُردو کی زبان پر سوائے گنے، کتارے، پونڈے کے اور قسموں کا نام جاری نہیں۔ پہلا تو اسم جنس سا ہے کہ ہر قسم کو کہہ سکتے، پر دوسرا تیسرا خاص قسم کا نانوں (نام) ہے؛ چناں چہ کتارا کرارا پتلا ہوتا ہے، لنبائی (لمبائی) میں تو پونڈے سے کچھ برابر سرابر لیکن بہت سخت اور کم رس، کھانڈ مصری وغیرہ اسی سے بنتی ہے۔ پونڈا بھی دو طرح کا ہوتا ہے یعنی سیاہ و سفید۔ اگرچہ سیاہ کو اکثر گنوں پہ بعضے وصفوں میں سرسائی ہے

۱۔ سیب ثمرقند۔ طبع اول و دوم و سوم میں یہی املا ہے لیکن طبع چہارم میں سمرقند 'سین' سے ہے۔

پر اُس کی مٹھائی قدرے تلخی لیے ہوتی ہے اور بعضے کی شوریت کے ساتھ، باوجود اس کے حلاوت سے خالی نہیں ۔ ہر چند سختی اُس کی دندان و زبان کو اذیت دیتی ہے، بہر صورت سفید سب طرح سے بہتر ہے؛ پور پور میں اس کی مزا، گنڈیری اس کی خوش ذائقہ اور گانٹھ ہر ایک اُس کی رس کی گنٹھ؛ ساتھ اس کے نرم ایسی کہ پوپلا بے اذیت کھائے بلکہ دودھ کا بچا بھی بہ آسانی چوسے، رس اُس کا شیرۂ جان کو بڑھاوے، مٹھاس اُس کی کام و دہن کو حلاوت بخشے۔

ابیات

کیوں نہ ہو میووں میں بلند اُس کی شان
کھیت اُسی کا ہے مٹھائی کی کھان

ساتھ طراوت کے ہے اس کی مٹھاس
کھائے جو پیاسا تو بجھے اس کی پیاس

فصل میں گنے کی سفر جو کرے
پیٹ وہ رستے ہی میں رس سے بھرے

جتنے مسافر ہوں وہ چَہکٹ جائیں کُل
باندھ دے وہ پل میں مٹھائی کے پُل

حلاوتِ مضمون سے سیاہی نے خاصیت شہد کی پکڑی، قلم کی زبان بند ہوگئی، راقم لکھنے سے باز رہا و الّا کتاب کو شکرستان بنا دیتا۔ ہر چند ساگ پات اس سر زمین میں بھانت بھانت کے ہوتے ہیں، کتنے بوئے سے اور کتنے بغیر بوئے۔ اصل یوں ہے پتّا جب تلک درخت میں لگا رہے ڈھڈھارے مگر

پان[1] طرفہ برگ ہے کہ ٹوٹ کر زیادہ تازگی پکڑے بلکہ جوں جوں پرانا ہوتا جاوے طراوت اور پیدا کرے ۔ ہر ایک

۱- پان کی اقسام افسوس نے لکھی ہیں ۔ اصل ''خلاصۃ التواریخ'' میں نہیں (ص ۱۲) ۔ متن کتاب ''خلاصۃ التواریخ'' میں چار اور چھ شعر دو جگہ (ص ۱۳) بہ عنوان مثنوی لکھے ہیں لیکن افسوس نے چودہ شعر پان کی تعریف میں بہ عنوان ابیات لکھے ہیں ۔ اگرچہ یہ مسلسل نظم (مثنوی) ہے ، پھر لفظی ترجمہ بھی ان اشعار کو نہیں کہا جا سکتا ۔ ملاحظہ ہو اشعار ''خلاصۃ التواریخ'' :

مثنوی

اگرچہ ہند سیر از گل وخان است
دران جا سبزہ بالا دست پان است
گلے از گلستان ہند چیدم
چنیں سبزے گلو سوزے نہ دیدم
شدہ آئین طر از بزم سازی
بہ خوبان کردہ طرح بوسہ بازی
زبان گل چیں شود از صحبت او
سخن رنگیں شود از مدحت او

مثنوی

نادرہ برگے چوں گل بوستان
خوب تریں نعمت ہندوستان
طرفہ نباتے کہ چو شد در دہن
خویش چو حیوان بدر آید ز تن
خوردن آں بوئے دہن کم کند
سستئی دندان ہمہ محکم کند
سیر خورد گرسنہ در دم شود
گرسنہ را گرسنگی کم شود
برگ کہ باشد بہ درختان فراخ
زود شود خشک چو افتد ز شاخ
برگ عجب بیں کہ گسستہ زبر
در پس شش ماہ بود تازہ تر

پیارا مانوس۔

امیر فقیر کی طبع کا مالوف ہے اور مدارات شاہ و گدا کی بیش تر
اُسی پر موقوف؛ خواہ اُس کو سونے روپے کی تھالی میں اُس کے
آگے رکھیں، خواہ سفالی میں۔ مصرع

برگ سبز است تحفۂ درویش

سر سبز ہر ایک برگ پر کیوں نہ ہو کہ لالہ رُخوں کے
مکھڑے کی بہار دونی کر دیتا ہے۔ اگر اُس کا لاکھا ہونٹ پر نہ
ہو تو رنڈی کا بناؤ پھیکا ہے، ہر چند کہ نمکین ہو۔ مستی کی
دھڑی بغیر اس کے رونق نہ پکڑے، اگرچہ وہ کیسی ہی رنگین
ہو۔ اقسام اُس کی اکثر ہیں، پر دلی آگرے میں کپوری اور پیڑی
کی بہت بکری ہے کیوں کہ ان میں لطافت اور نزاکت بیش تر
ہے، خصوصاً پیڑی میں تو ایسی کہ احیاناً جو ہاتھ سے چھٹ پڑے
تو ٹکڑے ہو جاوے۔ اودھ لکھنؤ سے لے کر بنگالے تلک بنگلے
اور دساوری کی۔ پر حق تو یوں ہے کہ مگھی نہایت نفیس و لطیف
و خوش بو ہوتا ہے۔ اگر ایک گلوری کوئی اس کی کھائے تو سارا
گھر خوش بو سے بھر جائے۔ ہر چند کہ پان کا لازم کتھہ چونا
سپیاری ہے پر رنگ ڈھنگ میں اُسی کا نام زبان پر جاری ہے۔

ابیات

ساتھیوں بِن گو نہیں کرتا وہ کام
لیتا ہے ہر ایک پر اس کا ہی نام

دم میں وہ تبدیل کرے ذائقہ
تلخی و تیزی میں ہے اُس کی مزہ

آٹھ پہر پانی میں رہتا ہے تر
اُس کی حرارت نہیں گھٹتی ہے پر

نت ہی اسے کھائیے بعد از طعام
ہاضمے کا ہے وہ معین لا کلام

کیوں نہ ہو ہر ایک کو اس کی طلب
ہے وہی آرایشِ بزمِ طرب

اس لیے ہے شمع رُخوں کے پسند
حسن کا شعلہ وہ کرے ہے بلند

جو کوئی خوباں میں اسے منہ لگائے
اس کے وہ مکھڑے کو بھبھوکا بنائے

کیوں نہ سنگاروں میں ہو اس کا وقار
گل بدنوں کے ہے وہ منہ کا سنگار

گورا ہو یا سانولا جو اس کو کھائے
غنچۂ لالہ وہ دھن کو بنائے

بھاؤ میں کم ہے پہ بہت دے ہے سود
خوبیِ لب کی ہے اسی سے نمود

کھائیں نہ کیوں کر اسے انسان کل
لب کو بنا دیوے ہے وہ برگِ گُل

اس لیے معشوقوں کے ہے منہ چڑھا
رنگ سے دے عاشقوں کو خوں بہا

کیا کہوں اس برگ کے میں ڈھنگ کو
کرتا ہے خونیں لبِ گل رنگ کو

زیادہ نہ لکھ وصفوں کا اس کے بیاں
ہو نہ کہیں لال قلم کی زباں

ہے (یہ) چند سطریں پھولوں کی تعریف میں :

پھول[1] بھی یہاں سارے دیکھنے اور سونگھنے کے اپنی اپنی بہار میں بے شمار ہوتے ہیں ، رنگ ڈھنگ میں بھی کچھ ایران توران وغیرہ کے پھولوں سے کم نہیں ؛ چناں چہ عباسی کئی رنگ ڈھنگ کی بہت ڈھڈھے اور گل مہندی بھانت بھانت کی نپٹ چہچہے۔ گلاب و یاسمن و سوسن کا وفور ، نرگس و نسرین و نسترن سے چمن کے چمن معمور۔ زنبق و بنفشہ جدھر تدھر ، صد برگ و تاج خروس چپے چپے پر - چمن کے چمن ریحان و ارغوان کے ، تختے کے

۱- خلاصۃ التواریخ کی اصل عبارت سے اندازہ ہوگا کہ افسوس نے لفظی ترجمہ نہیں کیا اور یہ دعوا اس کا صحیح ہے :

گونا گوں گل ہاے بو یا و رنگا رنگ شقایق مطرا از گل سرخ کہ آں را گلاب گویند و یاسمین و نرگس و سوسن و لالہ و زنبق و بنفشہ و ریحان و رعنا و زیبا و نافرمان و تاج خروس و قلفہ و عباسی و خطمی و ارغوان و صد برگ و داؤدی و غیر ذلک ۔ آنچہ در ایران و توران و ولایت دیگر می باشد ، ہمہ دریں ملک است ۔ اما تفصیل گل ہا کہ مخصوص ہندوستان است از اندازہ و شرح و بیان افزوں ۔ اگرچہ سیوتی و چنپہ و موگرہ (میونگرہ) و موتیہ و رائے بیل و چنبیلی و کیوڑہ و مولسری و کرن پھول و کرنہ و ہارسنگار و جوہی و نواڑی و کنور بیل و گل زعفران و آفتابی و کنول و جعفری و رتن شیخ و رتن مالا و کرمل و کدھل و کنیر و سودرسن و خسبب و کرونده - و سرشف و بھلاوہ و سرس و دوپہرپا و دیگر گل ہائے گونا گوں ، ہر یک از بوئے خوش ، و رنگ دل کش ، نکہت بخش مشام و تازگی رسان نظر است ، لیکن کیوڑہ و کیتکی لطافت و لزاہت دیگر دارد ۔

فارسی میں دس شعر پھولوں کی تعریف میں سُجان رائے نے دیے ہیں لیکن افسوس نے ۲۹ شعر لکھے ہیں جو کافی اضافہ ہے ۔

تختے لالہ و نافرماں کے؛ رعنا و زیبا جہاں تہاں، داؤدی و صد برگ کی ہزاروں کیاریاں، اور وے پھول جو خصوصیت اس سر زمین سے رکھتے ہیں، ہزاروں ہیں۔ اگر اُن سب کے فقط نام لکھوں تو یہ فصل برابر گلستان کے ہو جائے اور تھوڑے سے فائدے کے لیے کلام میں طول بہت سا لازم آئے، لیکن مشہور و معروف خلق میں بیش تر اتنے ہیں: سیوتی، سکھ، درسن، سورج مکھی، چنپا، چنبیلی، چاندنی، جائی، جوھی، جعفری، موگرا، موتیا، مدن بان، مولسری، کرنا، کپور، بیل، کنول، کیوڑا، کیتکی، گڑھل، ھار سنگار، نواڑی، بیلا، کٹھ، بیلا رتن، منجری، رائے بیل، رتن مالا، دپہریا۔

ابیات

ھے اس مملکت کی عجب گل زمیں
کہیں پھول یاں کے سے ہوتے نہیں

دلِ بستہ دیکھ اُن کو ہو باغ باغ
جو سونگھے تو بھر جائے بُو سے دماغ

گندھے بِن گندھے گر وہ محفل میں آئیں
تو مجلس کا عالم چمن کا بنائیں

جو پہنیں انھیں حسن ان کا پھلے
کہ عاشق کا دل اُن پہ دونا چلے

جو لکھنے کے قابل ہو مُو کا قلم
نزاکت ہو کچھ ''سیوتی'' کی رقم

سفیدہ سحر کا جو حل ہو کے آئے
صباحت ذرا اُس کی تب لکھی جائے

کروں وصف کیا ''موگرے'' کا بیاں
کہ اک اک کلی اُس کی ھے عطرداں

معطّر ہے شدت سے "بیلے" کی باس
پہ آتی نہیں حیف عاشق کو راس
جو سوتے میں آ جائے اس کی لپٹ
پھڑک جائے دل نیند جاوے آچٹ

ہے "کرنے" کی اس مرتبہ مست بو
جو سونگھے آسے ٹک سیہ مست ہو
"مدن بان" کی ادھ کھلی ہر کلی
بڑھاتی ہے عشّاق کی بے کلی

خوشایند ہے نکہتِ "رائے بیل"
رہے بزم میں اس کی نت ریل پیل
"چنبیلی" کی بُو ہے نزاکت بھری
سچکتی[۱] ہوئی سونگھے اس کو پری

یہ ہیں خوش نما "جائی"، "جوھی کے پھول
کہ دیکھ ان کو بس سُرت جاتی ہے بھول
صفائی کا عالم کہوں ان کی کیا
کہ پائے نظر یاں پھسل ہی پڑا

بہت "موتیا" کی پیاری ہے بُو
ہر اک گل سے اس کی نیاری ہے بُو
انوٹھی نہ ہو کیوں کہ اس کی کلی
نسائیّت اس کی ہے بُو میں بھری

"نواڑی" کی از بس کہ میٹھی ہے بو
دلوں کے وہ مقبول کیوں کر نہ ہو

۱- سچکتی ہوئی - طبع اول ، دوم اور سوم میں یہی ہے - نسخۂ چہارم میں 'مچکتی' نسخۂ انجمن میں 'لچکتی' ہے -

جدا سب سے ''دوپہریا'' کا ہے روپ
کہاں اس کی رنگت کو لگتی ہے دھوپ

گلوں سے نرالا ہے گل چاندنی
چمن کا اجالا ہے گل چاندنی

یہ ''چنپا'' کے پھولوں میں ہے گی مہک
لپٹ ان کی جاتی ہے گردوں تلک

میں رنگت میں تشبیہ دوں اس سے کیا
کہ بن باس جوہر ہے ''پکھراج'' کا

ہر اک گل کا ہے رنگ و عالم جدا
نہیں لطف سے کوئی خالی ذرا

جسے دیکھیے ہر طرح خوب ہے
طبیعت کا ہر اک کی مرغوب ہے

یہ گو ہر طرف سستے بکتے پھریں
پہ خوباں جہاں دیکھیں سر پر دھریں

ہوئے سستے یوں تا کہ پہنے منگا
زنِ بے نوا و زنِ بادشا

جو عالم دکھاتے ہیں دمڑی کے پھول
وہ ہرگز نہ ہو موتیوں سے حصول

پہننے کا ان کے نہ ہو کیوں کہ چاؤ
کہ ہوتا ہے یاں کوڑیوں میں بناؤ

کسی خوب کی دل میں کھبتی نہ آن
نہ ہوتے جہاں میں اگر پھول پان

القصہ کوئی پھول چمنِ دھر میں رنگ و بو سے خالی نہیں : ع
ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است
لیکن موتیا چنبیلی بعضے بعضے وصفوں میں سب سے زیادہ ہیں -

تیل عطر انھیں کا نکلتا ہے اور ہر ایک صاحب طبع اُس کو چاہ کر ملتا ہے؛ خصوصاً وے (وہ) عورتیں جن کے مزاج میں ستھرائی، سگھڑائی بیش تر ہے، وہ ہمیشہ بدن کو لگائے اور بالوں کو اس میں بسائے ہی رکھتی ہیں تا چاہنے والوں کی خواہش زیادہ بڑھے اور چاہ کی آنکھ اکثر پڑے۔

بیت

اگر تیل اور عطر ہوتے نہ یاں
تو رونق پکڑتا نہ حسنِ بتاں
بڑھائی انھوں نے ہیں (ہی) یہ ان کی قدر کی
عجب چیز ہیں گے غرض تیل و عطر

اور کیتکی کیوڑے کی بُو باس، صورت شکل کسی پھول سے نہیں ملتی، ان کا عالم ہی جدا ہے۔ اگر ہزار پھول خوش بُو دھرے ہوں اور کیوڑے کا ایک پھول بھی آئے تو اُن کی مہک اس کی لپٹ میں چھپ جائے۔ گلاب و بید مشک اس کے عرق سے خجالت کھینچے، عطر کو اس کے کوئی عطر لگ نہ سکے۔

بیت

جو اک پھول ہو کیوڑے کا دھرا
تو روشن نہ کیجے کہیں لخلخا

چند سطریں اسپ کی تعریف میں:

گھوڑے بھی بعضے بعضے اس ملک کی زمینوں میں نپٹ اسلوب دار اور چالاک رہوار پیدا ہوتے ہیں؛ خصوصاً جنگل کا گھوڑا نہایت اصیل، شایستہ، جاں باز ہوتا ہے اور دکن کے بھی مقاموں علیٰ ھذا القیاس؛ خصوصاً گھوڑی نپٹ چالاک ہوتی ہے، پر ولایت کے گھوڑے کی قوت و چالاکی سے لگا ہی نہیں کھاتی

کیوں کہ جب بھاؤ مارا گیا اور اس کا لشکر تباہ ہوا تب ایک سردار بھل گھوڑ یا بچ کر بھاگ نکلا جونہیں (جوں ھی) ایک درانی نے اسے دیکھا وونہیں (ووں ھی) پیچھے لگا۔ غرض جب یہ اس کے قریب پہنچتا، مرھٹا سرپٹ بھینک جاتا، دو تین کوس پر دم لیتا، بعد ایک گھڑی کے جو مڑ کر دیکھتا تو وھی مغل گھوڑا مارے خچڑ خچڑ کرتا چلا آتا ھے؛ تب پھر وہ گھوڑی کو بہ دستور بھگا جاتا۔ آخر تیس یا چالیس کوس چل کر گھوڑی تھک کر کھڑی ھو رھی اور درانی آن پہنچا۔ مرھٹا ناچار منہ دیکھنے لگا کیوں کہ نہ گھوڑی میں سکت، نہ اس میں طاقت؛ ندان درانی نے ایک نیزہ مارا اور یہ اس کی ضرب کھاتے ھی گھوڑی سے جدا ھو کر گر پڑا، سانس الٹی لینے لگا؛ تب مغل اس کے ھتیار (ھتھیار) ھمیانی اشرفیوں کی۔ نقرئ زین کی کاٹھی مع ساز لے کر اپنے لشکر کو روانہ ھوا اور گھوڑی کو ناکارہ سمجھ کر وھیں چھوڑا۔ بعضے اس واردات کو پٹیل مہاجی سیندھیا سے منسوب کرتے ھیں اور بعضے کسی اور سردار سے، واللہ اعلم بالصواب۔

تعریفِ فیل:

لیکن یہاں کے چوپاؤں میں ھاتھی عجیب خلقت ھے۔ صورت سیرت میں سب سے جدا، قد و قامت میں نہایت اونچا، جسامت میں کوہ پیکر اور قوت میں اکثر حیوانوں سے بالا تر، رنگت میں بیش تر سیاہ، خال خال بھورا بھی دیکھنے میں آیا ھے، سوائے اس کے بڑا چھوٹا بھی، لیکن چھوٹے کو کیمنڈھیا اور بڑے کو کنجل کہتے ھیں۔ ناک کی جاگہ (جگہ) اس کی ایک لمبی سونڈ اژدھے کی مانند، جس چیز کو چاھے اس سے اٹھا لے اور کان ایسے چوڑے کہ چھاج کی برابر۔ جب انھیں جھڑجھڑائے ایک فراٹا باو کا آئے۔ دو دانت اس کے طول میں ایک گز سے کچھ کم و زیادہ، غارِ دھن

سے لگے ہوئے ، ایک بھسونڈے کے اِدھر اور ایک اُدھر ، سفید اس قدر کہ شمع کافوری کو بے نور کر دیں اور سخت اس مرتبہ کہ پہاڑ کو چکنا چور کر دیں ۔ طرفہ یہ ہے کہ تمام اعضا اُس کے موافق ڈیل کے ہیں لیکن آنکھیں چھوٹی ، وجہ اس کی خالق کو بہتر معلوم ہے ، مخلوق کیا جانے، پر اتنا خیال میں آتا ہے کہ صانع نے اس کی آنکھوں کو شاید اس واسطے بڑا نہ کیا کہ خودبین ہو جاتا بلکہ خاک ساری کی خصلت عطا کی ؛ چناں چہ تھان پر کھڑا اکثر خاک سر میں سونڈ سے ڈالا کرتا ہے ؛ ہر جس وقت ھتھیائی پر آوے ، شیر خشم ناک کی کیا تاب کہ اس کے منہ چڑھ سکے۔ ایک چنگھاڑ میں زہرا آب ہو جائے ، حملے کی نوبت بھی نہ پہنچے۔ چناں چہ آزمودہ کار ایک فیلِ جنگی کو لڑائی کے وقت برابر ہزار سوار جرار کے جانتے ہیں۔ واقعی کہ وہ بہادر بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ توپ بندوق کو پُھل جڑی سے زیادہ نہیں سمجھتا ۔

قطعہ

چرخی کیا چیز ہے لاوے وہ جسے خاطر میں
بان بجلی کی کڑک کا کبھو پہنچے اس تک
چاہے وہ توڑ کے جوں نیشکر اس کی چھڑ کو
پاؤں کھجلانے لگے سونڈ میں لے کر بولک

اُٹھا سونڈ اپنی کو چنگھاڑ مار
جو حملہ کرے فوج پر ایک بار
سواروں کا ستھراؤ ہو اک قلم
پیادوں کے پھر خاک ٹھہریں قدم
کوئی آہ پاوے نہ جائے گریز
اکھڑ جائے ہر اک کا پائے گریز

فی الواقع فتح نشان اسی سے نمودار ہے اور وہی دل کا منگار۔ سواروں کے پرے کی آسی سے زینت، لشکر میں اسی کے یمن قدم سے برکت۔ سوار اس کا سب سے بلند و بالا، قیمت میں بھی وہ اکثر گھوڑوں سے اعلا، کیوں کہ گھوڑا پچاس روپے کا بھی نوکر لے سکے پر یہ طالع مند ہی کے دروازے پر بندھے۔ سواروں کی ٹکڑی ایک رسالہ دار کے ساتھ بھی نکلتی ہے پر اس کی قور بادشاہ وزیر ہی کے پیچھے چلتی ہے۔ گھوڑا کیسا ہی چالاک ہو، چالیس بینتالیس کوس سے آگے نہ چل سکے اور یہ اسی پچاسی کوس جائے اور نہ تھکے۔ اس ڈیل پر سبک رو ایسا کہ پیٹ کا پانی نہ ہلے اور آہٹ پاؤں کی کسی کو معلوم نہ ہووے۔ رحم دل اس مرتبہ کہ چھوٹا لڑکا جو پڑا دیکھے تو اس کو سونڈ سے اٹھا کر اس طرح الگ رکھ دے کہ ایک ذرہ صدمہ نہ پہنچے۔ حیا دار اس قدر کہ سوائے اپنی جنس کی مادہ کے کسی مادین پر رغبت نہیں کرتا، مع ہذا آدمی کے رو بہ رو اس سے بھی نہیں لگتا اور اس کا بچہ بھی بیش تر جنگل میں پیدا ہوتا ہے۔ احیاناً اگر ہتھنی گابھن آئے اور بستی میں جنے تو حاکم کو نا مبارک ہے۔ اور عمر طبیعی اس کی مانند انسان کی ایک سو بیس برس، جوانی ساٹھ برس کے بعد اور مستی ہشیاری کے ساتھ کیوں کہ آسی عالم میں ایک کا ایک سامنا کرتا ہے اور ایک دوسرے سے کس کس گھات سے لڑتا ہے۔ کبھو تو یہ اس کو دور تلک ریل لے جاتا ہے، کبھی وہ اس کو آسی طرح پیل لاتا ہے۔ غرض سونڈوں کے پیچ اور مستکوں کے رگڑے اور دانتوں کے صدمے انھی کا جگر ہے کہ آپس میں اٹھاتے ہیں اور تاب لاتے ہیں؛ گویا پہاڑ سے پہاڑ ٹکراتا ہے او دیو سے دیو جٹ رہا ہے۔ بشر کی کیا طاقت کہ اس وقت ان کے پاس آ سکے؛ اِلاّ

بھالے بردار اور بوڑی بردار بھالے لیے اور چرخیاں داغے لگے ہی جاتے ہیں اور مہاوت اُن سے بھی زیادہ کام کرتے ہیں ۔ اگر ایک مارا گیا تو دوسرا ووں ہی اس پر قائم ہوا ۔ آفریں ہے اُن کی پھرتی اور جاں بازی کو کہ ایک دیو کے تئیں اس حالت میں آنکس اور آسن کے زور سے زیر کرتے ہیں ۔

ابیات

یہ حق نے آدمی کو زور بخشا
ہوا تابع ہر اک حیوان اس کا
کوئی عہدہ برآ اس سے ہوا ہے
میاں یہ کل سرا ایک بد بلا ہے

القصہ راقم نے اسی سر زمین سے جو ہاتھی کو نسبت دی سو بنا بر کثرت کے ہے کیوں کہ بہتایت کے ساتھ ہوتا ہے اور ترجیح بھی اس کے بعضے اوصاف و قیمت میں مطلق اسپ پر منظور نہیں بلکہ خاص اس مملکت کے گھوڑوں پر ہے اس لیے کہ ہاتھی اگر کیسا ہی خوب صورت پائل بجھول چالاک ہو ، پانچ چھ ہزار رُپے سے زیادہ نہیں آتا اور گھوڑا عربی ، عراقی ، ولایتی ، پچیس پچیس ہزار رپے بلکہ زیادہ کو بکتا ہے ۔

گینڈے کی صفت میں :

گینڈا بھی ایک جانور بڑا قوی ہیکل ، عجیب خلقت ہے ۔ پاؤں اور پچھلا دھڑ اس کا ہاتھی کا سا ، گردن اس کی لمبی گٹھی ہوئی شیر کی سی اور آنکھیں ، کان منہ بیل کی مانند ۔ سبحان اللہ صانع کی کیا صنعت ہے کہ ایک حیوان کے جسم میں اجزاء تین حیوان کے اعضا کی صورت میں اور بدن اس کا لوہے سے سخت تر کہ تیر گولی بلکہ کوئی ہتھیار اس پر کار گر نہیں ہوتا ، اور اس کے ماتھے کا کھاگ یہ سخت و قوی کہ سنگ اس کے

آگے حکم پاپڑ کا رکھتا ہے اور فولاد خشک پتے کا۔ پھر حیوان کا جسم تو کیا چیز ہے، عجب کیا ہے اگر ہاتھی کے بدن میں وہ غار ڈالے اور شیر کو مار ڈالے۔ غرض یہ حیوان، کیا نر کیا مادہ، سارے حیوانوں پر غالب ہے، اس کے جنگل میں شیر ہاتھی ارنا کوئی نہیں آتا، رہنے کا تو کیا ذکر ہے۔

بیت

جہاں وہ ہو ہاتھی کا کب ہو گزار
کرے شیر سائے سے اس کے فرار
غضب سے اگر مارے وہ اپنا کھاگ
جو ہوں کوہ کے پاؤں تو جائے بھاگ

پیدایش بھی اس کی جنگل ہی میں ہوتی ہے۔

ارنے بھینسے کے اوصاف میں:

ارنا بھینسا بھی بڑا زور آور اورآہنی پیکر ہوتا ہے۔ سینگ اس کے ایک گز سے کچھ بڑے نپٹ نکیلے اور رنگ ایسا سیاہ چکنا گویا تیل ڈھلتا ہے، دلیر اس قدر کہ شیر سے نہیں ڈرتا، ہاتھی سے بھی خطرہ نہیں کرتا۔ اگر دو ارنوں میں ایک شیر آ جاتا ہے تو اس کو گیند بنا ڈالتے ہیں؛ ایک سینگوں پر اٹھا دوسرے کی طرف پھینک دیتا ہے؛ دوسرا اسی طرح اس کی طرف اچھال دیتا ہے۔ غرض جب تلک اس کا دم نہیں نکلتا، دم نہیں لینے دیتے۔ کبھو کبھو شہروں میں بھی ایسی لڑائی بادشاہ وزیر کے حضور ہوتی ہے اور دیکھنے والوں کے تعجب سے ہوش کھوتی ہے۔ سوائے اس کے یہ حیوان صورت دیو سیرت آپس میں بھی ایسے لڑتے ہیں کہ بدن سینگوں سے چھن جاتے ہیں اور سارے اعضا غربال بن جاتے ہیں۔ ایسی ایسی اوجھڑیں باہم چلتیاں ہیں کہ دیکھنے والوں کی مارے ہیبت کے جانیں نکلتیاں ہیں، اور بعضا ایسا جیوٹ ہوتا

ہے کہ اکیلا فیل منگلوسی پر دوڑ پڑتا ہے؛ چناں چہ نواب آصف الدولہ مرحوم جاڑے کے موسم میں ایک دن بکھرے کی جھیل کے جنگل میں شکار کھیلتے تھے کہ کئی ارنے نکل آئے؛ بندوقیں اُن پر چلنے لگیں کہ ایک اُن میں سے جھنجلا کر نواب حسن رضا خاں مرحوم کی ہتھنی کی طرف دوڑا اور پچھلے دھڑ کو اُس کے سینگوں پر اُٹھا کر ایسا ریلا کہ گر پڑی، سنبھل نہ سکی۔ غرض نواب مرحوم کی تو خیر گزری پر ہتھنی زخمی ہوئی اور ارنا گولیوں سے ندان مارا گیا، اور شہری بھینسا تو فقط لکڑ ہارے بنجارے ہی کے کام کا ہے کہ وے لکڑیاں یا گونیں اس پر لادیں اور ہم راہ اپنے لیے پھریں، مگر اس کی مادہ کا دودھ بہت میٹھا گاڑھا سفید چکنا ہوتا ہے۔ اگر تازہ دُھا ہوا لاغر پیے تو فربہ ہوئے اور ضعیف توانا؛ اسی سبب اکثر پہلوان زورآور مداومت اس کی کرتے ہیں اور ہر روز بعد ورزش کے پیتے ہیں، لیکن ارنی کا دودھ شہری بھینس سے مفید تر ہے، رنگ اس کا خال خال بھورا بھی ہوتا ہے لیکن اکثر سیاہ ہی دیکھنے میں آیا ہے۔

قطعہ

ہوا ہے جسم یوں اس کا سیہ فام
کہ شیر اس کا ہے مثل آب حیوان

نہ پیوے کس طرح ہر ایک اُس کو
بڑھاتا ہے سدا وہ شیرۂ جان

وجہ ان تینوں حیوانوں کی تعریف کی یہ ہے کہ حیوانات متعارفہ میں یہ عظیم الجثّہ اور قوی ہیکل ہیں بلکہ دلیر بھی ایسے کہ شیر خشم ناک اُن کا سامنا نہیں کر سکتا اور جو کر بیٹھتا ہے تو مارا جاتا ہے۔ سوائے اس کے مطابقت ''خلاصۃ التواریخ'' کی بھی منظور تھی۔

گجراتی بیل گاڑی وغیرہ کے بیان میں :

اور اس سر زمین کے بیلوں میں گجراتی بیل سب طرح سے اچھا ھے۔ ہر چند کہ ناگورا بھی اور بیلوں سے بہ مرتبہ بہتر ھے لیکن اس کو نہیں لگتا۔ صورت شکل اس کی نہایت خوب، ڈیل ڈول نپٹ خوش اسلوب، قد و قامت میں بھی بلند، بادشاہ وزیر و فقیر ہر کسی کی پسند۔ قدم ایسا چلے کہ رھوارِ ترکی نہ پہنچ سکے۔ دوڑے اتنا کہ چالاک تازی پیچھے رہ جائے۔ یوں سنا ھے کہ سابق بعضے اشرار عیار احمد آباد گجرات میں وھاں کے بیلوں کو گڑیوں میں جوت سوار ھو رہ زنی کو جنگل میں آتے تھے اور مال متاع مسافروں، سوداگروں کا لوٹ لے جاتے تھے؛ ہر چند سوار گھوڑے اُن کے پیچھے ڈالتے لیکن ان کی گرد بھی نہ پاتے، اور یہ بھی مشہور ھے کہ گاڑی خاص اختراع اہل ھند کا ھے، بیٹھنے والے اِس کے گرسی، سردی، آندھی، مینہ میں نہایت آرام سے رُپے کی سنگوٹیاں اور ساؤنگیوں میں ٹالیاں جھانجھ جوؤں میں زنگ لگوا، بندھوا، رکھوا، سوار ھو کر بڑے ٹھسے سے میلے ٹھیلے میں پھرتیاں ھیں یا باغوں کی سیریں کرتیاں ھیں۔ واقعی ان کی آمد سے تماشائیوں کے ھوش و حواس جاتے ھیں، گویا جھن جھن کرتے ھوئے پریوں کے تخت چلے آتے ھیں۔

بیت

جہاں ھوتا ھے یوں اُن کا گزارا
کسے رہتی ھے واں تاب نظارا
کہاں ھوتا ھے حاصل لطف دیدار
ہر اک بن جائے ھے بس نقش دیوار
جو اس میں اُٹھ گیا پردہ ھوا سے
جُھمکڑا اک نظر آیا ادا سے

جو وہ بجلی کے بھی یوں سامنے آئے
تڑپ کر اس کے آگے لوٹ ہی جائے

اور صاحب عصمت بی بیوں کی رتوں (رتھوں) پر گھٹا ٹوپ پردے پڑے ہوئے، چاندنیاں کسیں ہوئیں، کیا دخل کہ ایک مُو برابر ان میں رخنہ یا سوراخ ہووے؛ چناں چہ نواب خاں دوراں و مظفر خاں مرحوم کے ناموس کی رتھوں پر بیش تر موٹی میلی چاندنیاں ہوتیں تھیں، علیٰ ھذا القیاس میانوں پر بھی۔ باوجود اس کے کہ ایک بھائی میر بخشی تھا اور دوسرا ہفت ہزاری، فی الواقع تقاضا غیرت کا یہی ہے کیوں کہ جس کا میانہ رتھ ایک جھمکڑے کے ساتھ نکلے، مقرر تماشائیوں بازاریوں کے جی میں آوے کہ اس میں کوئی چمک چاندنی رشک پری جلوہ گر ہوگی۔ پس زنانی سواری کی رتھ یا میانے کا پُر تکلف ہونا بعضے بعضے ثقہ امیروں کے نزدیک بھی سخت معیوب ہے۔ اصل یہ ہے کہ سواری اس کی فی الحقیقت اچھی ہے، طور طرز اپنی اپنی پسند پر موقوف ہے پر ہچکولے بہت برے، اور سوائے اس کے بھی بہت سی باتے ہیں، فراغت سے چار آدمی گپ شپ کرتے ہوئے بیٹھے چلے جاتے ہیں اور سفر میں کیفیت حضر کی اٹھاتے ہیں۔ لیکن اس کے پہیے دو ہوتے ہیں۔ چھتری دار ہو یا منڈی، اگر ڈھانچا اس کا کچھ چھٹاپے کے ساتھ ہلکا ہو تو منجھولی کہلائے گی اور بہت چھوٹا اور سبک ہوگا تو گینی۔ اس کے بیل بھی حد چھوٹے ہوتے ہیں۔ انھیں گینے کہتے ہیں، قسمیں ہیں ان کی علاحدہ ہے اور چار پہیوں کی رتھ وہ اس سے کہیں بہتر ہے، بہ نسبت اس کے اونچے نیچے سے کم گرتی ہے، ہچکولا بھی اس میں تھوڑا لگتا ہے، امیر امرا کی سواری کے قابل ہوتی ہے۔ فی الواقع بعضی تو ایسی ہی خوش ڈول، سبک نقاشی ہوتی ہے

کہ دیکھنے والے نقش دیوار بن جاتے ہیں، اور ساز بھی اس پر باناتی، سادے یا کار چوبی وغیرہ، نپٹ صفائی اور چمک کے ساتھ۔ اگر سورج اس وقت زمین پر ہووے تو اپنی رتھ سے اتر اس میں آ بیٹھے اور راجا اندر بھی دیکھے تو اپنے تخت پر پھر پاؤں نہ رکھے۔ پر ساتھ ان خوبیوں کے بھی اُمرا اس میں برائے تفنن طبع کبھو کبھو سوار ہوتے ہیں اور بعضے بڑے آدمی میرزا منش ہر چند کہ چڑھتے کم ہیں لیکن ہر موسم کا ساز ان کی سواری کی رتھ پر ہوتا ہے۔ چناں چہ گرمیوں میں خس کا اور برسات میں موم جامے کا، جاڑوں میں باناتی۔ پر اکثر اس میں مہاجن، صراف، جوہری، متصدی سوار ہوتے ہیں یا عورات ہندو مسلمان کی، اور بعضی اوباش بیگمیں یا بانکی کسبیاں اپنی رتھوں پر نہایت جھم جھماتے ساز سجوا، بیلوں کے گلوں میں گھنگرو سینگوں پر سونے۔ سواریاں صاحب سلیقہ لوگوں نے اور کاری گروں نے بنوائیں اور بنائیں۔ چناں چہ ملوک و سلاطین کے واسطے تخت و نالکی، امیروں کے لیے جھالر دار پالکی اور شہ زادیوں وزیر زادیوں و امیر زادیوں کے واسطے مہاڈول، چونڈول، سکھ پال؛ میانے اور غریبوں کی عورتوں کے لیے ڈولی، تا کوئی نجیب زادی اشراف زادی پا پیادہ نہ نکلے اور اس کے قد و قامت کو کوئی نا محرم نہ دیکھے۔

گھڑیال وغیرہ کے ذکر میں:

اور یہاں کے ہنر مندوں کاری گروں کا ایک مخترع گھڑیال ہے کہ اسی سے دن رات کی گھڑیاں ساعتیں دریافت ہوتی ہیں۔ شکل اس کی گول گندہ دل انگل بھر سے کچھ زیادہ؛ خواہ چھوٹا خواہ بڑا لیکن اژدھات کا بنتا ہے، اور طریقہ گھڑی ساعت کے جاننے کا یوں ہے کہ کسی مکان میں اس کو لٹکا کر ایک

طاسِ پُر آب میں ، ایسی تانبے کی کٹوری کہ بلندی و پہنائی اس کی بارہ انگل کی ہو اور ایک سوراخ اُس کے پیندے میں اتنا جس میں پانچ انگل کی سلائی ایک ماشے سونے یا روپے کی آوے جاوے ، ڈال دیتے ہیں ، پانی اس میں آہستہ آہستہ آنے لگتا ہے ، آخر ایک گھڑی کے عرصے میں وہ بھر کر ڈوب جاتی ہے ؛ تب اس پر موگری ایک بار مارتے ہیں ، ووں ہی آواز ایک ٹھناکے سے نکلتی ہے اور دور تلک جاتی ہے ، سننے والے معلوم کرتے ہیں کہ ایک گھڑی گزری ۔ غرض رات دن کے چار چار حصے کیے ہیں اور ہر ایک پاؤ کا نام پہر رکھا ہے ، لیکن گھٹنا بڑھنا اس کا رات دن کی کمی زیادتی پر ہے اور وہ نو گھڑی سے زیادہ اور چھ گھڑی سے کم نہیں ہوتا ۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب ایک گھڑی تمام ہوتی ہے، تب اسے ایک بار بجاتے ہیں اور دوسری کے بعد دو بار، یہاں تک کہ پہر پورا ہو ۔ بعد اس کے از سر نو موافق پہر کی گھڑیوں کے متصل بجاتے ہیں ، اور دوپہر کے وقت دونا اس سے ، شام و صبح کا چوگنا اور اسی کا ناؤ (نام) گجر ہے ۔ سوائے اس کے شیشۂ ساعت بھی اُسی کام کا ہے لیکن جس جلسے میں وہ ہو وہیں کے لوگ اُس کے سبب گھڑی ساعت کے احوال سے واقف ہوتے ہیں ۔ صورت اس کی یہ ہے کہ ایک شیشے میں ریت بھر کر اس کا منہ دوسرے کے منہ سے ملا کر خوب مضبوط باندھتے ہیں لیکن ریت دوسرے شیشے میں آنے لگتی ہے ، جب کہ تمام آ چکتی ہے ، معلوم ہوتا ہے کہ ایک گھڑی گزری ۔ غرض اسی طور سے دن رات کی گھڑی ساعت کو معلوم کرتے ہیں ۔ راقم نے ان صنعتوں کو کچھ فخریہ سمجھ کر نہیں لکھا ، فقط ”خلاصۃ التواریخ“ کے مصنف کی تبعیّت کی ہے کیوں کہ ان امور میں مصنوعات اہل فرنگ کے ایسے ایسے اپنے دیکھنے میں آئے ہیں کہ ہند

کے اگلے پچھلے کاری گروں نے کبھو خواب میں بھی نہ دیکھے ہوں گے ، بنانا تو در کنار ۔ ہاں تعصب کی بات نرالی ہے پر خدا حق کا والی ہے ۔

یہ چند سطریں عالم اہل ہند کے بیان میں :

علم بھی ہندوؤں کے یہاں اتنے ہیں کہ اُن کا بیان وار لکھنا نپٹ کٹھن ہے کہ اس دریاؤ کا اور چھور کسی پیراک نے نہیں پایا اور اُس کا کنارہ کسی بہتے ڈوبتے کے ہاتھ نہیں آیا ۔ اسی میں سے ایک بید ہے کہ سارے گنوں کے بھید اسی سے کھلتے ہیں اور دھرم دیا کے رستے وہیں سے ملتے ہیں : ہر بدیا کی وہی بنیاد ہے اور تپشیوں کی نگری اُسی سے آباد ۔ کہتے ہیں کہ اس جہان میں پہلے جدھر تدھر پانی ہی (ہی) موجود تھا ، سوائے اس کے ہر مخلوق معدوم و مفقود مگر بشن اکھی بڑ کے ایک پتے پر اس کی سطح کے اوپر انگوٹھے برابر قد سے سوتا تھا کہ خالق مطلق نے اس کی ناف میں ایک کنول کا پھول پیدا کیا اور اس کے اندر برمہا چار سر اور چار ہاتھ سمیت آدمی کی شکل خلق ہؤا ۔ وہی اس فرقے کے نزدیک واسطہ پیدایش کا ٹھہرا اور بید آسانی الہام ربانی سے اُسی کی زبانی سنا گیا ۔ چناں چہ اب تلک کہ ہزاروں برس گزرے ہیں ، سارے چھوٹے بڑے ہندو اُسی کے حکموں کو مانتے ہیں بلکہ اپنے دھرم کی بنیاد اُسی کو جانتے ہیں ۔ پھر برمہا کے پوتے منو نے آپ نشد[1] کو ترتیب دیا ۔ ایک انگ اسی بید کا ہے اور اس میں بیان وحدانیت کردگار کا اور طریقہ معرفت پروردگار کا تفصیل وار لکھا ہے ۔ بعد اس کے اس کے بیٹے پوتوں نے

۱- اوپ نکھد (''خلاصۃ التواریخ'' ص ۱۸) ۔

کھٹ شاستر[1] یعنی چھ کتابیں اسی بید سے اخذ کرکے بنائیں اور ان کے بیچ ماہیت و شناخت میں معبودِ مطلق کی بہت سی دلیلیں ثابت کیں، لیکن یہ علم الٰہی و طبیعی و ریاضی و منطق و مناظرے پر موقوف ہے اور یہ چھؤں آپس میں بعضے مقدمات کے بیچ موافق ہیں اور بعضوں میں مختلف۔ سوائے اس کے اکثر مباحثے مناقشے کے روپے کہ ہر ایک دانا و فہیم نے بہ قدر اپنی دانائی و طبع کی رسائی کے پیدا کیے ہیں، انھی کتابوں کی سیر کے نتیجے ہیں۔

پہلا نیائے شاستر: مصنف اس کا گوتم نیایک۔ حاصل اُس کے مضمون کا یہ ہے کہ کارج کارن کرنا، یعنی فعل و سبب و فاعل بغیر کوئی چیز موجود نہیں ہوتی اس لیے فاعل حقیقی بے جہت کوئی فعل نہیں کرتا لیکن مختار ہے۔ بندے کی کیا طاقت کہ اُس میں دم مار سکے یا اول و اوسط و آخر میں دخل کرے جیسے کمھار مٹی کے وسیلے سے ہانڈی موافق اپنی مرضی کے بناتا ہے اور جس کام میں چاہتا ہے، برتتا ہے۔ اُن دونوں کی مجال نہیں کہ کہیں ایسی بنا ویسی نہ بنا یا یوں نہ کر ووں کر۔ اسی طرح مخلوق اپنی خلقت میں خالق کے ارادے کے آگے بے مقدور ہے اور مجبور۔

دوسرا وئیشِ[2] یشک شاستر: بنانے والا اس کا سوامی کنڑاؤ۔ اُس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مدار کار وقت پر ہے۔ جو کام غیر وقت کیا جائے گا سوائے حسرت کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ چناں چہ اگر کسان بے موسم کچھ بووے گا، اپنے بیج بھی

۱- گھٹ شاستر (خلاصة التواریخ ص ۱۸)۔
۲- بیئسک شاستر (خلاصة التواریخ ص ۱۹)۔

کھووے گا ، گو مینہ برسے یا سینچے پر کھیتی میں ایک دانہ نہ آگے گا اور اس کو سوائے ثمر یاس کے کچھ پھل نہ ملے گا۔ پس جو کچھ ہے سو زمانہ آسی کی پرستش کیا چاہیے ، بہ‌دوں آس کے تاثیر فعل کی محال ہے اور معدوم کا موجود ہونا اشکال۔

تیسرا سانکھ شاستر : جمع کرنے والا اس کا سوامی کپل۔ اس کا ماہر حق و باطل کو جدا کر سکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جو شے کہ چھیڑنے چبھونے دیکھنے میں آوے ، وہ آنا اتمان[1] ہے اور فانی اور جو ایسی نہ ہو وہ اتمان[2] ہے اور باقی۔ غرض جسم کو فنا ہے اور روح کو بقا۔ پس آدمی کو چاہیے یہاں تک سعی کرے کہ آنا اتمان سے اتمان کو جب چاہے جدا کر دے اور پرم اتمان[3] یعنی بسیط محض سے ملے۔

چوتھا پاتانجل[4] : جامع اس کا سوامی اننت۔ حبس[5] دم کا طریقہ انھی سے نکلا ہے۔ اس کے مشاق کا آئینۂ باطن ایسی جلا پاتا ہے کہ ہر ایک کے دل کا بھید اس پر کھل جاتا ہے۔ حال میں اگلا پچھلا احوال جس کا چاہے کہہ دے اور اس میں

۱۔ انا تما (خلاصۃ التواریخ ، ص ۱۹) ۔
۲۔ اتما (خلاصۃ التواریخ ، ص ۱۹) ۔
۳۔ پرم اتما (خلاصۃ التواریخ ، ص ۱۹) ۔
۴۔ پا تنجل (خلاصۃ التواریخ ، ص ۱۹) ۔
۵۔ ایں شگرف دانش را سوامی پتنجل ظاہر ساختہ ، حبس نفس خاصۂ اوست (خلاصۃ التواریخ ص ، ۱۹) ۔
افسوس نے ترجمے میں سوامی اننت نام لکھا ہے لیکن مصنف نے ” سوامی پتنجل “۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ افسوس سے ترجمے میں غلطی ہوئی اور نام غلط لکھ دیا ۔

مُو برابر فرق نہ پڑے ۔ جسم ظاہری بھی اُس کا اتنا سبک ہو جاتا ہے کہ جس وقت ارادہ کرے باو میں اڑے اور پانی پر پھرے ۔

پانچواں ویدانت شاستر[1] : مؤلف اس کا بیاس دیو ۔ عالم اُس کا صاحب توحید ہوتا ہے ۔ وحدت اس کی آنکھوں میں ایسی سماتی ہے کہ دوئی نظروں سے گر ہی جاتی ہے ۔ کثرت کو وہمی سمجھتا ہے اور وحدت کو یقینی ۔ عقیدہ اس کا یہ ہے کہ ہر چند کائنات اسی سے ہے پر جو کچھ ہے سو وہی ہے ۔ غرض جو مٹی کو کوزے سے اور لہر کو پانی سے ، چمک کو سورج سے نسبت ہے ، وہی موجودات کو اُس کی ذات سے ۔

چھٹا میمانسا شاستر : ترتیب دینے والا اُس کا سوامی جمن[2] ۔ جاننا اس کا سب شاستروں پر مقدم کیوں کہ صاحبِ تعلق کا عمل اُسی پر ہے ۔ کہتے ہیں جو کچھ ہے سو عمل ہی ہے ، سوائے اس کے ہیچ ۔ جب تلک کھیت والا نہ جوتے بوئے گا کھیت سے کیا خاک لیوے گا ، جس نے جو بویا وہی اُٹھایا ۔ حاصل یہ ہے کہ مفلسی ، دولت ، نیکی ، بدی ، بہشت و دوزخ نتیجہ عمل کا ہے اور سوائے ان چھ کے :

دھرم شاستر : برمہا ہی کے فرزندوں نے بید سے نکالا ہے ۔ کام ، کاج ، کسب چلن کہ برھمن ، چھتری ، بیس ، سودر ، کی گزران کے ہیں ، اس کے وہی بنیاد ہے اور چار اسرم یعنی چار طریقے برمھ چرج

۱۔ بیدانت شاستر (خلاصۃالتواریخ ، ص ۱۹) ۔
۲۔ سوامی جمن (خلاصۃ التواریخ ، ص ۱۹) ۔

گرھست بان[1] پرست سنیّاس[2] وغیرہ ریاضتیں عبادتیں خیر خیرات دان پُن برت جس وضع سے کہ چاہیے اور ہر ایک گناہ کا کفّارہ، لغزشوں کا چارہ، انواع و اقسام کے جھگڑے قضیّے کا فیصلہ، عدالت کا روّیہ اسی سے ماخوذ ہے۔ اس علم کو فارسی عربی[3] زبان میں فقہ کہتے ہیں۔

بیا کرن: ایک علم ہے کہ سنسکرت کی زبان کے مفرد مرکب کلموں کی بناؤں کا جاننا اور ایک حال سے آن کو بہ حالِ دیگر گردانتا، پوتھیوں کی عبارت کا ٹھیک پڑھنا اسی پر موقوف ہے۔ جب تلک اس علم میں مہارت پیدا نہ کرے گا، ان کی عبارت درست نہ پڑھ سکے گا، جا بجا ٹھوکریں کھائے گا، آخر گرے گا۔ اگر کوئی چاہے کہ بےدون نحو صرف کی مشق کے عربی

۱۔ گرھست و وان پرست و ستیاس (خلاصۃ التواریخ، ص ۱۹)۔

۲۔ طبع اول (ص ۳۳) سنپاس، طبع دوم (ص ۲۵) سنہاس، طبع سوم (ص ۲۶) سنیاس، طبع چہارم (ص ۳۳) سنّیاس، نسخہ انجمن (ص ۳۰) سنپاس۔

۳۔ در فارسی فقہ گویند (خلاصہ، ص ۱۹)۔ اس کا ترجمہ افسوس نے اضافے کے ساتھ کیا ہے:

''اس علم کو فارسی زبان میں فقہ کہتے ہیں''۔

'' بید '' کے بیان میں افسوس نے لفظی ترجمے پر کفایت کی ہے لیکن عبارت مذکورہ بالا میں تجاوز کیا ہے۔ دھرم شاستر کے بعد خلاصۃ التواریخ میں ''کرم بھاگ'' کا بیان ہے، پھر ''ھژدہ پران'' کا اور ان عنوانات کے بعد ''بیاکرن'' ہے لیکن افسوس نے ترجمے میں ترتیب بدل دی ہے۔ ممکن ہے کہ افسوس کے پیش نظر نسخے میں یہی ترتیب ہو یا پھر غلطی سے افسوس نے اصل کتاب کے خلاف ترتیب بدل دی (خلاصۃ التواریخ، ص ۱۹ و ۲۰)۔

عبارت صحیح پڑھ سکے یا اس زبان کی کتابوں کے مطلب جوں کے توں کہہ سکے، کیا مجال ـ ویسی ھی بہ‌دون اس کی مشاق کے سنسکرت کی کتابوں پر روانی امر محال ـ کہتے ھیں شیش ناگ[1] کہ حامل زمین ان کے عندیے میں ہے ، اس نے اُس کی شرح کی ہے ـ سوائے اس کے اور بھی کتنے داناؤں نے اس فن میں قاعدے قانون ایسے ایسے بنائے کہ مبتدیوں پر مشکل مشکل مسئلے آسان ھو گئے ـ

ہژدہ پران : یعنی علم تواریخ ـ جو کوئی نفوس قدسیہ کا حال اور عالم ملکوت کا احوال ، خلقت کے پیدا ہونے کی تفصیل و حقیقت ، قیامت صغرا و کبرا کی کیفیت ، راجاؤں کے افسانے تپشیوں کے قصے دریافت کیا چاہے ، وہ اُس کو پڑھے ـ

کرم بپاک[2] : کیا نادر[3] کتاب ہے ـ ماہر اس کا کوڑھی ،

۱ـ سیس ناگ (خلاصة التواریخ ، ص ۲۰) ـ
۲ـ کرم بپاگ (خلاصة التواریخ ، ص ۱۹) ـ
۳ـ شگرف عملے است (خلاصة التواریخ ، ص ۱۹) ـ اس کا ترجمہ افسوس نے عجیب انداز میں کیا ہے یعنی :

"کیا نادر کتاب ہے"

خلاصة التواریخ کے مؤلف نے شگرف عمل (علم ؟) لکھا ہے ـ غالباً عمل سہو کتابت ہے اور مؤلف نے شگرف علم لکھا ہوگا ـ تو اس کا ترجمہ نادر علم ہوتا ، نہ کہ "نادر کتاب" اور اگر یہ مانا جائے کہ افسوس نے دیدہ و دانستہ "کتاب" کا لفظ استعمال کیا ہے تو ایسی تبدیلی بے معنی معلوم ہوتی ہے ـ اس "عنوان" کے تحت افسوس نے لفظی ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ مصنف کے بیان کا خلاصہ لکھ دیا ہے ـ

کلنکی ، گونگے ، بہرے ، اندھے ، کانے ، لولے ، لنگڑے ، لُنجے کو ، سوائے ان کے جو آزاری کہ ہمیشہ تپ میں جلتا ہے اور جس کا سدا پیٹ جلتا ہے ، جب چاہے بتا دے کہ فلانے عمل کا یہ نتیجہ ہے کہ تو نے اگلے جنم میں کیا تھا اور اُس سے چھٹکارا اس دان پُن سے یا اس برت ریاضت سے پاوے گا ۔ اگر اس شخص نے اس کے کہنے پر عمل کیا ، خدا کے فضل سے ترت چنگا ہوا[1] ۔

لیلاوتی : ایک کتاب علم حساب میں ہے ۔ اس کی مہارت سے مشکل مشکل مسئلے حساب کے اور دشوار عقدے دقیقے ہندسے کے حل کر سکتا ہے ۔

بیدک بدیا : علم طب ہے ۔ مشّاق اُس کا انسان کے بدن کی ماہیت سر سے پاؤں تلک جس طرح سے کہ چاہیے ، جانتا ہے اور اعضا کے جوڑ ، توڑ ، ربط ، وضع ، ہیئت ، نبض کی کیفیت ، مزاج کی حقیقت بہ خوبی پہچانتا ہے ، بلکہ تشخیص ہر ایک بیماری کی

۱۔ خلاصۃ التواریخ کے مصنف نے عنوانات اس ترتیب سے لکھے تھے :

دھرم شاستر ، کرم بھاگ ، ہژدہ پران ، بیا کرن ، چھند ، بیدک بدیا ، جوتک بدیا ، ساندرک بدیا ، لیلاوتی ، شگن بدیا ، سُر بدیا ، اکم بدیا ، اندر جال ، رس بدیا ، کامرو بدیا ، شر بدیا (و ہنر بدیا) ، رتن برچھا ، مایک بدیا ، گج شاستر ، شال ہوتر ، گاندھرب بدیا ، نٹ بدیا ، رشک بدیا ، کام شاستر ۔

"چھند" کا عنوان افسوس سے رہ گیا ہے اور اُس کا ترجمہ شامل کتاب نہیں ۔ ترتیب عنوانات بھی "آرایش محفل" میں بدلی ہوئی ہے ۔

اور تدبیر ہر ایک آزاری کی اس سے ہو سکتی ہے ۔ اکثر اوقات بگڑے ہوئے مرض کی دوا اسی سے بن پڑتی ہے ۔ بانی اس علم کا اگرچہ بیاس دیو ہے لیکن اور بھی داناؤں نے اس فن میں نسخے معقول تصنیف کیے ہیں اور جا بہ جا رواج دیے ہیں ۔

جوتک بدیا : علم نجوم ہے ۔ خوانندہ اس کا ستاروں کی در آمد بر آمد کا وقت ہر ایک بُرج میں بتا سکتا ہے اور انسان کے طالعوں کی سعادت نحوست بلکہ رفع نحوست کی تدبیریں ، چاند گہن ، سورج گہن کی ساعتیں اور تاثیریں جتا سکتا ہے ۔ اہل عجم و عرب اس علم کو انبیاے کرام سے نسبت دیتے ہیں لاکن (لیکن) ہندو اس کے ظہور کا سبب آفتاب کو جانتے ہیں اور ایک آدھ[1] ان میں سے بید کو بھی اس کا ماخذ کہتا ہے ۔

سامدرک بدیا[2] : خوانندہ اس کا آدمی کے ہاتھ کی لکیروں اور ماتھے کی چنیوں کے ملاحظے سے ، چال ڈھال کے طریقے سے اور بعضے اعضا کے خال و خط سے برا بھلا احوال آیندہ بتا دیتا ہے ۔

شگن بدیا : دانندہ اس کا انسان ، حیوان ، چرندے ، پرندے کی آواز سے شگن لے کر حقیقت حال سے اور اس کے مآل سے اطلاع بخشتا ہے اور یہاں کے لوگوں میں وہی شگنیے مشہور ہیں ۔

۱۔ نسخہ اول (ص ۵۔) نسخہ (دوم ص ۲۹) نسخہ سوم (ص ۷۰) میں ''آد'' ہے اور نسخہ چہارم میں بھی یہی ہے (ص ۳۵) ۔

۲۔ ساندرک بدیا (خلاصۃ التواریخ ، ص ۲۰) ۔

سربدیا: جاننے والے آس کے داھنے بائیں نتھنے کی سانس سے
کہ ہر روز ایک وقت معین پر آتی جاتی ہے ، سائل کو نیکی بدی
سے خبردار کرتے ھیں ۔

اگم بدیا[1] : اس کے پڑھنے والے کو طرح بہ طرح کی
پڑھنتیں یاد ، سحر و جادو کے چلن میں استاد ۔ جس باد بتاس کو
ارادہ کرے ، ایک آن میں بندھوائے ، عالم جنّات اس کے سامنے
سر جھکائیں ، کٹھن کٹھن بیماریوں کی دوا کرے ، بڑے بڑے
آزاریوں کو چنگا کرے ، دولت و منفعت جتنی چاھے پیدا کر لے ،
ٹوٹا گھاٹا کبھو نہ دے ، دوستوں[2] کو اپنے نہال کرے اور
دشمنوں کو پاے مال ۔

گاڑرو بدیا[3] : اس کا عالم سانپ بچھو وغیرہ کے منتروں کا
حاکم ھوتا ہے ۔ ان کے کاٹے کی چڑھی ھوئی لہر چاھے تو
اتار لے اور اتری کو چڑھاوے ؛ سوائے اس کے منتر کے زور سے
جس کو ان میں سے چاھے ، حاضر کرے ، بلکہ حسب و نسب بھی
ہر ایک سانپ کا کہہ سناوے ۔

دھنک بدیا[4] : آگاہ اس کا کرتب تیر اندازی کا جیسا
چاھیے ، جانتا ہے اور کامل اس فن کا قوت طبیعت سے وقت

۱- اکم بدیا (خلاصۃ التواریخ ، ص ۲۰) ۔

۲- دوستوں کو اپنے (نسخہ اول تا چہارم ص ۲۷ و ۲۸ و ۳۵ و ۳۶) نسخۂ انجمن میں " اپنے دوستوں کو " ہے ۔

۳- کامرو بدیا (خلاصۃ التواریخ ، ص ۲۱) ۔

۴- شربدیا و (ھنر بدیا) (خلاصۃ التواریخ ، ص ۲۱) ۔

پر ایک تیر سے کتنے ھی[1] تیر نکال کر دشمن کے سینے کو چھانتا ھے۔

رتن[2] پرچھیا: اس ھنر کا جاننے والا لعل، موتی، ھیرا، پنّا پرکھ لیتا ھے بلکہ ھر ایک جواھر کا عیب ھنر بتا دیتا ھے۔ کوئی سنگ ریزہ نہیں کہ اس کی خاصیت و پیدایش کا حال اس پر ظاھر نہیں اور کوئی نگینہ نہیں کہ اس کی ماھیت سے وہ ماھر نہیں۔

باستک بدیا[3]: یعنی معماری۔ اس کی مشّاقی سے قسم قسم کی عمارتیں، طرح طرح کی پھلواریاں، حوض، نہریں بہ آئینِ شایستہ بنا سکتا ھے اور ھر ایک مکان خاص کے خواص مفصّل بتا سکتا ھے۔

رسائن بدیا[4]: یہ علم اگر سیکھے تو سونا، روپا، تانبا، پارہ وغیرہ بہ خوبی مار لیوے بلکہ راکھ سے روپا، سونا بنا کر دکھا دیوے۔ اسی صنعت کو مہوسی کیمیا گری کہتے ھیں۔

اندر جال: ایک علم ھے۔ عالم اس کا انواع و اقسام کے

۱۔ نسخۂ اول (ص ۲۶)، نسخۂ دوم (ص ۲۷)، نسخۂ سوم (ص ۲۸)، نسخۂ چہارم (ص ۳۶) میں ''ھیں'' ھے۔ موجودہ املا ''ھی'' ھے۔

۲۔ رتن برچھا (خلاصۃ التواریخ ص ۲۱)۔ رتن پرچھیا مطابق نسخۂ اول (ص ۳۶) لیکن نسخۂ دوم (ص ۲۷) میں '' رتن پرچھپا '' اور نسخۂ سوم (ص ۲۸) اور نسخۂ چہارم (ص ۳۶) میں '' رتن پرچھا '' ھے۔

۳۔ مایک بدیا (خلاصۃالتواریخ، ص ۲۱)۔

۴۔ رس بدیا (خلاصۃ التواریخ، ص ۲۱)

طلسم بناتا ہے اور عملِ تسخیر کے باعث سے ایک عالَم کے دلوں کو لبھاتا ہے۔ جب چاہے جان[1] کو اپنے تن سے نکالے اور دوسرے کے بدن میں ڈالے؛ سوائے اس کے ایسے ایسے اچرج اچنبھے دکھائے کہ ساری خلقت بھیچک رہ جائے۔

گاندھرب بدیا[2]: یعنی علم موسیقی۔ اس کے عالم پر چھ راگ تیس راگنی کی ماہیّت، تین گرام کی حقیقت، سات سر کی نسبت کُھل جاتی ہے۔ تک دھرپد، گیت سنگیت کی ریت اسی سے بن آتی ہے۔ جس راگ کو چاہے نجھ تجھ سے گائے اور جس ساز پر ارادہ کرے، بہ خوبی بجائے۔ ناچنا تو ایسے گُنی کے آگے بات ہے، کیوں کہ لے تال کی مپت کھپت اُسی کے ہاتھ ہے۔

نت[3] بدیا: اس کی دریافت کا فائدہ بازی گری، چالاک دستی پٹے[4] بازی وغیرہ ہے۔ اس فن کے مشاق ایسے ایسے کرتب کسب

۱۔ نسخۂ اول (ص ۳ب) ''جان کو'' ہے۔ نسخۂ چہارم (ص ۳۶) میں بھی یہی ہے۔ نسخۂ دوم (ص ۲ب)، نسخۂ سوم (ص ۲۸) میں ''کو'' نہیں ہے۔

۲۔ افسوس نے ''گاندھرب بدیا'' کا لفظی ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ بہت وضاحت کی ہے اور اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ افسوس علم موسیقی سے واقف تھا۔ خلاصۃ التواریخ کی عبارت پڑھ کر اندازہ کیجیے کہ مترجم، مصنف سے زیادہ با خبر ہے:

''کہ از بید سویم بہ عرصۂ ظہور آمدہ، یعنی موسیقی از گفتن و نواختن و اصول و فروع آں گونا گوں، نغمہ و ساز و روشِ رقص کہ آں را سنگیت گویند''۔
(خلاصۃ التواریخ ص ۲۱)

۳۔ نسخۂ سوم و چہارم اور اول و دوم میں ''نت'' ہے۔

۴۔ چاروں نسخوں میں ''بٹے بازی'' ہے۔ آج کل مروج ''پٹے بازی'' ہے۔

دکھاتے ہیں ؛ خصوصاً رنڈیاں آن کی بلائے بے درماں ، جوان کو بوڑھا کریں اور بوڑھے کو جوان ۔ بانس پر گود میں لڑکا لیے چڑھ جائیں ، رسی پر دوڑتی چلی آئیں ، ہونٹوں کے سہارے سے موتی پروئیں ، بڑے بڑے نٹ کھٹوں[۱] کے گیان ایک آن میں کھوئیں ۔ غرض ان کی چالاکیاں ، بے باکیاں دھیان میں نہیں آتیں ؛ پھر زبان کیوں کر کہے اور قلم کس طرح لکھے ۔ بعضی تو ان میں نٹنیاں کہلاتی ہیں اور بعضی بھان متیاں ۔

کام شاستر : کوک بھی اسی کو کہتے ہیں ۔ اس کی مہارت سے چوراسیٰ آسن کے عنوان اور ہر ایک کا فائدہ و نقصان معلوم ہو جاتا ہے ۔ اسی کا ماہر عورت کو جماع میں تھکاتا ہے ۔

رسک[۲] بدیا : ایک علم ہے ۔ اس کے جاننے سے قسم قسم کے مردوں کے احوال اور طرح بہ طرح کی رنڈیوں کے اطوار دریافت ہو جاتے ہیں اور ان کے عشق و محبت کے رویے ، طریقے بہ خوبی سمجھ میں آتے ہیں ۔

گج شاستر : ماہر اس کا ہاتھی کی نیکی بدی عمر بلکہ ہر ایک اس کا عیب و ہنر بہ خوبی پہچانتا ہے ؛ سوائے اس کے ہر ایک بیماری کے علاج کا سلیقہ اور اس کی تن درستی کے حفظ کا طریقہ جس طرح سے کہ چاہیے ، جانتا ہے ۔

۱۔ نسخۂ اول و دوم و سوم میں ”نٹ کھٹوں“ ہے اور نسخۂ چہارم (ص ۳۷) ”نٹ کھتوں“ غلط ہے ۔

۲۔ رشک بدیا ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۲۱) ۔

سالوتر بدیا[1] : اس کی دانست کا نتیجہ یہ ہے کہ گھوڑے کے عیب[2] ہنر ، رنگ ڈھنگ وغیرہ بے تامل پہچان لے بلکہ جو عیب بچھیرا آیندہ نکالے گا اس کو فی الحال بتا وے اور اس کی ہر ایک بیماری کی دوا موافق قاعدے کے کرے ۔ اغلب ہے کہ اس بات میں نہ چوکے ۔

چند[3] سطریں سیرت میں ہندوستان کے فقیروں کی اور بیان میں اُن کے گروہوں کے

پہلی گروہ سناسیوں کی

طریقہ اُن کا خواہش نفسانی و لذت جسمانی کا چھوڑنا اور

۱۔ شال ہوتر (خلاصۃ التواریخ ، ص ۲۱) ۔

۲۔ چاروں نسخوں میں " عیب ہنر " بغیر واو ہے نسخۂ انجمن میں "علم و ہنر" ہے ۔

۳۔ یہ عنوان مطابق نسخۂ اول ہے ۔ نسخۂ دوم میں لفظ 'ستریں' حرف 'ت' سے تحریر ہے ۔ بقیہ عبارت درست ، نسخۂ سوم میں صحیح لیکن نسخۂ چہارم میں لفظ "کے" چھوٹ گیا ہے ۔

"چند سطریں سیرت میں ہندوستان فقیروں کے اور بیان میں اون کے گروہوں کے"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲)

ریاضت شاقه میں تکلیف مالا یطاق سے منه نه موڑنا ؛ بدن کو یہاں تلک مٹی لگائے رکھتے ھیں که تہیں جم جاتیں ھیں اور بالوں کو اس قدر اُلجھائے رکھتے ھیں که لٹیں بندھ جاتیں ھیں ۔ دن رات دھیان معبود سے لگائے اور اس کی بندگی میں سر جھکائے رہتے ھیں ۔ نه کسی سے علاقه نه کسی چیز کی تمنا ۔ سر سے پاؤں تلک ننگے بھبھوت سرا سر ملے ، ننگ و ناموس کو تجے ، راہ مولا میں کیا کیا صعوبتیں سہتے ھیں ۔ اگرچه ظاھر اُن کا خراب حال ھے لیکن باطن داتا کے فیض سے مالا مال ۔ ھر چند اُنھوں نے بنائے جسمانی برباد کی ہر عمارت روحانی آباد کی ۔ ایک فرقه ان میں سے چپ سادھے اپنے نفس سے مباحثے مناظرے کر رہا ھے ، کسی نے اپنے تن بدن سے دست بردار ھو آسمان کی طرف ھاتھ بلند کر دامن مطلوب کا پکڑا ھے ، کوئی درخت میں اُلٹا لٹک کر نفس امّارہ کو تپشا کی آگ میں جلاتا ھے ، بعضا اپنی عبادت کے مقام میں صبح و شام رام سے لو لگائے کھڑا ھے ۔ کوئی اس جہان کی دید[1] چھوڑ ، سورج سے ٹک ٹکی باندھ ، اس عالم کو دیدۂ دل سے دیکھ رہا ھے ۔ غرض یه لوگ اوقات اپنی جپ تپ ھی میں گزارتے ھیں اور ھر آن میں اپنے نفس کو مارتے ھیں ۔ ان کی عبادتوں کے چلن کٹھن ھیں ۔ دوسرے کی کیا طاقت که ان کو

(بقیه حاشیه صفحه گذشته)

اس سے یه بھی ظاھر ھوتا ھے که افسوس نے گروہ کو به معنی جماعت مؤنث استعمال کیا ھے ۔ جیسے که عبارت ذیل سے واضح ھے ۔
” پہلی گروہ سناسیوں کی “

۱۔ چاروں نسخوں میں ” دید “ کے بعد ’کو‘ نہیں اس لیے نسخۂ انجمن میں ’کو‘ غلط ھے ۔

ادا کر سکے بلکہ اُن پر دھیان بھی دھر سکے۔ مثل مشہور ہے ''جا کا کام تا ھی کو چھاجے'' اگر اس گروہ کی ہر ایک قوم کا ناؤں (نام) اور راہ و رسم کا بیان عبادتوں کا تمام عنوان لکھنے میں آتا تو قصہ بہت بڑھ جاتا۔

دوسری جوگیوں[1] کی

یے (یہ) بھی اپنے خدا کی یاد دن رات کیا کرتے ھیں اور 'حبسِ دم' کی کثرت سے سیکڑوں برس جیا کرتے ھیں۔ باوجود بارِ ریاضت ان کا جامۂ خاکی ایسا ھلکا ھے کہ ھوا میں اڑتے ھیں اور پانی پر پھرتے ھیں۔ عمل کے زور سے جب چاھیں اپنی روح کو نکالیں اور دوسرے کے جسم میں ڈالیں، جس کی شکل چاھیں بن جائیں، غیب کی خبریں کہہ سنائیں، راکھ سے تانبے کو سونا کر دیں، جادو کے زور سے ایک عالم کو موہ لیں؛ بیروں سے ان کو صحبت، بیتالوں پر ان کی حکومت؛ مرتے ھوئے آزاری بات میں چنگے کریں، پرائے من کی ترت بوجھ لیں؛ بے پروائی نا آشنائی ان کی ریت، سچ ھے کہ جوگی کس کے میت۔ ھرچند کہ منتر جنتر مہوسی کیمیا گری میں سناسیوں کو بھی سکت ھے، پر جوگیوں کی ان کاموں میں شہرت بہت ھے۔

۱- دوسری جوگیوں کی۔ نسخۂ اول و دوم و سوم میں یہی عبارت ھے لیکن نسخۂ چھارم میں یہ ھے:

'' دوسرے جوگیوں کے گروہ'' یہ اضافہ افسوس کا نہیں مرتب کا ھے - دوسری کے بعد افسوس نے لفظ گروہ حذف کر دیا، اس ابہام کو دور کرنے کے لیے مرتب نے '' گروہ'' کا لفظ اضافہ کیا۔ جس کی ضرورت اگر تھی تو لفظ ''دوسری'' کے بعد یہ اصلاح درست نہیں۔

تیسری بیراگیوں کی

سچ مچ یہ تو بیراگ میں بھرے اور جوگ میں کھرے ہیں۔ اوقات ان کی بڑے مزے سے کٹتی ہے؛ دن رات اپنے طور کی تپشا میں لگے رہتے ہیں اور رام کی نیہہ میں پگے۔ خلقت سے وارستہ، خالق کے آگے دست بستہ۔ ہر ایک اپنے اپنے مرشدوں کی راہ پر چلتا ہے، اس کی پگ ڈنڈی سے باہر نہیں نکلتا۔ اکثر اہل مذاق ان میں استتین اپنے خدا کی وحدت و معرفت میں بنا بنا صبح و شام گاتے ہیں اور رنگ بہ رنگ کے ساز بجاتے ہیں۔ ان کے عقیدے میں خاص عبادت معبود کی اور راہ کشود کی یہی ہے۔ کتنے حالت وجد میں آ کر بے ساختہ ناچنے لگتے ہیں بلکہ چرخ مارتے پھرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک خلاصہ عبادت کا اور طریقہ ہدایت کا یہی ہے، یہاں تک کہ اس کیفیت میں جس نے ایک قدم بھی دھرا، اپنے اعتقاد میں ایک درجہ منزل مقصود کا طے کیا۔ بعضے اس کا نام زبان ہیں (ہی) سے ٹیرتے ہیں اور اُس کی یاد کی سمرنیں پھیرتے ہیں۔ کتنے مراقبہ کیے خاص خاص صورتوں کا دھیان باندھے بیٹھے ہیں، بہتیرے بیدانت شاستر کے مطالعے میں لگے ہیں کہ واحد مطلق کی وحدت کے اسرار و معرفت کے آثار دریافت کر کے اپنے خانۂ دل کو پر نور کریں اور اُس کی تاریکیاں دور کریں۔ ان میں بہت سے فرقے ہیں، ہر ایک اپنے پیشوا کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

چوتھی نانک[1] پنتھیوں کی

اداسی بھی یے (یہ) ہی کہلاتے ہیں۔ سرگروہ ان کا بابا نانک۔

۱۔ نسخۂ اول میں ”نانک پنتھیوں“ نقطہ نانک کا رہ گیا، نسخۂ انجمن ترقی اردو میں یوں ہی چھپا ہے، لیکن باقی تین نسخوں میں نانک ہے جو صحیح ہے۔

یہ بھی اپنے پیشواؤں کے ارشاد کے موجب خدا کی حمد و ثنا میں رہتے ہیں، پر اِن کی عبادت کا خلاصہ یہ ہے کہ مرشدوں کے بنائے ہوئے دوہرے، چھند، گیت گا گا کر سننے والوں کو محظوظ کریں اور کسی چیز پر دھیان نہ دھریں ۔

پانچویں جتیون سیوڑوں[1] کی

یے (یہ) بھی کڑی[2] کڑی ریاضتیں، بڑی بڑی محنتیں کرتے ہیں ۔ چالیس چالیس دن برتی رہتے ہیں، بھوکھ پیاس کے دکھ مدتوں سہتے ہیں ۔ اپنے جسم کو بہ خوبی نہیں پالتے، کھانے پینے کا نام بھی اکثر زبان سے نہیں نکالتے ۔ برسات بھر چلتے پھرتے نہیں بلکہ پاؤں بھی نہیں پسارتے کہ مبادا کسی کیڑے[3] مکوڑے کو صدمہ پہنچے ۔ اُن کی بڑی تپشا جان داروں کی رکھیا ہے، اس واسطے آگ نہیں جلاتے، کھانا نہیں پکاتے ۔ عمارت کا بنانا، چراغ کا جلانا، کووں (کنووں) کا کھدانا بلکہ اُن سے پانی بھی نکالنا برا جانتے ہیں کہ شاید کسی جانور کی اذیت کا سبب ہو؛ علاوہ ان کے ترکاریاں سبز میوے مطلق نہیں کھاتے کیوں کہ اُن کے نزدیک ایسی چیزیں جان داروں کے مانند ہوتی ہیں ۔ اگر بہت بھوکھے پیاسے ہوتے ہیں تو موافق حاجت کے اپنے مریدوں کے گھروں سے مانگ تانگ کر کھا پی لیتے ہیں اور کپڑا لتّا بھی ضروری ہی اپنے پاس رکھتے ہیں ۔ خالقِ حقیقی کے قائل نہیں کیوں کہ

۱- پنجمی صنف، جتی و سریوره (خلاصة التواریخ ص ۲۳) ۔

۲- نسخہ چہارم میں ''کڑیں کڑیں'' املا غالباً بصورت جمع ہے ۔ بقیہ تینوں میں کڑی کڑی ہے ۔

۳- نسخہ اول و چہارم میں 'مکوڑے' ہے اور نسخۂ دوم و سوم میں 'مکڑے' جو غلط ہے ۔

اُن کے مرشدوں کا فرمودہ یہ ہے 'جیسے گھاس آپ سے آپ اُگتی ہے اور بونے والا اُس کا کوئی نہیں ، ویسے ہی انسان و حیوانات وغیرہ کی پیدایش بھی بلکہ قدیم سے یونہیں (یوں ہی) چلی آئی ہے' اور عذابِ آخرت کو بھی نہیں مانتے ۔ کہتے ہیں کہ انسان کا جسم مجموعہ چار عنصر کا ہے ۔ جب وہ پاش پاش ہوا ، ہر عنصر اپنی اصل سے مل جائے گا ، پھر عذاب کس پر اور کس کے واسطے؟ چناں چہ اسی باعث آگ پانی مردوں کو دینا جس طرح کہ سب ہندوؤں کے مذہب میں روا ہے ، اُن کے نزدیک بے جا ۔ کہتے ہیں اگر بجھے[1] چراغ میں تیل ڈالا ، کیا فائدہ ۔ لطف یہ ہے کہ منہ سر کے بالوں کو قینچی یا اُسترا غیر کے ہاتھ سے لگوانا بدعت جانتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے اُکھاڑنا عبادت ۔ خاص ریاضت اُن کی دنتون نہ کرنا ، منہ نہ دھونا ، ناپاک رہنا ، نہ نہانا[2] ۔ اگر گُوہ مُوت سے ہاتھ بھر جائے نہ دھوئیں ، ناپاک نہ جانیں ، اسی لیے تمام ہنود کہ صانع مطلق کو بر حق اور ثواب ، عذاب ، عاقبت کا بے شک جانتے ہیں ، اس فرقے سے بیزار ہیں اور ان سے ہم صحبت ہونا بلکہ بولنا بھی روا نہیں رکھتے اور یوں کہتے ہیں ' اگر ایک طرف سے مست ہاتھی مرکھنا زنجیر تڑائے ہوئے آتا ہو اور ایک طرف سے سیوڑا ، ہاتھی کے طرف جائیے اور اس کی طرف منہ بھی نہ کیجیے'۔ برھمن بھی مذہب قدیم کو جو بید کے موافق شروع آفرینش سے رائج ہوا ہے ، مسلّم

۱۔ انجمن ترقی اردو کے مطبوعہ نسخے میں " بجھتے " غلط ہے ، صحیح " بجھے " چاروں نسخوں میں ہے ۔

۲۔ " نہ نہانا " نسخۂ دوم و سوم و چہارم میں ہے مگر نسخۂ اول میں " نہ نہا " ہے ، غالباً سہو کتابت ہے ۔

جانتے ھیں اور اُس طریق کو کسی فرقے نے آپ ھی آپ ھدایت کے لیے اختراع کیا ھے نہیں مانتے؛ سوائے اس کے کسی مخالف مشرب کو اپنے مذھب میں نہیں لاتے، ھر چند وہ منت کرے، اور جو کوئی اُن کے طریق سے برگشتہ ھوکر دوسرا مذھب اختیار کرے، پھر اگر اُن کے دین کا طالب ھو، اُس کو بھی اپنے دھرم میں نہیں ملاتے، اگرچہ بہتیری ساجت کرے۔ اور اُس مذھب میں

چار آسرم[1]

یعنی چار آئین ھیں:

پہلا برمھہ چرج

وہ عبارت اس سے ھے کہ بیاہ نہ کرے اور علمِ ظاھری باطنی کی تحصیل و تکمیل میں لگے۔

دوسرا گرھست

یعنی شادی کر کے خانہ داری کے کاموں میں مشغول ھووے۔

تیسرا بان پرست

اور وہ یہ ھے کہ جب ادھیڑ ھو اور بیٹا صاحب اولاد، تب گھر بار چھوڑ کر جورو سمیت جنگل میں جاوے، تپشا میں دھیان لگاوے اور پھلوں کے سوا کچھ نہ کھاوے۔

چوتھا سنیاس

یعنی سب علاقوں سے ھاتھ اُٹھا کر سخت سخت ریاضتیں، مشکل مشکل عبادتیں بجا لاوے۔

۱- آشرم (خلاصہ، ص ۲۴)۔

اور چار فرقے ہیں

پہلا بامنھہ کا :

آئین اس کا بید خوانی اور علومِ حقیقی میں اوقات بسر لے جانی -

دوسرا چھتری کا :

کام اُس کا حکومت ، عدالت ، سپہ گری -

تیسرا بیس[1] (ویش) کا :

چلن اس کا سوداگری ، سود بٹہ لینا دینا ؛ سوائے ان کے اور بھی کسب کرتب کرنے -

چوتھا سودر[2] کا :

اُس کا شیوہ سیوا کرنی ان تینوں فرقوں کی - القصہ ہندوستانی کیا ، ہندو کیا ، مسلمان اکثر خوش پوشاک ، خوش خوراک ، ہنس مکھ ، نیک سیرت ، ملن سار ، وفا دار ، چلن کے اچھے ، آشنائی کے پکے ، بات کے سچے ، خلیق ، شفیق ، رحم دل ، قابل ، قائم مزاج ، صاحب انصاف ، سیر چشم ، آشنا درست[3] ، عالی ہمت ، صاحب دیانت ہوتے ہیں - چناں چہ مہاجن ایسے امین ، اگر کوئی شخص ہزاروں رُپے اپنے مخفیٰ کسی صراف کے پاس بہ طریق امانت بہ دونِ شہادت رکھوائے ، پھر جس وقت مانگے ، وہ بے عذر ،

۱- بیش (خلاصہ ، ص ۲۴) -

۲- شودر (خلاصہ ، ص ۲۴) -

۳- '' آشنا درست '' نسخۂ اول و دوم (ص ۴۳ و ص ۳۲) میں - ''آشنا دوست ''- نسخۂ سوم و نسخہ انجمن ترقی اردو اور '' آشنا پرست '' نسخہ چہارم (ص ۴۲) میں - '' آشنا درست'' صحیح ہے -

بلا توقف اسی وقت حوالے کرے اور جو کوئی خوفِ راہ کے
سبب یا کسی اور باعث اس قرار پر اپنے رپے اس کو سونپے کہ
میں فلانے شہر میں لوں گا یا میرے عیال وہاں ہیں، ان کو
پہنچیں، تب بھی وہ ایک قلیل نفعے پر ان کو لے کر ایک کاغذ
کے ٹکڑے[۱] پر ہندی خط سے بدون لفافہ و مہر اپنے اس گماشتے
کے نام پر جس کی دکان اس ملک میں ہے، کچھ لکھ دیتا ہے۔
جب وہ شخص اس کے پاس پہنچتا ہے، وہ خوش معاملہ موافق
اس کے لکھے کے بلا حجت رپے اس کے ہاتھ دیتا ہے تا وہ
جانے کہ راست بازوں کے لین دین کا چلن کس قدر راستی درستی
کے ساتھ ہے۔ اسی طرح کے نوشتے کو درسنی ہنڈی کہتے ہیں
اور اس کے نفعے کو ہنڈاون، اور اگر وہ شخص کسی کے نام پر
بھجوائے تو اس پرزے کو مع اس کے خط وہ صراف اپنے گماشتے
کے پاس پہنچوا دیتا ہے اور اس کی رسید اس کو منگوا دیتا ہے،
ہر چند راہ کتنی ہی دور ہو۔ اس طرح کے نوشتے کو فقط ہنڈی
کہتے ہیں۔ عجیب تر اس سے یہ ہے، اگر درسنی ہنڈی والا
سوائے مکان معہود کسی اور شہر میں اس کاغذ کے ٹکڑے کو
کسی صراف کے ہاتھ بیچے تو وونہیں (ووں ہی) لے لیوے اور
رپے اس کے حوالے کر دے۔ اس سے بھی ایک اچنبھے کی بات
ہے؛ اگر کوئی سوداگر راہ کے ڈر سے اپنا مال متاع مہاجنوں
کے حوالے کرے تو یہ نیک طینت اپنی اجرت لے کر اس کو
جہاں مالک کہے، حفظ و امان سے بہ جنس پہنچوا دیویں اور
نقصان اپنے ذمے لیویں۔ اسی معاملے کا ناؤں (نام) بیہان ہے۔

۱- نسخۂ اول اور دوم میں '' ٹکرے '' اور نسخۂ سوم و چہارم
میں '' ٹکڑے '' ہے۔ اس سے قدیم املا کا پتا چلتا ہے۔

بیت

جتنے ہیں باشندۂ ہندوستان
قابل و دانا و رسا رتبہ دان

جو کہیں منہ سے وہ بہ رغبت کریں
داد و ستد میں نہ تفاوت کریں

حلم و حیا، شرم و وفا ان میں ہے
لطف و کرم، جود و عطا ان میں ہے

عالم آلفت میں یہ ہے ان کا حال
جان تلک دیتے ہیں کیا چیز مال

بس یہی رکھتے ہیں صفاتِ بشر
ایک میں موجود ہیں جگ کے ہنر

چند سطریں سپاہ کی کیفیت میں:

اور سپاہ اس دیار کی بیش تر وفا دار، جاں نثار، نمک حلال؛ خاوند کے کام پر جان سے در گزرے، رفاقت نہ چھوڑے، مرتے پیٹھ نہ دے۔ بیش تر یہاں کے دن چلوں، جاں بازوں کا قاعدہ یہ ہے، جب تیر گولی وغیرہ سے نوبت گزر جاتی ہے اور مٹھ بھیڑ کی ساعت آتی ہے تب گھوڑے چھوڑ دیتے ہیں اور تلواریں سونت کر آتارے ہو جاتے ہیں، اس واسطے کہ اگر طرفین سے ایک دوسرے پر غالب آئے تو اس وقت ایسا نہ ہو کہ کچھ اور ہمت بھر جائے اور یہ جی میں سمائے کہ سوار تو ہیں ہی، آؤ اب گھوڑوں کو بھگائیے اور جانیں سلامت لے جائیے کیوں کہ جان عجب چیز ہے اور نہایت عزیز۔ مثل مشہور ہے:

جی سریکھا پاھنا ملے نہ دوجی بار

اس سے پہلے ہی پائے گریز کو کاٹ ڈالیے تا کھیت ہاتھ سے نہ

چھٹے ، گو[1] سر کٹے تو کٹے ۔

ابیات

بہادر جو نامی ہیں وقتِ ستیز
بدن میں نہیں رکھتے پائے گریز
قدم اُن کے ہرگز نہ پیچھے پڑیں
بہم کٹ مریں آخر ایسے لڑیں
پڑے اُن میں چل ، کب وہ یہ ہیں اَچل
نہ ہرگز ٹلیں گو زمیں جائے ٹل

اور بعضے زمین دار بھی یہاں کے جو کسی سبب حاکم سے پھر جاتے ہیں تو لڑائی کے وقت کتنے بھائی بند اپنے معتمد عورات پر تعین کرتے ہیں ۔ جس وقت اُنھوں نے دیکھا کہ حاکم غالب آیا اور انھوں نے زندگانی سے ہاتھ اٹھایا ، اس وقت وے (وہ) مارے غیرت کے سنگ دلی اختیار کر کے یک[2] لخت عورتوں کو قتل کر ڈالتے ہیں ، پھر آپ[3] بھی مارے جاتے ہیں ؛ اسی فعل کا نام جوہر ہے ۔ پر یہ حرکت کچھ زمین داروں ہی سے خصوصیت نہیں رکھتی بلکہ بعضے نجبا غیرت مند بھی جس وقت دیکھتے ہیں کہ آبرو میں بٹّا لگتا ہے تو بادشاہوں سے بگڑ بیٹھتے ہیں ۔ جان سے گزر جاتے ہیں پر آن بان سے ہاتھ نہیں اُٹھاتے ؛ چناں چہ راقم نے اپنے والد مرحوم سے یہ نقل سنی ہے کہ محمد شاہ فردوس آرام گاہ

۱۔ لسخۂ انجمن میں ''گر'' غلط ہے ۔ چاروں نسخوں میں ''گو'' ہے ۔

۲۔ لسخۂ اول میں 'یک، لخت' ہے ، باقی تینوں نسخوں میں 'ایک لخت ۔'

۳۔ چاروں نسخوں میں ''پھر آپ '' ہے لیکن انجمن کے نسخے میں '' اور آپ'' ہے جو غلط ہے ۔

کے عہد میں پیش از نادر شاہی ہمارے دلّی کے مشفقوں[1] میں حسن ذکی خاں نام ایک سید بھرائچ کے رہنے والے نواب عمدة الملک امیر خاں بہادر مرحوم کے رفیق تھے ، نہایت با مروت صاحب ہمت ، آشنا پرست ، در ماھه[2] اُن کا تین سو رپے تھا لیکن بیس دن سے زیادہ وفا نہ کرتا ، اس واسطے کہ اُن کے گھر میں بیش تر دوستوں کا مجمع رہتا تھا ۔ جس نے جو چیز چاہی وونہیں (ووں ہی) موجود ہوئی ۔ غرض میر موصوف کے یہاں ہر مہینے دس دن عُسرت[3] رہتی اور بیس دن فراغت ۔ اپنی ذات کا خرچ یہ تھا کہ کھانا تو دو چار آشناؤں کے ساتھ ، پہننے کا ایک جوڑا ، سواری کا ایک گھوڑا لیکن حد چالاک بیش قیمت ۔ زین لگام بھی نہایت پر تکلف ، سنہری ہتیار ، ملازم دو خدمت گار دو چیلے ایک نفر اور کار باری اُنھیں میں سے ایک چیلا ۔ چناں چہ اُس کو ہمیشہ یہی تقید تھا کہ گھوڑے کے آگے گھاس اور چولھے میں دھونی ہمیشہ رہے تا کوئی نہ جانے کہ حسن ذکی کے یہاں فاقہ ہے ۔ القصہ شاہ جہاں آباد میں ایک دن کسی پٹھان کے ہاتھ سے ایک گھسیارا نادانستہ

۱۔ نسخہ اول (ص ۴۵) میں ”دلی مشفقوں“ ہے اور نسخۂ دوم (ص ۳۳) ، نسخہ سوم (ص ۳۵) ، نسخۂ چہارم (ص ۴۴) میں ”دلی کے مشفقوں“ ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے ، لفظ ”کے“ نسخۂ اول میں رہ گیا ۔

۲۔ نسخۂ اول (ص ۴۶) و سوم (ص ۳۵) و چہارم (ص ۴۴) میں ”درماھه“ ہے اور نسخۂ دوم (ص ۳۳) اور نسخۂ انجمن میں ”درباہ“ ۔ صحیح ”درماھه“ ہے ۔

۳۔ نسخۂ اول اور سوم و چہارم میں ”عسرت“ ہے اور نسخۂ دوم (ص ۳۴) اور نسخۂ انجمن (ص ۵۶) میں ”عشرت“ ۔ ”عشرت“ غلط ہے ، صحیح ”عسرت“ ہے ۔

مارا گیا ۔ اس نے جو مفر[1] کہیں نہ پایا ، اس بزرگ کی خدمت میں آیا اور یوں اظہار کیا کہ جس بستی کے تم سیّد ہو ، میں وهیں کا پٹھان هوں ۔ میرے هاتھ سے بے قصد ایک خون هو گیا هے ، تمھاری امید پر آیا هوں ، اگر مجھے چھپاؤ اور میری جان بچاؤ تو عین جواں مردی و مردانگی هے ۔ اس جوان مرد نے بے تامل کہا ''بسم اللہ بیٹھ ، تیرا گھر هے ، کچھ اندیشہ نہ کر''۔ یہ خبر سنتے هی جتنے آشنا کہ پاسِ آشنائی اور نشۂ مردمی رکھتے تھے ، آ کر اُن کے شریک هوئے ۔ غرض سو سے کچھ زیادہ بھلے آدمی مرنے پر مستعد هو بیٹھے ۔ کوتوال کا هواؤ نہ پڑ سکا کہ اُدھر کا ارادہ کرے کیوں کہ سرگزاروں کا سامنا اس سے هووے جو پہلے اپنی جان سے در گزرے ۔ آخر یہ ماجرا حضور اعلا میں من و عن عرض هوا ؛ وونہیں (ووں هی) عمدۃالملک کو فرما[2] بھیجا کہ حسن ذکی خاں تمھارا رفیق هے ، اُسے سمجھاؤ کہ اُس خونی سے دست بردار هو اور بلا مہلت بندگان حضور کے سپرد کرے تا وہ اپنے کیے کی سزا پاوے اور ایسی جرأت کوئی اور پھر نہ کر بیٹھے ۔ نواب مرحوم نے حکم حضور کے موافق عمل کیا ، پر اس عزیز نے نہ مانا بلکہ روزگار سے دست بردار هوا ؛ تب نواب نے بادشاہ سے عرض کر بھیجا کہ میر ذکی نے اپنی جان اور روزگار سے هاتھ اُٹھایا ، هر چند کہ اُس کی نافرمانی خانہ زاد کو بھی حد ناگوار هے لیکن اس کا تدارک هو نہیں سکتا ، ناچار هے ۔

۱۔ مفر ، نسخۂ اول و سوم و چہارم میں هے اور مقبر نسخۂ دوم اور نسخۂ انجمن میں ۔ صحیح مفر هے ۔

۲۔ ''فرما بھیجا'' چاروں نسخوں میں هے ۔ انجمن کے نسخے میں '' فرمان بھیجا '' غلط هے ۔

آگے جو حضور کی مرضی، لیکن گستاخی معاف ہے، جس خون کے انتقام کے باعث ہزار خون ہونویں (ہوویں) اُس کا معاف ھی کرنا بہتر ہے کہ شرِ قلیل خیرِ کثیر کے لیے جائز ہے۔ آخر حضور اعلا سے خون معاف ہوا، پر اُس مرد نے نواب مرحوم کا پھر روزگار نہ کیا اور میاں عاقل کنبل (کمبل) پوشوں کے سردار کی وساطت سے نواب صمصام الدولہ خان دوران بہادر کی سرکار میں نوکر ہوا؛ پھر اُنھیں کے ساتھ نادر شاہ کی لڑائی میں کام آیا، پر لاش اس جوان مرد کی عاقل بیگ کی لاش سے بیس قدم آگے تھی۔

بیت

جو اُس نے کیا تھا وہ مردوں کا کام
رہے گا قیامت تلک اُس کا نام
نبا ہے سخن جان جوکھوں اٹھائے
رہے بات باقی جو سر جائے جائے
نہ اب وے سپاہی نہ وے قدر داں
رہی کہنے سننے کو اک داستاں

عورتوں کے اوصاف میں:

عورات اس ملک کی، یعنی بعضی ھندنیاں جن کو اپنے خاوندوں[1] سے ایسی تعشّق کی حالت ہے کہ سوز فراق کی جلن سہہ ھی نہیں سکتیں اور اُن سے جدا یک[2] دم رہ ھی نہیں سکتیں؛ وے بعد اُن کے مرنے کے لباس دلھنوں کا بناؤ سنگار کر، بن ٹھن

۱۔ نسخۂ انجمن میں خاوند ہے لیکن چاروں نسخوں میں ''خاوندوں'' آیا ہے۔

۲۔ نسخۂ انجمن اور نسخۂ سوم میں ''ایک دم'' ہے، بقیہ نسخوں میں ''یک دم'' مطابق نسخۂ اول ہے (ص ۳۸، ۳۵، ۳۶)۔

ارگجا سوندھا لگا اس کی لاش کے ساتھ اگر موجود ہونہیں (ہوویں)، تو اس کا کپڑا ہاتھ میں لے آگ میں جل جاتی ہیں اور اپنے سونے سے بدن کو راکھ بناتی ہیں تا دنیا میں نام اُن کا روشن رہے اور عقبیٰ میں بہت سا سکھ ملے۔

رباعی

نسبت نہ ستی سے دو پتنگے کے تئیں
اس میں اور اس میں ہے علاقہ بھی کہیں
وہ آگ میں جل مرتی ہے مُردے کے لیے
یہ گرد بجھی شمع کے پھرتا بھی نہیں

اور بعضیاں اُن میں گو نہیں جلتیں پر وفا و حیا کے باعث اچھا پہننا ، اچھا کھانا ، سوائے اس کے جو زیب و زینت کی چیزیں ہیں ، بعد اپنے خصم کے ترک کرتی ہیں ، رات دن تپشا میں کاٹتی ہیں اور دکھ بھرتی ہیں ، اگرچہ نوجوانیں[1] کیوں نہ ہوں بلکہ ایک رات کی بیاہی بھی اسی طریق پر چلتی ہے اور تمام عمر آگ بغیر جلتی ہے ۔ غرض دوسرا گھر کرنا اُن کے مذہب میں عاقبت کا گھر کھونا[2] اور دنیا میں سارے کٹم[3] کا ناؤں (نام)

۱۔ نسخۂ انجمن اور نسخۂ سوم و چہارم میں ''نوجوانیں'' ہے ۔ مگر نسخۂ اول کے متن میں '' نواجوانیں'' چھپا ہے اور طبع دوم میں بھی یہی املا ہے (ص ۳۸ و ۳۵) ۔ افسوس نے غلط نامے میں تصحیح کر دی ہے ۔

۲۔ لفظ '' ہے '' چاروں نسخوں میں نہیں ہے ۔ نسخۂ انجمن میں ہے ۔

۳۔ صحیح لفظ '' کُٹم '' ہے ، اس لیے '' کنم '' نسخۂ انجمن میں غلط ہے (ص ۵۹) ۔ چاروں نسخوں میں یہی '' کٹم'' ہے ۔ غلط نامہ نسخۂ اول میں '' کتنب '' صحیح ہے ۔

ڈبونا ہے ۔ اگرچہ مسلمانوں کے دین میں اس کا کچھ گناہ نہیں لیکن اکثر یہاں کے باشندوں کے خاندان میں بھی یہی رسم جاری ہے ۔ خصوصاً قصبات میں تو یہاں تلک ہے ، اگر فقط منگنی[1] ہوئی ہو ، اس کا منگیتر مر جائے تو اس کو رنڈ سالہ پہنا کر سسرال میں بھیج دیتے ہیں یا میکے ہی میں رکھتے ہیں ۔ حاصل یہ ہے کہ وہ اپنی زندگانی عبادت[2] و قرآن خوانی میں بہ طور بیواؤں کے بسر کرتی ہے ۔ جب تلک جیتی ہے دکھڑا بھرتی ہے ؛ ہر چند کہ اُس کا ولی عالم فاضل کیوں نہ ہو پر اس بات میں جاہل بن جاتا ہے اور شرع کے طریقے سے ہاتھ اٹھاتا ہے ۔

بیت

ستی ہونے میں بس اک نام ہے گا
ولے بِن آگ[3] جلنا کام ہے گا

وہ چھٹ جاتی ہے دکھ اک آن بھر کر
یہ اپنی زندگی کاٹے[4] ہے مر مر

۱۔ نسخۂ اول و دوم و سوم و چہارم میں '' منگنی '' صحیح ہے ۔ نسخۂ انجمن میں '' مگنی '' غلط ہے ۔

۲۔ نسخۂ انجمن میں '' اور '' غلط ہے ۔ چاروں نسخوں میں '' و '' ہے ۔

۳۔ چاروں نسخوں میں لفظ '' آگ '' آیا ہے لیکن نسخۂ انجمن میں '' ناگ '' چھپا ہے جو غلط اور بے محل ہے (ص ٥٩) ۔

۴۔ '' کاٹے ہے '' چاروں نسخوں میں ہے لیکن انجمن کے نسخے میں '' کاٹ '' لکھا ہے ۔

وہ مر مٹتی ہے یارو ایک باری
اسے رہتی ہے دائم دم شماری

کہاں آناً فاناً تن جلانا
کہاں دن رات رہ رہ من جلانا

غرض عورت وہی ہے خوب صورت
جو پہنے ہے صدا ملبوس عصمت

ہے عصمت نیک بختی کی نشانی
نہ ہو تو خاک ہے پھر زندگانی

محبوبوں کی صفت میں :

یہاں کے حسین بھی حسن میں بے نظیر اور چمک میں ماہ منیر ہیں۔ یہ میں نہیں کہتا کہ خوباں سے کوئی ملک خالی ہے لیکن اس سر زمین کے معشوقوں کی چال ہی نرالی ہے۔ تراش خراش آن و ادا ، ناز و انداز ، سجاوٹ ، لگاوٹ ، بناوٹ ، بانک پن ، پھبن جو یہاں ہے ، سو کسی اور ملک میں کہاں۔ یہ بات مشہور ہے کہ خاص ملک دہلی بے پھبن حسن کے حق میں خاصیت سوھن کی رکھتا ہے۔ جو سیم تن ٹک سال باھر یہاں آتا ہے ترش ترشا کر چند روز کے بیچ حسن میں کھرا ہو جاتا ہے۔ غرض یہاں[1] کے ہر ایک محبوب کو طریقے دل فریبی و دل ربائی کے یاد ، چالاکی و بے باکی میں جسے دیکھو وہ اُستاد۔ جب قصد کرے ایک نگاہ سے داناؤں کو

۱۔ ”یہاں کے“ نسخۂ اول اور سوم میں اسی طرح ہے لیکن نسخۂ دوم اور چھارم میں لفظ ”کے“ نہیں۔

دیوانہ[۱] بنا دبوے اور زاھدوں کے لباس زھد ایک آن میں لوٹ لیوے ، عابد صد سالہ اُس کے ساغر چشم کو دیکھتے ھی خراباتی ھو جاوے اور زاھد کہنہ سالِ سومناتی ۔

ابیات

هر اک مشتاق فنِ دل فریبی
هرِ اک پر ختم ھے بس جامہ زیبی

جسے دیکھو وہ رعنائی میں یکتا
ادا و ناز میں لیلا سے اعلا

لبِ شیریں جو ٹک وہ اپنے کھولے
تو شیریں جز تصدّق کچھ نہ بولے

سدا عاشق کے تئیں پیار رکھوے
جسے آنکھوں سے چاھے مار رکھوے

جو دیکھے متّقی ٹک اس کا جلوا
تو دیوے رو نمائی میں وہ تقوا

کرے غارت مسلمانوں کا ایمان
اگر چاھے تو ھندو ھوں مسلمان

بنا دے بت کدہ مسجد کو دم میں
دکھاوے کفر کا عالم حرم میں

ھے مدحِ خوب رویاں حد سے باھر
قلم قاصر ھے لکھیے اس کو کیوں کر

۲- '' دیوانا '' الف کے ساتھ نسخۂ اول اور دوم و سوم میں لکھا گیا ھے ۔ نسخۂ انجمن میں آخر میں ھاے ھوز ھے ۔ غلط نامے میں ''پروانا'' کی تصحیح '' پروانہ '' سے کی گئی ھے اور '' روانا '' کی ''روانہ'' لکھ کر صحت کی ھے ، اس لیے '' دیوانا '' کی تصحیح '' دیوانہ '' سے کی گئی ھے ۔

القصہ اس مملکت کی تعریف اور یہاں کے رہنے والوں کی توصیف جہاں تک کیجیے، بجا ہے کیوں کہ ہر ایک چھوٹا بڑا آیا گیا، دانا بینا اس سر زمین کو سراہتا ہے بلکہ اپنی بود و باش بھی یہیں چاہتا ہے؛ چناں چہ اکثر بلاد کے باشندے آن کر بسے اور اپنے وطنوں کو بھول گئے؛ فقیر سے امیر ہوئے اور محتاج سے غنی۔

بیت

جود[1] سے معمور ہے سارا جہاں
لیک عجب ملک ہے ہندوستاں

آیا[2] سحر کو جو یہاں ایک فقیر
شام سے پہلے آسے دیکھا امیر

ہو گیا اک آن میں پیادہ سوار
آیا تھا ناکام ہوا کام گار

فی الواقع اورنگ زیب[3] کے وقت تلک بلا شبہ یہی[4] صورت تھی

۱۔ نسخۂ اول (ص ۵۰)، نسخۂ دوم (ص ۳۷)، نسخۂ انجمن (ص ۶۱) میں "جون" ہے۔ لیکن اس لفظ سے معنی مربوط نہیں ہوتے۔ نسخۂ چہارم (ص ۴۸) "لوگوں" ہے، اس سے بھی معنی واضح نہیں، نسخۂ سوم میں (ص ۳۹) "جود" ہے جو با معنی ہے اور معنی واضح ہو جاتے ہیں۔

۲۔ نسخۂ اول اور سوم اور چہارم میں لفظ "آیا" ہے، لیکن نسخۂ دوم میں "آتا" اور نسخۂ انجمن میں بھی یہی لفظ لکھا ہے جو غلط ہے۔

۳۔ نسخۂ اول (ص ۵۰) میں لفظ "اوررنگ زیب" ہے جو غلط ہے۔ غلط نامے میں صحیح ہے، بقیہ نسخوں میں بھی صحیح۔

۴۔ "یہی" کا املا اسی طرح چاروں نسخوں میں ہے لیکن انجمن کے نسخے میں "یہ ہی" ہے۔

اور آبادی کی بہتایت پر فرخ سیر کے عہد سے سلطنت میں بگاڑ پڑا اور محمد شاہ بہ سبب عیاشی کے سنبھال[1] نہ سکا۔ ہر چند کہ اس کے وقت تلک بھی آٹھتی پینٹھ کا سا عالم رہا پر احمد شاہ کے عصر میں تو نبیڑا ہی ہو گیا۔ کتنے امیر ثقہ خانہ نشین ہوئے اور بعضے نجیب غیرت مند مارے افلاس کے دروازے بند کر کے مر گئے؛ اکثر تتر بتر تین تیرہ ہو کر جہاں تہاں جا بسے۔ خوشا حال صوبۂ بنگ کے باشندوں کا کہ صاحبان عالی شان کی یہاں ریاست ہوئی، اسی سبب سے آج تلک یہ کونا آباد ہے والا ہر طرف داد و بے داد ہے، مگر ان دنوں اشرف الاشراف صاحبِ انصاف نواب گورنر لارڈ مارکوئس ولزلی بہادر دام اقبالہٗ کا استقلالِ سلطنت اور انتظامِ مملکت پر ارادہ ہوا ہے۔ اغلب ہے کہ فضل ایزدی و لطف سرمدی سے پورا ہووے اور چند روز میں پھر کر یہ اقلیم کی اقلیم ہی رونق پکڑے

بیت

حکومت رہے اس کی صبح و مسا
ہر اک نام لے اس کے اقبال کا

الغرض تمام ہندوستان صوبۂ بنگ و دکھن و قندھار سمیت بیس صوبے، ایک سو نوے[2] سرکار، چار ہزار دو محال کو شامل

۱۔ ''سنبھال'' نسخۂ اول (ص ۵۰) اور نسخۂ چہارم (ص ۴۹) میں ہے جو صحیح ہے لیکن نسخۂ دوم (ص ۳۷) اور نسخۂ سوم (ص ۳۹) اور نسخۂ انجمن (ص ۶۱) میں ''سنبھل'' ہے جو صحیح نہیں۔

۲۔ مؤلف نے بیس صوبے اور ایک سو بانویں سرکاریں لکھی ہیں۔ افسوس نے ترجمے میں ایک سو نوے سرکاریں درج کی ہیں۔ یہ افسوس کی غلطی ہے اور اگر اسے مؤلف کی تردید مقصود تھی تو وضاحت کر دیتا، بیان مؤلف یہ ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۱ پر)

ہے اور آمدنی اس کی آٹھ ارب آٹھ کروڑ آٹھ لاکھ اسّی ہزار پان سو تراسی دام ہے۔ ہر گاہ کہ تھوڑا سا وصف و احوال اس مملکت کا لکھنے میں آیا، اب لازم ہے کہ ہر ایک صوبے کا بھی احوال کچھ کچھ لکھوں اور قلم کی چالاکی و روانگی دیکھوں۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

''مشتمل بر بست صوبہ و یک صد و نود و دو سرکار''

تعداد محال مؤلف نے چار ہزار ایک سو باون لکھی ہے:

''و چہار ہزار و یک صد و پنجاہ و دو محال''

(خلاصۃ التواریخ ص ۲۷)

افسوس نے چار ہزار دو محال غلط لکھا ہے۔

اسی طرح مؤلف نے آمدنی آٹھ ارب اڑسٹھ کڑوڑ چھبیس لاکھ اسّی ہزار پان سو تہتر دام لکھی ہے:

''و ہشت ارب و شصت و ہشت کرور و بست و شش لک و ہشتاد ہزار و پان صد و ہفتاد وسہ دام''۔ (خلاصۃ التواریخ ص ۲۷ و ۲۸)

افسوس نے اس سے بھی اختلاف کیا ہے حالاں کہ دیباچے میں وہ وضاحت کرتا ہے کہ میں نے صوبہ جات اور آمدنی کے ذکر میں تبدیلی نہیں کی ہے۔ یہ قیاس کہ خلاصۃ التواریخ کا کوئی ایسا نسخہ افسوس کے پیش نظر ہوگا جس کے اعداد و شمار کا اس ترجمے میں ذکر ہے درست نہیں معلوم ہوتا۔

صوبہ (دارالخلافہ) شاہ جہاں آباد

ہندی فارسی کی تاریخوں سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ شہر ہستنا پور گنگا کے کنارے پر اگلے زمانے میں تخت گاہ ہندوستان کے بادشاہوں کی تھا۔ وسعت و رونق بھی اُس کی اُس عصر میں حد سے باہر تھی، زبان اس کے بیان سے قاصر ہے۔ اگرچہ اب بھی نہایت آباد ہے لیکن جیسا پانڈوں اور کوروں[1] کے وقت میں بستا تھا سو کہاں۔ جب کہ دونوں فرقوں میں بیرا کھیری[2] ہوئی اور پھوٹ پڑی تب پانڈوں نے اس ملک کو چھوڑا اور شہر اندر برست[3] کو کہ جمنا کے کنارے پر تھا، اس میں آئے بلکہ اپنا دارالسلطنت بھی اسی کو ٹھہرایا[4]۔ بعد ایک مدت کے راجہ اننگ پال[5] تونوڑ نے بیر بکرما جیت کے ایک ہزار کچھ اوپر

۱۔ نسخہ اول اور دوم و سوم میں ''کورووں'' ہے لیکن نسخۂ چہارم اور نسخۂ انجمن میں ''کوروں'' ہے۔

۲۔ ''بیرا کھیری'' نسخۂ دوم اور چہارم میں ہے۔ نسخۂ اول ''ببرا کھیری''، نسخۂ سوم، ''بیرا کھڑی'' نسخۂ انجمن میں ''بیرا کھیری'' ہے۔

۳۔ اندر پت (خلاصۃ التواریخ، ص ۲۸)۔

۴۔ ''ٹھہرایا'' چاروں نسخوں میں ہے۔ ''ٹھیرایا'' نسخۂ انجمن میں غلط املا ہے۔

۵۔ ''اٹک پال'' چاروں نسخوں میں ہے۔ نسخۂ انجمن میں ''انگ پال'' ہے اور خلاصۃ التواریخ (ص ۲۸) ''اننگ پال'' ہے۔ نیز دیکھیے ''تاریخ مخزن پنجاب'' (ص ۳۶) ''اننگ پال''۔

دو سو سن میں ایک قلعہ و شہر اپنے نام کا بنایا ؛ چناں چہ سلطان قطب الدین ایبک[1] و سلطان شمس الدین التمش نے بعد اس کے اپنا رہنا اس میں مقرر کیا مگر سلطان غیاث الدین بلبن نے ایک اَور قلعہ چھ سو[2] ساٹھ ہجری میں بنا کیا اور اس کا نام مرزغن رکھا ؛ پھر سلطان معز الدین کے قباد نے سن چھ سو چھیاسی میں جمنا کے کنارے ایک اَور شہر (پُر فضا و عمارات اس کی دل کشا) آباد کیا ـ نام اس کا کیلو گڑھی[3] رکھا ـ اسی کی امیر خسرو نے ''قِران السعدین'' میں تعریف کی ہے ؛ بعد ازاں سلطان جلال الدین خلجی نے شہر کوشک لعل اور سلطان علاء الدین کوشک سبز[4] بسا کر اپنا اپنا ہر ایک کو دارالسلطنت کیا ـ پھر سلطان غیاث الدین تغلق شاہ نے سن سات سو پچیس ہجری میں شہر تغلق آباد کی تعمیر کی ـ پھر اس کے بیٹے سلطان محمد معز الدین جونان[5] نے ایک اور ملک کی بنیاد ڈالی اور ہزار ستون کا ایک قصر بنایا ؛ سوائے اس کے اَور بھی مکانات سنگِ رخام کے پاکیزہ

۱- نسخۂ اول اور دوم و سوم میں ''قطب الدین ایپک'' ہے لیکن نسخۂ چہارم اور نسخۂ انجمن میں ''قطب الدین ایبک'' ہے ، مروجہ تلفظ ـ

۲- نسخہ اول میں چھسو چھپا ، لیکن نسخہ دوم اور سوم و چہارم میں ''چھ سو'' ہے اور نسخۂ انجمن میں ''چھے سو'' اس لیے طباعت قدیم میں ''چھ سو'' صحیح ہے ، لیکن تلفظ کے لحاظ سے ''چھے سو'' درست ـ لیکن خلاصۃ التواریخ (ص ۲۸) میں ۶۶۶ھ لکھا ہے ـ

۳- کیلو کھڑی (خلاصۃ التواریخ ، ص ۲۸) ـ

۴- کوشک سیری (خلاصۃ التواریخ ، ص ۲۸)ـ

۵- جونا (خلاصۃ التواریخ ، ص ۲۸)ـ

پر فضا بنائے ؛ پھر سلطان فیروز شاہ نے سن سات سو بچپن ہجری میں شہر فیروز آباد نہایت وسعت و عظمت کے ساتھ بسایا اور جمنا کو کاٹ کر اس کے نیچے لایا ؛ ساتھ اُس کے تین کوس کے فاصلے پر ایک اَور محل مع منارۂ جہاں نما بنایا ۔ چناں چہ وہ منارہ اب تک قائم ہے ۔ عوام الناس اس کو فیروز شاہ کی لاٹھ کہتے ہیں ۔ بعد اس کے سلطان مبارک شاہ نے مبارک آباد ، آباد کیا اور نو سو اٹھتیس (اڑتیس) ہجری میں ہمایوں بادشاہ نے قلعۂ اندر پرست[1] کی مرمت و تعمیر کر کے دین پناہ نام رکھا اور اپنی تخت گاہ مقرر کیا ۔ پھر شیر شاہ پٹھان نے کوشک[2] سبز کو اجاڑ کر ایک اَور شہر بسایا اور اس کے بیٹے سلیم شاہ نے سلیم گڑھ[3] بنایا ۔ اب تلک بھی وہ شاہ جہاں آباد میں جمنا کے اندر قلعۂ ارک کے سامنے موجود ہے ۔ اگرچہ ہر ایک نے اُن بادشاہوں میں سے ایک ایک شہر بسا کر اپنا دارالسلطنت مقرر کیا لیکن ہندوستان کے بادشاہوں کی تخت گاہ ملک بہ ملک دلی ہی مشہور ہے ۔ پھر سن ایک ہزار اٹھتالیس (اڑتالیس) ہجری میں مطابق بارھویں برس جلوسی کے شاہ جہاں صاحبِ قراں ثانی نے دلی کے قریب ایک شہر بنیاد کیا اور شاہ جہاں آباد اس کا نام رکھا ۔ اس کی خوش نیتی سے اس ملک نے یہ رونق اور آبادی پکڑی کہ جتنے ملک اگلے بادشاہوں کے لکھنے میں آئے تھے ، گم نام ہو گئے ، فقط اُسی کا نام رہ گیا ، جیسے سمندر میں بہتیرے بڑے بڑے دریاؤ ملے ہیں پر نام اس کا ہی باجتا ہے ۔ قلعہ بھی

۱- اندر پت (خلاصۃ التواریخ ، ص ۲۸) -
۲- کوشک سیری (خلاصۃ التواریخ ، ص ۲۹) -
۳- در ۹۵۳ ہجری (خلاصۃ التواریخ ، ص ۲۹)-

آس کا سنگِ سرخ کا اس مضبوطی و خوش اسلوبی کے ساتھ بنا ھے
کہ معمارِ قضا و قدر کی زبان اس کے اوصاف میں لال ھے ، پھر
ساخت تو اس کی سی امر محال ؛ علاوہ اس کے مکانات قسم قسم
کے متعدد پاکیزہ خاصے اور باغ بھی آس کے گلشن جہاں کے
خلاصے ۔ نہریں جاری جا بجا ، حوض ھر ایک مکان میں کٹورا سا
بھرا ھوا ۔ جدھر دیکھیے کیفیت نئی نظر آئے اور جس طرف
نگاہ پڑے وھیں[1] رہ جائے ۔ اگر رضواں وھاں کی بہار دیکھتا تو
روضۂ رضواں کی دربانی سے ھاتھ اٹھاتا ۔

بیت

جناں کا ھر مکاں اس کا نمونا
خوش اسلوبی میں بلکہ اس سے دونا

پھلیں پھولیں ھمیشہ واں کے گل زار
خزاں ان تک نہیں پاتی کبھو بار

نرالی جگ سے رنگ و بو گلوں کی
حلاوت اور ھی کچھ ھے پھلوں کی

وھاں کے طائروں کا رنگ ھی اور
ھے آن کے زمزموں کا ڈھنگ ھی اور

میں ھر اک شے کو دوں تشبیہ کس سے
کہ وہ ملتی نہیں اس سے اور آس سے

گرد اس قلعۂ مبارک کے ایک کھائی نہایت چوڑی چکلی ،
گہری بھی ایسی کہ عمقِ[2] زمین اس کے ورے اور وہ اس سے

۱- '' ونہیں '' آج کل بول چال میں استعمال نہیں '' وھیں '' بولتے ھیں۔
۲- نسخۂ اول اور نسخۂ چہارم میں '' کہ عمق '' اور لسخۂ دوم
اور سوم میں '' کہ '' نہیں ، صرف '' عمق '' ھے لیکن نسخۂ انجمن میں
'' عمیق '' سرا سر غلط ھے ۔

کہیں پرے ۔ پانی اس کا ایسا لطیف و شفاف ، اگر ایک خش خش کا دانہ بھی اس کی تھاہ میں هووے تو اندھیری رات میں صاف نظر آئے اور جو اندھا بھی اس میں غوطہ لگا سکے تو بلا شبہ نکال لائے۔

بیت

نظر آتی ہے اس کی تہہ میں رائی
کہاں یہ آب گوہر میں صفائی
اگر پڑ جائے اس کے بیچ اک بال
تو یوں آوے نظر موتی کا جوں بال

جمنا بھی اس قلعے کی تشنۂ دیدار ہو کر جانب شرق سے آئی اور اس کے تلے نہایت آب و تاب سے بہنے لگی ۔ پھر نواب علی مردان خاں مرحوم دریائے مذکور کو کاٹ کر شاہ نہر سرمور پہاڑ کے اوپر سے لایا ۔ کوچہ و بازار کی رونق زیادہ بڑھی اور شہر کی آبرو دونی ہوئی ۔ اکثر لوگوں کی حویلیوں میں بنبے[1] ٹھنڈے پانی سے معمور رہنے لگے اور حوض و تالاب بھی دولت خانۂ والا کے بھرپور۔ باغوں میں وہاں کے شادابی اکثر رہنے لگی اور چمنوں میں طراوت بیش تر۔ حقّا کہ وہ بزرگ بہشتی تھا کہ اس کی کمائی سے شاہ و گدا کو فیض ہوا ۔

بیت

رکھے حشر میں اس کی حق آبرو
کہ فیض اس کا جاری ہوا کُو بہ کُو

شہر پناہ اس کی سنگی نہایت پختہ و مضبوط ، عرض و طول

۱۔ ”بنبے“ چاروں نسخوں میں اسی املا سے ہے ۔ نسخۂ انجمن میں ”بمبے“ موجودہ تلفظ لکھا ہے ۔ مصنف کا املا ”بنبے“ ہے ۔

و بلندی و خوش اسلوبی اس کی عقل احاطہ نہیں کر سکتی بلکہ ایک جہت کی پیمائش کا دھیان نہیں دھر سکتی ۔ اندر باہر اس کے بستی حد سے باہر ، چپے چپے پر آبادی ، جدھر تدھر عمارتیں ، انواع و اقسام کی خوب صورت کثرت سے حویلیاں ، طرح بہ طرح کی خوش اسلوب بہتایت سے باغوں کی بہار ، بے خزاں چمنوں میں دائم طلسمات کا سا سماں ، ہر ایک محلہ اس کا اقلیم سے زیادہ پُر فضا ، چھوٹے سے چھوٹا کوچہ اُس کا شہر سے بڑا ، ھجوم خلائق ہر سر راہ ، ہر ایک مقام ایک تماشا گاہ ، شہر شہر گاؤں گاؤں[1] کے باشندوں نے اپنی بہبودی و آسایش جو دیکھی ، بود و باش وہیں اختیار کی ۔ غرض ہر صنف کے اشخاص و ہر ملک کی اشیا جب چاھو کثرت سے دیکھ لو ؛ کسی چیز کی کمتی کسی وقت ممکن نہیں کہ ھو ۔ اگرچہ بازار سارا ھی اُس کا اپنے عالم میں اعلا ھے پر چاندنی چوک تمام شہر کا اُجالا ھے ۔ ہر دکان اُس کی بے مانند جس جنس کو دیکھو بادشاہ پسند ۔ صحن یہ کشادہ کہ دل کھل جائے ، صاف ایسا کہ آدمی چانول بکھیر کر کھائے ۔ دلال اس بازار کا سوداگروں کو آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا ، بساطی وھاں کا جوھریوں کو خاطر میں نہیں لاتا ۔ دکان ایک بزاز کی استنبول[2] کے بزازے برابر ، کوٹھی ایک صراف کی تمام ایران کے صرافے برابر ۔

بیت

رُپے ہر اک دکاں میں ھیں کھنکتے
کٹورے رات بھر ھیں گے جھنکتے

۱۔ مصنف کا املا اس مقام پر ”گاؤں گاؤں“ ھے ، نسخۂ انجمن میں ”گانو گانو“ ھے جو چاروں نسخوں کے خلاف ھے ۔

۲۔ استنبول کا املا سے چاروں نسخوں میں ”ط“ سے ھے ۔

لگے ہیں ہر طرف پھولوں کے انبار
گلی کوچہ ہر اک ہے رشک گل زار

فواکہ کا وفور اس درجہ ہے گا
ملے ہے تازہ میوہ اصفہاں کا

طعام اقسام کا جو کوئی منگوائے
بہ قدرِ اک فوج کے بازار سے آئے

جو ٹھاٹھ اک سلطنت کا ہووے درکار
تو حاضر کر دے ووں ہی اک دکان دار

اگر اسباب چاہے ایک لشکر
تو ہاتھ آ جائے بس اک دن کے اندر

نہیں ہے اہلِ حرفہ کوئی بے کار
ہے نت بیع و شرا کا گرم بازار

جو ادنا واں ہے دوکان جواہر
وہی ہے بے گماں کانِ جواہر

گر اک اقلیم کا آ جائے واں مال
تو لے لے اک مہاجن اس کو فی الحال

کوئی بیپاری ہو کاہے کو فکری
کہ واں ہر شے کی نت رہتی ہے بکری

فی الواقع اس مقام فرحت انجام کو جتنا سراہیے بجا ہے لیکن اردوئے معلا کا عالم ہی جدا ہے ۔ فضا اُس کی نہایت پاکیزہ و وسیع ، عمارات وہاں کی بہ مرتبہ اسلوب دار و رفیع ۔ صحن اُس کا رشکِ صحن گل زار ، دکان ہر ایک بازار کی بہار ۔ اہل حرفہ سب کے سب مرفہ احوال ، کوٹھے اُن کے نقد و جنس و جواہر سے مالا مال ۔ نہ کسی چیز کی وہاں کمی ، نہ کوئی بشر اُس آبادی

میں غمیں[1] ۔

بیت

ہے دروازہ اس کا گلستاں کا باب
بیاض جہاں کا ہے وہ انتخاب

فضا اُس کی دیکھے اگر اک نظر
تو دل تنگ ہوئے نہ پھر عمر بھر

بھلاتی ہے یک لخت غم اس کی سیر
خوش آتی ہے بس دم بہ دم اس کی سیر

سماں واں کا دیکھے اگر اک ذرا
تو مانی نہ لے نام ارژنگ کا

بہت میں نے یوں اس کی تعریف کی
ہے اردو کی بولی کا ماخذ وہی

اور نخاس کے بازار کی طرز ہی جدی ، فضا اُس کی فضائے عالم سے بھی بڑی ۔ صحن اس کا اقسام کے چار پاؤں[2] سے مالا مال ، زمین اُس کی نہایت صاف بٹا ڈھال ۔ ہر ایک طرف خلق کا ایک دنگل ، جا بہ جا چہل پہل ۔ چابک سوار قسم قسم کے گھوڑوں کو پھیر رہے ہیں ، خریدار دلالوں کو گھیر رہے ہیں ۔ سودا وہاں

۱۔ نسخۂ اول میں ''غمیں'' ہے (ص ۵٦) مگر نسخہ دوم، سوم اور چہارم میں لفظ '' غمی '' ہے جو کمی کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے ۔ نسخہ انجمن میں بھی اسی طرح ہے ۔ نسخۂ مصنف کے مطابق '' غمیں '' لکھا گیا ہے ۔

۲۔ ''چار پاؤں'' ۔ چاروں نسخوں میں اسی طرح املا ہے ، البتہ نسخۂ انجمن میں '' چار پانو'' ہے جو غلط ہے ۔ موجودہ املا '' چار پایوں '' ہے ۔

کا دست بہ دست ، ہر ایک دلال کوڑیالا مال مست ۔ کوئی گھوڑے کے مول تول کے لیے ھاتھ لاتا ھے ، کوئی کھرا ٹٹو ھی چکاتا ھے ۔ ایک طرف سپاھی پیشہ بھلے آدمی چبوتروں پر اپنے اپنے زین پوش بچھائے حقے لگائے بیٹھے ھیں ، کسی طرف بانکے ٹیڑھے اپنی مجلس جمائے بیٹھے ھیں ۔ ایک طرف کئی شہدے شکستے سلفے کے دم مارتے ھیں ، کہیں دو چار لچے[1] نچنے زیادہ گو اپنے اڑھائی چانول جدے ھی بگھارتے ھیں ۔ غرض میلے کی سی دھوم اور چھڑیوں کا سا ھجوم ہر روز سوائے جمعے کے دوپہر ڈھلے تلک رھتا ھے ۔

بیت

خلق کا رھتا ھے ز بس اژدحام
رھتی ھے نت میلے کی سی دھوم دھام

جنس ہر اک قسم کی وھاں خوار ھے
گھوڑوں کی یہ گرمیٔ بازار ھے

اسپ ہر اک ملک کے ھیں بے شمار
مانگو اگر ایک تو لاویں ھزار

گو کہ یہ کثرت ھے پہ قیمت گراں
سستا اگر چاھو تو پاؤ کہاں

بس کہ وھاں رھتی ھے نت لاؤ لاؤ
بڑھتا ھی جاتا ھے سدا ان کا بھاؤ

۳۔ نسخۂ اول (ص ۵۹) '' بسخے بخنے'' چھپا ھے ۔ نسخۂ دوم (ص ۳۱) میں '' لنجے پخنے'' نسخۂ سوم (ص ۴۴) ''لچے پخنے'' اور نسخۂ چہارم (ص ۵۴) میں '' لنجے بخنے'' اور نسخۂ انجمن میں '' لنجے نچنے'' ھے ۔

گھوڑے کا مت پوچھیے کچھ مول تول
ٹٹو ہے کنکائی کا ترکی کے مول

گھوڑا ہر اک شخص کو درکار ہے
پیر و جواں جو ہے خریدار ہے

بلکہ یہ احوال ہے ہر طفل کا
دائی سے کہتا ہے کہ گھوڑا ہی لا

کوئی کھلونا اسے کیسا ہی دے
گھوڑے سوا یہ نہیں ممکن کہ لے

دیکھا کمھاروں نے جو یہ[1] کچھ سبھاؤ
مٹی کے گھوڑے کیے نقرے کے بھاؤ

الغرض اس ملک مبارک بنیاد کا ہر ایک محلہ خوش سواد اور ہر مقام آباد۔ بنا بر اس کے مسجدیں ، خانقاھیں ، مدرسے ، پاکیزہ[2] و دل چسپ کثرت سے ھیں اور خانۂ باغ بھی بہتایت سے لیکن سن ایک ھزار ساٹھ ھجری میں مطابق چوبیسویں سال شاہ جہانی کے نافِ شہر میں جامع مسجد سنگ سرخ کی ایسی بنی کہ اگلوں نے نہ ویسی دیکھی نہ پچھلوں نے سنی۔ نیو اس کی تابہ سمک ، منارے اس کے سر بہ فلک۔ گنبد چرخ بلا گرداں اس کے گنبدوں کا ، عالم بالا تلک جلوہ اس کی برجیوں کا۔ زینہ آس کے منبر کا پایۂ عرش سے اونچا ، ستون کہکشاں اس کے ستون در سے

۱۔ نسخۂ انجمن میں "یہ" سے قبل "جو" نہیں ، دوسرے نسخوں میں ہے۔

۲۔ نسخۂ اول اور دوم میں "پاکیزؤ" چھپا ہے لیکن صحیح "پاکیزہ و" ہے اسی لیے مطابق اصل نہیں رکھا۔ نسخۂ انجمن میں درست ہے۔

نیچا ۔ محراب اس کی محلِ اجابتِ دعا ، نمازی وہاں کا مقبولِ درگاہِ کبریا ۔ دیواریں سد سکندر سے بلند تر ، صحن اُس کا صحنِ فردوس کے برابر۔

بیت

حوض ہے اک صحن میں اس کے لطیف
پاتے ہیں فیض اُس سے وضیع و شریف

سنگ ہر اک اس کا بہہ از یشم ہے
چشمۂ حیواں کا وہ ہم چشم ہے

جو کہ نمازی کرے اُس سے وضو
حشر میں محشور ہو با آبرو

ایک بھی بوند اس کی اگر جس نے پی
اس کا[1] ہوا تصفیۂ باطنی

اس سے طہارت ہے سراپا نجات
ہے وہ گنہ گاروں کو آب حیات

جو کوئی اک قطرہ بھی اس کا پیے
پیاس نہ ہو ، حشر میں بھی گر جیے

غسل جو اک بار بھی اس میں کرے
سایے سے پھر اس کے جہنّم ڈرے

ہر چند مسجد و باغ اور مسافر خانے کی بنا سے بھی فائدہ لا کلام ہے کیوں کہ بنانے والے کا دنیا میں نام اور خلق کو بلا شبہ آرام ہے ، لیکن حمام کی تعمیر ہر پیر و جواں کی راحت کا موجب ہوتی ہے اور ہر شخص کے دل کی کلفت کھوتی ہے :

۱۔ نسخۂ اول و دوم میں ''سلو ہوا '' ہے ۔ نسخۂ سوم (ص ۸۵) میں '' اُس کا '' نسخۂ انجمن '' اس کو ''۔

چناں چه بادشاهی حمام سے اس شہر میں ایک فیض عام ھے ، کوئی بشر محروم نہیں ۔ ساخت میں وہ فلاطون کے حمام سے خوب تر ، در و دیوار اس کے خوش اسلوب سراسر ۔ سطح اس کے گنبد کی کرۂ نار سے ملی ہوئی اور دیواروں کی نیو مرکزِ زمیں سے لگی ہوئی ۔ جامه خانه اس کا بہترینِ مکانات ، حوض وهاں کا خشک مزاجوں کے لیے آب حیات۔ مطبخ اس کا مخزن آتشِ سوزاں کا ، ماہ آئینه اس کے تاب دان کا ۔ حرارت اس کی حرارت غریزی کو بھڑکائے اور رطوبت اس کی رطوبتِ اصلی کو بڑھائے ۔

ابیات

باتے هیں یہاں چین سبھی خاص و عام
بس یہی حمام هے خیر المقام

تیل ملے اس میں گر اک بار جو
اس کو یبوست کا مرض پھر نه هو

میل جو کوئی چاهے که دل کی چھڑائے
حوض میں بعد اس کے وہ غوطه لگائے

اس میں نہاوے جو کوئی ایک دم
قلب پر اس کے نه رهے گردِ غم

وصف کرے اس کا سخن داں اگر
پھر نه کہے شعر به جز شعر تر

اس کی جو تعریف میں کھولے دهن
گرم رهے اس کا همیشه سخن

القصه اس شہر کا هر مکان لاثانی ، ساتھ اس کے عمارات کی فراوانی ، ہر بستی کے اندر جیسے مکانات کی کثرت هے ویسی هی باهر قبروں کی بہتایت ۔ اکثر بادشاهوں ، وزیروں ، امیروں کے مقبرے اطراف میں هیں ، پر مشہور تر مقبره همایوں بادشاہ کا ، کے قباد

کی کیلو گڑھی[1] میں جمنا کے کنارے پر ہے ؛ سوائے اس کے وہ علما، فضلا ، فقرا کہ اپنے عہد میں مشہور آفاق تھے ، ان کے مزار بھی اس کثرت سے ہیں کہ ایک شہر خاموشاں بستا ہے ۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی

چناں چہ خواجہ قطب الدین[2] بختیار کاکی بن خواجہ کمال الدین موسا کی درگاہ شہر سے تین کوس پر ہے ۔ وطن اس بزرگ کا فرغانہ ۔ جذبۂ الٰہی نے لڑکئی ھی میں آسے اپنی طرف کھینچا اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات سے تصفیۂ باطنی حاصل ہوا ؛ پھر بارہ[3] برس کی عمر میں خواب کے بیچ خواجہ معین الدین چشتی سے اجازت حاصل کرکے سفر کو نکلا ۔ جب بغداد میں پہنچا ، بہت ولیوں سے فیض یاب ھوا ۔ وھاں سے ملتان میں آیا اور مخدوم بہاؤالدین زکریا سے بھی ملا ۔ بعد اس کے سلطان شمس الدین[4] التمش کی سلطنت میں اپنے مرشد کے دیدار کا مشتاق ھو کر دلی کی طرف روانہ ھوا ۔ اس بزرگ نے بھی کشفِ قلب و صفائیِ باطن سے آس کے ارادے کو پا کر اس دیار کی طرف کوچ کیا ۔ حاصل یہ ہے کہ دونوں برگزیدۂ حق جیسے ملاقات باطنی سے

۱۔ کیلو کھڑی (خلاصۃ التواریخ ، ص ۳۳)۔

۲۔ خواجہ قطب الدین محمد بختیار کاکی بن خواجہ کمال الدین احمد موسا (خلاصۃ التواریخ ، ص ۳۳) ۔

۳۔ در ہژدہ سالگی (خلاصۃ التواریخ ، ص ۳۳) ۔
افسوس نے اٹھارہ سال کی جگہ بارہ سال عمر لکھی ہے ۔ بیان مؤلف درست مانا جائے گا ۔

۴۔ ''شمش‌الدین'' طبع اول میں (ص ۵۹) نقطے غلط ھیں ۔ طبع دوم (ص ۴۴) شمس الدین صحیح ۔

آپس میں شاد تھے ویسے ہی وصالِ ظاہری سے بھی مسرور ہوئے اور چندے ایک جا رہے ؛ آخر خواجہ معین الدین چند روز کے بعد اجمیر کو تشریف لے گئے اور یہ اسی شہر میں مقیم ہوئے ۔ اکثر اشخاص ان کی بہ دولت فیض کو پہنچے ، بعد ایک مدت کے چودھویں[1] ربیع الاول کو سن چھ[2] سو تیس ھجری میں دنیائے فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی میں جا بسے ۔

نظام الدین اولیا

اور قریب اس کے مزار سلطانِ مشائخ نظام الدین[3] اولیا بن احمد بن دانیال کا ھے ۔ تولد تو اس بزرگ وار کا سن چھ سو تیس ھجری میں غزنیں کے بیچ ھوا ۔ جب سنِ تمیز کو پہنچا اتفاقات سے بداؤں میں آیا اور وھیں علم ظاہری سے فراغت حاصل کی ۔ از بس کہ مباحثے میں طالب علموں پر اکثر غالب ھوتا تھا ، بہ سبب اس کے ''نظامِ محفل شکن'' اس کا نام ٹھہر گیا ۔ بعد اس کے بیس برس کی عمر میں قصبۂ اجودھن میں پہنچ کر شیخ

۱۔ ''بعد مدت صبح چہاردھم ربیع الاول ۶۳۳ ھجری جہان گذران را پدرود نمودند''۔ افسوس نے چھ سو تینتیس کی جگہ چھے سو تیس لکھا ھے ، یہ مترجم کی غلطی ھے ۔ مؤلف کے صحیح یا غلط بیان کا ترجمہ ضروری تھا ورنہ اختلاف لکھ دیا ھوتا ۔ یہاں سجان رائے کا بیان مستند رھے گا ۔

۲۔ چھ سو ، طبع ۱ (ص ۹۰) نیز طبع ۲ و ۳ ۔

۳۔ ''شیخ نظام الدین اولیا عرف محمد پور احمد دانیال است'' ۔ (خلاصة التواریخ ص ۳۳) ۔

افسوس نے ترجمے میں تجاوز کیا ھے ، عرف نہیں لکھا اور احمد دانیال کے بجائے احمد بن دانیال لکھا ھے ۔

فرید الدین شکر گنج[1] کا مرید ہوا اور علم باطنی ان سے بہ خوبی سیکھا ۔ پھر رخصت ہو کر ہدایت خلق کے لیے دلی میں آیا ، وہاں بہت سے طالبان حق نے اس سے فیض پایا ؛ چناں چہ شیخ وجیہ الدین[2] یوسف چندیری میں اور شیخ نصیر الدین[3] چراغ دہلی و امیر خسرو دلی میں اور شیخ علاء الحق و شیخ رجی[4] سراج بنگالے میں اور شیخ یعقوب و شیخ کمال مالوے میں ، مولانا مغیث و مولانا غیاث[5] آجین اور دھار میں ، شیخ حسام الدین گجرات کے بیچ اور شیخ برہان الدین[6] و خواجہ حسن دکھن میں ۔ سوائے ان کے اور بھی خلفا شیخ ممدوح کے اکثر بلاد میں مشہور و معروف تھے ۔ غرض اورنگ زیب کے وقت تلک اولاد اس کی اور خلفا انھیں ملکوں میں موجود تھے اور رہ نمائی خلق میں مشغول ، اب کا احوال معلوم نہیں ، لیکن صاحبِ ''تاریخ فرشتہ'' یوں[7]

۱۔ گنج شکر (خلاصۃ التواریخ ، ص ۳۳)۔

۲۔ وجہ الدین طبع ۱ و ۲ و ۳ ص ۶۰ و ۴۴ و ۴۷ ۔

۳۔ شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی (خلاصۃ التواریخ ، ص ۳۳) ۔

۴۔ اخی سراج (خلاصۃ التواریخ ، ص ۳۳) ۔

۵۔ غیاث الدین (خلاصۃ التواریخ ، ص ۳۳) ۔

۶۔ برہان الدین غریب (خلاصۃ التواریخ ، ص ۳۳) ۔

۷۔ تاریخ فرشتہ کا حوالہ خلاصۃ التواریخ میں نہیں ، نہ تاریخ ولادت ہے ۔ تاریخ وفات بروز چہار شنبہ ۱۸ ربیع الاول سات سو پچیس (۷۲۵ھ) افسوس نے لکھی ہے اور خلاصۃ التواریخ میں ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ بروز چہار شنبہ ہے، مہینے کا اختلاف ہے ۔ عبارت یہ ہے:

''القصہ حضرت ایشاں چاشت گاہ چہار شنبہ ہژدہم ربیع الثانی ۷۲۵ ہجری ازیں جہان فانی بہ عالم جاودانی رحلت نمودند'' (خلاصۃ التواریخ ، صفحہ ۳۴) ۔ ۱۸ ربیع الثانی مطابق چہار شنبہ صحیح ہے ۔

لکھتا ہے کہ باپ اس بزرگ کا غزنیں سے ہندوستان میں آیا اور بلدۂ بداؤں میں مقیم ہوا ، وونہیں[1] (وہیں) یہ عارف باللہ چھ سو چونتیس ہجری میں ماہ صفر کے بیچ متولد ہوا۔ جب پانچ برس کی عمر ہوئی تب اس کے پدر عالی قدر نے رحلت کی ، پھر والدہ نے شیخ مذکور کو پالا ۔ جب کہ سن تمیز کو پہنچا اپنی ماں[2] سمیت دلی میں آیا اور علم رسمی ونہیں (وہیں) تحصیل کیا ۔ آخر سن سات سو پچیس ہجری میں ربیع الاول کی اٹھارھویں کو بدھ کے دن وہ خدا کا پیارا جنت کو سدھارا ۔ فی الجملہ ہندوستان میں جمیع اولیا سے اس مردِ خدا کی شہرت رتبۂ ولایت میں بیش تر ہے ۔ سلسلہ اس کی بیعت کا شیخ عبدالقادرؒ جیلانی کو پہنچتا ہے اور شیخ ممدوح کی ارادت کا سر رشتہ بعد چار واسطوں کے شیخ شبلیؒ سے ملتا ہے ۔ وطن اس بزرگ کا قریۂ جیل بغداد کے قریب اور تولد چار سو اکہتر ہجری میں ۔ علمِ درسی و وہبی میں بے مثل تھا ، پر خرقہ ولایت کا شیخ ابو سعید مبارک کے ہاتھ سے پہنا ۔ کیفیت اس کے حال قال کی اور حقیقت کرامات و کمالات کی اظہر من الشمس ہے ۔ ایک عالَم اس کے دائرۂ بیعت اور احاطۂ عقیدت میں در آیا اور ہزاروں نے رتبہ تصوف اس کی توجہ سے پایا بلکہ اب تلک بھی ایک خلق اس کی ولایت کی قائل ہے اور بہ دل اس کی طرف مائل؛ پر شیخ اس کو بہ سبب

۱۔ " ونہیں " طبع اول و دوم و سوم ص ۶۱ و ۴۴ و ۴۷ ۔ موجودہ املا "وہیں" ہے ۔

۲۔ نسخہ اول (ص ۶۱) اور نسخۂ دوم (ص ۴۵) میں " ما " بغیر نون کے ہے ، نسخۂ سوم (ص ۴۷) میں " ماں " ہے ۔ شیر علی افسوس کے عہد میں " ما " نون کے بغیر لکھا جاتا تھا ۔

علم و فضل کے کہتے ہیں و الاّ قوم کا حسینی سیّد ہے ؛ نوے برس اس دار فنا میں رہا ، آخر سن پان[1] سو اکہتر ہجری میں دارالبقا کا راہی ہوا۔

نارنول

سرکار[2] نارنول ایک قدیم قصبہ ہے ، دھلی سے پچاس کوس

۱۔ ''و حضرت ایشاں در سنہ پانصد و شصت و یک ہجری در نود سالگی ازیں عالم فانی بہ جہان جاودانی شتافتند ، از رحلت ایشاں لغایت ایں نسخہ پانصد و پنجاہ سال منقضی می شود''۔ (صفحہ ۳۳ ، خلاصۃ التواریخ) ۔

افسوس نے ترجمے میں غلطی کی ہے ؛ ۱۰۴۸ھ سال ولادت اور ۱۰۷۵ھ سال وفات اور نوے سال عمر ، یہ غلطی ظاہر ہے ، اس حساب سے سو سال کی عمر ہوتی ہے ، صحیح سال وفات ۵۶۱ ہجری ہے ۔ (فائق) ۔

۲۔ خلاصۃ التواریخ میں اس کے بعد پانی پت کا بیان ہے لیکن افسوس نے نارنول کا بیان لکھا ہے ، جو افسوس کا مولد ہے اور تفصیلی حالات درج کیے ہیں ۔ خلاصۃ التواریخ (ص ۳۴) میں پانی پت کا بیان اس طرح شروع ہوتا ہے :

''بالجملہ سی کروہے شاہ جہان آباد قصبۂ پانی پت از شہر ہائے متقدمین است''۔ افسوس لکھتے ہیں (آرایش محفل ص ۴۷) :

''سرکار نارنول ایک قدیم قصبہ ہے ، دھلی سے پچاس کوس کے فاصلے پر'' ۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلسل خلاصۃ التواریخ کا ترجمہ ہی نہیں بلکہ مترجم نے جا بجا اضافہ کیا ہے ، کہیں اختصار سے کام لیا ہے اور کہیں تفصیل سے (فائق) ۔

آئینہ جہاں نما (مصبح احمد بہ اہتمام مرزا آغا علی) مؤلفہ حکیم محمد وحید اللہ ابن حکیم محمد سعید اللہ ابن حکیم محمد عبداللہ سبزواری ثم البدایونی ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۹)

کے فاصلے پر۔ آب و ہوا وہاں کی نہایت خوب، سواد[1] اس کا ہر

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

''نارنول سرکار ہے، ۱۵ محال ہے اور شہر قدیم ہے اور دہلی سے پچاس کوس کے فاصلے پر واقع ہے اور درمیان شہر کے ایک ندی ہے اور اس کا پل بندھا ہے اور اس شہر میں عمارات پختہ و سنگین تعمیر کی ہیں اور اکثر صاحبان علوم یہاں رہتے ہیں۔ محمد شاہ بادشاہ کے وقت تک یہ شہر بہت آباد تھا اور سید محمد ترکمان کے (کا) یہاں مزار ہے۔ کتاب چار گلشن محمد شاہی میں لکھا ہے کہ نارنول میں ایک چاہ ہے بس عمیق، بہت خلقت وہاں جمع ہوتی ہے، جس دن کہ روز ماوس کا کہ تاریخ ۲۷ ماہ قمری ہوتی ہے اگر بعد اس کے یوم جمعہ کا آ پڑے، آب اس چاہ کا خود بخود جوش مارتا ہے، و اللہ اعلم۔ کتب ص ۲۸۔ تواریخ میں لکھا ہے کہ عہد محمد شاہ بادشاہ میں نارنول نواب مظفر صاحب برادر خان دوراں صاحب کی جاگیر میں تھا اور موافق آئین اکبری کے نارنول سے یہ مکان متعلق تھے۔ ۔ ۔ جغرافیہ ریاست پٹیالہ مصنفۂ سردار پرتاب سنگھ، مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۱ء (ص ۵۷)۔

قصبہ نارنول نظامت گاہ (مہندر گڑھ) سے ۱۵ میل کے فاصلے پر جانب جنوب چھلک ندی کے کنارے آباد ہے۔ اس میں (۲۰۰۵۲) آدمی بستے ہیں۔ یہ مشہور اور پرانا شہر ہے، اس کے پچھم کی طرف دو پختہ تالاب ہیں جو ہمیشہ پانی سے لبریز رہتے ہیں، ان کے چاروں طرف عمدہ عمدہ مکان بنے ہوئے ہیں، شہر کی مشہور عمارات سے چھتہ ایک عالی شان اور وسیع عمارت، رنگا رنگ کے پتھروں سے بنی ہوئی ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ یہ چھتہ رائے بال مکند صاحب ایک منصب دار نے اکبر اعظم کے عہد میں بنایا تھا۔ دوسرے ایک روضہ محمد عطا مشہور بہ شیخ محمد ترک نارنولی مرید خواجہ عثمان فاروقی سرتا پا پتھر کا بنا ہوا ہے۔ یہاں عشرۂ محرم کے دن میلہ ہوتا ہے اور شہر کے گوشۂ شمال مغرب میں ایک اور زیارت گاہ نواب شاہ قلی کے نام سے مشہور ہے اور تیسرے گوشۂ جنوب مشرق میں ایک گنج ہے جسے بنجارے کی پہاڑی کہتے ہیں؛ یہاں ماہ بھادوں میں میلہ ہوتا ہے۔

۱۔ طبع اول و دوم و سوم صفحہ ۶۲ و ۴۵ و ۴۸۔

ایک صاحبِ طبع کا مرغوب ، عمارتیں اس میں اکثر پختہ و سنگین ، مہندی وہاں کی نپٹ رنگین ، کھیت اس کے بستی کے قریب ۔ اکثر اوقات لڑکے وہاں کے باشندوں کے کھیلتے کھیلتے کھیتوں پر جا نکلتے ہیں اور گھر کو آتے ہوئے مہندی کے پتّے اپنی جوتیوں میں بھر لیتے ہیں ؛ غرض گھر پہنچتے پہنچتے پاؤں ان کے لال عنابی ہو جاتے ہیں ۔ شکار بھی ہر قسم کا بہتایت سے ؛ چناں چہ چڑی مار پیسے کے چار چار تیتر بیچ[1] جاتے ہیں ؛ پھر گوشت اور ترکاری کس کو غرض ہے کہ منگوائے اور کھائے مگر بہ ضرورت یا بہ سبب عادت ۔ سوائے اس کے پھول پھل ہر ایک موسم کے خوش بُو، خوش ذائقہ بہ افراط میسر آتے ہیں اور خواہش مندوں کے دل و دماغ کو راحت و آرام پہنچاتے ہیں ۔ متوطن وہاں کے نجبا شرفا ہر قوم کے ، پر شیخ سید اکثر بلکہ فضلا علما بھی ۔ محمد شاہ فردوس آرام گاہ کے وقت تلک شہر مذکور خوب آباد تھا اور عالم فاضل یہ غالب تھے کہ ماہ رمضان میں مقدور نہ تھا کہ دوپہرہ ڈھلے تلک نان بائی یا بھٹیارا[2] تنور گرم کرے یا بھڑبونجا بھاڑ جھونکے یا کوئی بازار میں دن دیے حقا[3] (حقہ) پیے ۔ احیاناً اگر کسی سے ایسی حرکت ہو جاتی تو محتسب کے ہاتھ سے اُس کی آب رو جاتی ۔ شہر کے اندر باہر درگاہیں اکثر کیوں کہ ہزاروں بزرگ صاحب کمال اس سر زمین میں آسودہ ہیں لیکن صاحبِ ولایت سید محمد ترک ، مزار اس بزرگ کا بستی کے

۱- اینچ ۔ نسخہ ۱ و ۲ و ۳ ۔

۲- بھٹیارا ، طبع ۱ و ۲ و ۳ ، ص ۶۲ و ۶۵ و ۶۸ ۔ نسخۂ انجمن میں '' بھتیارا '' ۔

۳- حقا ، طبع ۱ و ۲ و ۳ ۔ نسخۂ انجمن میں ''حقہ'' ہے ۔

اندر ہے۔ سال ہائے سال گزرے کہ کفار کے ہاتھ سے وہ بزرگ وار شہید ہوا۔ عجیب و غریب حکایات و خرق عادات اُس کے مزار سے وہاں کے باشندے منسوب کرتے ہیں اور اپنی مرادوں کے لیے جمعرات کو جا کر وہاں چوکیاں بھرتے[1] ہیں، لیکن بت خانہ دیہرا اس وقت تلک قصبۂ مذکور کے اطراف میں کوئی ہندو بنا نہ سکا تھا؛ چناں چہ ایک اتیت نے نواب مظفر خاں خانِ دوراں کے بھائی کو بہت سے روپے[2] نذرانہ دے کر چاہا تھا کہ ایک بت خانہ وہاں بنائے اور بنیاد کفر کی قائم کرے۔ اتفاقاً اس وقت نواب مرحوم کا قصبۂ مذکور سے سات کوس کے فاصلے پر ڈیرا تھا، علاوہ اس کے سرکار مذکور اس کی جاگیر بھی تھی۔ غرض اس اتیت نے آبادی کے قریب بت خانے کی نیو ڈالی بلکہ تھوڑی سی دیوار بھی اٹھائی کہ شاہ عبدالباق پیرزادے کو یہ خبر پہنچی، سنتے ہی سوار ہوا اور سیکڑوں اشخاص خواص و عوام سے اس کے ساتھ ہو لیے۔ آخر آن کر دیہرے کی بنیاد ڈھائی اور اتیت کو خوب سزا دی۔ اُس نے جا کر نواب سے فریاد کی، نہایت غصہ ہو اور کئی سرداروں کو مع فوج بھیجا کہ پیرزادے کی حویلی ڈھاویں اور گھر لوٹ لیں لیکن شیخ اپنے مکان میں بہ استقلال یاد الٰہی میں بیٹھا رہا، مطلق نہ ڈرا، یہاں تلک کہ وہاں کے لوگوں کو منع کیا کہ کوئی میری مدد کو نہ آئے اور اپنے تئیں اس بلا میں نہ پھنسائے کہ سوائے قادر لا یزال اس وقت کسی سے یاری و مددگاری منظور نہیں کیوں کہ

۱۔ ''بھرتے'' نسخۂ طبع ۱ و ۲ و ۳۔ نسخۂ انجمن میں ''بھوتے'' غلط ہے۔

۲۔ روپے، نسخۂ طبع ۱ و ۲ و ۳۔

جنگ و جدل فقیروں کا دستور نہیں۔ القصہ وے (وہ) لوگ جو به ارادۂ پرخاش آئے تھے، یہ سوچے کہ دنیا کے واسطے ایمان کھونا اور عاقبت سے ہاتھ دھونا عبث ہے۔ چار و ناچار ہر ایک شیخ سے به ارادت پیش آیا اور نقد ایمان اپنا دنیا کے لالچ پر کسی نے نہ گنوایا۔ نواب نے بھی اس ماجرے کو سن کر انفعال کھینچا اور اُس کارِ ناشایستہ سے ہاتھ اٹھایا۔ جب احمد شاہ کی بادشاہت ہوئی، ملک و معاش وہاں کے نجبا کی گھٹنے لگی، جماعت میں ان کی تفرقے نے راہ پائی؛ جس نے سہتا اپنا جدھر دیکھا ادھر کی راہ لی؛ آخر شہرِ مذکور ویرانہ بن گیا اور جس نے چاہا وہاں عمل کر لیا۔ اب تلک تو یہی حالت ہے، آگے دیکھیے کیا ہو۔ الغیب عنداللہ۔

پانی پت[1]

اور شاہ جہان آباد سے تیس کوس کی مسافت پر پانی پت

۱۔ پانی پت۔ یہ شہر بہت پرانا اور عمارت اس کی قدیمی ہے۔۔۔۔ (تاریخ مخزن پنجاب، ص ۶۵، مؤلفہ مفتی غلام سرور)۔ پانی پت (۲۷ ہزار) دھلی انبالہ ریلوے پر صوبۂ پنجاب کی غالباً سب سے قدیم بستی ہے اور اس کی بڑی شہرت اُن تین معرکوں سے ہے جنھوں نے ہر مرتبہ شمالی ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ سب سے اول بابر نے ۱۵۲۶ء میں ابراهیم لودھی کو شکست دی۔ پھر اکبر نے همیو (هیموں) بقال کا اسی میدان میں قلع قمع کیا اور آخر میں احمد شاہ درانی نے بھی مرھٹوں کی قوت کو ۱۷۶۱ء میں اسی مقام پر پامال کیا۔ (ص ۲۷۸ و ۲۸۹ ''جغرافیہ عالم'' حصہ اول، مترجم هاشمی فرید آبادی مطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن)۔

پانی پت جس کا صحیح نام پن پتن (خانۂ ثواب) ہے، یہ پرانا قصبہ دھلی کے شمال میں۔۔۔ ہے۔۔۔ اسی مقام پر بابر نے ۱۵۲۵ء

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۳ پر)

ایک قدیم قصبہ ہے۔ شیخ شرف بو علی[1] قلندرؒ وہیں پیدا ہوا اور چالیس برس کا ہو کے دلی میں آیا۔ پھر خواجہ قطب الدینؒ کی خدمت میں مشرّف ہوا لیکن بیس برس تلک علوم ظاہری کی تحصیل میں رہا۔ جب نور ربّانی کی تجلّی اس کے آئینۂ باطن میں ہوئی، ساری کتابیں جمنا میں ڈبو دیں اور مسافرت اختیار کی۔ جس وقت روم میں پہنچا، شمس تبریزؒ و مولوی رومؒ سے استفادہ اٹھایا؛ سوائے ان کے بھی وہاں کے اکثر اولیا سے بہت سا فائدہ پایا، ندان اپنے وطن کو پھرا۔ جب کہ وہاں پہنچا، کنج عزلت میں بیٹھا یہاں تلک کہ جہان سے اٹھ گیا۔ اس سے بھی کشف و کرامات کا ایک عالم گواہ ہے اور مزار ایک جہان کی زیارت گاہ۔

سرھند

سرھند[2] قدیم شہر ہے سامانے کے متعلقات سے۔ فیروز شاہ

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر قتل کیا اور ۱۵۵۶ء میں اکبر کے سپہ سالار بیرم خاں نے ہیمو کو شکست دی اور ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ درانی نے مرہٹوں کو شکست دی۔ اسی قصبہ میں بو علی شاہ قلندر کی درگاہ اچھی بنی ہوئی ہے جو ۶۹۵ ہجری میں علاء الدین غوری (؟) کے بیٹوں خضر خاں اور شادی خاں نے تعمیر کرائی تھی۔ (ص ۷۷ ''آئینہ ہند'' مؤلفہ امید سنگھ)۔

۱۔ ابو علی (خلاصۃ التواریخ، ص ۳۴)۔

۲۔ سہرند، (خلاصۃ التواریخ، ص ۳۴) سہرند، (آئین اکبری طبع کلکتہ ص ۳۶۹) یہ قدیم نام ہے، جدید سرھند ہے (فائق)

فتح گڑھ عرف سرھند جس کو پرانی کتابوں میں سہرند لکھا ہے، پٹیالے سے ۲۲ میل شمال کی جانب اور سندھ پنجاب دھلی ریلوے لائن کے سٹیشن ''باڑہ'' سے ۲ میل کی دوری پر آباد ہے —— اور محلہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۴ پر)

نے اپنی سلطنت میں سن سات سو ساٹھ ہجری کے بیچ اسے جدا کرکے ایک علاحدہ پرگنہ مقرر کیا ۔ آبادی[1] و رونق اس کی پھر دن بہ دن بڑھتی گئی ۔ اگرچہ وہاں کی زمین میں بھی اکثر خدا رسیدہ سوتے ہیں لیکن شاہ جہاں کے عہد میں شیخ فرید[2] ثانی اور شیخ معصوم کابلی اپنے معاصرین میں نہایت غنیمت و صاحبِ کیفیت تھے ۔ سیکڑوں ان کے مرید ہوئے اور ہزاروں بھولے بھٹکے ان کے وسیلے سے منزلِ مقصود کو پہنچے ۔ وے (وہ) بھی وہیں آسودہ ہیں[3] ۔

ساڈھورہ[4]

اور ساڈھورے میں شاہ قمیص مدفون ہیں ، یہ بھی اپنے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

صندل پورہ کے کھنڈروں میں جو موجودہ آبادی سے شمال مشرق کی جانب ہیں ، مجدد الف ثانی الملقب بہ شیخ احمد فاروقی کا پختہ مقبرہ بنا ہوا ہے ۔ (جغرافیہ ریاست پٹیالہ ، ص ۳۵ ، مؤلفہ پرتاب سنگھ ، مطبع نول کشور ، ۱۸۸۱ء) ''شہر سرہند'' یہ شہر پٹیالہ کی ریاست میں سے ہے ، (تاریخ مخزن پنجاب ص ۷۷) ۔

۱۔ ''آبادی و رونق'' نسخۂ طبع ۱ و ۲ و ۳ ، ص ۶۳ و ۴۷ و ۵۰ ۔ نسخۂ انجمن میں (ص ۷۷) ''آبادی اور رونق'' خلاف اصل ہے ۔

۲۔ شیخ فرید الدین ثانی (خلاصۃ التواریخ ، ص ۳۵) ۔

۳۔ شیخ فرید الدین ثانی و شیخ محمد معصوم کابلی دراں شہر آسودہ اند ۔ (خلاصۃ التواریخ ص ۳۵) ۔

افسوس نے ترجمے میں بجائے '' ہیں '' کے ''ہے'' لکھا ہے جو غلط ہے ۔ غالباً سہو کتابت ہو ، عبارت یہ ہے :

''وے بھی وہیں آسودہ ہے'' ۔ '' آسودہ ہیں '' صحیح ترجمہ ہے ۔

۴۔ سدھورا ، سرہند کے علاقے میں ایک قصبہ مزار شاہ قمیص سید گیلانی ۔ (تاریخ مخزن پنجاب ، ص ۷۷) ۔ ''ساڈھورہ'' سرکار سرہند صوبہ دہلی (آئین اکبری ، ص ۳۷۰ ، طبع کلکتہ) پرگنہ ساڈھورہ سرکار تھانیسر صوبہ دہلی ۔

وقت کے فقرا میں نہایت صاحبِ رتبہ تھے -

شنام

اور شنام[1] میں شیخ بنوی[2] کی درگاہ ہے - وہاں بھی ایک خلق بھول ریوڑی چڑھاتی ہے اور اپنے اعتقاد میں مراد انھیں کے وسیلے سے پاتی ہے -

ہانسی[3]

اور ہانسی میں مزار شیخ جمال الدین کا ہے - یہ مردِ خدا شیخ فرید[4] شکر گنج[4] کے خلفا سے ہے ؛ سوائے اس کے صوبۂ مذکور میں اور بھی صاحبانِ حال و قال کے مزار بے شمار ہیں لیکن منظور اختصار تھا ، بنا بر اس کے احوال مفصل اُن کا نہ لکھا - اب تھوڑے سے مکان ہنود کی پرستش کے جو اس صوبے میں ہیں ، اُن کا احوال لکھتا ہوں - سرھند سے بیس کوس کے فرق پر -

بھوانا گھاٹ

بھوانا گھاٹ[5] ایک معبد[6] ہے ، بیش تر لوگ اس کو مہا دیو

۱- سنام - علاقہ ریاست پٹیالہ ، پرانا قصبہ ، پٹیالہ سے $37\frac{1}{2}$ میل دور - (جغرافیہ ریاست پٹیالہ ص ۲۶) ''سنام'' (خلاصة التواریخ ص ۳۵) - '' سنام '' (آئین اکبری ، ص ۵۲۰ طبع کلکتہ ، متعلق سہانہ سرکار دھلی)-

۲- خواجہ محمود بنوی صاحب کا مزار (سنام) - - - - - اس جگہ ہر سال ماہ چیت میں میلہ ہوتا ہے - (جغرافیہ ریاست پٹیالہ ، ص ۲۶)

۳- ہانسی (پرگنہ) سرکار حصار فروزہ صوبہ دھلی (آئین اکبری ص ۳۹۹ ، طبع کلکتہ) ، '' ہانسی'' حصار کے مشرق میں یہ پرانا قصبہ کسی راجہ کا آباد کیا ہوا ہے - (آئینہ ہند ، مؤلفہ امید سنگھ ، ص ۷۸)-

۴- شیخ فرید الدین گنج شکر (خلاصة التواریخ ص ۳۵) -

۵- گھات بھوانہ معبدے است مشہور بہ بھیا دیوی ، از قدیم پرستش گاہ اھل ہند است (خلاصة التواریخ ، ص ۳۵) -

۶- نسخۂ اول (ص ٦۵) میں '' معید '' طباعت کی غلطی ہے -

کہتے ہیں۔ ہندوؤں کی قدیم پرستش گاہ ہے لیکن فدائی خاں
کہ امرائے عظام سے تھا، اس نے عالم گیر کے سن چار جلوسی
میں وہیں رہنا اختیار کیا، نام اس کا پنجور[1] رکھا۔ وہاں کے راجہ
کو کہ کئی پشت سے راج کرتا تھا، حسب الحکم بادشاہ کے
نکال دیا اور ایک باغ نہایت مطبوع خوش قطع پانچ درجے کا بنایا۔
عمارتیں اس کی نپٹ انوٹھی اور بیٹھکیں نہایت لگوتھیں۔ جی اگر

۱۔ مصنف ''آئینہ جہاں نما'' نے ''بجنور'' روھیل کھنڈ میں فدائی خاں
کا باغ تعمیر کرنا بیان کیا ہے جو غلط ہے۔ آئینہ جہاں نما (ص ۲۱)۔
(فائق) ''وطن خود قرار داده به پیجور نام نهاده'' (خلاصة التواریخ ص ۳۵)
''پنجور ایک چھوٹا سا قصبہ پٹیالہ کی ریاست سے ملتا ہے'' (تاریخ مخزن
پنجاب، ص ۷٦)۔

پنجور راج پورہ سے ۲۹ میل کے فاصلے پر جانب شمال آباد ہے۔
اس کی آبادی پانڈوں کے عہد کی بیان کرتے ہیں۔۔۔۔ پنجور کی
آبادی سے جانب جنوب ایک پرانا باغ نہایت عمدہ ہے۔ اس بے نظیر باغ
کو جو دامن کوہ میں واقع ہے، نواب فدائی خاں نے عالم گیر کے
عہد میں مرمت کیا تھا۔ اس کے پانچ درجے ہیں، ہر ایک درجے میں نہر
جاری ہے، آب شاروں اور فواروں کا چھوٹنا ساون بھادوں کی جھڑی کو
شرماتا ہے۔۔۔۔۔۔ بساولان، پنجور سے چار میل مغرب کی طرف
واقع ہے۔ یہاں ایک چھوٹی سی پہاڑی پر ایک مندر بنا ہوا ہے
جس کو بالکا دیوی کا مندر کہتے ہیں، اس علاقے کے باشندے اُس
کے بہت معتقد ہیں۔ بیٹناں، پنجور سے دو میل پر ہے۔ اودھارو نام
ٹیلے پر مہا دیو کی مورت ہے۔ بھوانہ، پنجور سے تین میل مشرق کی
جانب دامن کوہ میں ایک مشہور گاؤں ہے۔ کہتے ہیں کہ
کسی زمانے میں اس کے گرد و نواح کا علاقہ بھوانہ کی ریاست کے نام
سے مشہور تھا؛ چناں چہ اس وقت تک بھی قلعے کے کھنڈر اور
پختہ خندق کے آثار جو بھوانہ کے گرد تھے، پائے جاتے ہیں۔ اس قلعہ
کا ایک برج پختہ اب بھی موجود ہے۔ (جغرافیہ ریاست پٹیالہ،
ص ٦۳ تا ٦۵)۔

کیسا ہی اداس ہو تو وہاں لگ جائے بلکہ دل پر اداسی پھر کبھو نہ آئے ۔ سوائے مکانات کی صنعت کے یہ عجب کام کیا کہ دامنِ کوہ کی آبِ جو کو اُس باغ میں اس حکمت سے لایا کہ وہاں جتنے حوضوں اور نہروں میں فوّارے تھے ، اسی کے پانی سے چھوٹنے لگے ، محتاج خزانے کے نہ رہے ، اور گلاب بھی اس کثرت سے اس میں پھولتا ہے کہ موسم میں ہر روز ان گنت پھول خوش رنگ و پاکیزہ اُترتے ہیں : چناں چہ "خلاصة التواریخ" کا راقم لکھتا ہے کہ میں موسم بہار میں جس دن اُس گلزار سراپا بہار کی سیر کو گیا تھا اُس دن چالیس من گلاب کے پھول اُتر کر گلاب خانے میں گئے تھے ۔

بیت

روش پر بھی اُس کی تھے پھولوں کے ڈھیر
نہ ہوتے تھے پر سیر سے اس کی سیر

غرض سال بہ سال پھولوں کی وہاں ترقی اور بہار کی زیادتی تھی ۔

تھانیسر[1]

تھانیسر ایک پرانی بستی ہے ، سرھند سے تین کوس پر

۱۔ تھانیسر وغیرہ ھشت پرگنہ (تھانیسر ، ساڈھورہ ، شاہ آباد ، خضر آباد وغیرہ) (آئین اکبری ، ص ۳۷ ؟) ۔

"تھانیسر ، سرھند کے علاقے میں کرنال سے ۲۳ میل شمال کو ، سرستی ندی کے بائیں کنارے پر" (تاریخ مخزن پنجاب ، ص ۸۰) ۔

اب وہ ضلعے لکھے جاتے ہیں جو پنجاب کے لفٹننٹ گورنر کے تابع ہیں ۔

آٹھواں تھانیسر پانی پت کے اُتر ، صدر مقام تھانیسر جس کو سنسکرت میں کرکشیتر کہتے ہیں ، سرستی ندی کے بائیں کنارے ہندو (ؤں) کا بڑا تیرتھ ہے (چھوٹا جام جہاں نما ، مؤلفہ راجہ شیو پرشاد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۸ پر)

جنوب رو، قریب اس کے کورکھیت[1] نام ایک بڑا تالاب ہے؛ ہندی کتابوں میں اس کو نافِ زمین لکھا ہے اور پیدائش کی ابتدا بھی ہندوؤں[2] کے نزدیک اسی مکان میں ہوئی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اس کو بڑا تیرتھ جانتے ہیں اور نہانا اس میں ثواب عظیم؛ خصوصاً سورج گہن میں کیوں کہ اس روز دور دور سے گروہ گروہ رنڈی مرد عام خاص بلکہ سب چھوٹے بڑے آن کر

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

طبع چہارم، الہ آباد گورنمنٹ پریس ۱۸۷۵ء) ۔ انبالہ کے جنوب میں پرانا شہر تھانیسر سرستی ندی کے بائیں کنارے ہندوؤں کا بڑا تیرتھ ہے ۔ (آئینہ ہند، مؤلفہ امید سنگھ، مطبوعہ میرٹھ ۱۸۸۰ء) ۔

تھانیسر، پانی پت کے شمال میں سرسوتی ندی کے کنارے پر آباد ہے ۔ کورک شتر کے میدان میں جہاں کی قیامت خیز لڑائی کا بیان مہا بھارت میں کیا گیا ہے، یہ قطعۂ زمین نہایت مقدس و محترم سمجھا جاتا ہے ۔ (جغرافیۂ عالم، حصہ اول) ۔ تھانیسر، راجہ کرن نے آباد کیا ہے ۔ (ص ۳۲) ۔ آئینہ جہاں نما، مؤلفہ حکیم وحید اللہ، مطبع جامعۂ عثمانیہ (ص ۲۷۹)، مترجم ہاشمی فرید آبادی ۔

۱۔ کورکھیت، نسخۂ اول (ص ٦٦) اور نسخۂ دوم (ص ۳۸) میں یہی املا ہے لیکن نسخہ سوم (ص ۵۱) میں ''کورکھیتر'' ہے، خلاصۃ التواریخ (ص ۳۵) میں ''کورکھیت'' ہے ۔

شہر کے پاس ہی کرکشیر ہے، جہاں کوروں پانڈو(ں) کی مشہور لڑائی مہا بھارت ہوئی تھی ۔ سورج گرہن کے وقت بڑا پربھ ہوتا ہے ۔ اس وقت یہاں کے تالاب میں نہانے کے لیے لاکھوں آدمی اکٹھے ہو جاتے ہیں ۔

۲۔ نسخۂ اول و دوم میں ''ہندؤں'' ہے اور نسخۂ سوم (ص ۵۱) میں مطابق موجودہ رسم الخط ''ہندوؤں'' املا ہے ۔

وہاں جمع ہوتے ہیں اور نقد و جنس انواع و اقسام کے ظاہر و مخفی خیرات کرتے ہیں ۔ ہرچند کہ ان میں کوئی کیسا ہی بخیل یا مفلس ہو، پر اپنی قدر و طاقت سے زیادہ دان پُن کرتا ہے بلکہ سوائے تالاب مذکور کے اڑتالیس کوس تلک جتنی جھیلیں، تالاب اور حوض، کوئے (کنویں) اطراف شہر کے اور وَے مکانات جن کے نزدیک سرستی ندی بہتی ہے بلکہ وے بیٹھکیں بھی کہ اگلے منیوں کے نام سے مشہور ہیں اور قدیم کتابوں میں مسطور، ان سب کو تیرتھ جانتے ہیں؛ اسی سبب پانڈو اور کورو کہ پیشوا ہندوؤں کے تھے، آپس میں لڑ کر وہیں مارے گئے ۔

سنبھل[1]

اور چالیس کوس دلی سے پرے شمال رُو سنبھل ایک قدیم شہر، اس میں ہر مندر ایک پرانی پرستش گاہ ہنود کی ہے ۔ کہتے ہیں کہ دور آخری میں ایک اوتار وہیں سے نکلے گا ۔

نانک متا

قریب اس کے نانک متا ۔ بابا نانک کے چیلے اور سیوک وہاں اکثر جمع ہوتے ہیں اور جپ تپ میں مشغول رہتے ہیں ۔

۱۔ سنبھل ۔ (آئینہ جہاں نما، ص ۲۵) ۔
سرکار سنبل، چہل و هفت محل، سه دستور، بلدۂ سنبل وغیرہ بست و سه پرگنه، (آئین اکبری، ص ۳۷۰) ۔
یہاں (مراد آباد) سے ایک منزل جنوب مغرب میں قصبہ سمبھل ہے ۔ ہندو کہتے ہیں کہ کل جگ کے آخر میں ان کا کلکی اوتار اسی جگہ ظاہر ہوگا (آئینہ ہند، ص ۱۱۰ و ۱۱۱) ۔

کماؤں کا پہاڑ[1]

اُتّر طرف اس کی کماؤں کا پہاڑ۔ سونے ، روپے ، تانبے ، شیشے لوہے ، گندھک ، سہاگے کی (کہان)[2] (اس میں ہے) ؛ سوائے اس کے باز و شاہین اور چنگل گیر پرندے وھیں سے آتے ھیں بلکہ سرہ گائے ، مشک کے ھرن ، ریشم کے کیڑے ، پہاڑے (پاڑھے) ٹانگن اکثر وھیں ھوتے ھیں اور سفید شہد بھی بہتایت سے وھیں ملتا ھے ۔ از بس کہ بستی اس کی محفوظ اور بے لگاؤ ھے ، بہ سبب اس کے اڑتلے کے زمین دار وھاں کے بادشاھوں سے نہیں دبتے ، ھمیشہ بغی رھتے ھیں ۔ راقم[3] ایک ایک مرتبہ ھم راہ نواب آصف الدولہ مرحوم کے حسن رضا خاں بہادر مغفور کی رفاقت میں نانک متے تلک گیا ھے لیکن پہاڑ کی گھاٹی میں اتفاق جانے کا نہیں ھوا بلکہ کوئی شخص لشکر کا وھاں نہیں جا سکا ۔ فی الواقع راہ اس پہاڑ کی نہایت سخت اور کڈھب ھے لیکن پہاڑیے وھاں کی جنس میوہ اکثر لا کر لشکر میں بیچ جاتے تھے ؛ خصوصاً اخروٹ بہتایت سے اور نہایت سستے ۔

۱۔ قسمت کمایوں ۔ رقبہ گیارہ ھزار مربع میل ، یہ پہاڑی قسمت (آئینہ ھند ، مؤلفہ امید سنگھ) ۱۸۱۵ء میں فتح کی گئی تھی ۔ (۱) ضلع کمایوں رقبہ ٦ ھزار مربع میل ، قصبہ الموڑہ گنگا کے معاون کوشلا ندی پر بستا ھے ۔ الموڑے سے ۲۲ میل جنوب مغرب کو سرد میر مقام نینی تال ھے ۔ ۔ ۔ ۔ (آئینہ ھند مؤلفہ امید سنگھ ، مطبوعہ میرٹھ ۱۸۸۰ء) ۔

۲۔ کھان ، نسخہ طبع ۱ و ۲ و ۳ ۔ نسخہ انجمن ”کان“ خلاف اصل ۔ ”اس میں ھے“ نسخۂ انجمن میں نہیں لیکن تینوں نسخوں میں ھے ۔

۳۔ شیر علی افسوس نے ما بین آغاز ۱۲۱۲ھ قبل ۲۸ ربیع الاول ۱۲۱۲ یہ سفر کیا ھوگا ۔ ۱۲۱۵ ھجری میں کلکتے گیا ۔ (فائق)

جمنا

الغرض اس صوبے میں دو دریا بڑے ہیں ۔ ایک جمنا[1] کہ سر چشمہ اس کا معلوم نہیں ۔ اکثر سیاح جہاں گرد خصوصاً وے کے چین سے پہاڑوں کی راہ آتے جاتے ہیں ، ان کی زبانی یوں سنا ہے کہ یہ دریا چین میں سے ہو کر پہاڑوں کو کاٹتا ہوا بش بھر[2] (بسہر) میں پہنچا ہے ۔ کہتے ہیں کہ اس ملک میں سونا بہت ہوتا ہے ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اکثر سنگ ریزے وہاں کے تاثیر پارس

۱۔ (صوبجات متحدہ کی دیسی ریاستیں) تہری (یا تہری گڑھوال) کوہستان ہمالیہ کی ایک چھوٹی ریاست ہے ، گنگا کا منبع گنگوتری اور جمنا کا منبع جمنوتری دونوں اسی کے علاقے میں ہیں ۔

جمنا بجائے خود ایک بڑا دریا ہے جو ۸۶۰ میل تک تنہا بہنے کے بعد الہ آباد پر گنگا سے آ ملا ہے ۔ اس کا منبع بھی تہری گڑھوال کے علاقے میں ایک برفانی چوٹی کے قریب ہے جہاں سے نوے میل تک شوالک کی پہاڑیوں میں پیچ و خم کھانے کے بعد وہ میدانی علاقے میں نمودار ہوتی ہے وہ صوبجات متحدہ اور پنجاب کی سرحد بناتی ہے اور شہر متھرا سے کچھ اوپر مشرق میں مڑ کر صوبجات متحدہ کے اندر بہتی ہوئی گنگا میں جا ملی ہے ۔ اس کے جنوب سے چنبل ندی اور بٹوا (''بیتوایا بتہایا بیوتتی'' صحیح نام دیکھیے آئینہ ہند ص ۲۷) مالوے کی سطح مرتفع اور ارولی پربت کا پانی جمع کرکے لاتی اور اس میں آ ملتی ہیں ۔ ہندوستان کے کئی بڑے شہر یعنی ، دہلی ، متھرا ، آگرہ اور الہ آباد جمنا کے کنارے پر آباد ہیں ۔ (جغرافیۂ عالم حصۂ اول ، مترجم ہاشمی فرید آبادی ، صفحات ۱۶۹ و ۱۷۰) ۔

۲۔ در ولایت '' بشہر '' می رسد (خلاصۃ التواریخ ص ۳۶) ۔

ریاست بُسہر ۔ کوہستانی ریاستوں میں یہ ایک بڑی ریاست ہے ۔ اس کے شمال کو انگریزی ضلع سپتی ، مشرق کو علاقہ چینی تاتار ، جنوب کو ریاست گڑھ وال ۔ ۔ ۔ ۔ (تاریخ مخزن پنجاب ، ص ۱۲۳) ۔

کی رکھتے ہیں ، لوہا تانبا ان کو لگ کر سونا ہو جاتا ہے لیکن پہچانے نہیں جاتے اس واسطے وہاں کے باشندے گھوڑے ٹٹو گائے بیل کے پاؤں میں نعل باندھ کر چرنے کو وہاں کے پہاڑ پر چھوڑ دیتے ہیں ۔ بسا اوقات ان کے نعل سونے کے بن جاتے ہیں ، اور اس ملک کے حاکم کے یہاں نقارے بھی سونے کے ہیں ، پھر اور اشیا اور ظروف کا تو کیا شمار ہے ۔ القصہ دریاے مذکور اس دریا میں سے ہوکر سرمور[1] میں آیا ہے ؛ چناں چہ وہاں کے زمین دار سلاطین ہند کو بلکہ وہاں کے وزرا امرا تلک دریا کی راہ سے برف کشتیوں پر بھیجتے تھے ۔ اسی سبب عوام‌الناس وہاں کے راجا کو ''برفی راجا'' کہتے تھے ؛ پھر وہاں سے پہاڑ پر ہو کر اُس زمین مسطّح پر پہنچا ہے کہ شاہ جہاں نے وہیں اس کے کنارے پر ایک قصرِ عالی شان بنایا ہے بلکہ ہر ایک امیر صاحبِ منزلت نے سوائے ان کے بعضے بعضے اور بادشاہی بندوں نے بھی موافق اپنی قدر و حوصلے کے عمارتیں ستھری دل چسپ بنائیں ہیں ؛ اسی جہت سے وہاں ایک معمورہ مختصر سا لگونہاں بن گیا اور مخلص پور اس کا نام ہوا ۔ چناں چہ بادشاہ اکثر اوقات[2] وہاں سیر کو جاتے اور ایک حظ اُٹھاتے تھے ۔ اُسی مقام سے شاہ نہر کہ آدھی جمنا برابر ہے ، شاہ جہاں آباد میں کاٹ کر لے گئے ہیں اور دریائے مذکور پہاڑ سے اُتر کر اکثر محال کی تازگی کا

۱۔ یہ ایک کوہستانی ریاست ماتحت سرکار انگریزی کے ہے ۔۔۔۔ تمام علاقہ سرمور کا دریائے جمنا کی سطح کے گرد پھیلا ہوا ہے ۔۔۔۔ (تاریخ مخزن پنجاب ، ص ۱۱۰) ۔

۲۔ اوقات ، نسخۂ طبع اول (ص ٦٨) طبع دوم (ص ٤٩) طبع سوم (ص ٥٣) میں ہے ۔ نسخۂ انجمن (ص ٨١) میں '' وقت '' غلط ہے ۔

باعث ہوا ہے ۔ چناں چہ قلعۂ ارک اور کتنے مکان بادشاہی امیروں کے اسی کے کنارے ہیں ۔ پھر وہاں سے متھرا اور گوکل اور بندراین میں پہنچا ۔ یہ دارالخلافت سے پندرہ فرسخ کا عرصہ رکھتے ہیں ۔ پھر اکبر آباد کے تلے گیا ؛ چناں چہ وہاں بھی اکثر عمارات بادشاہی اور امیروں کی حویلیاں لبِ دریا ہیں ۔ بعد اس کے اٹاوے[1] کے شہر و قلعے کے نیچے جا نکلا ؛ پھر کالپی کے متصل گیا ، اس کے بعد اکبر پور میں ؛ چناں چہ عمارتیں راجا[2] بیربل کی اسی کے کنارے پر ہیں اور راجا مذکور شہر مسطور ہی میں پیدا ہوا اور اسی شہر کے تلے دریاے[3] چنبل اور بتیوہ[4] (بیتوا) اور استان (دوسان) سوائے ان کے اور بھی دریاؤ گونڈوانے کی طرف سے جدے جدے آ کر اس میں ملے ہیں ۔ پھر جمنا سلکوسے میں ہو کر الہ آباد کے قلعے کے نیچے گنگا سے آ ملی ۔

۱۔ از پایان شہر و قلعہ اٹاوہ ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۳۷)
افسوس نے '' اٹائے '' لکھا ہے، تصحیح کی گئی ہے ۔ (فائق)

'' ضلع اٹاوا یا اٹایا ، جس کا صحیح نام اسٹکا پوری ہے ، جمنا کے بائیں کنارے آباد ہے '' (آئینہ ہند ، مؤلفہ امید سنگھ ، ص ۱۱۵) ۔

۲۔ اس مقام (نسخۂ اول و دوم و سوم میں) ''راجہ'' یائے ہوز سے لکھا ہے لیکن بعض مقامات پر '' راجا '' الف سے لکھا ہے '' راجا '' برقرار رکھا گیا ۔

۳۔ و دریاے چنبل نزدیک شہر اکبر پور و دریائے بیتوہ و دوسان و دیگر دریا ہا از جانب گونڈوانہ آمدہ بہ تفاوت یک دیگر در جمنا واصل می شوند ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۳۷) ۔

۴۔ تیوہ '' بتیوا ''۔

گنگا

اور دوسرا دریا گنگا[۱] - اس کے بھی سر چشمے سے کوئی واقف نہیں لیکن ہندوؤں کے عقیدے میں یوں ہے کہ گنگا بیکنٹھ سے آتری - شرح اس کی ہنود کی قدیم کتابوں میں ہے اور کیلاس[۲] پربت پر ہو چین کے متصل جا نکلی - چناں چہ فردوسی کے ''شاہ نامے'' میں ہے کہ پتھر کی عمارات سیاوش بن شاہ کے کاؤس

۱- سطح بحر سے ۱۳ ہزار فٹ کی بلندی پر ، برف کی تین سو فیٹ موٹی اور منجمد تہ میں - '' گئو مکھ'' دریائے گنگا کا منبع ہے اور اس مقام کا نام گنگوتری ہے جو صوبہ جات متحدہ کی ایک چھوٹی سی دیسی ریاست تہری گڑھوال کے علاقے میں واقع ہے - اس جگہ کا نام '' بھاگیرتی '' اور تھوڑی دور آگے چل کر جب وہ منصوری کی پہاڑیوں کے پیچھے '' الک نند '' ندی سے مل کر آگے بڑھتی ہے تو اسے گنگا یا از رہ ادب '' گنگا مائی'' کہتے ہیں - '' الک نند '' بھی '' گئو مکھ '' کے قریب ہی کدار ناتھ کے پہاڑوں سے نکلتی ہے جس کی چار سر بہ فلک چوٹیاں تصویر میں برف سے منور نظر آتی ہیں - گنگا کے منبع سے ہردوار تک ۱۸۰ میل کا فاصلہ ہے - جس مقام سے گنگا شاخوں میں بٹی یا اس کا ڈیلٹا شروع ہوتا ہے ، وہ سمندر سے تقریباً تین سو میل کے فاصلے پر ہے - ان میں اس کی مغربی شاخ کا نام ہگلی ہے جو کہ جہازرانی کے واسطے سب سے زیادہ موزوں ہے مگر گنگا کی اصلی دھار کا نام '' پدما '' ہو جاتا ہے اور اسی کا سب سے بڑا دہانہ '' میگھنا '' ہے جہاں '' دریائے برہم پتر '' '' پدما '' سے آ ملتا ہے اور یہاں مل کر ان دونوں کا پاٹ ۲۰ میل عریض ہو گیا ہے ، اگرچہ اس کی گہرائی ۱۰ گز سے زیادہ نہیں ہے (جغرافیہ عالم ، حصہ اول ، مترجم ہاشمی فرید آبادی ، ص ۱۶۷ تا ۱۶۹) -

۲- کیلاش پربت (خلاصۃ التواریخ ، ص ۳۷) -

کی لب گنگ ہیں ۔ پھر وہاں سے کوہستان بدری[1] میں آئی ۔ وہیں ایک احاطہ برف کا ہے کہ ھمانچل اس کو کہتے ہیں ۔ ہندو اپنی کایا کو اسی میں گلانا باعث آخرت کی نجات کا جانتے ہیں ؛ چناں چہ پانڈوں[2] نے جا کر اپنے بدن اس میں گلائے ، لیکن کنارے اس دریا کے اس پہاڑ میں اس قدر بلند ہیں کہ پانی بہ دقت دکھائی دیتا ہے ۔ ناؤ پر آدمی پار نہیں جا سکتے اس واسطے گزارے کی جگہ بڑے بڑے موٹے رسے دونوں[3] کناروں کے درختوں سے مضبوط باندھتے ہیں اور چھینکوں پر ان کے سہارے سے پار اترتے ہیں ۔ غرض بدری ناتھ کی پرستش کو خلائق شہر شہر سے آتی ہے لیکن اس طرح کا طور گزارے کا جو کسی آدمی نے نہیں دیکھا ، بہ سبب اس کے آتے جاتے اس پر نہایت ڈرتے ہیں ۔ بعد اس کے دریاے مذکور بدری ناتھ کے پہاڑ سے بہتا ہوا سری نگر تلے آیا اور وہاں سے رکھی کیش میں جا کر ہردوار کے پہاڑ میں جا نکلا ہے ؛ اگرچہ گنگا سر تا سر ہندوؤں کے مذہب میں پوجنے کے قابل ہے ، علی الخصوص اس مقام کے بیچ ؛ چناں چہ ہر سال بیساکھی کے نہان کو ہر طرف سے ایک خلقت آ کر وہاں جمع ہوتی ہے ، پر جس سال کہ مشتری دلو میں آتی ہے ، زبان ہندی میں اسے "کنبھ" کہتے ہیں ، اس برس دور دور کے لوگ کثرت سے آتے ہیں اور وہاں نہاتے ہیں ۔ حاصل یہ ہے کہ وہاں کا نہانا ، دان پُن اور ناخن لینا ، سر منھ کے بال منڈانا بڑا ثواب جانتے ہیں بلکہ مُردوں کی ہڈیوں کو بھی اس جگہ گنگا

۱- بدری ناتھ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۳۷) ۔

۲- پالڈؤں ، نسخہ طبع ۱ و ۲ میں ہے ۔ نسخۂ طبع سوم میں "پانڈوں" ہے ۔

۳- دونو ۔ نسخہ ۱ و ۲ و ۳ میں یہی املا ہے ، نسخۂ انجمن میں "دونوں" موجودہ املا ۔

میں ڈالنا وسیلہ نجات کا سمجھتے ہیں اور پانی وہاں کا بہ طور تحفے کے بہنگیوں میں ملک بہ ملک پہنچاتے ہیں ۔ لطف یہ ہے کہ مدتوں پانی اُس دریا کا اگر باسنوں میں رہے مطلق نہیں بگڑتا ، کیڑا اس میں کبھو نہیں پڑتا ؛ ساتھ اس کے میٹھا اور ہلکا سارے دریاؤں کے پانی سے ہے ۔ اس پر خوبی یہ کہ ہر ایک کے مزاج کو راس آتا ہے ، یہاں تلک کہ بعضے بیماروں کو شفا بلکہ کتنی مزمن بیماریوں کو فائدہ دوا کا بخشتا ہے ، باوجود اس کے تن درستوں کو توانائی ، تازگی ، معدے کو صفائی قوتِ ہاضمہ کو ترقی دیتا ہے ۔ سوائے ان باتوں کے رطوبت غریزی کو بڑھاتا ہے ، بھوک زیادہ لگاتا ہے ، رنگ لال کرتا ہے اور مزاج بحال ۔ اسی واسطے ہندوستان کے بادشاہ اور اکثر امرا کہیں ہوئیں[1] ہر اسی کا پانی پیتے ہیں ۔ قصہ مختصر یہ دریاو ہردوار سے سادات بارھہ کی بستی میں ہوتا ہوا ہستنا پور کے متصل جا پہنچا ۔ پھر وہاں سے گڈھ مکھ تیسر[2] و انوپ شہر و کرساس[3] و سورون

۱- نسخۂ طبع ۱ و ۲ و ۳ میں ”ہوئیں“ ہے اور نسخۂ انجمن میں ” ہوں “ اصلاح شدہ چھپا ہے ۔

۲- ”گڈھ مکھتیسر “ نسخۂ اول و دوم (ص ۱۷ و ۵۱) اور نسخۂ سوم (ص ۵۳) ” گڈھ مکھیتر “ ہے ۔ صحیح ” گڈھ مکھتیسر “ ۔ خلاصۃ التواریخ (ص ۳۸) میں ” گڑھ مکتیسر“ ۔ ” گڈھ مکتیسر“ ۔ سرکار میرٹھ صوبہ دھلی (آئین اکبری ، ص ۳٦) ۔

گڑھ مکتیشر میں کاتگی میلے کا ھجوم بڑا ھوتا ہے (آئینہ ھند ، ص ۱۰۸) ۔

۳- کرنباس و سورون و بداؤں کہ آمکنہ مشہور است و در قنوج کہ شہر قدیم است رسیدہ رونق افزاے آں دیار می شود و ازاں جا جاری شدہ بعد گزشتن از سیو راج پور (سراج پور) و کھجوہ و مانک پور و شہزادپور و دیگر محال پایان قلعہ الہ آباد می رسد (خلاصۃ التواریخ ، ص ۳۸) ۔

اور بداؤں کے قریب اور وہاں سے قنوج کے متصل ندان شیو راج پور اور کھجوے و مانک پور میں ہوتا ہوا قلعے الہ آباد کے تلے جا نکلا ہے۔ وہاں جمنا بھی کئی دریاؤں سمیت آس میں آ ملی ؛ پھر گنگا[1] چنار گڑھ اور کئی محالوں کے تلے ہوتی ہوئی بنارس کے نیچے جا پہنچی۔ غرض پٹنے کے تلے پہنچتے پہنچتے بہتر دریاؤ اُتر اور دکھن کے پہاڑوں سے جدے جدے آ کر اس میں ملے ، پر نام اسی کا باقی رہا ، مگر پاٹ بہت بڑھ گیا کہ کنارہ[2] وہاں بہ دقت نظر آتا ہے اور برسات میں تو دکھائی ہی نہیں دیتا۔ پھر وہاں سے راج محل و مرشد آباد و میر داد پور و ہجرا ہٹی میں ہوتی ہوئی جہاں گیر نگر[3] کے تلے پہنچی ، ڈھاکہ بھی اسی کا نام ہے۔ بعد اس کے کئی فرسخ جا کر دو حصے ہوئے ، ایک تو شرق رُو جا کر چاٹ گام میں شور دریا سے مل گیا ، نام اس کا پدماوتی ٹھہرا ، دوسرا جنوب کی طرف بہہ کر[4] تین ٹکڑے ہوا۔

۱- لفظ ''جمنا'' کا اضافہ گنگا کے بعد نسخۂ انجمن (ص ۸۳) میں غلط ہے ، تینوں نسخوں میں نہیں ہے۔

۲- کنارہ۔ افسوس نے طبع اول میں اسی طرح لکھا ہے ، نسخہ دوم اور سوم میں بھی یہی صورت رہی۔ نسخۂ انجمن میں ہائے ہوز کو الف سے بدل دیا گیا ہے۔

۳- و ازاں جا بہ جہاں گیر آباد و اکبر نگر (اکبر پور) عرف راج محل و مقصود آباد و میر داد پور و خضرا ہتی گذشتہ پایان شہر جہانگیر نگر می رسد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پدماوتی نام یافتہ بہ نزدیک چات گانوں بہ دریائے شور واصل می گردد ۔ ۔ ۔ ۔ یکے را سرستی و دویمی جمنا و سیومی را گنگا نامند و سویمی ہزار شعبہ شدہ نزدیک بندر سات گانوں بہ دریاے عمان می پیوندد (خلاصۃ التواریخ ، ص ۳۸ و ۳۹)۔

۴- نسخۂ ۱ و ۲ و ۳ میں ''بہہ کر'' ہے ، نسخۂ انجمن میں ''جا کر'' غلط ہے۔

ایک کو سرستی کہتے ہیں ، دوسرے کو جمنا ، تیسرے کو گنگا ۔ پھر اُس کے چھوٹے چھوٹے ہزار سوتے ہو کر بندر چاٹ گام کے نزدیک دریائے عمان[1] میں مل گئیے ۔ بعد[2] اس کے سرستی اور جمنا بھی اس میں آ ملیں ، پر تحقیق یہ ہے کہ گنگا راج محل سے آگے بڑھ کر متصل قاضی ہٹے کے جب پہنچی نام اس کا پدا[3] (پدما) ہوا ؛ وهیں سے ایک سوتا جدا ہو کر مرشد آباد کی طرف گیا ؛ پھر ندیا میں پہنچ ، جلنگی سے مل ، کلکتے کے نیچے ہو ، دریاے شور سے جا ملا ؛ اسی کا نام بھاگیرتی ہے اور پدا[3] (پدما) کہ اصل گنگا ہے ، وہ چاٹ گام میں جا کر سمندر سے ملی ؛ لیکن ڈھاکے سے یہ دریاؤ تین کوس پر ہے ، متصل اس کے بوڑھی گنگا ۔ قصہ کوتاہ چاٹ گام کے دریا تلک پہنچتے پہنچتے گنگا ، جمنا ، سرستی کے ہزار سوتے ہو گئے اور اکثر سیاحوں کی زبانی سننے میں یوں آیا ہے کہ گنگا کے کنارے پر ابتدا سے انتہا تلک بیش تر مٹھ مرد چور ، مفسد ، راہ زن بستے ہیں ۔ وجہ اس کی ایک لطف سے صاحبِ ''خلاصۃ التواریخ'' نے یہ لکھی ہے کہ از بس کہ اس میں نہانے سے گناہ لوگوں کے جسم سے دور ہوتے ہیں ۔ اغلب کے وے ہی بہ طور تناسخ پیکرِ انسانی میں جنم لے کر خلق کو یہاں اذیت

۱۔ '' دریائے عمان '' نسخہ طبع اول (ص ۱۷) یہی املا ہے ۔ نسخۂ طبع دوم (ص ۵۱) اور نسخۂ طبع سوم (ص ۵۵) میں ''دریاے عمل'' ہے ، اسی کی نقل نسخۂ انجمن میں کی گئی ہے (ص ۸۳)۔

۲۔ تینوں نسخوں میں 'بعد' ہے ۔ نسخۂ انجمن میں 'بات' بنا دیا گیا ہے جو غلط ہے ۔

۳۔ نسخہ ۱ و ۲ و ۳ اور نسخۂ انجمن میں '' پدا '' ہے ۔ صحیح '' پدما ہے ''۔

دیتے ہیں۔ فی الجملہ صوبۂ مذکور کی آب و ہوا قریب اعتدال کے ہے اور زراعت اس میں بارانی و سیلابی اور کہیں کہیں کوؤں (کنووں)[1] سے سہ فصلہ ہوتی ہے۔ میوہ بھی ایران و توران تلک کا گوناگوں کثرت سے اور پھول خوش بو اور رنگین طرح بہ طرح کے بہتایت سے ہر فصل میں ہوتے ہیں۔ عمارتیں بھی بڑی بڑی پختہ سنگین و خشتی افراط سے بنتی ہیں۔ صوبۂ اکبر آباد اس کے مشرق کی طرف، صوبہ لاہور مغرب کی طرف، صوبۂ اجمیر جانبِ شمال اور پٹول[2] (پلول) سے اکبر آباد لے کر تا لدھیانہ کنارۂ دریائے ستلج، طول ایک سو ساٹھ کوس کا اور سرکارِ ریواڑی سے کماؤں کے پہاڑ تلک عرض ایک سو چالیس[3] کوس۔ غرض شاہ جہان آباد و سرھند و حصار فیروزہ سہارن پور و سنبھل و بداؤں[4] و ریواڑی و نارنول آٹھ سرکاریں، متعلق ان کے دو سو انتیس محال، آمدنی اس صوبے کی چوہتر کروڑ[5] تریسٹھ لاکھ تیس ہزار[6] دام، اور یہ اصطلاح میں متصدیوں کی پچیس واں حصہ پیسے کا ہے۔

۱- موجودہ املا کنووں۔

۲- نسخۂ اول (ص ۲۷) میں ''پلول'' ہے۔ نسخۂ دوم اور سوم (ص ۵۲ و ص ۵۵) میں ''پٹول'' ہے، نسخۂ انجمن میں بھی ''پٹول'' ہے۔

۳- تینوں نسخوں میں '' ایک سو چالیس'' ہے، نسخۂ انجمن (ص ۸۵) میں ایک سو بیالیس غلط ہے۔

۴- (خلاصۃ التواریخ، ص ۳۹) میں '' بدانوں'' ہے۔

'' سرکار بدانوں سیزدہ پرگنہ یک دستور '' (آئین اکبری، ص ۳۶۹)۔

۵- نسخۂ اول و دوم (ص ۳۷ و ص ۵۲) میں ''ترسٹھ'' ہے، نسخہ سوم (ص ۵۶) تریسسٹھ۔ نسخۂ انجمن تریسٹھ۔

۶- و سی و پنج ہزار دام داخل ایں صوبہ است (خلاصۃ التواریخ، ص ۳۹)۔

افسوس نے تیس ہزار دام ترجمہ کیا ہے اور خلاصۃ التواریخ میں پینتیس ہزار ہے، صحیح بیان سجان رائے کا ہے۔ (فائق)

صوبۂ (مستقر الخلافۃ)[1] اکبر آباد

آگرہ ایک گاؤں پرگنہ بیانہ کے متعلقات سے تھا۔ سلطان سکندر لودی نے اس مکان کو پُر فضا دیکھ کر تخت گاہ مقرر کیا اور ایک شہر نہایت خوب بسایا۔ اُس کے بعد بادل گڑھ[2] مشہور ہوا، پھر شاہ جلال الدین اکبر نے ممالک محروسہ کا بیچوں بیچ سمجھ کر ایک قلعہ نہایت مستحکم بنایا۔ ساتھ اُس کے شہر بھی نہایت وسیع و خوش اسلوب، پُر عمارت بسایا۔ سچ تو یہ ہے کہ کسی جہاں دیدہ نے قلعہ اس متانت کا اور شہر اس وسعت کا نہیں دیکھا۔ جمنا چارکوس تلک شہر کے درمیان بہتی ہے، دونو (دونوں) طرف عمارتیں عالی شانؒ اور رنگ بہ رنگ کے مکان، خدا کی قدرت کا تماشا دکھاتے ہیں۔ باوجود اس کے اشخاص ہر قوم کے اور باشندے ہر ملک کے کثرت سے مجتمع۔ علیٰ ھذاالقیاس اجناس و اشیا بھی ہفت اقلیم کی جیسی چاہیے ہر وقت بہتایت کے ساتھ موجود، بھانت بھانت کے میوے ہر شہر و ولایت کے اور

۱۔ "صوبہ دارالخلافت آگرہ"۔ آئین اکبری میں اکبر آباد نام نہیں آیا ہے، اس کے بعد موسوم ہوا، دیکھیے آئین اکبری (صفحہ ۳۵۶)۔

۲۔ پس ازاں آں شہر بہ بادل گڈھ مشہور گشت (خلاصۃ التواریخ، ص ۳۹)۔

ترجمہ یہ ہے :۔ اُس کے بعد بادل گڈھ مشہور ہوا۔

ضمیر کا حوالہ نہ دے کر افسوس نے ابہام پیدا کر دیا ہے۔ "وہ شہر" یا "یہ شہر" چاہیے تھا تاکہ اشتباہ دور ہو جاتا (فائق)۔

رنگ به رنگ کے پھول ہر فصل میں به خوبی بہم پہنچتے ہیں۔ پروہاں کے خاص میووں میں خربوزہ نہایت شیریں و خوش مزہ و خوش بُو[1] ہوتا ہے لیکن کچھ چھوٹا ، اسی واسطے اکبر آباد کی جالی مشہور ہے۔ پان بھی وہاں کا نازک تر ساتھ عطریت کے ! سوائے اس کے اشیا بھی انواع و اقسام کی لطیف و اعلا بنتی ہیں[2]۔ کاری گر بھی اپنی اپنی صنعت میں کامل موجود ، خصوصاً کار چوب یہاں کا سنہری رپہری (رُپہلی) نہایت چوکھا اور جگ مگا ہوتا ہے ۔ بنا بر اس کے اکثر سوداگر کارچوبی تھان اور چیرے خرید کر ملک به ملک لے جاتے ہیں اور انتفاع اکثر اٹھاتے ہیں ۔ قصه مختصر شہر مذکور نہایت آباد اور با رونق ہے ؛ مزار بھی اس میں علما و اولیا کے اکثر ہیں اور مقبرہ محمد اکبر بادشاہ و شاہ جہاں کا قریب اس کے نہایت اسلوب و نمود کے ساتھ ہے ۔

بیانه[3]

قدیم زمانے میں ایک بڑا شہر تھا اور قلعه بھی اس کا نہایت مضبوط و محفوظ ۔ اگلے وقت میں گنه گار بندی دانوں کو وہیں رکھتے تھے ۔ مہندی وہاں کی نپٹ رنگین اور آم بھی بہت بڑا وزن میں قریب ایک سیر کے ۔

۱۔ اصل نسخه میں ''خوشبو'' ہے ، انجمن کے نسخے میں ہر جگه ''خوش بو دار'' ہے ۔

۲۔ اصل نسخے اور نسخه دوم میں '' بنتی ہے '' غلط ہے ۔ نسخۂ سوم میں '' بنتی ہیں '' صحیح ہے ۔

۳۔ نسخۂ اول و دوم میں ''بیانا'' الف سے ہے ۔ سرکار آگرہ بیانه وغیرہ سی و سه محل ، یک دستور (آئین اکبری ، ص ۴۵۶ ، طبع کلکته) ۔

سیکری[1]

سیکری ایک گاؤں ہے اسی کے علاقے کا اکبر آباد سے بارہ کوس پر۔ اکبر بادشاہ نے شیخ سلیم چشتی کے فرمانے سے وہاں ایک قلعہ سنگین بنایا ۔ ساتھ اس کے عمارتیں اچھی اچھی ، خانقاہیں خوب خوب ، مسجدیں پاکیزہ پاکیزہ بنائیں ۔ پھر فتح پور اس کا نام رکھ کر دارالسلطنت مقرر کیا ۔ متصل اس کے ایک بڑا تالاب ہے دو کوس کے پھیر میں ۔ کنارے پر اس کے ایک بڑا ایوان و ایک مینار عالی شان ؛ علاوہ اس کے ایک مکان ہاتھی لڑانے کا بہت بڑا اور چوگان گاہ نپٹ پُر فضا ، قریب اس کی سنگ سرخ کی کھان ؛ چناں چہ ستون اور چٹانیں ، سوائے ان کے عمارات کے لوازم جس قدر اور جتنے اندازے کے درکار ہوں ، وہاں سے نکل سکتے ہیں ۔

گوالیار[2]

نامی قلعہ ہے ۔ آب و ہوا اس کی نہایت خوب ، استواری مضبوطی بھی نپٹ مشہور با اسلوب ۔ سلطنت کے جو زندانی قابل حفظ کے ہوتے تھے ان کا ٹھکانا وہیں تھا ۔ باشندے وہاں کے بہ مرتبہ زبان آور ، گویے ، نہایت با اثر اور محبوب دل ربائی میں خوب چالاک اور قیامت کے بے باک ہوتے ہیں ۔ مزار شیخ محمد غوث کا بھی وہیں ہے ۔ کہتے ہیں کہ شیخ مذکور اپنے عہد کے صاحب کمالوں میں ممتاز تھا اور تسخیر مریخ اس کے عمل میں تھی ۔

۱- فتح پور عرف سکری (سرکار دارالخلافت آگرہ) (آئین اکبری ص ۳۵۶) ۔

۲- سرکار گوالیار ، سیزدہ محل ، یک دستور ۔ (آئین اکبری ، ص ۳۵۸) ۔

کالپی[1]

ایک شہر ہے جمنا کے کنارے۔ بہت سے صاحب کمال درویش اس سر زمین میں بھی آسودہ ہیں۔ ساتھ اس کے مشہور ہے کہ بھیم کے تودے کے غار میں وہاں فیروزے اور تانبے کی کھان ہے لیکن مداخل و مخارج اس کے برابر ہیں، پر گرمی اپنے موسم میں وہاں حد سے زیادہ پڑتی ہے، یہاں تک کہ اس کے اطراف میں بیش تر بادِ سموم چلتی ہے۔ اکثر راہ رو اس کی حدّت سے تونس کر اذیت پاتے ہیں بلکہ بعضے تو مر ہی جاتے ہیں۔ اسی ڈر سے وہاں کے باشندے اس رُت میں بیش تر گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں، پھرتے چلتے نہیں مگر بہ ضرورت گرمی کا وقت ٹال کر۔ مصری بھی وہاں کی بلادِ ہند میں مشہور ہے۔

متھرا[2]

متھرا قدیم بستی ہے اسی دریا کے کنارے پر۔ کنھیّا کی پیدایش وہیں ہوئی ہے اور ہندوی کتابوں میں بزرگی اور برتری اس طبقے کی بہت لکھی ہے۔ فی الواقع ہندوؤں کا بڑا تیرتھ ہے۔ آغاز آفرینش سے اس کو پرستش گاہ جانتے ہیں۔ ٹھاکر وہاں کا عالم گیر کے وقت میں کیشو رائے تھا؛ چناں چہ بادشاہ نے اس کے مندر کو توڑ کر وہیں ایک مسجد بنائی ہے اور عبد النبی خاں فوج دار نے وسطِ شہر میں ایک مسجد عالی[3] بنا کر

۱۔ سرکار کالپی، شانزدہ پرگنہ، یک دستور۔ (آئین اکبری، ص ۳۵۸، طبع کلکتہ)۔

۲۔ متھرا، سرکار دارالخلافت آگرہ (آئین اکبری طبع کلکتہ، صفحہ ۳۵۶)۔

۳۔ نسخۂ ۱ و ۲ و ۳ میں ''مسجد عالی'' ہے۔ نسخۂ انجمن میں لفظ ''شان'' زائد ہے۔

دنیا میں نام کیا اور عاقبت میں ثواب لیا۔ سوائے اس کے بسرانت میں دریا کے کنارے سے اندر تلک کئی سو سیڑھیاں سنگین و پختہ بنائیں، چناں چہ جیٹھ بیساکھ میں بھی کچھ اوپر سو پانی میں ڈوبی رہتی ھیں، بہ سبب اس کے زینت گھاٹ کی بڑھ گئی اور نہانے والوں کو راحت حد سے زیادہ ھوئی۔ حاصل یہ ھے کہ ھندوؤں کو بھی راضی کیا اور شہر مذکور میں نیک نام ھوا۔

قنوج[1]

قدیم شہر ھے گنگا کے کنارے، نپٹ خوش آب و ھوا۔ میوہ بھی وھاں کا اکثر خوب و بامزہ ھوتا ھے۔ بلھور[2] کہ ایک پرگنہ سرکار مذکور کا ھے، اس کے تعلقے کا ایک قصبہ مکن پور، درگاہ سید بدیع الدین عرف شاہ مدار کی وھیں ھے۔ اکثر لوگ اس کو[3] مانتے ھیں، خصوصاً عوام بیش تر ارزال، اور فقیر بھی اس گھرانے کے ایسے ھی کچھ اکثر جاھل۔ سلسلہ ان کا آزادوں کے نزدیک درست نہیں اور بانا اس بزرگ کا انھی سفیھوں نے سیاہ مقرر کیا؛ چناں چہ سنہری علموں میں سیاہ پٹکے باندھ کر دوم دوم کرتے ھوئے گلی گلی لیے پھرتے ھیں، خصوصاً جمادی الاول میں تو نہایت شورش مچاتے ھیں۔ سوائے اس کے ھر سال دور دور

۱۔ سرکار قنوج، پنج دستور، حویلی قنوج وغیرہ یازدہ محل یک دستور حویلی قنوج، بارا، بٹھور، بلھور، بلگرانو، ویوھار، سکندر پور، میسولی، میسو نرکہ، ملکوسہ، نانامؤ (آئین اکبری، ص ۳۵۷ طبع کلکتہ)۔

۲۔ بلھور، نسخہ ۱ و ۲ و ۳ میں یہی املا ھے۔ نسخہ انجمن میں ”بڈھور“ غلط ھے۔ (خلاصۃ التواریخ، ص ۳۰) میں بنھور ھے۔

۳۔ نسخہ ۱ و ۲ و ۳ ”اس کو“ ھے۔ نسخہ انجمن میں ”ان کو“ ھے۔

کے لوگ زن و مرد کثرت سے لیکن بیش تر پاجی ، رجالے ، مداریے فقیروں سمیت ، ھاتھوں[1] میں ان کے وے ھی علم ، ربانے بجاتے ہوئے بڑی دور سے قصبۂ مذکور کو چلتے ھیں ۔ اسی مجمع کا نام چھڑی ھے اور میدنی بھی اسی کو کہتے ھیں ، دھر جائیے یا نہ جائیے ۔ قصہ کوتاہ ماہ مسطور میں اس بزرگ کے مزار پاس کئی دن جمع رھتے ھیں ۔ قسم قسم کی نذریں نیازیں چڑھاتے ھیں ۔ جب سترھویں تاریخ قل ھو چکتا ھے ، تب اپنے اپنے وطن کو روانہ[2] ہوتے ھیں اور اس امر کو حج و عمرے سے بہتر سمجھتے ھیں ۔ ھر چندکہ یہ چلن ایک مدت سے چلا آتا ھے پر بانی اس کا سوائے بکھیڑیے اور بھگلیے[3] کے کوئی نہیں ٹھہرتا ۔ ساتھ اس کے جاھل و پاجی بھی وہ مقرر ھوگا ، آثار اس دنگل کے اس پر دال ھیں ؛ اگرچہ شیخ مذکور کی نیکی بدی ان امور سے ثابت نہیں ھوتی لیکن قاضی نور اللہ سوستری (شوستری) رحمۃ اللہ علیہ نے مجالس المومنین میں امامیہ مذھب اس کو لکھا ھے ، العلم عند اللہ ۔ قصہ مختصر اس صوبے میں بھی دریا وھی عمود کے ھیں ۔ ایک تو جمنا جس کا احوال سابق لکھنے میں آیا ، دوسرا چنبل کہ اکبر آباد سے آٹھ کوس کے فرق سے ھوتا ھوا بھداور و سرکار ایرج کے محال سے گزرتا ھوا اکبر پور کہ متعلق کالپی کا ھے ، وھاں پہنچ کر جمنا سے جا ملا ، لیکن دریاے مذکور کی برآمد کا مقام مالوے کے متعلقات سے ھے ، یعنی خاص پور ۔ غرض گھاٹم پور اس صوبے کے پورب طرف

۱۔ نسخہ ۱ و ۲ و ۳ میں ''ھاتھو'' بغیر نون کے ھے ۔

۲۔ نسخہ ۱ و ۲ و ۳ میں ''روانہ'' کو ''روانا'' لکھا ھے ۔

۳۔ بھگلیے ۔ نسخہ ۱ (ص ۷۶) ، نسخہ ۲ (ص ۵۵) نسخہ ۳ (ص ۵۸) ۔ نسخۂ انجمن میں بگلیے غلط ھے ۔

گنگا اُتر رخ ، چندیری دکھن طرف ، پلول پچھم رخ ۔ طول صوبہ مذکور کا گھاٹم پور الہ آباد کے متعلق سے لے کر تا پلول کہ شاہ جہاں آباد کے عملے سے ہے ، ایک سو ستر کوس اور عرض قنوج سے تابہ چندیری کہ وہ مالوے کے مضافات سے ہے ، سو کوس ۔ القصہ سرکار اکبرآباد و باڑی و الور و تجارہ و ایرج و کالپی و سوروں[1] و قنوج و کول بڑودہ[2] منڈلاور[3] گوالیار وغیرہ چودہ سرکاریں ، متعلق ان سے دو سو ارسٹھ محال آمدنی[4] آٹھ کروڑ اٹھارہ لاکھ بینسٹھ ہزار آٹھ سو دام لیکن برسوں سے سرکار قنوج صوبہ اودھ میں داخل ہے ۔

ڈیک کنبھیر[5]

بھرت پور بھی گویا صوبہ اکبر آباد کے متعلقات سے ہیں ۔ اٹھارہ اٹھارہ یا اُنیس اُنیس کوس کا فاصلہ ان سے اور شہر مذکور سے ہے ۔ قلعے ان کے نہایت محفوظ و کلاں ، ساتھ اس کے اسباب جنگی اور ذخیرے ہر ایک میں اس بہتایت کے ساتھ کہ سال ہاے سال قلعے والے محتاج ان امور کے نہ ہوں ، خصوصاً بھرت پور میں ، بالفعل وہی رنجیت سنگھ کا مسکن ہے ۔ قلعہ مذکور سب سے زیادہ مضبوط

۱۔ سوروں (خلاصۃ التواریخ ، ص ۳۰)۔

۲۔ برود (خلاصۃ التواریخ) ۔

۳۔ تداور ، (خلاصۃ التواریخ ، ص ۳۱) ۔

۴۔ و نود وہشت کرور و ہژدہ لک و شصت و پنج ہزار و ہشت صد دام داخل ایں صوبہ است (خلاصۃ التواریخ ، ص ۳۱)۔

افسوس نے اٹھانوے کروڑ کی جگہ آٹھ کروڑ لکھا ہے جو خلاف اصل کتاب ہے ، اس لیے آٹھ کروڑ غلط ہے، صحیح اٹھانوے کروڑ ۔ (فائق)

۵۔ افسوس نے ” ڈیک کنبھیر “ اضافہ کیا ہے ، خلاصۃ التواریخ میں نہیں ہے ۔

و محکم ؛ چناں چه اس کے گرد کی کھائی ایک چھوٹی سی ندی ھے
که ناؤ اس میں چلے۔ سوائے اس کے اور اسباب اور آثار حفاظت کے
بہت سے ھیں ، پر وسعت میں ڈیک[1] کا قلعه اُس سے زیادہ ھے
لیکن مستحکم و محافظ ایسا نہیں ؛ چناں چه ذوالفقار الدوله نجف خاں
میر بخشی نے بھی نول سنگھ کی لڑائی مار کر اس کو چھین
لیا تھا لیکن بھرت پور کا اراده نه کیا بلکه ٹال دیا ۔ بنا ان کی
راجا بدن سنگھ[2] سورج مل جاٹ کے باپ سے شروع ھوئی اور اس
امر کی ترغیب راجا جے سنگھ[3] جے پور والے نے اس کو دی
بلکه موجب اس کی ترقی کا بھی کچھواھوں ھیں[4] (ھی) کا خاندان
پڑا ۔ چناں چه ایسری سنگھ نے محمد شاہ فردوس آرام گاہ سے ایک
لاکھ چالیس ہزار رپے پر میوات کا بھی اس کو اجارہ کروا دیا ؛
سوائے اس کے ملکی مالی ھر امر میں اس کا مددگار تھا ۔ وجه اس
کی یه ھے که جے نگر کے راجاؤں نے جاٹوں کو اپنا سد راہ
ٹھہرایا ، تالیف قلوب کے لیے آپ بھی اُن سے به سلوک پیش آتے
تھے اور حضور اعلا سے بھی رعایتیں کرواتے تھے ۔ پھر تو
دولت ان کی دن به دن بڑھنے لگی اور ریاست رونق پکڑنے ۔
بدن سنگھ نے اپنے جیتے جی سورج مل کو مختار کیا اور آپ
الگ ھو بیٹھا ۔ اُس نے اس سے زیادہ گڑھوں کی تیاری کی اور
شہروں کی آبادی کو ترقی بخشی ، سپاہ کے احوال پر بہت متوجه

۱۔ ''ڈایک کا قلعه''، نسخه اول اور دوم میں یہی ھے لیکن نسخه سوم میں ''ڈایک قلعه'' ھے ۔ صحیح ''ڈیک'' ھے ۔ (فائق)

۲۔ املا تینوں نسخوں میں '' بدن سنگ '' ھے لیکن صحیح '' بدن سنگھ '' ھے ۔

۳۔ ''جے سنگ'' کا املا بغیر ھائے مخلوط ھے ۔ صحیح ''جے سنگھ'' ھے ۔

۴۔ سب نسخوں میں ''ھیں'' ھے ، موجودہ املا '' ھی '' ھے ۔

ہوا ، ہر ایک رسالے دار سردار سے بیش تر سلوک کیا ؛ بنا بر اس کے اکثر کار ہائے عمدہ اس کے ہاتھ سے نکلے بلکہ بعضے بت باہری کام اس نے کیے ؛ چناں چہ نواب ذوالفقار جنگ سید صلابت خاں میر بخشی پر غالب ہوا اور نواب حکیم خاں سا بہادر اس معرکے میں مارا گیا ۔ غرض ان کی ریاست کو جو ایک مدت رہنا ہے ، بہ سبب اس کے سوائے راجا رتن سنگھ کے جو ہوا سو مدبّر اور شجاع ، پر راجا مذکور کچھ بودا نہ تھا مگر عیاش اور غافل ، اسی سبب سے روپانند کیمیا گر کے ہاتھ سے کشتہ ہوا ۔ قصہ مختصر شورشیں اور شرارتیں تو یہ اورنگ زیب کے وقت سے کرتے تھے ؛ چناں چہ زور آور سنگھ اکبر آباد و شاہ جہاں آباد کے قافلے اکثر لوٹ لے جاتا تھا اور مسافروں بے چاروں کو اقسام کی ایذائیں پہنچاتا تھا ؛ سیسنی کی نواح میں ایک گڑھی بھی اس نے اپنے حفظ کے لیے نہایت مستحکم بنائی تھی ۔ اُس کے اڑتلے سے فوج بادشاہی سے بھی کتنے دنوں لڑا ۔ چناں چہ اکبر آباد کے ناظم نے ہرچند اس کے لینے کا قصد کیا پر کچھ نہ ہو سکا ، لاچار دست بردار ہوا ۔ آخر شاہ زادۂ بیدار بخت نے آ کر تین مہینے تک اس کا محاصرہ کیا ۔ جب ذخیرہ نبڑ چکا تب زور آور سنگھ شاہ زادے کی خدمت میں دست بستہ حاضر ہوا بلکہ ہم راہ اس کے دکھن گیا ۔ اورنگ زیب بس کہ اُس کے ہاتھ سے بہ تنگ تھا ، توپ کے منہ دھر کے اڑا دیا ، پھر جاٹوں نے اپنا رئیس راجہ رام کو مقرر کیا۔ قصہ کوتاہ بنیاد ان کی عالم گیر کے وقت سے بندھی ، پھر جوں جوں سلطنت ضعیف ہوتی گئی یہ قوت پکڑتے گئے ؛ چناں چہ اب تلک کہ شاہ عالم کا اٹھتالیس (اڑتالیس) واں سن جلوسی ہے ، راجا رنجیت سنگھ سورج مل کا بیٹا اسی قوت و تسلط کے ساتھ اپنے ماکوں پر محیط ہے ۔

صوبۂ خوش سواد الہ آباد[1]

ہندوی نام اس کا پراگ ہے ، اکثر ہندو تربینی بھی کہتے ہیں - جلال الدین محمد اکبر نے گنگا جمنا کے بیچ ایک قلعہ سنگین و محکم ، مکانات بھی اس میں متعدد و دل چسپ و مستحکم بنا کر ایک شہر بھی خوش سواد وہاں بسایا ، نام اس کا اللہ باش[2] رکھا - پھر شاہ جہاں نے مسمی بہ الٰہ آباد کیا اور ان دونوں دریاؤں نے قلعے کی جانبِ شرق کے متصل اتصال پایا ہے اور ایک سوتا بھی قلعے سے نکل کر ان میں آ ملا ہے - بنا بر اس کے نام اس (سکان) کا

۱- صوبہ الہا باس مشتمل بر نُہ سرکار ، پانزدہ دستور العمل دارد (آئین اکبری ، ص ۳۴۸ ، طبع کلکتہ) صوبۂ الہ آباد - از اقلیم دوم دراز از سنجھولی جون پور تا جنوبی، کوہ صدو شصت کروہ پہنا از گذر چوسا تا گھاتم پور صدو بیست و دو - - - الہ آباد پیشیں نام پیاگ - گیتی خداوند بداں نام روشناس گردانید (آئین اکبری ، ص ۴۲۳) -

''خلاصۃ التواریخ'' کے مصنف نے شاہ جہاں کی طرف سے الہ آباد نام رکھنا نقل کیا ہے اور اکبر کا رکھا ہوا نام '' الہ آباش '' ظاہر کیا ہے لیکن '' آئین اکبری'' کے اس نسخے میں '' الہ آباد '' نام اکبر کا مجوزہ ابو الفضل نے ظاہر کیا ہے - شیر علی افسوس نے ترجمہ کر دیا ہے ؟ (فائق)

۲- '' الہ آباش '' موسوم فرمودند و حضرت شاہ جہاں بادشاہ در خلافت خود بہ ''الہ آباد'' مامور فرمودند (خلاصۃ التواریخ ، ص ۴۱)

تربینی[1] ٹھہرا ۔ اور اس سوتے کو ہندو سرستی کہتے ہیں لیکن کتب ہندی میں یہ نہیں لکھا ہے کہ سرستی یہاں سے نکلی ہے۔ سوائے اس کے قلعے میں ایک درخت ہے ، اس کو اکھے بڑ[2] کہتے ہیں ، معنی اس کے پائےدار ؛ اور ہندی کتابوں سے یہ بھی دریافت ہوتا ہے کہ قیام درخت مذکور کا قیامت تلک ہے ۔ چناں چہ نورالدین محمد جہاں گیر نے اس کو کٹوا کر ایک توا لوہے کا بہت بھاری اس مقام پر رکھوا دیا تھا ۔ چند روز کے بعد وہ درخت پھر پھبکا اور اس توے کو توڑ کر باہر نکلا ۔ حاصل یہ ہے کہ ہندو اس کو بڑا تیرتھ بلکہ پرستش گھوں کا پادشاہ[3] جانتے ہیں ۔ جب کہ سورج مُکر کا ہوتا ہے یعنی جدی میں آتا ہے ، گروہ گروہ زن و مرد نزدیک دور سے آ کر وہاں جمع ہوتے ہیں ۔ ایک مہینے تلک روز نہاتے ہیں اور اپنی ہوت کے موافق دان پُن کرتے ہیں ۔ سوائے اس کے سرکار والا میں بھی ہر شخص کچھ رپے داخل کرتا ہے ؛ علاوہ اس کے ہنود از بس کہ وہاں کے مرنے کو بہتر سمجھتے ہیں ، اسی سبب زمانۂ سابق میں بعضے تو نجات آخرت کے لیے ، کتنے اس امید پر کہ کسی راجا راؤ کے یہاں جنم لیویں ، جیتے جی اپنے تئیں آرے[4] سے چرواتے تھے ۔ شاہ جہاں صاحب قران ثانی

۱۔ ''بدیں جہت ایں مکان را '' تربینی '' نامند ، یعنی اتصال سہ دریا ۔ اما در کتب ہند بر آمدن سرستی ازاں جا مندرج نیست'' (خلاصۃ التواریخ ، ص ۳۱) ۔

۲۔ اکھی بر ۔ (خلاصہ ، ص ۳۱)

۳۔ 'پادشاہ' نسخۂ اول اور دوم میں ہے ۔ نسخہ سوم 'بادشاہ' ۔

۴۔ ارّے ، نسخہ اول (ص ۸۰) ۔ 'ارے' نسخہ دوم (ص ۵۷) ۔ ' آرے ' نسخۂ سوم (ص ٦۱) ۔

کے وقت سے یہ عمل موقوف ہوا[1] ۔ لیکن قلعہ شاہ عالم بادشاہ کے چوالیس سن جلوسی میں صاحبان انگریز نے توڑ کر اس اسلوب کے ساتھ بنایا کہ اس کا نقشہ ہی اور ہو گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ آگے قابل بزم تھا ، اب لائق رزم ہوا لیکن یہ معمورہ آگے نہایت آباد تھا ؛ چناں چہ اس میں بارہ دائرے تھے ، اب تلک بھی کئی موجود ہیں لاکن وہ عالم کہاں ''شرف المکان بالمکین'' اور دائرہ وہاں کے باشندے خانۂ فقرا کو کہتے ہیں پر اس کے محوطے میں مکانات متعدد ہوتے ہیں بلکہ بیش تر ۔ مسجد و خانقاہ بھی اس میں دیکھی ہے ؛ چناں چہ شاہ خوب اللہ کا دائرہ نہایت وسیع و کلاں اور مشہور جہاں تہاں ہے ۔ پس معلوم ہوا کہ علما و مشائخ بھی یہاں مدت سے رہتے ہیں لیکن ''خلاصۃ الہند'' کے مؤلف[2] نے جزو احوال آن کا قلم انداز کیا اور مطلق نہ لکھا ، اغلب کہ اس کو خبر نہ ہوئی کہ یہاں بھی اہل اللہ موجود ہیں کیوں کہ اکثر صوبوں کے فقرا و مشائخ کا احوال اس نے ثبت کیا ہے ، پھر صوبۂ مذکور کے فقرائے مشاہیر کے حالات کی تحریر سے کیوں کر ہاتھ اٹھاتا ۔ چناں چہ حاویٔ فضائل صوری و معنوی شیخ محمد افضل الہ آبادی و عباسی و نقش بندی کی وفات گیارہ سے چوالیس ہجری میں ہوئی

۱۔ افسوس نے اس مقام سے اضافہ کیا ہے ۔ ''خلاصۃ التواریخ'' کا ترجمہ ''موقوف ہوا'' تک ہے ۔ صفحہ ۱۲۱ سے صفحہ ۱۲۷ تک مسلسل عبارت افسوس کی ہے ۔ آخری عبارت یہ ہے :

''والا لکھنے میں آتا''۔

اس کے بعد بنارس کا ذکر ہے جو ترجمہ ''خلاصۃ التواریخ'' ہے ۔ دیکھیے ص ۹۹ ، آرائش محفل ۔ (فائق)

۲۔ نسخۂ اول (ص ۸۱) میں ''مؤلوف'' غلط چھپا ہے ۔ نسخۂ دوم اور سوم میں 'مولف' ہے ۔

اور تالیف اس کتاب کی سن گیارہ سَے سات میں ۔ قصہ مختصر شاہ صاحب مرحوم شیخ مغفور کا حقیقی بھتیجا اور داماد تھا، بعد اس کے سجادہ نشین بھی ہوا ۔ نہالِ استعداد تو اس کا بارہ ہی برس کی عمر میں عمِّ بزرگ وار کے آبِ تربیت سے سرسبز ہو چکا تھا اور بحث حال کافیہ سے اس صاحب حال نے رنگ کچھ اَور پکڑا تھا ۔ غرض انتہائے تحصیل تلک شیخ کی خدمت میں رہا اور اس کی صحبت سے فائدہ اٹھایا ۔ آخر نعمت کثیر اس کے ہاتھ آئی اور شان عظیم بہم پہنچائی، یہاں تک کہ لآلیٔ پند و نصائح طالبوں کو ہمیشہ عنایت کرنے لگا اور جواہر کلام سے دامن خواہش مندوں کے مدام بھرنے لگا ۔ اکثر علوم میں کتابیں اُس نے تصنیف کیں اور بہت سے رسالے لکھے، طلبہ بھی اُن سے بہرہ مند ہوئے ۔ آخر سن گیارہ سَے چوالیس ہجری میں اس سرائے فانی کو تجا اور رستا دار البقا کا لیا، مدفون بھی شہر مذکور کے بیچ چچا کے پہلو میں ہوا ۔ بعد اس کے اَور بھی اشخاص اس بزرگ کے اقربا اور فرزندوں میں صاحب کمال، علم ظاہری و باطنی سے مالا مال ہوئے ۔ چناں چہ خلاصۂ محققین شاہ غلام قطب الدین جامع معقولات و منقولات تھا بلکہ شاعر غرا و سخن دان بے ہمتا ۔ دیوان فارسی اُس کا نہایت مربوط و مضبوط ہے، ساتھ اس کے کتنی مثنویاں بھی علیٰ ہذا القیاس، خصوصاً ''نان و حلوے'' کے جواب میں وہ مثنوی کہ مسمی بہ ''نان و قلیہ'' ہے، مزا اس کا ذائقۂ فہمید[1] جن کا درست ہے، وے جانتے

۱۔ نسخۂ اول (ص ۸۲) میں ''فہمیذ'' ہے ۔ نسخۂ دوم (ص ۵۹) نسخۂ سوم (ص ٦۳) میں 'فہمید' ہے اور نسخۂ انجمن (ص ۹۵) میں ''فہمیدہ'' ہے ۔ صحیح '' فہمید'' ہے ۔

هیں اور رتبه بهی اس کا وے هی پہچانتے هیں ۔ فی الواقع جیسے ''نان و حلوے'' کے اشعار سراسر شیریں هیں ، ویسی هی اس کی ابیات سر تا پا با مزه و نمکین ۔ قصه مختصر یه بزرگ جن دنوں شاه عالم بادشاه شہر مذکور میں رونق افزا تھا[1]، انهی دنوں حج کو گیا ، آخر اماکن مشرفه کے اهل قبور سے سن گیاره سے ستاسی هجری میں واصل هوا ۔ فقیر نے بهی صغیر سن میں اس بزرگ کو دیکھا هے ؛ فی الواقع که جمیع صفات سے موصوف تھا بلکه اس خاندان میں اکثر اشخاص صاحب اخلاق و علم فضل میں برگزیدۂ آفاق هوئے لیکن تعصب جناب آئمۂ اطهار علیهم السلام سے هر ایک کو به درجۂ اتم تها ۔ الا زید[2] اهل الله کمل شاه محمد اجمل که بالفعل سجاده نشین هے ، اس کو مطلق نہیں بلکه محبت حضرات کی اس کے اطوار سے هویدا هے اور اشعار سے پیدا ۔ حق تعالی اس کو سلامت رکھے که اهل کمال کا هونا اس عصرمیں نہایت غنیمت هے اور طالبوں کے لیے ایک نعمت ۔ غرض یه ممدوح صاحب دیوان فارسی و هندی هے اور وه دونوں فصاحت کے مخزن اور بلاغت کے معدن هیں ۔ هرچند که دیوان ریخته چھوٹا هے پر رتبے میں کہیں بڑا ۔ مؤلف کو اس سراپا امتیاز کی خدمت میں ایام طفلی سے نیاز دلی و رسوخ قلبی هے ۔ اور وجه معاش اس کی وهی هے جو اس کے بزرگوں کی

۱۔ شاه غلام قطب الدین مصیبب کا سال رحلت ۱۱۸۷ هجری هے اور شاه عالم ثانی نے ۱۱۸۴ھ کے آخر میں اله آباد سے روانگی فرخ آباد کی طرف کی ۔ اگر افسوس کی یه روایت صحیح مان لیں تو اس سے ۱۱۸۴ھ یا اس سے قبل مصیبب کا سفر حج کرنا ثابت هوتا هے ۔

۲۔ ۔ نسخۂ اول و دوم و سوم میں ''زید'' هے ۔ نسخۂ انجمن میں '' زاهد '' غلط هے ۔ (غالباً لفظ ''زبده'' هوگا ۔)

گزران کے واسطے سلاطین و حکام نے معین کی تھی بلکہ بہت دنوں سے کچھ کم ہو گئی ، مگر صاحبان عالی شان نے جتنی تھی اس کو جاری رکھا۔

بیت

غنیمت ہے جو کچھ اب بھی ہے دن گزرے فراغت کے
کرو گے یاد اک دن تم یہی ایاّم عُسرت کے

اور انھیں میں سے ایک دائرہ سید شاہ ظہور محمد کا ہے ۔ ہرچند کہ محوطہ اور مکانات اس کے کچے ہیں ، ساتھ اس کے چھوٹا بھی ہے لیکن وہ مرحوم اپنے کام کا پکّا اور درویشی کے چلن میں بہت بڑا بلکہ یکتا تھا ۔ ریاضت میں کامل ، مدام شاغل ، نماز معکوس بھی اکثر پڑھا کرتا ؛ سوائے اس کے اور بھی کڑی کڑی عبادتیں کیا کرتا ، حقّا کہ اپنے معاصرین میں بے نظیر وہ صاحبِ تاثیر تھا۔ چناں چہ فقیر نے بھی ایک نقل اس کی کرامت کی اپنے والد سے سنی اور وہ یہ ہے کہ جب نواب عمدۃ الملک امیر خاں بہادر مرحوم کو محمد شاہ فردوس آرام گاہ نے صوبۂ مذکور عنایت کیا اور وہ عالی منش بعد نادر شاہی کے وہاں رونق افزا ہوا ، تھوڑے دن گزرے تھے کہ نواب مغفور کو مرض خناق کا عارض ہوا اور اُس نے طول کھینچا ؛ ساتھ اس کے بلغم اس قدر متعفن دہن سے نکلنے لگا کہ دماغ ہم نشینوں کا اس کی باس سے سڑنے اور جلنے لگا بلکہ جس کپڑے یا رومال کو وہ لگ جاتا تھا ، بعد دھوپ کے بھی تعفن اُس سے آتا تھا۔ حکمائے حاذق معالج شام و سحر تھے ، پر مشوّش حد سے ادھر تھے کہ شاہ صاحب مرحوم کی کسی مصاحب نے حضور میں بہت تعریف و توصیف کی بلکہ ملاقات کی بھی تقریب۔ نواب صاحب کو نہایت اشتیاق ہوا یہاں تک کہ بہ صد منّت

و آرزو اس بزرگ کو طلب کیا ۔ آتے ہی اس عارف باللہ نے زبان مبارک سے فرمایا : ''دعائے فقیراں رحم اللہ ، قدم درویشاں ردِ بلا'' وونہیں (ووں ہی) بیماری ضعیف ہوئی اور نواب کو اسی وقت سے تخفیف ہوئی ۔ آخر چند روز میں اس بزرگ کی دعا سے شافیٔ مطلق نے شفائے کلّی بخشی اور طبیعت حالت اصلی پر آ گئی ۔

بیت

یہ غلط ہے کہ فقط ہے گی دوا میں تاثیر
اس سے بہتر ہے دعاے فقرا میں تاثیر

پھر تو عمدۃ الملک کو شاہ صاحب کی خدمت میں اعتقاد زیادہ ہوا اور ان کی وجہِ معیشت پر کچھ اپنی طرف سے بھی بڑھا دیا ۔ چناں چہ آج تلک بھی اُن کی آل و اولاد کو قدرے قلیل ملتا ہے اور ان کا خرچ روزمرہ اسی باعث چلتا ہے ۔ مذہب اس بزرگ کا امامیہ تھا اور سلسلہ چشتیہ ، آبائے کرام بھی اس کے اہل کمال تھے اور صاحب حال و قال ۔ خصوصاً سید شاہ فتح محمد علوم ظاہری و باطنی میں فی الواقع کہ یگانہ تھا اور من جملہ مشاہیر زمانہ اکثر اشخاص اس کی کرامات کے قائل اور خرق عادات کے ناقل ہیں ۔ چناں چہ راقم نے بھی ایک آدھ[1] نقل ایسی ہی اس بزرگ کی شاہ ظہور محمد کے خلف الرشید میاں شاہ غلام رسول کی زبانی سنی ہے ۔ اغلب ہے کہ وہ بزرگ بھی باخدا و صاحب صدق و صفا تھا ۔ ان دنوں معلوم نہیں کہ قید حیات میں ہے یا اس سے آزاد ، اس واسطے کہ برسوں سے اس کے احوال کی اطلاع نہیں بلکہ یہ بھی دریافت نہیں

۱۔ نسخہ ۱ و ۲ (ص ۸۳ و ۶۰) میں ''ایک آذ'' ہے ۔ نسخہ ۳ (ص ۶۵) میں ''ایک آد'' ہے ۔ موجودہ املا '' آدھ'' ہے ۔

که اس خاندان میں سجادہ نشین اب کون ہے کیوں که ایک شخص کا وجود قیام دوام نہیں ، ہمیشه سے تبدّل اشخاص کا چلا آتا ہے اور ایک کے بعد جاگه (جگه) اس کے دوسرا پاتا ہے ۔

بیت

جز اُس کی ذات اور کسی کو نہیں ثبات
ہے قابلِ ممات یه جتنی ہے کائنات

لیکن ان دونوں[1] خاندان سے ، بلکه اکثر مشائخ سے قدامت بود و باش کی شہر مذکور میں شاہ منور صاحب کی ثابت ہے کیوں که بعض ثقات سے سنا ہے که وہ برگزیدۂ حق نہایت معمر تھا ؛ چناں چه اس وقت کے بڈھے کہتے تھے که ہمارا تولّد اس بزرگ کے رُو بہ رُو ہوا ہے اور ہم نے ایسا ہی اس کو دیکھا ہے ۔ وہ بھی اپنی زبان سے فرماتا تھا که اکثر بڑان کہنه سال میرے سامنے کے لڑکے ہیں ، میری تین سَے برس کی عمر ہوئی ہے اور میرا سِن تمیز تھا که اس قلعے کی نیو پڑی ۔ اکثر اشخاص اس کو صادق جانتے تھے اور اس بات کو دل سے مانتے تھے ؛ ہر چند که عقل سے باہر ہے لیکن خدا قادر ہے ، شاید ایسا ایک شخص نادر الوجود امت پیغمبر آخر الزماں ؐ میں بھی موجود اس نے کیا ہو اور یه سِن و سال اس کو دیا ہو ۔ غرض عمدة الملک جن دنوں صوبۂ مذکور میں ہے ، ان دنوں تلک وہ نیک ذات خرقۂ حیات پہنے تھا ؛ چناں چه راقم کے والد نے بھی اسے دیکھا ہے بلکه بارہا اس کی خدمت میں مشرف ہوا ؛ سوائے اس کے اس حق پرست کی کرامات کا قائل اور اس کی حرزوں کی تاثیر کا اکثر ناقل تھا ۔ حاصل یه ہے که

۱۔ نسخۂ ۱ و ۲ و ۳ میں ''دونو'' ہے ۔

وہ طالبِ مولا کیفیت سے خالی نہ تھا اور اس کا خرقۂ فقر ہرگز جالی[1] نہ تھا۔ آخر شہر مذکور ہی میں اس نے رحلت کی اور اس کی قبر وہیں بنی۔

بیت

نت جگ میں کوئی کب رہا آخر فنا آخر فنا
اس زندگی سے فائدا ، آخر فنا آخر فنا

لیکن اس بزرگ کا مذہب و نسب بہ سلسلۂ بیعت نہ کسی سے سنا اور نہ پوچھا و اِلاّ لکھنے میں آتا۔

بنارس

اور تیس کوس صوبۂ مذکور سے پرے بنارس[2] ہے۔ ہندی کتابوں میں نام اس کا بارانسی[3] (بھی) لکھا ہے اس لیے کہ یہ بستی درمیان دریائے برنہ اور آنسی کے واقع ہے۔ کاشی بھی اس کو کہتے

۱۔ نسخۂ اول (ص ۸۵) نسخۂ دوم (ص ٦١) نسخۂ سوم (ص ٦۵) میں 'جالی' الف سے ہے۔ ظاہر ہے کہ نسخۂ اول مؤلف کی حیات میں طبع ہوا اس لیے درست ہوگا۔ یہاں 'جالی' کے معنی مکر و فریب ہوں گے۔ نسخۂ انجمن میں جعلی 'عین' سے ہے۔

۲۔ سرکار بنارس ، ہشت محل ، یک دستور العمل۔ (آئین اکبری ص ۳۴۸ ، طبع کلکتہ)۔

۳۔ سرکار بنارس میں بیالسی بھی ہے۔ بارانسی قدیم نام بنارس کا بتایا گیا ہے۔ مصنف آئین اکبری (ص ۴۲۳ ، طبع کلکتہ) کا بیان حسب ذیل ہے :

''بارانسی بہ بنارس زبان زد روزگار، بزرگ شہریست میان دو رود برنہ و آنسی در کہن نام ہا ''کاسی'' نویسند''۔

خلاصۃ التواریخ کے مصنف نے ابوالفضل کا قول نقل کیا ہے اور افسوس نے ترجمہ کر دیا ہے۔

هیں اور مہادیو سے منسوب کرتے هیں۔ غرض شہر مذکور نہایت قدیم هے ، عمارات اس کی سنگین و پختہ و بلند اکثر لبِ دریا لیکن حویلیوں میں انگنا' نہ دارد ؛ سوائے اس کے اندر باهر بستی کے هزاروں بُت خانے ، اَن گنت شوالے ، سیکڑوں کنڈہ اور ٹھاکر یہاں کا بسیسرناتھ[1]۔ چناں چہ اس کا بڑا مندر تھا ، عالم گیر نے تڑوا کر وهاں ایک مسجد بڑی عالی شان بنائی۔ شہر کے لوگ اس کو بسیسر کی مسجد کہتے هیں۔ سوائے اس کے اور بھی کئی نامی بُت خانے توڑے اور مسجدیں اُن کی جاگہ بنا کیں۔ قصہ کوتاہ شہر مذکور اب بھی آباد هے لیکن کوچے اس کے نہایت تنگ و تاریک و بد بُو دار بلکہ بعضی گلیوں میں تو دھوپ کا بھی گزر نہیں هوتا۔ اسی باعث زمین وهاں کی بیش تر میلی رهتی هے ؛ پر دریا کنارے کی عمارتیں سب کی سب دل چسپ قابلِ سیر اور باغات بھی شہر کے پچھم طرف نپٹ سہاونے ؛ لگو نہیں کہ انسان کا وهاں جی کبھو اُداس نہ هو ، هر چند اس کے کوئی پاس نہ هو۔ حسن بھی وهاں کا نہایت چمک تمک[2] کے ساتھ ، اگر فرشتہ بھی دیکھے تو دیوانا (دیوانہ) هو جائے ، پری زاد تو کس شمار و قطار میں ؛ چناں چہ ایک دن کا ذکر هے کہ راقم ساون میں ایک باغِ بے در و دیوار کے بیچ سرِراہ ایک بلندی پر بیٹھا تھا اور

۱۔ شیر علی افسوس نے ترجمہ لفظی نہیں کیا هے بلکہ بہت زیادہ اضافہ کیا هے۔ ''خلاصة التواریخ'' میں عالم گیر کا مندر تڑوانا اور مسجدیں تعمیر کرنا نہیں لکھا هے ، افسوس نے لکھا هے۔ دیکھیے صفحات ۱۰۰ تا ۱۰۳ نسخۂ انجمن طبع ۱۹۴۵ء۔

۲۔ ''چمک تمک'' نسخۂ اول (ص ۸۶) نسخۂ دوم (ص ۶۲) میں هے۔ نسخۂ سوم (ص ۶۶) میں 'چمک دمک' نسخۂ انجمن (ص ۱۰۰) میں 'چمک تمک'۔ اول الذکر نسخوں میں 'تمک' هے ، یہی صحیح هے۔

لکھا ہے کہ اسفار اربعہ اس کی فصاحت و بلاغت کو نہیں پہنچتی اور شفا اس کی عبارت کی خوبی کو نہیں لگتی ۔ باوجود اس کے مسائل حکمیہ کا بھی جامع بالفعل کتب درسیہ سے ہے ۔ فضلا اس میں جوں جوں خوض کرتے ہیں ، کیفیتیں پاتے ہیں اور طلبا درس سے فائدہ اٹھاتے ہیں ۔

مولوی میر عسکری ، مولوی ابوالفضل ، مولوی ابوالخیر

اور متاخرین میں بھی مولوی میر عسکری و مولوی ابوالفضل و مولوی ابوالخیر واقعی کہ ہر ایک ان بزرگ واروں میں علم و فضل میں یگانہ و افتخار زمانہ تھا ، پر طریقہ سید مرحوم کا اثنا عشری اور نسب اس بزرگ کا حسینی ، اولاد زید شہید علیہ الرحمۃ کی ۔ کہتے ہیں کہ ظاہر اس عالی نژاد کا رندانہ تھا اور باطن عارفانہ ، بہتیرے طلبا اس کی بہ دولت فاضل ہوئے اور اکثر فضلا اس کے فیض صحبت سے کامل ۔ آخر سن گیارہ سے نوے ہجری میں دارالبقا کا راہی ہوا اور اپنے اجداد کرام کا قدم بوس حاصل کیا ۔ مزار اس کا شہر مذکور میں اب تلک برقرار ہے اور بعد مردن یادگار ۔

بیت

قبر بھی ہے چند روزہ نت کہاں
ایک دن مٹ جائے گا یہ بھی نشان

تاریخ اس کی وفات کی : ''برد[۱] اللہ مضجعہ'' سے نکلتی

۱- ''برد اللہ مضجعہ'' (۱۱۹۰ھ) نسخۂ اول (ص ۹۳) ''بردة اللہ مضجعہ'' نسخۂ دوم (ص ۶۶) ، نسخۂ سوم (ص ۷۱) ، نسخۂ انجمن (ص ۱۰۷) میں بھی یہی ہے ۔ لیکن ''بردة اللہ مضجعہ'' سے ۱۱۹۵ھ برآمد ہوتے ہیں اور مؤلف نے ۱۱۹۰ھ کا حوالہ دیا ہے ، اس لحاظ سے نسخۂ اول صحیح ہے ۔ ''برد اللہ مضجعہ'' سے (۱۱۹۰ھ) ہی نکلتے ہیں ۔

ہے اور وے دونوں مغفور نسب میں شیخ فاروقی اور مذہب میں حنفی ۔ حقا کہ دونوں صاحبِ کمال اور دولت علم سے مالا مال تھے؛ خصوصاً علوم ادبیہ میں تو ہر ایک بے نظیر و عدیل اور اپنے وقت میں ممتاز مثل سیبویہ[1] و خلیل ۔ اُن سے بھی سر رشتہ تحصیل کا ایک مدت جاری رہا اور سیکڑوں اشخاص نے رتبہ فضیلت کا حاصل کیا ۔ آخر بہ حکم آیۂ ''کل من علیھا فان'' ہر ایک نے لباس فنا پہنا اور دارالبقا کا رستا (رستہ) لیا لیکن مولوی ابوالخیر صاحب جس برس کہ نواب علی ابراھیم خاں مرحوم کو بنارس کی عدالت ہوئی تھی ، قید حیات میں تھے ، چناں چہ گورنر ھشتین بہادر نے چاھا کہ عدالت کے سر رشتے میں روزگار اختیار کریں لیکن انھوں نے نہ مانا اور دل پر یہی ٹھانا کہ :

دولت دنیا سے منہ موڑیے[2]
اوز گنج قناعت کو ہرگز نہ چھوڑیے[3]

غرض جو ارادہ کیا تھا ، اس سے نہ پھرے یہاں تک کہ دنیا سے اٹھ گئے ۔ وفات انھوں[4] نے سن گیارہ سو اٹھانوے ھجری میں پائی اور نعمت عقبیٰ کی لذت بہ خوبی اٹھائی ۔ حاصل یہ ہے کہ شہر مذکور بھی ایک دارالعلوم ہے ۔ اس گئے گزرے پن پر بھی

۱- ''سیبویہ'' نسخۂ اول (ص ۹۳) اور نسخۂ دوم (ص ٦٦) میں ہے اور یہی صحیح ہے ۔ نسخۂ سوم (ص ۷۱) میں ''سیویہ'' ہے ، یہی نسخۂ انجمن (ص ۱۰۷) میں ہے جو غلط ہے ۔

۲- موڑیے ۔ نسخۂ اول (ص ۹۳) -

۳- چھوڑیے - نسخہ اول (ص ۹۳) ۔

۴- ''انھو'' نسخہ‌اول (ص ۹۳) میں ایک ھی عبارت میں ''انھوں'' نون سے بھی لکھا ہے اور بغیر نون کے بھی نسخۂ دوم (ص ٦٦) میں بھی یہی صورت ہے ۔

سر رشتہ علم کا کچھ نہ کچھ چلا جاتا ہے، اب بھی ایک آدھ[1] فاضل مستعد نظر آ جاتا ہے؛ چناں چہ مجمع فضائل خفی و جلی مولوی روشن علی آرایش دودمان شریعت و ضیاے محفل فضیلت بالفعل وہاں کے سکنہ میں موجود ہے۔ اکثر طلبا اس کی بہ دولت فیض پاتے ہیں اور درجۂ فضیلت کو پہنچ جاتے ہیں۔ نسب اس بزرگ کا بھی فاروق و مذہب حنفی ہے اور مولوی ابوالخیر مرحوم سے نسبت خویشی۔ فی‌الواقع کہ اکثر علوم میں مہارتِ کُلی اور دست گاہِ کماینبغی رکھتا ہے، خصوصاً علم و ادب و ریاضی میں تو اب جون پور میں ایسا شخص دوسرا معلوم بلکہ اکثر بلاد میں ثانی اس کا معدوم[2] ہے۔ غرض جب سے مدرسہ صاحبان کمپنی کا کلکتے میں بنا، تب سے یہ بزرگ بھی عربی کے سر رشتے میں میر منشی گری کی خدمت پر سرفراز ہوا۔ حق تعالیٰ اس کو اور جتنے اہلِ کمال کہ اس وقت میں ہیں، ان کو سلامت با کرامت رکھے اور قدر دانوں کو بہ اقبال و حشمت! ۔ قصہ کوتاہ صوبۂ مذکور کی آب و ہوا نہایت خوب ہے، میوے بھی اقسام کے ہوتے ہیں؛ خصوصاً انگور نہایت رسیلا، خوش مزہ[3]، میٹھا بڑا بہ کثرت بکتا ہے اور پھول بھی ہر فصل میں دیکھنے سونگھنے کے بہتایت کے ساتھ؛ خصوصاً

۱۔ ''ایک آد'' نسخہ اول (ص ۹۳) نسخہ دوم (ص ٦٧) لیکن نسخہ سوم (ص ٧٢) میں بغیر ھاے مخلوط۔

۲۔ ''معدوم'' نسخہ اول (ص ۹۴) میں صحیح ہے۔ ''معدود'' نسخۂ دوم (ص ٦٧) و نسخہ انجمن (ص ۱۰۸) غلط ہے۔ نسخہ سوم (ص ٧٢)۔ میں معدودم ہے۔

۳۔ نسخۂ اول (ص ۹۴)، نسخۂ دوم (ص ٦٧)، نسخۂ سوم (ص ٧٢) میں ''مزہ'' ہائے ہوز آخر میں لیکن نسخۂ انجمن (ص ۱۰۸) میں الف آخر میں، یعنی ''مزا''۔

موگرا بہت بڑا و گندہ نپٹ خوش بو[1] ہوتا ہے ، ایک پھول اس کا حکم عطردان کا رکھتا ہے ۔ زراعت بھی بہتایت کے ساتھ ہوتی ہے لیکن موٹھ کم یاب ، جوار ، باجرہ کم تر ۔ اور کپڑے کے اقسام سے جھونا اور مہر گل خوب بنا جاتا ہے ۔ اور دریاؤں میں بڑے دریا اس صوبے میں گنگا جمنا[2] سرجو ، طول اس کا منجھولی[3] جون پور سے لے کر آتّر کے پہاڑ تلک ایک سو ساٹھ کوس اور عرض چونسا[4] جو گنگا کا ایک گزر ہے ، اس سے گھاٹم پور تلک ایک سو تیس[5] کوس ۔ صوبۂ بہار اس[6] کے پورب طرف ، اکبر آباد پچھم رخ ، صوبۂ اودھ آتر طرف ، ماندہ گڑھ[7] دکھن طرف ، الہ آباد ، غازی پور ،

۱۔ ''خوش بو'' نسخۂ اول (ص ۹۴) نسخۂ دوم (ص ٦٧) نسخۂ سوم (ص ۷۲) ۔

۲۔ خلاصۃ التواریخ (ص ۴۲ و ۴۳) میں دریاؤں کے نام یہ ہیں :
'' وسہین دریاے گنگ و جمنا دارند وکین و سرجو و برنہ وغیرہ است'' افسوس نے کین اور برنہ کا حوالہ نہیں دیا ہے (فائق) ۔

۳۔ طول از سنجھولی ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۴۳) ۔

۴۔ عرض از گذر چوسا (خلاصۃ التواریخ ، ص ۴۳) ۔

۵۔ تا گھاتم پور صد و بست کروہ (خلاصۃ التواریخ ص ۴۳) ۔ افسوس نے ایک سو تیس لکھے ہیں یا تو ترجمے کی غلطی ہے ورنہ سہو کتابت ہوگا ، صحیح فاصلہ ایک سو بیس (۱۲۰) کوس ۔ (فائق)

٦۔ ''اس کے'' نسخۂ اول (ص ۹۴) لیکن نسخۂ سوم (ص ۷۳) میں ''اسی کے'' ہے ۔ نسخۂ دوم (ص ٦٧) اور نسخۂ انجمن (ص ۱۰۹) میں صحیح ''اس کے'' ہے ۔

۷۔ جنوبی پاند و گڑھ و سرکار الہ آباد و جون پور و غازی پور و بنارس و چنادہ و کالنجر و کورا و مانک پور وغیرہ (خلاصۃ التواریخ ص ۴۳) یہ تمام مقام دکھن کی طرف ہیں ، افسوس کے بیان میں الجھاؤ ہے (فائق) ۔

بنارس ، جون پور ، چنار ، کالینجر ، کڑا ، مانک پور ، وغیرہ سولہ سرکاریں ، متعلقات ان کے دو سو سینتالیس محال اور آمدنی[1] سات کروڑ ساٹھ لاکھ اکسٹھ ہزار دام ۔

۱۔ و سی وہفت کرور وشصت لک و شصت و یک ہزار دام داخل ایں صوبہ است (خلاصہ، ص ۴۳)۔ افسوس نے سات کروڑ ساٹھ لاکھ اکسٹھ ہزار دام ترجمہ کیا ہے، صحیح سینتیس کروڑ ساٹھ لاکھ اکسٹھ ہزار ہے (۳۷۶۰۶۱۰۰۰) ۔

صوبۂ اودھ[1]

ہندی کتابوں میں نام اس کا اجدھیا[2] ۔ راجا رام چند[3] کا مولد و تخت گاہ ہے ، اسی جہت سے ہندو اس کو بڑا معبد جانتے ہیں کیوں کہ راجا مذکور عالی نژاد و نیک نہاد تھا ، ساتھ اس کے دولت ظاہری و باطنی سے بھی مالا مال ، عجائب غرائب افعال اُس سے وقوع میں آئے اور بہت سے امور نادر اُس نے دکھائے ؛ چناں چہ دریا پہ پل باندھا اور ان گنت بندر ریچھ کی فوج لے کر لنکا پر چڑھ گیا ، پھر راون کو مار کر جورو کو قید سے چھڑا لایا ؛ اسی قبیل سے اکثر حالات اُس کے راماین میں لکھے ہیں ۔ غرض شہر مذکور ایک سو اٹھتالیس (اڑتالیس) کوس کے طول اور چھتیس کوس کے عرض میں بستا تھا اور اس کے سواد میں جو کوئی خاک چھانتا سونا پاتا ۔ ایک کوس پرے اُس کے گھاگھرہ سر جو سے مل کر قلعے کے تلے جا نکلی ہے اور قریب شہر کے دو بڑی بڑی قبریں ہیں ، طول اُن کا سات سات آٹھ آٹھ گز سے کم نہیں ؛ عوام اُن کو حضرت شیث[4] و ایوب[4] سے منسوب کرتے ہیں ، بنا بر اس کے پنج شنبہ کو اکثر لوگ وہاں جا کر فاتحہ

۱۔ ''صوبہ اودھ'' نسخۂ اول ، (ص ۱۰۹) ۔ ''صوبۂ اودھ'' نسخۂ دوم (ص ٦٧) نسخۂ سوم (ص ۷۳) نسخۂ انجمن (ص ۱۰۹) ۔

۲۔ اجودھیا ، (خلاصہ ، ص ۴۳) ۔

۳۔ رام چند (خلاصہ ، ص ۴۳) ۔

پڑھتے ھیں ۔ اور بعضوں[1] کے نزدیک رتن پور میں کبیر جلاھے کی قبر ھے ۔ شخص مذکور سلطان لودھی کے وقت میں تھا ، بنارس کے بیچ مدتوں جپ تپ کرتا رھا ، فقرا کے نزدیک بڑا موحد و صاحب کمال تھا ؛ چناں چہ اس کے طبع زاد اکثر دو ھے اھل مذاق کے ورد زباں ھیں ؛ سچ ھے کہ محبت و معرفت ان سے ٹپکی پڑتی ھے ۔

فیض آباد[2]

عرف بنگلہ ، تین کوس اودھ سے مغرب رُخ ایک آبادی نواحداث ھے ۔ نہایت پُر فضا و دل کشا ، سر زمین وھاں کی نپٹ خوب و مرطوب ، مہندی بھی وھاں کی قیامت رنگین چہچہی ۔ انگور بے دانہ ، شہتوت اور سوائے ان کے اور بھی بعضے میوے ، ترکاریاں ، پھول خوش بو ، رنگین افراط سے ھوتے ھیں ، خصوصاً چنپا و لالہ ۔ پر خربوزہ حد بڑا اور بھیکا صورت حرام ۔ وجہ اس کی بنیاد کی یہ ھے : جب صوبے داری ملکِ مذکور کی انتقال پا کر محمد شاہ فردوس آرام گاہ کی سلطنت میں نواب برھان الملک سعادت خاں بہادر کے نصیب ھوئی ، بعد ان کی وفات کے قائم مقام ان کا داماد نواب وزیر الممالک ابوالمنصور خاں صفدر جنگ بہادر مغفور ھوا کیوں کہ فرزند نرینہ ان کے نہ تھا ۔ اسی بزرگ نے بنیاد اس کی ڈالی لیکن بہ طور چھاؤنی کے ۔ جب نواب شجاع الدولہ بہادر ابن صفدر جنگ وزیر الممالک کو ریاست پہنچی ، بعد ھنگامۂ بکسر کے مزاج

۱۔ ''بعضوں'' نسخہ ۱ و ۲ و ۳ میں صحیح ھے ۔ نسخۂ انجمن میں '' بعضے لوگوں '' غلط ھے ۔

۲۔ خلاصۃ التواریخ میں فیض آباد کا ذکر نہیں، افسوس کا اضافہ ھے ۔ کیوں کہ فیض آباد کی بنیاد تالیفِ خلاصۃالتواریخ کے بعد پڑی ۔ (فائق)

اس کا اس کی آبادی پر آیا؛ چناں چہ کتنے محل اور باغ پاکیزہ و خوش عمارت اس نے لب دریا بنائے اور ایک ترپولیا بھی نہایت بلند و دل کشا متصل قلعے اور چوک کے قریب بنایا بلکہ اپنی بود و باش بھی وہیں مقرر کی، بہ سبب اس کے اکثر سرداروں مصاحبوں نے عمارتیں تعمیر کیں، یہاں تلک کہ ہر ایک چھوٹے بڑے نے موافق اپنے مقدور کے حویلی بنائی۔ چناں چہ ایک معمورہ معقول ہوگیا، پر کھپریلیں اکثر تھیں اور پختہ عمارتیں کم، لیکن معمارِ قدرت کے ارادے میں جو اس کی آبادی کو پائے داری نہ تھی بلکہ خرابی منظور تھی کہ سن گیارہ سَے اٹھاسی میں بعد نواب حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی شکست کے نواب موصوف کا واقعہ ہوا اور مقبرہ اس کا وہیں بنا۔ پھر مسند حکومت پر اس کا خلف الصدق نواب آصف الدولہ بہادر وزیر ابن وزیر بیٹھا۔ اس نے دارالحکومت لکھنؤ کو بہ دستور سابق مقرر کیا بلکہ عمارت و باغات بھی خوش قطع و دل چسپ وہاں بنائے۔ آخر اس کی آبادی بہ مرتبہ گھٹی اور اس کی بستی نہایت بڑھی؛ چناں چہ بالفعل کہ سن بارہ سو بیس ہجری ہیں اور نواب سعادت علی خاں بہادر وزیر ابن وزیر دام اقبالہ کی حکومت کا آٹھواں سال، دونوں شہر اسی نہج پر ہیں۔

بہرائچ[1]

ایک قدیم شہر ہے سرجو کے کنارے، نہایت وسعت و کیفیت

۱- بہرائچ بزرگ شہریست بر ساحل دریائے سرو (سرجو)۔ و سواد بس دل کشا و باغ فراواں۔ (آئین اکبری، ص ۴۳۳)۔

شہریست بزرگ متقدمین بر ساحل دریائے سرجو سوادش بس دل کشا (خلاصۃ التواریخ، ص ۴۳)۔

خلاصۃ التواریخ کے مصنف نے آئین اکبری کی عبارتیں نقل کردی ہیں، اپنی عبارتیں کم ہیں جیسا کہ مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے۔ (فائق)

میر چراغ علی مرحوم سیف تخلص بھی میرے ساتھ تھے ۔ دن اس وقت دوپہر سے کچھ کم ہوگا کہ ایک جُھنڈ کا جُھنڈ پریوں کا اس باغ کے دیہرے میں پرستش کر قضا را ادھر آ نکلا ۔ اُن میں ایک کھترانی چمپئی رنگ نہایت چالاکی و بے باکی سے پیش قدمی کرتی تھی اور ایک انداز و ناز سے پاؤں دھرتی تھی ۔ سراپا اس کا گویا سانچے میں ڈھلا تھا ، ہر ایک عضو حسن و ادا سے بھرا تھا ۔

بیت

هلال ابرو منه چاند جثه سوڈول
خوش اسلوب چھب پنڈلیاں گول گول

مکھڑے کی رنگت کے آگے کُندن زرد بلکه پکھ راج بھی گرد ، سونا تو کیا مال ہے جو اُس کے روپ کے منه چڑھ سکے ۔ غرض تماشائیوں کا دیکھتے ہی جی سنسنا گیا اور آنکھوں تلے اندھیرا آ گیا ۔ میر مرحوم کے بھی دل پر دیر تلک اس کا صدمه رہا لیکن وہ چمکو جُھمکڑا[1] دکھاتی ہوئی نه جانیں (جانے) کدھر گئی ، پھر نه پھری ؛ تا شام راہ دیکھی ، ندان سمجھے که تجلی کو تکرار نہیں ، اب بیٹھنا بے فائدہ ہے ، ہر ایک نے گھر کی راہ لی ۔ غرض معمورۂ مذکور کیفیت سے خالی نہیں ، دید کے قابل ہے ۔ ساتھ اس کے علم ہندی کا بھی گھر ہے کیوں که بڑے بڑے پنڈت ، اچھے اچھے برھمن ، بید کے پڑھانے[2] والے ، شاستر کے بھیدوں کے جاننے والے اور جوت

۱- ''جھمکڑا'' نسخۂ اول (ص ۸۷) - ''چھمکڑا'' نسخۂ دوم (ص ٦۲) ، نسخۂ سوم (ص ٦۷) نسخۂ انجمن ، (ص ۱۰۱) -

۲- '' بڑاھانے '' نسخۂ اول (ص ۸۷) - '' بڑھانے '' نسخۂ دوم (ص ٦۲) - ''پڑھانے'' نسخۂ سوم ، (ص ٦۷) نسخۂ انجمن ''پڑھانے'' -

کے نجومی گُنی ہر فن کے بہ کثرت اس شہر میں رہتے ہیں ؛ اسی واسطے برہمن، برہمن زادے دور دور سے تحصیل کو آتے ہیں اور مدتوں پڑھتے پڑھاتے ہیں ۔ چناں چہ اب تک بھی مدرسہ ہندی کا موجود ہے ۔ صاحبان عالی شان نے بھی اخراجات اس کے بہ دستور جاری رکھے ہیں اور اکثر آزاد منش عبادتی تپشی ، اس لحاظ پر کہ مرنا وہاں کا باعث نجات ہے ، اپنے وطن چھوڑ، دنیا سے ہاتھ آٹھا ، رام سے لو لگا ، وہیں رہنا اختیار کرتے ہیں ۔ بہتیرے بوڑھے کہنہ سال کتنے آزاری جینے سے مایوس ہو کر وہاں آتے ہیں اور دنیا سے آٹھ جاتے ہیں ۔ از بس کہ لوگوں کی آھر جاھر ہر ایک سمت سے رہتی ہے ، اسی سبب اس کی آبادی کم نہیں ہوتی ۔ کپڑا بھی وہاں ریشمی و زربافی خوب بُنا جاتا ہے ، خصوصاً تاش بادلہ نہایت جگ مگا ، اور مشروع و کم خواب تو واقعی بعد گجرات کے بنارس کے برابر ہند میں کہیں نہیں بنتا ۔ اگرچہ مشروع مؤو میں اب تیار ہونے لگا ہے لیکن یہ قماش و ملائمت کہاں ؟ پاجی اور نجیب کا سا فرق ہے ۔ پچھم طرف شہر کے اورنگ آباد کی سرائے پختہ اور نہایت کشادہ ، داھنے اس کے بچاس[1] موچن کا تالاب ، اس سے کچھ آگے بڑھ کر بستی سے باہر قدم شریف ، اکثر وضیع و شریف پنج شنبہ کے دن وہاں جاتے ہیں ، شام تلک صحبت اور لوگوں کی کثرت رہتی ہے ۔ ہر چند کہ نشست گاھیں اور خانقاھیں کم ہیں لیکن لطف سے خالی نہیں ؛ علاوہ اس کے اس قطعے میں اکثر مسلمانوں کی قبریں ہیں ۔ چناں چہ مزار شیخ محمد علی حزیں جیلانی کا بھی وہیں ہے ۔ اس مرحوم نے اپنے حین حیات میں اسے بنوایا

۱- ''بچاس'' نسخۂ ۱ ، ۲ ۔ ''پچاس'' نسخۂ ۳ اور نسخۂ انجمن ۔

تھا بلکہ کبھو کبھو وہاں جا کر بیٹھتا اور کچھ خیرات بھی کرتا ۔

بیت

جو بقا اپنی فنا سمجھے وہ دکھ بھرتے نہیں
مر مٹے جو زندگی میں وہ[۱] کبھو مرتے نہیں

فی الواقع شیخ ممدوح علومِ ظاہر و باطنی سے مالا مال تھا ، شعر و سخن تو اس کا ایک ادنا کمال تھا ۔ استادِ متاخرین و افتخارِ متقدمین اُسے کیوں کر نہ کہیے کہ نظم و نثر اس کی ظہوری و نظیری کے ساتھ برابر اور قصیدے قصائد عرفی سے بالا تر ۔ ہندوستان کے بیچ محمد شاہ کے وقت میں آیا ، کئی برس دلی میں رہا ، پھر بنارس میں آ کر گوشہ نشین ہوا ۔ کسی امیر فقیر کے گھر نہ گیا اور کسی سے کچھ نہ لیا بلکہ محتاجوں کو موافق مقدور آپ ہی دیا کیا ۔ گزران اس کی ہمیشہ اَجلی رہی ، احتیاج کسی امر کی بہ جز خالق کے نہ ہوئی ۔ کہتے ہیں کہ تسخیر آفتاب اس کے عمل میں تھی یا کوئی اور دعوت ؛ غرض کشف و کرامات سے وہ روشن ضمیر خالی نہ تھا ۔ مشہور ہے کہ نواب شجاع الدولہ بہادر کو لڑائی کا مشورہ مطلق نہ دیا بلکہ منع کیا کہ بگاڑ صاحبان انگریز سے حد بُرا ہے اور مُصالحہ سر تا پا بھلا ۔ زنہار اے فرزند ! سوائے صلح کے کچھ نہ کرنا اور لڑائی پر دھیان ہرگز نہ دھرنا کیوں کہ صلح میں حصولِ مراد ہے اور جنگ میں فساد ۔ غرض بعد ہنگامہ یک سر وہ عارفِ بے ریا سن گیارہ سے اسّی ہجری میں بہشت نصیب ہوا ۔

۱۔ نسخۂ اول میں وہ نہیں ہے ، سہو کتابت ہے ۔

چنار گڑھ[1]

ایک قلعہ ہے پہاڑ پر، سنگین و بلند و محفوظ لیکن نشیب و فراز اس میں بہت ہے۔ گنگا اس کے نیچے بہتی ہے، قریب اس کے ایک قوم عالم گیر کے وقت تلک سروپا برہنہ جنگل میں رہتی تھی اور تیر اندازی و شمشیر زنی میں اپنی اوقات بسر کرتی تھی، یعنی کتنے صحرا نشین یا پہاڑیے اس وقت میں رہ زنی کرتے تھے لیکن بالفعل بلکہ سال ہاے سال سے اس کے متصل ایک معمورہ ہے کہ اکثر ہندو مسلمان اس میں بستے ہیں۔ اشیا و اسباب بھی ضروری موافق اُن کے بہم پہنچتے ہیں اور قلعۂ مذکور ہر چند آگے بھی با رونق تھا، پر جب سے صاحبانِ عالی شان کے قبضے میں آیا ہے، خوب تیار سجا سجایا رہتا ہے۔ قریب اس کے قاسم سلیمانی کی درگاہ ہے نہایت خوش عمارت، پُر کیفیت؛ مکانات اس میں سنگیں و پختہ و متعدد اپنی وضع کے اسلوب دار و با قرینہ، خصوصاً وسط میں ایک مسجد بہت بڑی پاکیزہ و استوار جیسے انگوٹھی میں نگینہ؛ جنگلا بھی اس کے اطراف کا نہایت سہاؤنا ہرا مرضِ خفقان کی دوا۔

بیت

ہے شاداب و سرسبز واں کی زمیں
وہ جنگل ہے گلشن سے بہتر کہیں

۱- چناڈہ - سنگین قلعہ ایست بر فراز کوہ - در بلندی و استواری کم ھمتا - دریائے گنگ از پایان آن برگزرد - - - (آئین اکبری، ص ۴۲۳ طبع کلکتہ) -

چناڈہ سنگین دژیست (خلاصۃ التواریخ، ص ۵۲) -

اصل کتاب میں دو سطریں ہیں، افسوس نے اضافہ کیا ہے اور اس کے بعد مرزا پور کا حال بھی افسوس کا اضافہ ہے "خلاصۃ التواریخ" میں نہیں (فائق) -

مرزا پور

اور چنار سے دکھن کی طرف آٹھ کوس کے فاصلے سے گنگا کے کنارے پر مرزا پور ہے - ہر چند کہ بستی اس کی چھوٹی ہے لیکن خوب آباد و خوش سواد ، عمارتیں پکی بیش تر لیکن اکثر بے پاریوں کے گھر - سفید پونڈا وہاں کا مشہور ہے ، اگرچہ ھگلی کا بھی گنا نپٹ نرم اور میٹھا ھوتا ہے لیکن وہ ساتھ ان خوبیوں کے کلانی اور گندگی بھی رکھتا ہے -

گڑھ کالینجر[1]

سنگین قلعہ ہے ، نپٹ بے لگاؤ ، ایک بڑے اونچے پہاڑ پر ، اس کی ابتدا سے کوئی واقف نہیں - چشمے اکثر اس میں جوش کھاتے ھیں اور تالاب بڑے بڑے آب زلال سے بھرے ھوئے ایک لُطف دکھاتے ھیں - بھیروں کا بُت خانہ وھیں ہے اور قریب اس کے گھنے درختوں کا ایک جنگل ہے - بیش تر اس میں آب نوس کے پیڑ ؛ لوگ وھاں سے ھاتھی بھی پکڑ لاتے ھیں اور پاس اس کے لوہے کی کھان ، بلکہ بعضی بعضی جاگہ سے الماس کی ٹلبیں[2] بھی ھاتھ لگتیں ھیں اور باشندے وہاں کے سود مند ھوتے ھیں -

جون پور

بڑا شہر ہے ، گومتی اس کے اندر ھو کر نکلی ہے - فیروز شاہ نے اس کو اپنے عہد سلطنت میں فخرالدین محمد

۱- کالنجر ، قلعہ ایست سنگین (خلاصۃ التواریخ ، ص ۴۲) -
کالنجر سنگین دژے است (آئین اکبری ، ص ۴۲۴) -

۲- ''ٹلبیں'' نسخہ ۱ (ص ۹۰) نسخہ ۲ (ص ۶۴) لیکن نسخہ ۳ میں (ص ۶۹) ''پٹیں'' ہے -

جونا[1] کہ اس کا چچا تھا، اُسی کے نام پر آباد کیا ۔ از بس کہ شہرمذکور شور پشتوں اور مُٹھ مردوں میں واقع ہوا تھا ، فوج دار[2] اس کے بیش تر خوں ریزی و سفاکی میں مشغول رہتے تھے لیکن آب و ہوا اُس کی باشندوں مسافروں کے مزاج سے موافق ، فضا اس کی فضاے گل زار سے فائق ۔ حویلیاں اس میں اکثر پختہ و سنگین ، چھپر کے مکان کہیں کہیں ۔ اگرچہ آبادی اس کی اب ویسی نہیں لیکن غنیمت ہے کیوں کہ باغ خزاں رسید کا ایک آدھ[3] چمن دید کے قابل رہ جاتا ہے اور اہلِ نظر کو ایک لطف دکھاتا ہے ؛ خصوصاً[4]

۱۔ ''جون پور بزرگ شہریست ، سلطان فیروز شاہ آں را در زمان فرمان روائی خویش بنام سلطان محمد فخر الدین جونا بنی عم خود آباد کردہ ''۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۴۲)

شیر علی افسوس نے بنی عم کا ترجمہ غلط کیا ۔ وہ سلطان محمد فخر الدین جونا کو سلطان فیروز شاہ کا چچا لکھتا ہے حالاں کہ وہ چچا زاد بھائی تھا ۔ مؤلف خلاصۃ التواریخ نے بنی عم صراحتاً لکھا ہے ۔ آئین اکبری میں بھی سلطان فخر الدین جونا چچا زاد بھائی کے نام پر آباد کرنا لکھا ہے ۔ ''جون پور بزرگ شہریست ، سلطان فیروز مرزبان دھلی بنام عم زادۂ خود فخر الدین جونہ اساس نہادہ ۔ (آئین اکبری ص ۴۴۲، طبع کلکتہ) ۔ (فائق)

۲۔ '' فواجدار'' نسخۂ اول و دوم میں غلط ہے ۔ نسخہ سوم میں ''فوج دار'' صحیح ہے ، غلط نامہ نسخۂ اول میں تصحیح کر دی ہے ۔

۳۔ '' آدھ '' نسخۂ اول میں صحیح لکھا ہے ، اس سے پہلے حرف '' آد '' سہو طباعت ہوگا ۔

۴۔ اصل کتاب میں جون پور کے ذکر میں نو دس سطریں ہیں ۔ شیر علی افسوس نے کافی اضافہ کیا ہے ۔

جامع مسجد وہاں کی اپنی ساخت میں لاثانی ہے ، فی الواقع پختہ کاروں کی ایک نشانی ہے ۔ عمارت اس کی تمام و کمال سنگین ، اینٹ گارے کا اس میں نام بھی نہیں ۔

بیت

بناوے کوئی ایسی اب کیا مجال
مرمت بھی ہے اس کی امر محال

تعمیر اس کی سلطان شرقی ابراہیم شرقی نے آٹھ سو باون ہجری میں کی اور دارین میں نیک نامی لی ۔ تاریخ اس کی بنا کی ''مسجد جامع الشرق'' ہے ۔ پُل بھی وہاں کا اقلیم ہند میں بے مانند ہے ، دیر پائی اور پختگی اس کی اظہر من الشمس ۔ سیکڑوں برس گزرے ہیں لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ آج بنا اور ابھی تیار ہو چکا ہے ۔ بنا اس کی منعم خان ، خان خاناں نے اکبر بادشاہ کی سلطنت میں کی اور مہتمم اس کا نواب مرحوم کا فہیم غلام تھا ۔ قطعہ اس کی تاریخ کا یہ ہے ۔

قطعہ

خان خاناں خان منعم اقتدار
بستہ ایں پُل را بہ توفیقِ کریم
نام او منعم ازاں آمد کہ ہست
بر خلائق هم رحیم و هم کریم
رہ بہ تاریخش بری گر افگنی
لفظِ بد را از صراطِ المستقیم

حق تو یہ ہے کہ یہ تاریخ اس کی بجا ہوئی ، کہنے والے کی طبیعت خوب لگی ۔ خدا اس کے تعمیر کنندے کو مستغرقِ دریائے مغفرت کرے اور پُل پر اس کی دست گیری و معاونت ۔

بیت

ھے دریا دلی کا یہ اس کی نشان
خدا اس کو قائم رکھے جاوداں

سرائیں بھی کئی تھیں لیکن بالفعل ایک پختہ پُل کے جنوب رخ اور دو کچی شمال رو لیکن کچھ ایک فاصلے سے ۔ پھلیل و عطر بھی وھاں کا نہایت خوش بو ھوتا ھے ۔ چناں چہ اکثر بلاد بہ طریقِ تحائف بھجواتے ھیں اور خوش بو[1] ساز سوداگر بھی اطراف میں اس کو لے جاتے ھیں ۔ غرض سنگند رائے اور بیلے کا تیل تو وھاں کا سا کہیں نہ ھوتا ، گلاب خجالت سے اس کے آگے پانی ھو جائے اور سہاگ کے عطر کی باس بھی اس کے ھوتے خوش نہ آئے ۔

بیت

بدن میں ملے اس کو جو مرد و زن
تو بن جائے ھر ایک دولھا دلھن

چنبیلی کا بھی علا ھذا القیاس لیکن مشہور یوں ھے کہ چنبیلی باڑھ کی اور بیلا جون پور کا ، پر اپنے تئیں اس میں شک ھے ۔ اور وھاں کے نجبا اکثر ذھین و صاحب علم و دانش مند ھوتے ھیں ؛ چناں چہ متقدمین میں ملا محمود کیسا ایک صاحبِ کمال[2] و فاضل گزرا ھے کہ اپنے وقت میں یکتائے عصر تھا ، اس زمانے میں تو اس سا ھونا معلوم ۔ ''شمس بازغہ[3] '' ان نے علم و حکمت میں ایسا

۱- ''خوش بوی ساز'' نسخۂ اول و دوم ۔ ''خوش بو ساز'' نسخۂ سوم (ص ۷۰) ۔

۲- صاحب کمال فاضل ، نسخہ ۱ (ص ۹۲) ۔ صاحب کمال و فاضل نسخہ ۲ (ص ٦٦) نسخہ ۳ (ص ۷۱) ۔

۳- ''شمس بازغا'' ۔ نسخہ اول ، دوم ، سوم میں الف سے ھے ۔ نسخۂ انجمن میں 'بازغہ' صحیح ھے ۔

کے ساتھ ، انبرایاں اس کی گرد و نواح میں اکثر اور پھلواریاں جا بہ جا بیش تر۔ تربت رجب سالار کی اور درگاہ سالار مسعود غازی کی وھیں ھے ۔ سنتے ھیں کہ رجب سالار تغلق شاہ کا بھائی تھا اور سالار مسعود غازی کے احوال میں اختلاف ھے ۔ بعضے[1] کہتے ھیں قوم کا سید لیکن سلطان محمود غزنوی سے بھی قرابت قریب رکھتا تھا اور بعضوں کا قول یہ ھے کہ ایک پٹھان تھا لیکن شہید ھوا۔ غرض درگاہ اس کی ایک عالم کی زیارت‌گاہ ھے ۔ سال میں ایک بار دور دور سے لوگ میدنی کے ھم راہ چلتے ھیں ، کتنے سیاح اکثر بے پاری ، پر نیچ قوم لال لال نیزوں سمیت ھزاروں ڈفالی گاتے بجاتے ساتھ لے کر اپنی اپنی بستیوں سے نکلتے ھیں۔ غرض جیٹھ کا پہلا اتوار اس کے عرس کا دن ھے ، یہ آس سے دو تین دن پہلے وھاں آ پہنچتے ھیں اور اعتقاد ان کا یہ ھے کہ وھی آس کے بیاہ کا روز تھا ، چناں چہ شہانے کپڑے اس کے گلے میں تھے کہ مارا گیا ۔ اسی جہت سے ایک تیلی ردولی کا ساکن پلنگ پیڑھا کچھ اسباب عروسی سمیت اس کے مزار پر بھیجتا ھے ، اپنے زعم میں ھر برس اس کا بیاہ کرتا ھے ۔ برسوں سے یہ رسم اس کے خاندان میں چلی آئی ھے بلکہ اب تلک بھی جاری ھے ۔ غرض رجالے کے اعتقاد سے بھی خدا پناہ میں رکھے کہ رسوائی سے خالی نہیں ۔ اورگرد و بیش اس کے گنبد کے جتنے درخت ھیں آن میں رسیاں ڈال کر کوئی اپنا ھاتھ باندھتا ھے ، کوئی پاؤں ، کوئی گلا ۔ القصہ انواع و اقسام کے سانگ لاتے ھیں اور اپنے گمان میں اسی سبب سے مرادیں پاتے ھیں ، سوائے اس کے کوئی رجالا اس بزرگ کو گاجنا دولھا[2] کہتا ھے اور کوئی رجالی سالار چھنلا ۔ وجہ اس کی یہ ھے

۱- افسوس نے اضافہ کیا ھے (فائق) ۔

۲- ''دولھ'' نسخۂ اول ، دوم اور سوم میں اسی طرح ھے ۔ نسخۂ انجمن میں ''دولھا'' موجودہ املا ۔

که جو رنڈی اس کے گنبد میں جاتی ہے بد حال ہو کر آتی ہے ، پر وہ مردار یہ سمجھتی ہے کہ صاحب قبر نے مجھے چوس لیا اور یہ احوال کر دیا ؛ تف اس کی سمجھ پر اور لعنت اس کی عقل پر ۔ حقیقت اس کی یہ ہے کہ گنبد اس کا نہایت چھوٹا اور دروازہ نپٹ تنگ ، تس پر لوگوں کی آمد و شد متصل ؛ علاوہ اس کے ایک بہت بڑا چراغ قبر کے سرھانے جلتا ہے ، بہ سبب اس کے ایسی گرمی اس میں ہوتی ہے کہ آدمی کی چربی پگھلتی ہے ۔ مرد بھی وہاں سے جو نکلتا ہے سو عرق ناک ، پھر عررت تو نازک ہوتی ہے ، وہ پسینے میں ڈوبی ہوئی حالت غش میں نکلتی ہے ، سوائے اس کے کذب و افترا ۔ یہ سچ ہے کہ اگر مدار سالار دنیا میں پیدا نہ ہوتے تو رجالوں کے یہاں مال خوب جمع ہوتا بلکہ ایک ایک کنجڑا قصائی لکھ پتی بن جاتا ۔

دیوکن[1] (دوکون)

مدت سے پیسوں کی ٹکسال ہے ۔ آنتر کے پہاڑوں سے سونا ، روپا ، تانبا ، سرب ، سہاگہ ، شہد ، چوک ، کچور ، سونٹھ ، پیپل ، باو برنگ ، لون ، ہینگ ، موم ، پشمینہ ، ٹانگن ، باز ، جرہ ، شاہین وغیرہ ؛ سوائے اس کے اور بہت سی چیزیں پہاڑ کے پہاڑیے لاتے ہیں اور بینچ (بیچ) جاتے ہیں ۔ بہ سبب اس کے لوگوں کا ہجوم اور خرید و فروخت کی دھوم (وہاں) رہتی ہے ۔

۱۔ ''دوکون'' (خلاصۃالتواریخ، ص ۴۳)۔ ''دوکون'' (آئین اکبری ص ۴۲۳ طبع کلکتہ)۔

نیم کھار مصرک[1]

نیم کھار ایک نامی جاگہ (جگہ) اور ہندوؤں کی بڑی پرستش گاہ ہے ۔ گومتی اس کے قلعے کے تلے جا نکلی ہے ، نزدیک اس کے ایک حوض ہے ، برمھاورت کنڈھ اس کو کہتے ہیں ، پانی اس کا اندر ہی اندر جوش کھاتا ہے ، ساتھ اس کے ایسا چکر مارتا ہے کہ آدمی کی قدرت نہیں جو اس میں غوطہ لگا سکے بلکہ جو چیز کہ اس میں گرے ، فی‌الفور نکل پڑے ۔ ہنود کے نزدیک بڑا تیرتھ ہے ۔ مشہور ہے کہ جتنی کتابیں ہندی کہ گردش فلکی سے اور انقلاب دھری سے گم ہوئیں تھیں ، تپشیوں اور منیوں نے اپنی طبیعت کی جودت اور ذہن کی حدّت سے اُس کے کنارے پر نئے سر سے انھیں درست کیا اور لکھا ، ہر ایک اُن کے مطالب سے فیض یاب ہوا۔ قریب اُس سے ایک سر چشمہ چھوٹی سی ندی کا ہے کہ وہ گومتی میں ملی ہے ۔ ایک گز کا چوڑا ، چار انگل گہرا ، جب اُس کے کنارے برہمن بید خواں منتر پڑھتے ہیں اور وقت پرستش جس قدر چانول وغیرہ اس میں ڈالتے ہیں ، پھر اُن کا نشان بھی نہیں پاتے ۔

۱۔ " نیکھار مصرک" نسخۂ اول ، (ص ۹۹) " نہکھار مصرک " نسخۂ دوم (ص ۷۰) نسخۂ سوم (ص ۷۶) ، نسخۂ انجمن (ص ۱۱۳) " نکھار مصرک " ۔

" نیم کھار " نام ور قلعہ ایست بزرگ دریاے گودی پایان آن می گزرد ۔ (خلاصۃ التواریخ ص ۴۴) ۔

"نیم کھار" (سرکار خیر آباد) قلعہ از خشت پختہ دارد (آئین اکبری ص ۴۳۸) ۔

"نیم کھار" نامور قلعہ ایست بزرگ پرستش جا ، رود گودی (گومتی) نزد او برگزرد (آئین اکبری ، ص ۴۳۴) ۔

۲۔ نسخۂ اول میں " ہندو " کی جمع " ہندؤں " ہے اور ہر جگہ یہی املا ہے ۔ موجودہ املا " ہندووں " ہے ۔

لکھنئو[1]

بہت بڑا شہر ہے گومتی کے کنارے۔ آگے بھی دارالحکومت تھا لیکن نواب شجاع الدولہ بہادر مرحوم نے بعد بکسر کے ہنگامے کے یہ رتبہ فیض آباد کو بخشا۔ چناں چہ انتقال بھی اس سرائے فانی سے وھیں[2] کیا ، پھر نواب آصف الدولہ بہادر مغفور نے اسی کو نوازا اور دارالامارت ٹھہرایا ۔ آبادی اس کی بہت بڑھ گئی ، کہیں سے کہیں جا پہنچی ۔ اب بھی بہ دستور حاکم نشین یہیں ہے لیکن بیہڑ پر جو بستا ہے ، اس سے نہایت نشیب و فراز اس میں واقع ہے ۔

بیت

کسی کا گھر ہے ٹیلے پر ہوا میں
کسی کا جھونپڑا تحت الثرا[3] میں

غرض شہر مذکور میں کئی سرائیں اور بہت سے کٹرے ٹولے محلے آباد ہیں ۔

شیخ مینا کی درگاہ : جس محلے میں شیخ مینا کی درگاہ ہے ، اسے مینا نگری کہتے ہیں ۔ اکثر لوگ پنچ شنبے کو فاتحہ کے واسطے وہاں جاتے ہیں اور بیش تر عوام الناس فاتحہ ان کی

۱۔ خلاصۃ التواریخ میں لکھنؤ کے متعلق ایک سطر لکھی ہے ۔ ''آرایش محفل'' میں قابل قدر معلومات افسوس نے مہیا کی ہیں (دیکھیے از ص ۱۱۴ تا ص ۱۲۲) ۔ نسخۂ انجمن ترقی اردو ۔

۲۔ نسخۂ اول (ص ۹۹) نسخۂ دوم (ص ۷۱) میں ''ونہیں'' ہے نسخۂ سوم (ص ۷۶) میں ''وھیں'' ۔

۳۔ نسخۂ اول ، دوم اور سوم میں سین مہملہ سے ''تحت السرا'' املا غلط ہے ۔

گڑپنیے[1] پر دلاتے ہیں۔

مزار پیر جلیل: اور بیرون شہر شرق کی طرف لکھ پیڑے کے قریب مزار پیر جلیل کا ہے، لیکن اس کی قبر کا چبوترہ قد آدم بلند و بے زینہ ہے۔ اس باعث کوئی متصل اس کے جا نہیں سکتا، دور ہی سے فاتحہ پڑھ جاتا ہے۔ ہر جمعے کو وہاں اکثر تماش بین جوان برائے سیر اور اکثر جہلا بواج عقیدے سے جاتے ہیں اور ماش کی کھچڑی اور کڑوا تیل چڑھاتے ہیں۔ گستاخی معاف، سوائے کشف و کرامت کے یے (یہ) دونوں بزرگ خوش ذائقہ بھی کتنے تھے کہ بعد رحلت ایسی نظر قبول کی اور کس چیز پر روح کو ان کی رغبت ہوئی۔

شاہ پیر محمد کا ٹیلہ: شہر کے اتّر رخ گومتی کے کنارے شاہ پیر محمد کا ٹیلہ ہے۔ آگے وہی دارالعلم تھا، اکثر طلبہ و علما وہاں پڑھتے پڑھاتے تھے اور اپنی اوقات بہ خوبی بسر لے[2] جاتے تھے۔ سنا ہے کہ شیخ موصوف کو سوائے نعمتِ فقر کے دولتِ علم بھی تھی۔ فی الجملہ مرد صاحبِ کمال و صاحبِ حال و قال تھا۔ زندگی میں وہ مقام اس کا مسکن تھا، بعد مرگ مدفن ہوا، اور مسجد بھی اس پر ایک نہایت عالی شان و وسیع، گنبد اس کے بہ مرتبہ بلند و رفیع،

۱- ''گڑ پینے'' نسخۂ اول (ص ۱۰۰) نسخۂ دوم (ص ۷۱) نسخۂ سوم (ص ۷۷) میں یہی املا ہے۔ نسخۂ انجمن ترقی اردو (۱۹۳۵ء) میں (ص ۱۱۵) پر ''گڑ پنیے'' ہے۔

۲- ''لے جاتے تھے'' نسخۂ اول دوم اور سوم میں ہے، لیکن نسخۂ انجمن میں ''کئے جاتے تھے'' خلاف اصل ہے۔

اور مینار اس کے گومتی کے اس پار پچھم اور اُتّر کے آنے والوں کو تین چار کوس سے نظر آتے ھیں۔ کلس ان کے اب تلک ویسے ھی جگ مگاتے ھیں۔

پچ محلہ : اور قریب اس سے پورب طرف پنج محلہ ھے ، کثرتِ استعمال سے نون اس کا حذف ھو گیا ھے اور جیم چے سے عوض ؛ چناں چہ اکثر لوگ پچ محلہ کہتے ھیں۔ مکان مذکور نواب ابو المکارم خاں کا دیوان خانہ تھا اور یہ بزرگ لکھنؤ کے شیخوں سے ھے مگر امیر تھا ، اور وجہ تسمیہ مکان مسطور کی یہ ھے کہ زمانۂ سابق میں یہاں دو منزلے مکان کو دو محلہ اور سہ منزلے کو سہ محلہ کہتے تھے۔ شاید یہ پنج منزلہ تھا ، اس سبب نام اس کا پچ محلہ ھوا۔ قصہ مختصر جب نواب برھان الملک سعادت خاں مرحوم قبائل سمیت اس شہر میں رونق افزا ھوئے ، اس مکان کو پان سو رُپے کرائے کو لیا ؛ چناں چہ کرایہ نامہ اس کا نواب مرحوم کی مُہر سے آج تلک ان کی اولاد کے پاس موجود ھے لیکن کرایہ چند روز ھی دے کر موقوف کر دیا تھا اور اس کے بدلے کوئی گاؤں یا جاگیر بھی مرحمت نہ کی۔ غرض نواب وزیر الممالک صفدر جنگ ابو المنصور خاں بہادر مرحوم کے عہد حکومت تلک بنا اس کی جوں کی توں رھی۔ جس وقت نواب وزیر اعظم شجاع الدولہ بہادر مغفور مسند ریاست پر بیٹھے ، تب مکانات اور شیخ زادوں کے بھی لے کر اس مکان کے شامل کیے بلکہ ایک آدھ بارہ دری اور بنوائی۔ پھر عوض اس کے اور وے مکان جو آپ لیے تھے دو گواں (گاؤں) مالکوں کی جاگیر کر دیا۔ چند روز کے بعد وہ بھی سرکار میں ضبط ھو گیا لیکن یہ شیخ زادے نواب ابو المکارم خاں مرحوم سے نسبت قرابت کی نہ رکھتے تھے مگر ھم وطنی کی۔ پھر نواب وزیر ابن الوزیر

آصف الدولہ بہادر خلد مکان کا جب دور آیا ، انھوں نے مکان مسطور نئے سر سے تعمیر کیا ، نقشہ ھی اور کر دیا بلکہ بہت سی حویلیاں لوگوں کی جو اس کے اطراف و جوانب میں تھیں ، شیخا[1] دروازے سمیت ، وے (وہ) گروا دیں اور ان کی جاگہ عمارتیں نئی نئی وضع کی خوش قطع و دل چسپ بنوائیں۔ چناں چہ سنگی بارہ دری اور باولی والا مکان انھیں میں سے ھے ؛ سوائے ان کے بھی بہت سے مکانات و باغات بنائے کہ ھر ایک اپنی وضع میں بے نظیر اور نقش و نگار و صفائی میں بہ از صفحۂ تصویر ھے ؛ خصوصاً دولت خانہ کہ اشرف المکانات ھے ، اس واسطے اس جنت مکان کی اکثر آرام گاہ وھی تھا۔ تاریخ اس کی بِنا کی ''دولت خانۂ عالی'' مؤلف کے نتائج طبع سے ھے لیکن خیر العمارات امام باڑا ھے۔ واقعی کہ ایسا استوار و پائے دار کوئی مکان نہیں اور کسی عمارت میں اس شان کا دالان نہیں۔

بیت

حضیض اس کی اوجِ فلک سے بلند
نہ پہنچے جہاں وھم کی بھی کمند

مسجد بھی وھاں کی تمام شہر میں نمودار ، عمارت اس کی نہایت استوار ؛ ھر ایک برج اس کا وسعت میں مسجد جامع کے برابر اور رفعت میں برج فلک سے ھم سر۔

بیت

ملائک زمیں پر ھوں ساکن اگر
عبادت کریں بس وھیں بیٹھ کر

۱۔ شیخاً ، نسخۂ اول (ص ۱۰۲) ۔ ''شیخا'' نسخۂ دوم (ص ۷۲) نسخۂ سوم (ص ۷۸) نسخۂ انجمن (ص ۱۱۶) ۔

اب نواب آصف الدولہ بہادر مغفور کے بعد نواب یمین الدولہ ناظم الملک سعادت علی خاں بہادر وزیر ابن وزیر نے جو مسند حکومت پر اجلاس فرمایا اور افضال الٰہی سے ملک موروثی اپنا پایا ، علا ہذا القیاس متوجہ تعمیر پر ہوا؛ چناں چہ کیا کیا مکان عالی شان دل کشا بلکہ ایک رسنا بھی نہایت پُر فضا بنایا اور جتنے باغ تھے ان کی رونق کو دونا کر دکھایا۔ خصوصاً وزیر باغ اور موسیٰ باغ میں ایسی عمارات انگریزی دل چسپ بنائی (بنائیں) کہ بہار وہاں سے (کبھو) نہیں جاتی اور خزاں ہرگز آنے نہیں پاتی۔

بیت

طلسمات کا سا ہے اس میں سماں
کوئی جا کے واں ، پھیر جاوے کہاں

فی الواقع ہر ایک عمارت قابلِ تعریف و لائق توصیف ہے لیکن بہترین عمارت بنائے مکان علم مجازی حضرت عباس علیہ السلام ہے کہ نواب رفیع المکان نے خلوص[1] عقیدت سے سن بارہ سَے سترہ میں از سر نو کس خوبی سے اس کو بنوایا اور ہزارہا روپیہ اس کی تعمیر میں اٹھایا۔ تاریخ اس کی بنا کی مرزا قتیل شاعر کے اس مصرعے سے نکلتی ہے : مصرعہ

ایں گنبد جدید بنائے سعادت ست

الٰہی اس کے بنانے والے کی بنیادِ دولت کو مستحکم رکھیو اور توفیقات نیک کو اس کی زیادہ کیجو۔

مرزا ابو طالب خاں کا امام باڑا : پچھم طرف بائیں آس کے لب دریا مرزا ابو طالب خاں کا امام باڑا ہے ، بنا اس کی

۱۔ ''خلوص عقیدت'' نسخۂ اول ، دوم ، سوم میں ہے نسخۂ انجمن میں ''خلوص و عقیدت'' غلط ہے۔

تمام شہر کے امام باڑوں سے مقدّم ہے ؛ چناں چہ اُس کی بنیاد کو ساٹھ برس تخمیناً گزرے ۔ ریاست اس وقت نواب صفدر جنگ بہادر مرحوم کی تھی لیکن مکان مذکور کے مالک پہلے کلب علی خاں مرحوم تھے ؛ خانِ مغفور نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں مرحوم کا نانا تھا ۔ غرض اس بزرگ نے اس مکان کو اپنے اقربا کے مدفن کے لیے بنا کیا تھا ؛ چناں چہ اُس کی حینِ حیات میں ایک آدھ[1] قبر بھی وہاں بن چکی تھی ۔ بعد اُس کے مرزا علی ، مرزا ابو طالب کے باپ نے تھوڑی سی زمین اس مرحوم سے امام باڑے کے واسطے مانگی ۔ اس بزرگ وار نے سعادت دارین جان کر نذر کی بلکہ جس مکان میں وہ قبر ہے ، مجاوری بھی وہاں کی اس کو دی کیوں کہ وہ بے چارا مرد غریب و گم نام تھا ، پر جب تلک جیتا رہا مکان مذکور اس کے قبضے میں رہا ، اور دالان امام باڑے کا بنایا ہوا اسی کا ہے ۔ بعد اس کی وفات کے مرزا ابو طالب خاں سپوت ہوا ؛ اس نے نام و نشان روزگار میں پیدا کیا ، اس واسطے امام باڑا اسی کے نام سے مشہور ہوا ۔ تین گاؤں بھی اس کے اخراجات کے لیے نواب شجاع الدولہ بہادر مرحوم کے عہد حکومت سے معیّن ہوئے تھے لیکن نواب آصف الدولہ کے دور میں نصفی ہو گئی تھی ۔ بالفعل نواب یمین الدولہ سعادت علی خاں بہادر دام اقبالہ کے وقت میں وہ بھی ضبط ہوئے ، پر مرزا مہدی علی خاں دام ثروتہ سال بہ سال وہاں کے اخراجات کے لیے قدر قلیل اپنی طرف سے گزرانتے ہیں ۔ فی الحقیقت یہ بھی وزیر ہی کی سرکار سے ملتا ہے کیوں کہ خان موصوف بھی اس سرکار کا ایک

۱۔ ”آد“ نسخۂ اول و دوم و سوم میں ہے ، موجودہ املا ”آدھ“ ۔

ملازم مقرب[1] ہے ۔ حق تعالیٰ توفیقات کو اس کی زیادہ کرے اور نواب وزیر کے دربار میں بہ عزت و آب رو رکھے ۔ بعد اس کے نواب وزیر الممالک شجاع الدولہ بہادر کے عہد دولت میں جوہری محلے کے متصل باقر خاں نے ایک امام باڑا بنایا اور دونوں جہاں میں فائدہ اٹھایا ۔ خان مرحوم مغل ولایت زا عمدۂ روزگار تھا کئی سَے سوار مغل وغیرہ اس کے رسالے میں تھے۔ اب آغا فتح علی خاں خلف الصدق اس کا قید حیات میں ہے لیکن محض بے کار و تکالیف میں گرفتار ، پر مکان مسطور پر قابض ہے ۔ ایک گاؤں بھی اس مبارک بنیاد کے اخراجات کے لیے آصف الدولہ بہادر نے دیا تھا لیکن دو برس بعد اہل کاروں نے کسی حیلے سے ضبط کر لیا ۔ غرض یہ خجستہ بنا فی‌الواقع محل قبولیت و مقام تعزیت ہے ؛ مجلس میں یہاں کی شائبہ ریا کا نہیں ، سوائے گریہ و زاری اہل مجلس کو کام دوسرا نہیں ۔

بیت

غلط ہے خلق کی کثرت کہیں نہیں ہوتی
ولے بکا کی یہ شدّت کہیں نہیں ہوتی

خوشا حال اس کے بنانے والے کا کہ دنیا میں نام کیا اور عُقبیٰ میں ثواب لیا ۔ قبر بھی اس مرحوم کی اسی میں ہے بلکہ اکثر مومنین اغنیا و مساکین اس[2] کے مکانات و صحن میں آسودہ ہیں ۔

۱۔ ''مقرب'' نسخۂ اول (ص ۱۰۴) نسخۂ دوم (ص ۴۷) نسخۂ سوم (ص ۸۰) میں ہے ۔ نسخۂ انجمن (ص ۱۱۹) میں ''مقرر'' غلط ہے ۔

۲۔ نسخۂ اول (ص ۱۰۵) نسخۂ سوم (ص ۸۰) میں ''اس کے'' ہے ۔ نسخۂ دوم (ص ۴۷) میں ''اسی کے'' ہے اور نسخۂ انجمن میں بھی ''اسی کے'' نقل ہوا ہے ۔

بیت

الٰہی قبر میں ہر ایک سوئے چین کے ساتھ
بہ روز حشر ہو محشور پھر حسین[۴] کے ساتھ

اور سال اس کی بھی تعمیر کا از روے تاریخ نظم و نثر دیکھنے میں نہیں آیا مگر بعضے اکابر و آغا فتح علی کی زبانی معلوم ہوا کہ اس کی بنیاد کو اکتالیس یا پینتالیس برس گزرے ہیں۔ العلم عنداللہ۔

فرنگی محل: اور چوک سے متصل دکھن طرف فرنگی محل۔ وجہ تسمیہ اس کی یہ ہے کہ اکبر بادشاہ کے عہدِ سلطنت میں اس مکان کے بیچ ایک فرانسیسی[۱] سوداگر آترا تھا جو کہ بے اذن حضور اعلا کے یہ امر وقوع میں آیا، ملازمان حضور کو گوارا نہ ہوا، آخر اس کو اخراج کیا۔ پھر اورنگ‌زیب کے وقت میں حسب الحکم بادشاہی مکان مسطور مُلاّ قطب الدین شہید کے فرزندوں کو ملا؛ چناں چہ اب تک بھی ان کی آل اولاد کی سکونت وہیں ہے لیکن وجہ معاش جو ان کی بند ہو گئی، یہ صرف قصور طالع کا ہے والّا آج نواب وزیر کی سرکار سے ہزاروں پرورش پاتے ہیں، وارد صادر یہاں سے بہتیرا کچھ لے جاتے ہیں، پھر یہ تو استحقاق زیادہ رکھتے ہیں کیوں کہ آبا و اجداد سے اس خاندان عالی کے نمک خوار و شکرگزار ہیں۔ جس وقت مزاج جناب عالی کا ٹک ایک متوجہ ہوا، یہ قلیل تو کیا چیز ہے، ماورا اس کے نعمائے کثیر پائیں گے اور مدت العمر کو بے نیاز ہو جائیں گے لیکن ”کل امرٍ مرھونٍ باوقاتھا“۔

۱۔ ”فراسیس“ نسخۂ اول، دوم اور سوم میں یہی ہے۔ نسخۂ انجمن میں ”فرانسیسی“ ہے۔

بیت

تا درنہ رسد وعدۂ ہر کار کہ ہست
سودے نہ کند یاریٔ ہر یار کہ ہست

حاصل یہ ہے کہ مکان مذکور قدیم مدرسہ ہے ۔ بڑے بڑے فاضل مدرس وہاں گزرے ہیں بلکہ اب تلک بھی سر رشتہ درس و تدریس کا جاری ہے ؛ چناں چہ سوائے شہر کے طلبا اطراف و اکناف سے وہاں تحصیل کے واسطے آتے ہیں اور فیض ان سے اٹھاتے ہیں ۔ حق تو یہ ہے کہ اس شہر میں چرچا علم و فضل کا بہ نسبت اور بلاد کے زیادہ ہے کیوں کہ فریقین کے فاضل یہاں موجود ہیں ۔

لیکن سُنّیوں کے فرقے میں مستثنیٰ مولوی مبین صاحب اور فرقۂ ناجیہ امامیہ میں سید دلدار علی سلمہ اللہ تعالیٰ وحیدِ عصر ہے ۔ تبحّر اس بزرگ کا اس کی تحریر سے ہویدا ہے اور خوش بیانی اس کی تقریر سے پیدا ۔ سیکڑوں اشخاص اس کی بہ دولت گم راہی سے نکلے اور منزلِ ہدایت کو پہنچے ۔ مذہب امامیہ کو ترقیِ کامل اس نے بخشی اور ہندوستان میں نماز جمعہ و جماعت اسی نے کی ۔

شعرا بھی جتنے اس شہر میں ہیں ، کیا فارسی گو کیا ریختہ گو ، کہیں نہیں ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بعد برہم ہونے شاہ جہاں آباد کے اکثر غریب امیر میرزایان ہندوستان سے نواب صفدر جنگ و شجاع الدولہ بہادر کے عہد میں آ کر اس شہر میں بہ سکونت دائمی ساکن ہوئے ۔ پس شہر تو عبارت اشخاص سے ہے ، یہی دلّی ہو گیا ، اور باشندے بھی اس کے بہ سبب کثرت صحبت و تتبعِ زبان تلفظ صحیح کرنے لگے ، یہاں تک کہ جن کی طبع

موزوں تھی ، شاعر ہو گئے ؛ باوجود اس کے بھی لہجے میں تفاوت بہت رہ گیا لیکن محاورے میں کم کہ زبان دان ہی اس کو سمجھے اور اسی کی طبیعت اس پر لگے ۔

کالکا مندر : بت خانے بھی اندرون و بیرون شہر کے ہیں لیکن نعل دروازے کے پچھم طرف کالکا کا بت خانہ قدیم ہے ۔ ہر پیر کو وہاں ہنود جمع ہوتے ہیں اور اس کی پرستش کرتے ہیں ، پر ہولی کے بعد کئی دن رات کو روشنی افراط سے وہاں رہتی ہے ، اور دکھن طرف شہر کے باہر بھوانی کا مٹھ ہے ، وہاں بھی اٹھوارے میں ایک مرتبہ ہندو پوجا کو جاتے ہیں اور پکوان وغیرہ بھی چڑھاتے ہیں ، مگر ہولی کے آٹھویں دن بڑا میلہ ہوتا ہے ۔ تمام شہر کے ہندو بلکہ مسلمانانِ تماش بین اور رنڈیاں بھی اسی قبیل کی ہزاروں جاتی ہیں اور جھمکڑے اپنے خواہش مندوں کو دکھاتی ہیں ۔ تا شام اس[1] کے مندر کے گرد و پیش ایک دنگل جمع رہتا ہے بلکہ اس کے قریب جتنے باغ ہیں ، وے بھی آدمیوں سے معمور رہتے ہیں ۔ غرض اس طرح کا میلہ شہر مذکور میں دوسرا نہیں ہوتا ، نام اس کا آٹھوں ہے ۔

سورج کنڈھ : سورج کنڈھ ایک تالاب ہے شہر سے چار کوس پچھم دکھن کے درمیان ۔ وہاں بھی ہر برس برسات کے اخیر ہندو زن و مرد لاکھوں نہانے جاتے ہیں بلکہ دور دور کے باشندے بھی وہاں اپنے تئیں پہنچاتے ہیں ۔ ساتھ اس کے مسلمان بھی

۱۔ نسخۂ اول (ص ۱۰۷) میں " اُس " ہے ۔ نسخۂ دوم ، (ص ۷۶) نسخۂ سوم (ص ۸۲) نسخۂ انجمن (ص ۱۲۲) میں " اسی " ہے ۔

ہزاروں نظر بازسجے سجائے ادھر آدھر ، اورکسبیاں بھی تمام شہر کی اپنے تئیں بنائے چنائے جدھر تدھر جلوہ گر ۔ غرض تا شام وہاں بھیڑ بھاڑ رہتی ہے ۔

بلگرام[1]

ایک بڑا قصبہ ہے ۔ اکثر وہاں کے لوگ قابل و شاعر و صاحب طبع ہوتے ہیں ۔ قصبۂ مذکور میں ایک کنوا[2] (ں) ہے جو کوئی چالیس دن متصل اس کا پانی پیے خوب گانے[3] لگے؛ سوائے اس کے اکثر اہل کمال یہاں گزرے ہیں ۔

عبدالجلیل بلگرامی

چناں چہ سید جلیل القدر عبدالجلیل بلگرامی بڑا شاعر ، علم عربی و فارسی میں خوب ماہر فرخ سیر کے وقت میں گزرا ہے بلکہ سندھ کی وقائع نگاری بھی اس کو حضور اعلا سے مقرر تھی ۔ اتفاقاً سرکار مذکور میں ایک بار اسی عہد فرخ میں مینہ کے ساتھ مصری برسی تھی ۔ اس بزرگ وار نے اس خبر نادر روزگار کو بھی حضور پرنور میں لکھ بھیجا ۔ حضرت اس خبر کو خلاف قیاس سمجھ کر نہایت برہم ہوئے کہ افترا کرنا اور بادشاہوں کے حضور لکھنا ہرگز نہ چاہیے ، یہ شخص لائق اس امر کے نہیں ۔ غرض خدمت

۱۔ سید عبدالجلیل بلگرامی ، مولانا میر غلام علی آزاد ، مفتی میر حیدر کے حالات افسوس نے اضافہ کیے ہیں ۔ (فائق)

۲۔ نسخۂ اول (ص ۱۰۷) نسخۂ دوم (ص ۷۶) میں '' کنوا '' ہے ۔ نسخۂ سوم (ص ۸۲) میں '' کنواں '' ہے ۔

۳۔ و دراں جا چاہے است کہ ہر کہ چہل روز آب ازو بر آ شامد شناسائی و حسن منظر افزاید ۔ (آئین اکبری ، ص ۳۳۳ ، طبع کلکتہ)۔

سے اس بے چارے کو تغیر کیا ، روزگار اس کا ناحق جاتا رہا ؛ تب میر مذکور خبر مسطور کی صداقت کے لیے وہاں کے قاضی مفتی بلکہ اکثر اشراف ثقات کی مہروں سے ایک محضر کروا کر حضور میں لے آیا اور مورد الطاف ہو کر آسی خدمت پر پھر سرفراز ہوا۔ یہ رباعیِ حسبِ حال اس کی طبع زاد ہے۔

رباعی

فرخ سیر آن پاد شه با برکات
چرخ از آب او شده شیریں حرکات
در سنده ز یمن عهد دولت مندش
باران بارید[1] ریزهٔ قند و نبات

میر غلام علی

بعد اس بزرگ کے میر غلام علی آزاد بھی شعر و سخن و علم و فضل میں اپنے معاصرین کے بیچ لاثانی تھا بلکہ اشعار عربی تو اس فصاحت و بلاغت و بہتایت کے ساتھ کہ اهل هند میں کسی نے اس سے آگے بھی نہیں کہے ۔ قصائد اس کے اس بات پر دال هیں اور اس کی تعریف میں فصیحانِ عرب کی زبانیں لال ۔ پیدایش اس کی گیارہ سے چودہ هجری میں اور وفات اس کی سن بارہ سو دو میں ۔

مفتی میر حیدر

پوتا بھی اس کا مفتی میر حیدر اس وقت میں مغتنم زمانه اور اپنے معاصرین میں یگانه تھا ۔ علوم عربیه میں مہارت تمام اور فنونِ فارسی میں دست گاہ مالا کلام اس کو تھی ۔ نثر کی جمیع

۱۔ نسخۂ اول (ص ۱۰۸) میں " بارید " میں ایک نقطه زاید چھپ گیا ہے ۔

اقسام پر قادر تھا اور نظم کے تمام اسراروں سے ماہر ۔ صاحبان کمپنی دام ظلہم کی سرکار میں مفتی گری کی خدمت پر برسوں سرفراز رہا اور صاحبانِ عالی شان کے نزدیک اپنے ہم چشموں میں ہمیشہ ممتاز۔ اتفاقاً سن بارہ سے سترہ میں قبائل اس کے بلگرام کو روانہ ہوئے ، میر موصوف اُن کے پہنچانے کے لیے آپ بھی تا عظیم آباد ساتھ ہوا ؛ مرشد آباد تلک پہنچا تھا کہ مرض الموت نے آ گھیرا ، آخر منزلِ مقصود تلک جانے نہ دیا مگر اول منزل پہنچایا ۔ حاصل یہ ہے کہ یہاں کی زمین قابل خیز ہے ۔ ایک نہ ایک صاحب کمال یہاں پیدا ہو[1] رہتا ہے ۔ قصہ مختصر صوبۂ مذکور کی آب و ہوا نہایت خوب ہے اور اناج اکثر قسم کا یہاں پیدا ہوتا ہے ؛ خصوصاً استعمالی اور جھنواں چانول نہایت خوش ذائقہ و سفید و پاکیزہ و خوش بو ہوتے ہیں ، اور ہندوستان کے اکثر متعلقات سے اس صوبے کے کتنے ہی[2] محالوں میں کھیتیاں تین مہینے پہلے بوئی جاتی ہیں ؛ اور بعضے مقاموں میں دریا جیٹھ کے مہینے میں چڑھتے ہیں ، اکثر قطعے زمین کے پانی میں ڈوب جاتے ہیں پر جوں جوں پانی زیادتی کرتا ہے ، دھان زیادہ پھبکتا ہے اور بڑھتا۔ اگر بال لگنے سے پہلے پانی کی طغیانی ہو جائے تو دھان اس کھیت کے بال نہیں لاتے اور جنگلوں میں یہاں کے ارنے، شیر کثرت سے ہوتے ہیں ؛ خصوصاً گورکھ پور بہرائچ کے اطراف میں ؛ سوائے ان کے ہرن[3] پہاڑیے (پاڑھے) وغیرہ جانور صحرائی بہ افراط نظر آتے ہیں ۔

۱- ”ہو رہتا“ نسخۂ اول ، دوم ، سوم میں ہے ۔ ” ہوتا رہتا “ نسخۂ انجمن میں غلط ہے ۔

۲- تینوں نسخوں میں ”ہیں“ ہے ، موجودہ املا ” ہی “ ۔

۳- نسخۂ اول (ص ۱۰۹) میں ”ہرن“ ہے لیکن نسخہ دوم اور سوم میں یہ لفظ نہیں ہے ۔

اگرچہ دریاؤ اس صوبے میں بہت ہیں لیکن بڑے تین ۔ گھاگرا[1] سرجو ، ڈامنی ۔ طول اس کا سرکار گورکھ پور سے قنوج تلک ایک سو تیس کوس اور عرض کوہ شمالی سے سدھور تابع الہ آباد ایک سو پندرہ کوس ۔ مشرق کی جانب آس کے بہار ، شمال کی طرف[2] پہاڑ ، جنوب کی سمت مانک پور ۔ مغرب کی طرف قنوج ، اودھ[3] بہرایچ ، خیر آباد ، لکھنؤ ، گورکھ پور ، پانچ سرکاریں متعلق ان کے ایک سو ستانوے محال ، آمدنی چھ کروڑ پانچ لاکھ چالیس ہزار دام[4] ۔

۱۔ بزرگ دریاے سرجو و گھگر و سئی و گومتی رو دیست (خلاصۃ التواریخ ، ص ۴۴) ۔

۲۔ باختر قنوج شمالی کوهستان جنوبی مانک پور و سرکار اودھ و گورکھ پور و بہرایچ و خیر آباد و لکھنؤ پنج سرکار مشتمل بر یک صد و نود و هفت محال و بست و شش کرور چهل و پنج لک و چهل هزار دام داخل این صوبه است (خلاصۃ التواریخ ، ص ۴۴) ۔

۳۔ صوبہ اودھ کی حدود خلاصۃ التواریخ کے موجودہ مطبوعہ نسخے میں چنداں واضح نہیں ۔

آئین اکبری (ص ۴۳۳ طبع کلکتہ) میں یہ حدود درج ہیں :

دراز از سرکار گورکھ پور تا قنوج صد و سی و پنج کروہ ۔ پهنا از شمالی کوہ تا سدہ پور صوبہ الہ آباد صد و پانزدہ خاور رویہ بہار ۔ شمالی کوہ ، جنوبی مانک پور ، غربی قنوج ۔

ابو الفضل نے پانچ سرکاریں اور ایک سو اڑتیس پرگنے صوبے کے بتائے ہیں ، آمدنی بیس کروڑ سترہ لاکھ اٹھاون ہزار اور ایک سو بہتر دام ظاہر کی ہے ۔

۴۔ آمدنی خلاصۃ التواریخ کے مطابق چھبیس کروڑ پینتالیس لاکھ چالیس ہزار دام ہے ۔ افسوس نے چھ کروڑ پانچ لاکھ چالیس ہزار غلط لکھی ہے ۔

صوبۂ سراپا بہار[1]

دارالحکومت اس کا عظیم آباد[2] عرف پٹنہ ھے - نہایت خوش سواد و خوش آب و ھوا ، گنگا کے کنارے ، اور اس مقام میں درباؤ کو اٹھارہ گنڈے ندی بھی کہتے ھیں - طول آبادی کا بہت بڑا اور عرض چھوٹا ، عمارتیں سابق میں کھپریل کی بیش تر تھیں ، اب پختہ بھی ھیں کیوں کہ آبادی و رونق شہر مذکور کی صاحبان انگریز کی ریاست میں بڑھ گئی ھے - چناں چہ باقی پور تین کوس شہر سے پرے پچھم طرف اور اس سے تین کوس آگے دانا پور - یے (یہ) دونوں معمورے معقول آباد ہوئے ھیں ، اکثر صاحبوں کی کوٹھیاں ، حویلیاں ، باغ وھاں ساتھ ایک لطف و قرینے کے ھیں - غرض شہر سے تا باقی پور اور وھاں سے دانا پور تلک بستی ھی بستی ھے فاصلہ نہیں - شہر پناہ اس کی خام مگر دریا کی طرف النگ خشتی ھے ، اور قلعہ وھاں بہ نام ھے - فی الحقیقت ایک عمارت کلاں خشتی ھے لیکن اب برانی

۱- صوبہ بہار -

۲- پتنہ دار الحکومت ایں صوبہ است - مصرے ست بزرگ بر ساحل دریاے گنگ ، بیشتر عمارات سفال پوش باشد (خلاصہ ، ص ۳۰) -

اصل میں چھ سطریں ھیں ، افسوس نے دو صفحے سے زیادہ میں حالات لکھے ھیں -"عظیم آباد" نام سجان راے نے نہیں لکھا ھے ، افسوس نے لکھا ھے ، باقی پور اور دانا پور کا ذکر افسوس نے کیا ھے - (فائق)

ہو گئی۔ مکانات اس میں متعدد ہیں اور قریب اس کے پچھم کی طرف ایک مسجد و مدرسہ نہایت کشادہ و خوش عمارت۔ اگرچہ عمارت اس کی اب پرانی ہو گئی ہے لیکن شہر مذکور میں لاثانی ہے ، گو کہ مسجدیں کہنہ و نو بہت سی ہیں۔ یوں سنا ہے کہ بنا اس کی نواب سیف خاں مرحوم نے ڈالی تھی ، پر تعمیر نواب ہیبت جنگ نے کی ؛ بالفعل نواب سراج الدولہ کی نواسیوں کے قبضے میں ہے۔ پورب دروازے کے آگے ایک مسافت بعید پر جعفر خاں کا باغ ہے اور پچھم دروازے سے ایک کوس کے فاصلے پر شاہ ارزاں کی درگاہ ؛ سواد اس کا سہاؤنا ، ہر ایک مکان لگونہا ، ہر پنج شنبہ شہر کے لوگ بہ کثرت وہاں جمع ہوتے ہیں اور کنچنیاں ، کسبیاں بھی تمام شہر کی جاتیاں ہیں ، ناچ کی صحبت تا شام بلکہ کچھ ایک رات گئے تلک رہتی ہے ، لیکن صاحبان عالی شان کی ریاست سے پہلے اژدحام خلائق کا بہ کثرت ہوتا تھا ، اب اس قدر نہیں ، پر تھوڑا بہت مجمع ہو ہی رہتا ، ہے کیوں کہ کوئی مزاحم و مانع نہیں ، جس کا جی چاہا ، گیا جس کا جی نہ چاہا نہ گیا۔ دکھن رخ اُس درگاہ کے ایک امام باڑا ہے جلّے[1] کے کنارے۔ تغریبے تمام شہر کے عاشورے کے دن وہیں دفن ہوتے ہیں۔ صحن اس کا نپٹ کشادہ اور مصفا اور ہوا نہایت خوش آیند و پاکیزہ ؛ خصوصاً برسات میں جو کوئی وہاں جائے نہایت حظ اٹھائے۔

بیت

جو چاہے کہ کھولے دل تنگ کو
کرے دید واں کے ذرا رنگ کو

۱۔ نسخۂ اول (ص ۱۱۱) ''جلّے'' ہے ، نسخۂ دوم (ص ۷۹) ، نسخۂ سوم (ص ۸۵) میں ''جلے'' لیکن نسخۂ انجمن میں ''جس کے''۔

غـلّه بھی اقسام کا بہ کثرت ہوتا ہے ، بیش تر ارزانی رہتی ہے اور دودھ نہایت گاڑھا ، چکنا ؛ دھی نپٹ خوش ذائقہ تَجکّا بہتایت سے بہم پہنچتا ہے ، اور ترکاریاں ہر قسم کی بہ افراط اور سستی ، لیکن تر میوے بعضے بعضے خوب ہوتے ہیں ، خصوصاً انار نہایت خوش مزہ بہت بڑا ، دانہ بھی اس کا گندہ ، نپٹ رسیلا ؛ اگرچہ ولایت کا سا تو نہیں لیکن ہندوستان کے اکثر بلاد کے اناروں پر شرف رکھتا ہے ؛ غرض جلالِ آباد کے انار سے کلانی و خوبی میں کچھ کم نہیں ۔ کپڑا بھی اقسام کا خوش قماش اس صوبے میں بُنا جاتا ہے ؛ خصوصاً ململ شیخ پُرے کی مشہور ، لیکن حقّے اور بعضے ظروف شیشے کے عظیم آباد سے بہتر کہیں نہیں بنتے ۔ توتا بھی امرت بھیلا اور کجلا کثرت سے ہوتا ہے ۔ اگر کوئی اس کو پالے اور پڑھائے تو جلد بولے اور بہ خوبی پڑھے ۔ تیس کوس شہر مذکور سے جنوب کی طرف دامن کوہ میں گیا ایک بڑا معبد ہنود کا ہے ۔ دور دور سے ہندو وہاں آ کر اپنے جد و آبا کی ارواح کے لیے دان پُن کرتے ہیں ؛ خصوصاً چلّے کے جاڑے میں جب آفتاب قوس میں آتا ہے ، ہزاروں اشخاص مرد و زن اس مکان میں نزدیک و دور سے آ کر جمع ہوتے ہیں ؛ پھر منتر پڑھ پڑھ ترپن[۱] مرادہ سے اپنے مُردوں کی روح کو مسرور کرتے ہیں اور اس عمل کو ان کی نجات کا موجب اور اپنی بہترین عبادت جانتے ہیں ۔ قریب اس کے سنگ مرمر کی کھان ہے ، بیش تر وہاں ظرف و زیور سنگ مذکور کا بناتے ہیں

۱۔ نسخۂ اول (ص ۱۱۲) ، نسخۂ سوم (ص ۸۶) ، میں ترپن ہے ۔ نسخۂ دوم (۹۷) میں "ترین" ۔ سجان رائے نے صرف یہ لکھا ہے :

"و روح نیاگان را از خواندن افسون ہا و رسانیدن غلہ و آب خوشنود می سازند" ۔ (خلاصہ ص ، ۳۵) ۔

اور اپنی دست کاری کی خوبیاں دکھاتے ھیں ۔ کاغذ بھی ارول اور بہار میں بہتر سے بہتر بنتا ھے ۔

سرکار منگیر[1]

" خلاصۃ التواریخ " کی رو سے معلوم ھوتا ھے کہ عالم گیر کے عہد میں یا اس سے سابق ایک دیوار سنگین گنگا سے پہاڑ تلک بنا کر صوبۂ بہار کی انتہا اس کو مقرر کیا تھا لیکن سال ھاے سال سے الی الآن کہ سن اٹھتالیس (اڑتالیس) جلوسی شاہ عالم کے ھیں ، اس کا نشان بھی سننے دیکھنے میں نہیں آیا ، خدا جانے تھی یا نہ تھی ؛ پر دریا کنارے ایک قلعہ پختہ البتہ تعمیر ھوا تھا ، بالفعل بھی موجود ھے لیکن عمارت اس کی جا بہ جا سے گر پڑی ھے ۔ اندر اس کے صاحبان انگریز نے بنگلے اور بعضے مکان پختہ بھی بنائے ھیں ۔ اور جھاڑ کھنڈ کے پہاڑ تلے بیج ناتھ ایک معبد ھے ، اس کو مہادیو کا مکان کہتے ھیں ، وھاں پیپل کا ایک درخت کہ اس کے اُگنے کا آغاز کسی کو معلوم نہیں ۔ وھاں کے مجاوروں میں جس کو احتیاج خرج ضروری کی ھوتی ھے ، وہ کھانا پینا چھوڑ کر اس کے نیچے آ بیٹھتا ھے اور مہادیو سے التجا کرتا ھے ؛ دو تین دن کے بعد ایک پتا لکھا ھوا قلم غیب سے بہ خط ہندی اس کے پاس آن پڑتا ھے ۔ اس سے رُپے جتنے کہ اس کی

۱- "سرکار منگیر از دریاے گنگ تا کوہ دیوارے سنگین کشیدہ اند و آن را سرحد بنگالہ بر شمارند و دریں سرکار در دامن کوہ بیج ناتھ مکانے است منسوب بہ مہادیو"۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۴۵) ۔

"در سرکار منگیر از دریاے گنگ تا کوہ سنگین دیوارے کشیدہ و سرحد بنگالہ شمارند"۔ (آئین اکبری ، ۲؍۱۷ ، طبع کلکتہ) ۔

"مونگیر" کے بیان میں قدرے وضاحت کی ھے (فائق) ۔ "سرکار مونگیر ، سی و یک محل"۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۴۱۹) ۔

قسمت میں تھے اور نام دینے والے کا بلکہ اس کے باپ دادا زن و فرزند کا بھی معہ ملک و سمت ہر چند کہ پان سو کوس پر کیوں نہ ہو ، ظاہر ہوتا ہے ؛ تب وہ اس کو اپنے سردار پاس لے جاتا ہے ، وہ مطابق اس کے ایک کاغذ لکھ دیتا ہے ، اسی کو ہنڈوی بیج ناتھ کہتے ہیں ۔ پھر طالب اس کو لے کر اس شخص کے پاس جاتا ہے ، فی الفور وہ زر مسطور حامل کاغذ کے حوالے کرتا ہے ، چناں چہ ''خلاصۃ الہند'' کے مؤلف نے لکھا ہے کہ ایک بامنھ وہاں کا میرے نام پر بھی لایا تھا ، میں نے سعادت جان کر زر معلوم ادا کیا ۔ نادر تر اس سے یہ ہے کہ اس معبد میں ایک غار ہے کہ مجاوروں کا رئیس سال میں ایک بار شیو برت کے دن اس غار میں جا کر خاک اٹھا لاتا ہے اور ہر ایک مجاور کو اس میں سے دیتا ہے ، بہ قدر اس کے نصیب کے وہ خاک سونا ہو جاتی ہے ۔

ترہت[1]

قدیم سے دارالعلم ہندی ہے ، آب و ہوا وہاں کی نہایت خوب ، دھی وہاں کا چِکّا اور نہایت خوش مزہ بہت تحفہ ، بلکہ ''خلاصۃ التواریخ '' کے مصنف نے لکھا ہے کہ ایک برس تلک نہیں بگڑتا ؛ اغلب کہ یہ مبالغہ ہو کیوں کہ عقل و نقل کے خلاف ہے ، اور دودھ بھی علیٰ ھذا القیاس ۔ کہتے ہیں کہ

۱۔ ''ترہت ۔ از دیر باز دارالعلم و جامع ہندی فضیلت است ۔ آب و ہوا گزین دارد ، جغرات آنجا تا یک سال دگرگوں نہ شود و خوش مزہ بماند ۔ شیر فروش اگر آب بیشتر آموزد آمیزد از غیب گزندے بہ او رسد ''۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۴۵) ۔

''از دیر باز بنگاہ ہندی دانش ، آب و ہوا بس گزیں ، جغرات تا یک سال دگرگون نہ شود''۔ (آئین اکبری ، ص ۴۱۷) ۔

اهیر اگر پانی اس میں ملا دیوے تو غیب سے آسیے ایک صدمہ پہنچے، اور بھینس بھی اس بستی میں آتی بڑی اور قوی ہوتی ہے کہ شیر اس کو شکار نہیں کر سکتا ؛ علاوہ اس کے برسات میں ہرن بارہ سنگے شیر بہ کثرت اکٹھے ہو کر بستی میں آتے ہیں اور باشندے وہاں کے حظ ان کے شکار سے اٹھاتے ہیں ۔

سرکار چنپارن[1]

کی زمینِ قابل میں اگر ماش بکھیر دیویں تو بے رنج کشت کاری آگ اٹھیں ، اور اس کے جنگل میں پیپلیں بہت پیدا ہوتی ہیں ۔

رہتاس[2]

قلعہ ہے ایک بلند پہاڑ دشوار گزار پر ، چودہ کوس کے

۱۔ سرکار چنپارن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (خلاصہ ، ص ۳٦) ۔

۲۔ ''قلعہ ایست بر فراز کوہ آسمان سا ، دشوار گزار دور آن چہاردہ کروہ و بران کشت کار شود فراوان ، چشمہ بر جوشد و در ہر جا چہار گز بر کنند آب پدید آید و کولاب ھا بہ ہنگام بارش افزون از دویست و آبشار ھا چشم و گوش بر آفروزد ''۔ (خلاصۃ التواریخ ص ۳٦)۔

''خلاصۃ التواریخ'' کی مندرجہ بالا عبارت آئین اکبری کی نقل ہے ، چند الفاظ آگے پیچھے کر دیے ہیں ، ملاحظہ ہو :

رہتاس دژے است بر فراز کوہ آسمان سائے دشوار گزار ۔ دور آن چہاردہ کروہ و بران کشت و کار شود و فراوان چشمہ بر جوشد و در ہر جا کہ سہ چہار گز بر کنند ، آب پدید آید ، و بس کولاب ھا ہنگام بارش افزون از آب شار چشم وگوش را برافروزد و ھوابس سازگار''۔ (آئین اکبری ، ص ۴۱۷) ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱٦۸ پر)

پھیر میں۔ کھیتیاں اس میں اکثر ہوتی ہیں، چشمے بھی بہت سے جوش مارتے ہیں اور جس جگہ وہاں چار گز کھودیے پانی نکل آئے۔ آبشاریں بیش تر، تالاب برسات میں دو سو سے کچھ اوپر۔ القصہ اس صوبے میں گرمی بہ شدت، جاڑا معتدل، دو مہینے سے زیادہ لباس پنبئی کی احتیاج نہیں ہوتی۔ مینہ چھے مہینے آگے برستا تھا، اب بھی پانچ مہینے سے کچھ کم و زیاد برس رہتا ہے۔ زمین یہاں کی تمام سال دریاؤں کی بہتایت سے شاداب رہتی ہے۔ باو بہ شدت نہیں چلتی، گرد بھی نہیں اڑتی؛ کشت کاری جیسی چاہیے ویسی ہوتی ہے؛ خصوصاً دھان یہاں کے نہایت پاکیزہ اور چننده پرکساری ایک اناج کثرت سے ہوتا ہے، نپٹ سستا، بدمزه، مٹر کی مانند؛ مفلس تہی دست یا کمینے اسے کھاتے ہیں، گو کہ وہ سبب بعضے امراض کا بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ دریا اس صوبے میں بہت سے ہیں پر گنگا، سون، گنڈک کلاں تر، لیکن سون جبال جنوبی سے آ کر منیر کے نزدیک گنگا سے ملی۔ کہتے ہیں کہ نربدا اور وہ ایک چشمے سے نکلی ہیں اور گنڈک شمال کی جانب سے آ حاجی پور کے قریب کرم ناسا ایک دکھن کے پہاڑ سے نکل کر چونسا گزر میں، اور پُن پُن جنوب کی طرف سے آ، قنوج کی آبادی سے گزر عظیم آباد کے نزدیک۔ غرض بہتّر دریاؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مترجم (افسوس) نے لفظی ترجمے پر اکتفا نہیں کیا ہے، نہ ترتیب عبارت کا لحاظ رکھا ہے۔ "آئین اکبری" اور "خلاصۃ التواریخ" کو سامنے رکھ کر اس نے آزاد ترجمہ کیا ہے۔ کہیں "آئین اکبری" کی ترتیب پیش‌نظر ہوتی ہے اور کہیں "خلاصۃ التواریخ" کی۔ رہتاس کے ضمن میں دریاؤں کا بھی بیان ہے اور پیداوار کا بھی۔ (فائق)

ایسے کہ جن میں ناؤ چلے اور چھوٹے ان گنت گنگا سے شہر مذکور تک پہنچتے پہنچتے ملے ۔ اکثر ہندو خاص کرم‌ناسا کو اترتے ہوئے یہ احتیاط کرتے ہیں کہ ایک قطرہ ان کے بدن تک نہیں پہنچتا ، نہانے کا تو کیا ذکر ہے ۔ پر ''خلاصۃ التواریخ'' کے مؤلف نے لکھا ہے کہ جس مقام مین گنڈک گنگا سے ملی ہے ، جو کوئی وہاں کا پانی پیے ، اس کے گلے میں گھینگا نکلے ، رفتہ رفتہ نارجیل کے برابر ہو جائے ۔ اور ''سیر المتاخرین'' والا یہ لکھتا ہے کہ حاجی پور کی آب و ہوا کی یہ خاصیت ہے ، اکثر وہاں کے لوگ اس مرض میں گرفتار رہتے ہیں اور گھینگے ان کے گلوں کے ہار ، لیکن واقع میں اس کے خلاف ہے ۔ شاید چالیس پچاس برس آگے یہ بات ہو تو ہو ، اب تو نہیں : ہاں بعضے بعضے اشخاص کے گلوں میں البتہ ، سو یہ کہاں نہیں اور پانی دریائے مذکور کا بہ شراکت گنگا بلکہ نرا ہزاروں آدمیوں نے پیا ، اب تلک بھی پیتے ہیں لیکن گلا کسی کا سوجتا بھی نہیں گھینگے کا تو کیا ذکر ہے : مگر ایک بوڑھی گنڈک مظفر پور کے تلے بہتی ہے ، اس کے پانی کا یہ اثر مقرر ہے ، بلکہ مبالغہ یہاں تک کرتے ہیں کہ چرند پرند جو اس کا پانی پیے ، یہ بیماری اس کے گلے پڑے : چناں چہ مظفر پور کے اکثر حیوان و انسان اس بلا میں مبتلا رہتے ہیں ۔ وہ جو سنا تھا کہ ایک سر زمین کی چڑیا کوّے کے بھی گلے میں گھینگا ہوتا ہے ، وہ یہی ہے ۔ اور سالگ رام ایک پتھر حاجی پور کے اطراف میں ہوتا ہے ، رنگ اس کا سیاہ ، مقدار میں چھوٹا ، گول روغنی ، فارسی میں سنگ محک اسے کہتے ہیں ۔ راقم '' خلاصۃ التواریخ '' کا یہاں تک لکھتا ہے کہ چالیس کوس کے عرصے تلک قصبۂ مذکور کی نواح سے نکلتا ہے ۔ ہندو اس کو بھی ایک مظہر الٰہی سمجھ کر پرستش کرتے ہیں بلکہ برہمنوں کا

عقیدہ یہ ہے جو بت کہ ٹوٹ جائے قابل پوجنے کے نہیں مگر یہ پتھر۔ قصہ کوتاہ طول[1] اس صوبے کا تیلیا گڑھی سے لے کر رھتاس تلک ایک سو بیس کوس اور عرض ترھت سے کوہ شمالی تلک ایک سو دس کوس؛ شرق رو اس کے بنگالہ، غرب رخ الہ آباد، جانب شمال اودھ، جنوب کی طرف ایک بڑا پہاڑ۔ حاجی پور، منگیر، چنپارن، سارن، ترھت، پٹنہ، بہار، آٹھ سرکاریں متعلق اُن سے دو سو چالیس محال، آمدنی اٹھائیس کروڑ سات لاکھ تینتیس ہزار دام۔

۱۔ ''طول ایں صوبہ از گدھی تا رھتاس صد و بست کروہ و عرض از ترھت تا شمالی کوھسار صد و دو کروہ۔ خاور رویہ بنگالہ، غرب رویہ الہ آباد و اودھ و شمال وجنوب کوہ بزرگ۔ سرکار بہار و حاجی پور و مونگیر و چنپارن و سارن و ترھت و رھتاس وغیرہ ھشت سرکار مشتمل بر دو صد و چہل محال و سی و ھشت کرور و ھفت لک و سی ھزار دام داخل ایں صوبہ است'' (خلاصۃ التواریخ، ص ۳۶ و ۳۷)۔

آئین اکبری میں صوبۂ بہار کی یہ حدود ھیں:

صوبۂ بہار از دوم اقلیم، دراز از گڈھی تا رھتاس صد و بیستہ کروہ، پہنا از ترھت تا شمالی کہسار صد و دہ۔ خاور رویہ بنگالہ، باختر سو الہ آباد و اودھ، شمال و جنوب کوہ بزرگ''۔ (آئین اکبری، ص ۴۱۶)

افسوس نے حدود صوبہ کے ترجمے میں غلطی کی ہے۔ مؤلفِ ''خلاصۃ التواریخ'' اور ''آئین اکبری'' کے مصنف نے غرب رویہ الہ آباد اور اودھ اور شمال اور جنوب کی طرف کوہ بزرگ کا ھونا ظاھر کیا ہے لیکن افسوس نے جانب شمال اودھ، جنوب کی طرف ایک بڑا پہاڑ ھونا لکھا ہے۔ اسی طرح آمدنی کا حوالہ بھی غلط ہے۔ ''خلاصۃالتواریخ'' کے مؤلف نے اڑتیس کروڑ سات لاکھ تیس ھزار دام شمار کرائے ھیں اور افسوس نے اٹھائیس کروڑ سات لاکھ تینتیس ھزار دام، جو غلط ھیں۔ (فائق)

صوبۂ بنگالہ[۱]

جہاں گیر نگر عرف ڈھاکہ ایک بڑا شہر ، آبادی و خوش سوادی میں بہ مراتب بہتر ۔ ہر ملک کی اشیا اس میں ہر وقت مہیا ، ہر قرم و اقلیم کے لوگ اس میں ہزارہا ۔ اصل نام اس کا بنگ تھا ، لفظ 'آل' کہ اس سے ملا ، وجہ اس کی یہ ہے کہ بنگلہ زبان میں 'آل' بڑے پشتے کو کہتے ہیں اور آسے باغ و زراعت وغیرہ کے گرد پانی کی محافظت کے لیے بناتے ہیں ؛ چناں چہ اگلے زمانے میں اس ملک کے زمین دار دامن کوہ میں کہ زمین وہاں کی نیچی ہوتی ہے ، دس دس ہاتھ کے اونچے اور آٹھ آٹھ ہاتھ چوڑے پشتے بنا کر مکانوں کی بنیاد ان کے اندر ڈالتے تھے اور کھیتیاں بھی اسی طور پر کرتے تھے ؛ بنا بر اس کے یہاں کے عوام نے اس ملک کا نام 'بنگالا' رکھ دیا ۔ گرمی اس دیار میں چالیس پچاس برس سابق اعتدال سے قریب تھی اور جاڑا نہایت کم ، برسات جیٹھ سے شروع ہوتی تھی اور چھے مہینے رہتی لیکن بالفعل بعضے ملکوں میں گرمی اس سے کہیں زیادہ ۔ چناں چہ سال گزشتہ میں تو ایسی پڑی تھی کہ ایک عالَم نے اذیت کھینچی بلکہ اکثر حیوان انسان حرارت سے تلف ہوئے ۔ جاڑا بھی اتنا پڑتا ہے کہ

۲- ''صوبہ عمدہ بنگالا ، دارالایالت این صوبہ شہر دھاکہ کہ جہانگیر نگراست'' ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۴۷) ''صوبۂ بنگالہ ازانجا کہ مکالش شاہنشاہی جہانگیر یست ۔ آغاز از بنگالہ کہ پایان ہند است می نماید و بہ زابلستان می برد ۔ ۔ ۔ ''۔ (آئین اکبری ، ص ۳۸۷) ۔

سیر بھر روئی کا بالا پوش انسان رات کو اوڑھ سوئے لیکن ٹھٹھر نہیں ہوتی بلکہ پہر دن چڑھے سے لے کر دو تین گھڑی دن رہے تلک رضائی کی حاجت نہیں اور دو پہر سے سپہری[1] تک ایک دپٹا[2] (دوپٹا) کافی ہے ، لیکن اس موسم میں کوہرا اکثر پھوار کی مانند پڑتا ہے بلکہ کبھی کبھی تو آسمان دھواں دھار ہو جاتا ہے۔ سورج پہر ڈیڑھ پہر دن چڑھے تک نظر نہیں آتا اور برسات پانچ مہینے کی بلکہ کچھ کم ؛ شروع اس کا آدھے جیٹھ سے اور آخر کاتک کا اول۔ مع ھذا اگر جیٹھ کی ابتدا میں یا کاتک کی انتہا میں کسی برس مینہ برسیں تو کچھ مضائقہ نہیں کیوں کہ کبھی کبھی غیر موسم کیا پچھم کے ملکوں میں نہیں برستے۔ دھان اس ملک میں بیش تر ہوتا ہے ، اقسام اس کے بہت ہیں ، اگر ایک ایک دانہ ہر قسم سے لیویں تو ایک ٹھلیا بھر جائے۔ لطف یہ ہے کہ ایک کھیت میں تین تین بار پیدا ہوتے ہیں۔ جس قدر پانی بڑھے زیادہ بھیکرے ، بال اس کی پانی میں نہ ڈوبے۔ کھیت والوں نے جو کبھو اس کو ماپا تو پچاس پچپن ہاتھ سے کچھ اوپر پایا۔ اور رعیت یہاں کی حاکم سے سرکشی نہیں کرتی ، زر واجبی ایک برس کا آٹھ مہینے میں بہ طور اقساط کچہری میں آپ پہنچا دیتی ہے۔ گھر اس بلاد میں بیش تر چھپر کے ، اگرچہ کتنے دل دار ، مضبوط ، خوش اسلوب ، دیر پا ہوتے ہیں بلکہ بعضے بعضے بنگلوں میں تو پانچ پانچ چار چار ہزار رُپے لگ جاتے ہیں ؛ پر دیواروں کی جگہ ٹٹیاں ، کیوں کہ کچی دیوار یہاں کی نہیں ٹھہرتی مگر خشتی ؛ سو غریبوں کو کہاں میسر، بلکہ اکثر صاحب مقدور

۱- ''سپہری'' مطابق نسخۂ اول۔
۲- ''دپٹّا'' مطابق نسخۂ اول۔

بھی یہ سبب خسّت کے نہیں بناتے، اور باسن آن اشخاص کے اکثر مِٹی، تھوڑے سے برنجی - بستیاں بھی بیش تر یہاں کی درختوں میں ہوتی ہیں ، یعنی ایسی جگہ گھر بناتے ہیں کہ ادھر آدھر اس کے درخت ہوں - خدا نہ خواستہ اگر ایک گھر کو آگ لگے تو گاؤں[۱] کا گاؤں پھک جاتا ہے ، پھر اپنے اپنے گھروں کے نشان کسی کو معلوم نہیں ہوتے مگر ان درختوں کے آثار سے - بوریا بھی اس نواح میں بعضا بعضا ملائمت میں ریشم کے برابر اور صفائی میں محمودی کی چاندنی سے کہیں بہتر ، بلکہ گرمیوں میں فرش آس کا اس کے آگے گرد اور یہ اس سے سرد ، سیتل پاٹی اس کو بجا کہتے ہیں ، واقعی کہ[۲] اسم با مسمّٰی ہے - خوراک خاص یہاں کے لوگوں کی مچھلی، خشکا ، کڑوا تیل ، دھی، لال مرچ ، ترکاری ، ساگ بلکہ مچھلی حضرت یونس[۴] کے وقت کی بھی اگر پائیں تو کھا جائیں اور ترکاری کے ناؤں (نام) کوئی پتا ھاتھ چڑھے ،

۱- ''گانؤں'' نسخۂ اول طبع کلکتہ ۱۸۰۸ء (ص ۱۱۷) پر یہی املا پہلی بار استعمال کیا گیا ہے - اس سے قبل اسی کتاب میں '' گاؤں '' بار بار استعمال ہوا ، اس کی تقلید نسخۂ دوم (ص ۸۳) اور نسخۂ سوم (ص ۹۰) میں کی گئی ہے - اگر یہ املا شیر علی افسوس کا ہے اور اس میں کارکنان مطبع کی جدت طبع شامل نہیں تو اس سے املا کے بارے میں افسوس کی ترقی پسندی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے -

نسخۂ سوم (ص ۹۰) میں بھی یہی املا ہے ، صرف ھمزہ 'واو' پر نہیں ہے ، نسخۂ چہارم (ص ۱۰۱) میں '' گانوں کا گانو '' تبدیلی کے ساتھ ہے -

۲- نسخۂ اول (ص ۱۱۸) اور نسخۂ چہارم (ص ۱۰۲) میں '' کہ '' ہے اور نسخۂ دوم (ص ۸۳) اور نسخۂ سوم (ص ۹۰) میں نہیں ، نسخۂ انجمن میں بھی نہیں ہے -

ممکن نہیں کہ اس سے ہاتھ اٹھائیں ۔ لون بھی زیادہ کھاتے ہیں لیکن اس ملک کے بعضے بعضے مقام میں کم بہم پہنچتا ہے ؛ پر روٹی گیہوں ، جو ، چنے کی اگر کیسی ہی خوب ہو، نہیں کھاتے۔ بکری کا گوشت ، مرغ ، گھی ان کے مزاج سے موافق نہیں بلکہ ''ریاض السلاطین'' کا مصنف لکھتا ہے کہ ان غذاؤں کو اکثر معدہ ان کا قبول نہیں کرتا ، احیاناً جو کھا جائیں تو استفراغ کر دیں ؛ پر اپنے دیکھنے میں نہیں آیا اور کسی ٹھیٹھ بنگالی سے صحبت بھی نہیں رہی ؛ شاید ان کی یہ عادت ہو تو ہو، ہر کسی کی تو نہیں ۔ اور پہناوا عوام الناس کا خواہ وہ مال دار ہو ، خواہ مفلس موافق ستر کے ، کیوں کہ مرد سفید کپڑا جس کو دھوتی کہتے ہیں ، ناف کے نیچے سے باندھتے ہیں ، زانو تلک اس سے ڈھکتا ہے اور دو تین پیچ کا ایک[1] کپڑا سر کے گرد لپیٹ لیتے ہیں ، چندیا ساری کھلی رہتی ہے ۔ مگر جو اہلِ ہند یا کسی اور ملک کے باشندے یہاں آ کر بسے اور دو دو تین تین پشتیں ان کی گزر گئیں یا جن کو ہندوستانیوں سے اکثر صحبت رہی یا روزگار بیشہ اہل خدم ، جامہ نیمہ بھی پہنتے ہیں ، پر اپنے گھروں میں بیش تر اسی طور پر گزران کرتے ہیں ، لیکن ''خلاصۃ التواریخ'' والا جو[2] لکھتا ہے کہ زن و مرد کپڑے نہیں پہنتے ، ننگے رہتے

۱- دو تین پیچ کی ایک لپڑی سر کے گرد ، نسخۂ اول (ص ۱۱۸) ۔
دو تین پیچ کی ایک کپڑے سر کے گرد ۔ نسخۂ دوم (ص ۸۳) ۔
دو تین پیچ ایک کپڑے کے سر کے گرد ۔ نسخۂ سوم (ص ۹۱) ۔
دو تین پیچ کی ایک پگڑی سر کے گرد ۔ نسخۂ چہارم (ص ۱۰۲) ۔
دو تین پیچ کا ایک کپڑا سر کے گرد ۔ نسخۂ انجمن (ص ۱۳۳) ۔

۲- نسخۂ اول (ص ۱۱۸) ، نسخۂ دوم (ص ۸۳) ، نسخۂ سوم (ص ۹۱) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۰۳) میں '' جو '' ہے ، لیکن نسخۂ انجمن ترقی اردو (ص ۱۳۳) میں نہیں ہے ۔

ھیں ، اس کی مراد بھی یہی ھے ، یعنی جس پر لفظ پہننے کا صادق آئے ، ویسی پوشش ان کی نہیں۔ اور یہ جو تصریح کرتا ھے کہ کاروبار باھر کا بھی خاص عورات سے متعلق ھے ، خصوصیت اس امر کی بالفعل تو ثابت نہیں ، اس عصر میں شاید ھو۔ پر لباس اکثر عورات کا بھی ایسا ھی کچھ ھے کیوں کہ ایک ھی کپڑے پر یہ بھی اکتفا کرتی ھیں ، نام اس کا ساڑی ھے : اس طور سے کہ ایک ادھ واڑ اس کی ناف سے لے پنڈلیوں تلک لپیٹتیں ھیں اور دوسری سے پیٹھ گردن اگلا دھجا ، سر بسا اوقات کھلا رکھتی ھیں بلکہ پانؤں[۳] بھی ننگے ، پاپوش نہیں پہنتیں۔ اور سفر یہاں بیش تر ناؤ پر ، خصوصاً برسات میں ، کیوں کہ کشتیاں اس ملک میں اقسام کی بہتایت سے گھاٹوں پر چھوٹی بڑی مہیا رھتی ھے۔ جس وقت مسافر چاھے سوار ھو بیٹھے اور جس شہر کو چاھے بہ آرام چلا جاوے ، اور گرمی جاڑے کے موسم میں رتیں ، گاڑیاں ، چوپہلے ، بلکہ پالکی تلک بہم پہنچتی ھے ، جس پر چاھے اس پر سوار ھو ، لیکن اچھا گھوڑا ھاتھ نہیں لگتا مگر بڑے مول کو ، پر ھاتھی بہ کثرت ھوتے ھیں ، اور موتی ، جواھر ، عقیق ، پشم مطلقاً اس سر زمین میں نہیں مگر اور ملکوں سے آتا ھے۔ پھل سوائے انگور و خربوزہ انواع و اقسام کے یہاں ھوتے ھیں ، خصوصاً آم ، اناناس، کیلا ، کہ ھر ایک اس خوبی کے ساتھ اور بلاد ھند میں نہیں ھوتا ، لیکن خاص اس نواح کے

۳۔ ''پانؤں'' نسخۂ اول (ص ۱۱۹) ، نسخۂ دوم (ص ۸۴) ، میں یہی املا ھے جو مطابق موجودہ املا کے ھے۔ یہ املا قابل غور ھے ، افسوس کی جدت پسندی کا ثبوت ھے۔ اس سے پہلے 'پاؤں' بھی املا کتاب میں ملتا ھے۔ نسخۂ سوم (ص ۹۱) میں '' پاؤں '' اور نسخۂ چہارم (ص ۱۰۳) میں '' پانوں '' ھے ، ھمزہ 'واو' پر نہیں۔ نسخۂ انجمن (ص ۱۳۴) مین ''پانو'' ھے۔

میووں[1] میں ایک گلاب جامن ہے ، اگرچہ میٹھی تو خوب نہیں ہوتی پر اُس کے ہضم ہونے تلک جب ڈکار آتی ہے ، گلاب کی باس آتی ہے ۔ پھول بھی سبھی طرح کے ہوتے ہیں پر کیوڑہ کثرت سے اور مادھولتا ، بلکہ یہ قسم خصوصیت اس ملک سے رکھتی ہے ، اور بعضے مقاموں میں سونٹھ سیاہ مرچ بھی پیدا ہوتی ہے ۔ اور پان تو اقسام کے بہ افراط ۔ ریشم بھی نپٹ بہتایت سے بلکہ کپڑا بھی ریشمی قسم قسم کا یہاں خوب بُنا جاتا ہے کہ ویسا اور کہیں کم دیکھنے میں آتا ہے ۔ سچ تو یہ ہے کہ کپڑا سفید بھی اقسام کا خواہ مہین ہو خواہ گڑھ واڑ اس مملکت کے بعضے شہروں میں ایسا خوش قماش تیار ہوتا ہے کہ دیکھنے والا اس سے کیفیت آب رواں کی اٹھاتا ہے اور پہننے والے کا تن سکھ پاتا ہے ۔ فی الواقع اس کی بافت کی صنعتیں اور ساخت کی کیفیتیں کسی اور دیار کے باشندے باریک بیں بھی پا نہ سکیں ، ہر چند ایک عمر ادھیڑ بن میں رہیں ، بُننے کا تو کیا ذکر ۔ اس واسطے یہاں کے سردار اپنے ہم سروں کے لیے بہ طریق سوغات بسا اوقات کپڑا اجناس اس قسم کی بھجوایا کرتے تھے اور سوداگر اکثر اپنے نفعے کے لیے ملک بہ ملک لے جایا کرتے تھے ۔ چناں چہ طور ثانی تو بہ دستور جاری ہے لیکن اول میں بہ سبب انقلاب زمانہ بہ مراتب خلل پڑ گیا ؛ اور چیرے خانے جو یہاں کے ناظم حضور اعلا میں ارسال سال بہ سال کیا کرتے تھے ، وہ محمد شاہ کے بعد یک سر موقوف کر دیا بلکہ اپنی پگڑیاں پھیر رکھیں ، اور ہی سودا سروں میں سمایا ، آداب کا طریقہ ایک لخت بھلایا ۔ شراب نخوت و رعونت میں سرشار ہوئے اور آداب کے طریقے سے یک لخت دست بردار ۔

۱۔ ''میؤں'' نسخۂ اول (ص ۱۱۹) میں ہے اور ''میوں'' نسخۂ دوم (ص ۸۴) ۔ ''میووں'' نسخۂ سوم (ص ۹۲) اور نسخۂ چہارم (ص ۱۰۳) میں ہے ۔

لیکن خمار اس کا خوب ہی کھینچا ، سو طرح کا صدمہ جان و دل کو پہنچا ۔

لکھنوتی[1]

قدیم شہر ہے ۔ آباد کرنے والا اس کا شنگل دیپ ۔ احوال اس کا یوں ہے کہ بنگالے کی سرحد میں کوچ ایک بستی ہے ؛ اس شخص نے اس کی نواح سے خروج کیا ، آخر صوبہ بہار و بنگ کو لے لیا ۔ پھر اس شہر کو بسایا اور اپنی تخت گاہ ٹھہرایا ؛ چناں چہ دو ہزار برس تلک شہر مذکور دارالحکومت صوبہ بنگ کا رہا ، بعد اس کے تانڈا ہوا ، پھر جہاں گیر نگر ، بعد اس کے مرشد آباد بلکہ اب تلک بھی صوبۂ مسطور کے ناظم کی بود و باش اسی میں ہے ۔ قصہ کوتاہ جس وقت ہمایوں بادشاہ لکھنوتی میں رونق افزا ہوا ، اس کی آب و ہوا کو جو اچھا دیکھا ، جنت آباد نام رکھا ۔

۱- افسوس نے 'لکھنوتی' کا ذکر تفصیل سے کیا ہے ، ''خلاصۃ التواریخ'' میں 'اجمال' ہے ۔

افسوس نے ابو الفضل کے بیان سے فائدہ اٹھایا ہے ، اگرچہ ذکر نہیں کیا ۔ ابو الفضل کا بیان سجان رائے سے زیادہ واضح ہے ، وہ لکھتا ہے :

''جنت آباد شہریست باستانی ، چند گاہ دارالملک بود و بہ 'لکھنوتی' زبان زد آفاق ۔ و برخ زمان بہ گور جہان بان جنت آشیانی بدین نام روشناس گردانیدند ۔ گزین قلعۂ دارد و شرقیٔ او گولا بیست '' چھتیا پتیا '' نام ۔ بس جزیرہ درو ۔ اگر در بند او شکستے رود شہر بہ آب در شود ۔ و شمال اویک کرو ہے عمارتے و حوضے یادگار باستان ۔ از دیر باز آب آن جا خاصیت زہر داشت آن را پیاز باری (پیاز باڑی ؟) گویند ۔ گناہ گاران نیستی سزاوار بدان جا بند کردے ۔ در کمتر فرصتے ازان آبش خور راہ عدم گرفتے و امروز از خجستگیٔ زمانِ شاہنشاہی نہ چنان'' (آئین اکبری ، ص ۳۹۰) ۔

اب وہ ملک ایسا آجڑا ہے کہ ہزاروں درندے ، گزندے وہاں اپنا گھر بناتے ہیں ، فقط قلعے کے دروازے کا نشان اور مسجد طلائی کے کچھ آثار نظر آتے ہیں ۔

بیت

ہزاروں ہی تھے جس جگہ بوستاں
وہاں اب نہیں ایک گل کا نشاں

جہاں مسندیں بادشاہوں کی تھیں
وہاں اک گدا کا بچھونا نہیں

مشرق طرف شہر کے چھتہ بھتہ ایک جھیل ہے ۔ باندھ اس کا اب تلک قائم لیکن جب کہ آبادی کی بنیاد مستحکم تھی ، برسات میں پانی کا گزار شہر میں مطلق نہ ہوتا تھا ، اب یک سر سطح آب ہو جاتا ہے بلکہ کشتی بھی بہ آسانی آتی جاتی ہے ۔ اور قلعے سے ایک کوس کے فاصلے پر ایک قدیم عمارت تھی ، اس میں ایک حوض بھی نہایت متعفن ، نام اس کا پیاز باڑی تھا ۔ جو کوئی پانی اس کا پیتا اقسام کی بیماریوں میں گرفتار ہو کر مر جاتا ۔ کہتے ہیں کہ اکبر[1] کے عہد سے پہلے گنہ گاروں کو وہاں قید کرتے تھے کہ اس کا پانی پی کر جلد ہلاک ہو جائیں ۔ سلطان ممدوح اس امر کا مانع ہوا اور اس دستور کو اٹھا دیا ۔

مرشد آباد[2]

ایک بڑا شہر بھاگی رتی کے کنارے اورنگ زیب کے وقت

۱۔ '' کہ اکبر '' چاروں نسخوں میں ہے ، نسخۂ انجمن میں نہیں ہے ۔

۲۔ مرشد آباد کا بیان ''خلاصۃ التواریخ'' میں نہیں ہے ، افسوس نے اضافہ کیا ہے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۹ پر)

بسا ، لیکن دریا کے دونوں کناروں پر پہلے اس جگہ مخصوص خاں سوداگر نے ایک سرائے بنا کر مخصوص آباد نام رکھا تھا ، کتنی دکانیں[1] اس میں تھیں ۔ جب جعفر خاں نصیری کو اصالۃً صوبہ داری بنگالے اور اڑیسے کی محمد عالم گیر نے عنایت کی اور مرشد قلی خاں خطاب دیا ، تب اس نے وہیں شہر آباد کیا اور مرشد آباد نام رکھا بلکہ دارالحکومت اسی کو ٹھہرایا ۔ چناں چہ اب تلک بھی سن بارہ سَے بیس ہجری ہیں اور ریاست صاحبان کمپنی دام ظلہم کی بود و باش ناظم کی اسی میں ہے ۔ طول اس کا چار کوس سے کچھ زیادہ ۔ چیولی بوٹے دار اور ساڑی یہاں کی مشہور ، باغات و عمارات بھی فی الجملہ لیکن نہ[2] قابل تحریر ، اِلّاً موتی جھیل و گوری بنگاے کی ؛ سو وہ خراب و مسمار ہو گئیں ، زبانوں پر فقط نام رہ گیا ۔ ہاں ایک نواب سراج الدولہ کا خلاصۂ عمارات امام باڑا اب تلک قائم ہے ۔ ہیئت وضع اس کی بیان سے بے نیاز ۔ سچ ہے کہ اس ساخت کا امام باڑا بلادِ ہند میں کہیں نہیں ؛ ہر چند کہ تیاری اس کی اب عشر عشیر سے کم ہے لیکن نمونۂ گل زار یادگار گل زار ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مرشد آباد (۱۵ ہزار) کلکتے کے شمال میں بھاگیرتی کے کنارے ، نواب مرشد علی خاں نے اسے ۱۷۰۳ء میں بسایا تھا —— مرشد علی خاں اور ان کے جانشین نوابان بنگلہ کا دارالحکومت اور ایک زمانے میں نہایت دولت مند و بارونق شہر تھا ۔ (جغرافیہ عالم ، حصہ اول ، ترجمہ سید ہاشمی فرید آبادی ، مطبوعہ حیدر آباد دکن ، ص ۱۴۳) ۔

۱۔ ''دوکانے'' نسخۂ اول و دوم میں یہی املا ہے ۔ نسخۂ سوم اور چہارم میں '' دوکانیں '' ۔ غلط نامے میں صحت کر دی گئی ہے ۔

۲۔ نسخۂ اول (ص ۱۲۲) نسخۂ چہارم ، (ص ۱۰۶) میں ''نہ'' ہے اور نسخۂ دوم و سوم میں '' لا '' ہے ۔

قطعه

لطافت اور صفائی کی کیا کروں تقریر
عمارت اس کی تو رکھتی ہے حکم شیشے کا
جو روشنی کا سماں چار چند ہو اس میں
عجب نہ جان تو اس بات کا اچنبھا کیا

زبان بھی اس شہر کے لوگوں کی بہ نسبت یہاں کے اور بلاد کے باشندوں کی درست ؛ وجہ اس کی ہم صحبت ہونا اکثر اوقات ہندوستان زاؤں سے کیوں کہ بعد شاہ جہاں آباد کی برہمی کے قبل از حکومت صاحبان عالی شان بیش تر وے (وہ) اس شہر میں وارد ہوئے تھے بلکہ سکونت بھی اختیار کی تھی ۔ شہر مذکور البتہ لطف سے خالی نہیں لیکن دریا سے نشیب میں واقع ہے ۔ اگر پشتہ دریا کا یا اکبر پور کی جھیل کا بندہ خدا نہ خواستہ برسات میں ٹوٹے تو سارا شہر ہی ڈوبے ۔ چناں چہ سن بارہ سَے سولہ کے اخیر میں طغیانیٔ آب سے بھگوان گولے کی طرف کا پشتہ جو ٹوٹ گیا ، محلے کے محلے غرق ہو گئے ، یہاں تک کہ نواب مظفر جنگ مرحوم کے نو ساخت میں پانی گھٹنوں سے کچھ اوپر تھا بلکہ اور عمارتوں میں بھی علا ھذا القیاس ۔ کہتے ہیں کہ ایسی پانی کی طغیانی ایک مرتبے نواب مہابت جنگ کے عہد میں بھی ہوئی تھی ۔ حافظ حقیقی اب اس آبادی کو محفوظ رکھے اور پشتوں کو پہاڑوں کا سا استقلال بخشے ۔

بندر ہوگلی[1]

اور سات گام آدھ کوس کا باہم فاصلہ رکھتے ہیں ۔ سات گام کی شہریت اور آبادی بہت بڑی اور پُر عمارت تھی ، حاکم وہیں رہتا

۱ـ بندر ہوگلی افسوس کا اضافہ ہے ، خلاصة التواریخ میں نہیں ۔ (فائق)

تھا ۔ جب یہ مقام دریاؤں کی طغیانی سے اجڑا ، ہوگلی کی آبادی نے کمال رونق پکڑی ۔ فوج دار یہاں کا علاقہ حضور اعلا سے رکھتا تھا ، بنگالے کے ناظموں کا چنداں محتاج نہ تھا ۔ جعفر خاں نے فوج داری بندر مذکور کی بادشاہ سے درخواست کر کے نظامت میں لگا لی اور ہر ملک کے سوداگروں تاجروں سے مراعات شروع کی ۔ محصول واجبی سے ایک دام زیادہ نہ لیتا بلکہ کچھ اس میں سے بھی چھوڑ دیتا ۔ پھر تو فرنگ و چین و ایران و توران و عرب و عجم سے اکثر تجارت پیشوں کی آمد و شد ہونے لگی بلکہ بہتیرے مالک جہاز نے بود و باش بھی اپنی یہیں ٹھہرائی لہٰذا شہر مذکور کی آبادی نہایت بڑھ گئی ۔ اگرچہ اکثر اقوام کے تاجر یہاں تھے لیکن مغلوں کا اعتبار بیش تر تھا اور اہل فرنگ کو قلعے اور برج کی بنیاد ڈالنے نہ دیتے مگر کوٹھیوں کی تعمیر کا حکم تھا ۔ جب فوج داروں نے سخت گیری اور زیادہ طلبی شروع کی شہر مذکور ویران ہو گیا اور صاحبان عالی شان کی رعایت و حمایت و آسانی محصول سے کلکتہ زیادہ تر آباد کہ بالفعل دارالحکومت ہے ۔

شہر کلکتہ[1]

زمانہ سابق میں ایک گاؤں تھا وجہ تسمیہ اس کی یہ ہے

۱۔ افسوس نے کلکتے کے حالات جس تفصیل سے لکھے ہیں وہ نہ صرف کلکتے کی جغرافیائی حیثیت کو واضح کرتے ہیں بلکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی داستان عروج کا آئینہ ہیں ۔ افسوس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کا عروج دیکھا اور ماضی کی داستان سنی ، دونوں حالتوں کا افسوس کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے اور ''آرائش محفل'' مطبوعہ مجلس ترقی اردو ، صفحہ ۱۳۹ سے ۱۵۳ تک کا یہ حصہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے ۔ '' خلاصۃ التواریخ '' میں کلکتے کا ذکر نہیں ہے ۔ (فائق)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۱ پر)

که کالی نام یہاں ایک بت ھے اور بنگلہ زبان میں ''کتا'' صاحب کو کہتے ھیں ؛ اس سبب سے نام اس کا کالی کتا ٹھہرا ۔ پھر رفتہ رفتہ زبانوں کے تغیرات سے یے بھی گر گئی ، کلکتہ رہ گیا ، لیکن آباد ہونا اس کا اور صاحبان عالی شان کی کوٹھیوں کا بنّا جس طرح ھوا ، بیان اس کا یہ ھے کہ نواب جعفر خاں کی نظامت تلک کمپنی بہادر کی کوٹھی ھوگلی میں گھول گھاٹ سے متصل مغل پُرے کے قریب تھی ۔ ایک دن یکایک زوال کے وقت زمین وھاں کی دھنسنے لگی ۔ اس وقت صاحبان انگریز کھانا نوش کر رھے تھے ۔ بارے سردار تو گرتے پڑتے نہایت جد و کد سے نکلے لیکن مال و اسباب تمام و کمال مع اکثر ذی روح اس مکان کے ساتھ پانی میں غرق ھوا بلکہ بعضے انسان بھی تلف ھو گئے، پھر مسٹر چانک نے بنارسی باغ کو مول لے کر درخت اس کے کاٹے اور کوٹھی بنانی شروع کی ، پر دو منزلہ سہ منزلہ عمارتیں بنانے کا ارادہ کیا ۔ جب دیواریں اٹھ چکیں ، شہ تیروں سے چھت پٹنے لگی ، وھاں کے شرفا نجبا خصوصاً مغلوں نے کہ تاجروں میں عمدہ تھے ، میر ناصر فوج دار سے کہا کہ جب نا محرم ایسے بلند کوٹھوں پر چڑھیں گے تو ھماری ناموس کی بے ستری ھوگی ، مطلق حرمت نہ رھے گی ۔ فوج دار نے اس مضمون کی عرضی نواب موصوف

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

کلکتہ ـــــ یہ نامی شہر ـــــ سطح سمندر سے صرف ۲۰ فیٹ بلند واقع اور دریاے ھگلی کے بائیں کنارے پر ٦ میل تک مسلسل آباد ھے ، ھگلی کے دائیں کنارے پر کلکتہ کے مقابل ھوڑہ ھے جسے پل باندھ کر کلکتے سے ملا لیا ھے ۔ ۔ ۔ ۔) کلکتے کی آب و ھوا نہایت مرطوب اور گرم ھے ۔ ۔ ۔ ۔ جغرافیہ عالم ، حصہ اول ، ترجمہ سید ھاشمی فرید آبادی ، طبع حیدر آباد ، ص ۲۴۰ و ۲۴۱) ۔

کو لکھ بھیجی اور متعاقب اس کے ان سب کو روانہ کیا۔ پہنچتے ہی حضور میں وے فریادی ہوئے۔ جعفر خاں نے فی الفور پروانہ[1] تعمیر کی مناہی کا نہایت تاکید سے لکھ بھیجا۔ فوج دار نے پڑھتے ہی اس کو حکم کیا کہ کوئی راج مزدور بڑھئی وہاں نہ جائے اور عمارت ناقص پڑی رہے۔ صاحب موصوف اس حرکت سے نہایت آزردہ ہوا بلکہ ارادہ لڑنے کا کیا لیکن سپاہ قلیل تھی اور جہاز بھی ایک؛ علاوہ اس کے مغلوں کی کثرت، فوج دار کی حمایت، اس ارادے کو فاسد جان کر فسخ[2] کیا اور جہاز کا لنگر اٹھا لیا۔ آخر کنارے کی بستی کو آتشی شیشے سے جلاتا ہوا چل نکلا۔ فوج دار نے ہر چند اس کے روکنے کا تدارک کیا لیکن پیش رفت نہ ہوا اور جہاز سمندر میں جا پہنچا، پھر وہاں سے دکھن کی طرف روانہ ہوا۔ اُن دنوں اورنگ زیب وہیں تھا اور غنیموں نے چار طرف سے رسد بند کی تھی، لشکر بادشاہی میں قحط عظیم تھا۔ کرناٹک کی کوٹھی کے سردار نے بہت سا غلہ جہازوں پر لاد کر لشکر میں پہنچایا اور خدمت شایستہ بجا لایا، موردِ الطاف و عنایات ہوا، اقصاے مطالب و مقاصد کو پہنچا، جہاں پناہ اس سے بلکہ فرقۂ انگریز سے راضی ہوئے، یہاں تک کہ سند و فرمان محصول کی معافی کے اور کوٹھی کی تعمیر کے عنایت کیے؛ تب مسٹر چانک بادشاہی احکام و فرمان دکھن سے

۱- نسخۂ اول، دوم، سوم میں ''پروانا'' 'الف' سے ہے، نسخۂ چہارم میں '' پروانہ '' ہائے ہوز سے۔ غلط نامے میں صحت کی گئی ہے۔

۲- نسخۂ اول (ص ۱۲۴)، نسخۂ دوم (ص ۸۸)، نسخۂ سوم (ص ۹۶) میں ''فسق'' ہے۔ نسخۂ چہارم (ص ۱۰۹) میں 'فسخ' صحیح ہے۔

لے کر بنگلے کو پھر آیا اور وکیل معہ نذر و پیش کش ناظم کے پاس بھیجے ۔ آخر سند مطابق کوٹھی کے بنانے کی حاصل کر کے بنیاد ڈالی اور شہر کی آبادی پر متوجہ ہوا ، تجارت کا بھی کاروبار بہ خوبی کرنے لگا ۔ اب تلک بھی وہ کوٹھی قائم ہے ، پرانا قلعہ اسی کو کہتے ہیں ، القصہ شہر مسطور نہایت کلاں و معمور ، بھاگی رتی کے کنارے نپٹ اسلوب کے ساتھ واقع ہے ۔ آبادی اس کی دید کے لائق ، عمارات اس کی چین و صفاہان سے فائق ۔ تعمیر کا طور ہی نیا ، نقشا ہر ایک مکان کا جدا ۔ حویلیاں پختہ گچ کی برابر برابر ، سڑکیں ستھری ہم وار سراسر ۔ فضا آن کی رشک فضائے باغ ارم اور ہوا غیرت نسیم صبح دم ۔ سبزی بر آن کی زمرد زہر کھائے اور سرخی سے مونگے کا جگر خون ہو جائے ۔ علاوہ اس کے مہ جبینوں کا اژدحام ، حسن کی گزری کی ایک دھوم صبح و شام ۔

ابیات

جو اندر بھی اس وقت ایدھر کو آئے
تو اپنی سبھا میں کبھو پھر نہ جائے

اگر دیکھے ٹک اس شبستان کو
پری چھوڑ دیوے پرستان کو

بشر کو کہاں پھر نظارے کی تاب
جگر برق کا یاں تو ہوتا ہے آب

نہ کھو اپنا جی مفت اے بے خبر
سمجھ کر زرا اس جگہ دید کر

ہر ایک محلے میں عالم طلسمات ، ہر کوچے سے ارژنگ (ارژنگ) مانی مات ۔ گھر ہر بیپاری کا ہر ملک کی اجناس متعدد سے بھرا ہوا ، صرافے کی ہر دکان میں رُپے اشرفی کا تودہ لگا ہوا ۔ بازار میں ہر طرف

چہل پہل ، شیشہ آلات کی دکانیں رشک شیش محل ۔

ابیات

کھلا بازار اور رستے کشادہ
بیاضِ جدولی ہو جیسے سادہ

دو رستہ اہل حرفہ اور دکاں دار
لڑی موتی کی ہو جیسے نمودار

اِدھر کو جوہری اُودھر کو بزّاز
اِدھر صرّاف اُودھر کو طلا ساز

رپے اور اشرفی دیکھے برستے
دھرے تختے پہ جوں نرگس کے دستے

کناری اور گوٹے اور مسلسل
مثال برق کرتے ہیں جھلاجھل

جو کچھ چاھو تم اسباب جہاں سے
بہم وہ جنس پہنچے اک دکاں سے

فی الواقع آبادی اس کی اکثر آبادیوں سے دونی اور بستی اس کی بہت سی بستیوں سے بڑی کیوں کہ جیسا بازار خشکی میں دو رستا[1] ھے ویسا ھی ناؤ جہاز کی کثرت سے پانی میں بھی ایک شہر بستا ھے ۔ لیکن سبب آبادی کی ترقی کا یہ ھے کہ ہر ایک صاحب گورنر اس کی تعمیر کی افزایش پر متوجہ رھا اور لکھا رُبیا[2]

۱- نسخۂ اول (ص ۱۲۶) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۱۱) - میں ''رستا'' ھے ۔ نسخۂ دوم (ص ۸۹) ، نسخۂ سوم (ص ۹۷) میں 'رستہ' ھائے ہوز سے ۔

۲- نسخۂ اول (ص ۱۲۶) میں 'رُپیا ۔ نسخۂ دوم (ص ۸۹) ، نسخۂ سوم (ص ۹۷) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۱۱) میں 'روپیا' ۔
نسخۂ انجمن (ص ۱۴۳) میں ''رُپیہ'' قدیم نسخوں سے مختلف املا لکھا ۔

اس کام پر اس نے سرکار دولت مدار کا خرچا ؛ خصوصاً نواب گورنر جنرل لارڈ ولزلی مارکویس[1] بہادر نے تو ات گت پیسا اٹھایا ، ساتھ اس[2] کے شہر کا اسلوب بھی نہایت خوب کر دکھایا ؛ چناں چہ ایک عمارت ایسی عالی شان بنائی کہ جس نے شہر کی رونق حد سے زیادہ بڑھائی ، تشبیہ اس کی کس سے دیجیے کہ جہاں میں اس کا نظیر نہیں ، ثانی اس کو کس کا کہیے کہ کسی عمارت کی ایسی تعمیر نہیں - سچ تو یہ ہے کہ جیسی اس کے بنانے والے کی امارت میں آن بان جدی ہے ، ویسی ہی اس مکان کی عمارت کی شان جدی ہے -

قطعہ

شفّافی و صفائی یہاں تک ہے جس سے نت
نور صفائے صبح کو رہتا ہے انفعال

نقش و نگار اس پہ ہیں ایسے کہ حسن کا
آن[3] سے نگار خانۂ چینی کرے سوال

اور ارتفاع یہ ہے اگر عوج[4] ابن عوق
اس پر کرے نگاہ تو پگڑی کو لے سنبھال

۱- چار نسخوں میں " مارکویس " املا ہے ، نسخۂ انجمن میں همزہ سے "مارکوئس" ہے -

۲- نسخۂ اول (ص۱۲٦) ، نسخۂ سوم (ص ۹۷) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۱۱) میں "اس" ہے، نسخۂ دوم ، (ص ۸۹) میں "اسی" غلط ہے- اسی کی نقل نسخۂ انجمن میں ہے -

۳- نسخۂ اول (ص ۱۲۷) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۱۱) میں "ان سے" ہے - نسخۂ دوم (ص ۹۰) نسخۂ سوم (ص ۹۸) میں "اس سے" غلط ہے -

۴- نسخۂ اول (ص ۱۲۷) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۱۱) میں "عوج بن عوق" ہے - نسخۂ دوم (ص ۹۰) ، نسخۂ سوم ، (ص ۹۸) میں "عوج بن عنوق" ہے - نسخۂ انجمن ترقی اردو ، (ص ۱۴۳) میں "عوج ابن عنق" ہے -

جس قدر اُس مکان کی تعریف کیجیے بجا ہے اور جتنا اس شہر کو سراہیے ، روا ہے ۔ واقعی بلادِ ہند میں اب ایسی پُر عمارت آبادی کہیں نہیں اور تاجروں سوداگروں کی کثرت بھی اتنی کہیں نہیں ۔ صاحبان کمپنی کی مدت سے تجارت گاہ ہے اور سردارانِ انگریز کی قدیم عشرت گاہ ۔ بالفعل اکثر صنف کے اشخاص متموّل اور صناع صنعت گری میں کامل یہیں بہ کثرت موجود ہیں اور اشیا و تحائف بھی انواع و اقسام کے علیٰ ھذا القیاس؛ خرید و فروخت کا سررشتہ بہ خوبی جاری ، خوش و خرم ہر ایک بیپاری، لیکن رنگین کپڑے جلد بد رنگ ہو جاتے ہیں ، خصوصاً لال کا تو رنگ رہتا ہی نہیں ، اور اشیائے قوامی بھی مثل شربت و خمیرہ و معجون شتاب سڑ جاتی ہیں بلکہ خشک دوائیں بھی بیش تر بگڑ جاتی ہیں ؛ سبب اُس کا ہوا کی شوریت و عفونت و رطوبت ؛ چناں چہ گھروں کی زمین ہمیشہ نم ناک رہتی ہے بلکہ دو دو تین تین گز دیواریں بھی ۔ نیچے کے مکان تو قابل بود و باش کے نہیں ۔ اگر دو منزلہ سہ منزلہ مکان نہ بنائیں تو یہاں کے باشندے مطلقاً آرام نہ پائیں ؛ اور پانی بیش تر تالاب کا پیتے ہیں یا مینہ کا ، کوئے[1] (کنویں) تمام یہاں کے کھاری اور آب جاری دریائے شور کے قرب[2] سے نپٹ بھاری ، خصوصاً جوار کے وقت ، مراد اس سے الٹا بہنا دریا کا اور بھاٹا مخالف اس کا ۔ بیان اس کا عجائب المخلوقات میں یوں لکھا ہے کہ ہر دریا میں یہ نہیں ہوتے مگر شور دریا میں یا وے دریا جو اس سے متصل ہیں ۔ ساتھ اس کے ان کے عمق میں پتھر بھی نہایت

۱۔ نسخۂ اول (ص ۱۲۸) نسخۂ دوم (ص ۹۱) نسخۂ سوم (ص ۹۸) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۱۲) میں ''کوے'' ہے ۔ نسخۂ انجمن (ص ۱۴۴) ''کنویں'' ہے ۔

۲۔ نسخۂ اول (ص۱۲۸) ، نسخۂ دوم (ص ۹۰) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۱۲) میں ''قرب'' ہے ۔ نسخۂ سوم (ص ۹۸) میں ''قربت'' ہے ۔

سخت هوویں ؛ پھر جس وقت ماہ محاذی ان کی سطح سے هووے
اور شعاع اس کی ان پتھروں پر پڑے ، پھر وهاں سے پلٹے ، پانی
کھولنے لگتا ہے اور رقیق هوتا جاتا ہے ؛ پس موجب زیادتی کا
لطافت هوتی ہے اور اس کو مکان وسیع چاهیے ۔ ندان بعضے
اجزائے آب بعضے دیگر کو تموّج سے ٹکڑاتے ہوئے کنارے سے
اُدھر کر دیتے هیں لیکن یه گھٹنا بڑھنا موافق حرکت قمر ہے ؛
غرض جس وقت چاند آسمان کے بیچوں بیچ پہنچتا ہے ، جوار کامل
هوتی ہے ، جہاں وهاں سے زائل هوا بھاٹے کی ابتدا هوئی ، یعنی پانی کا
غلیان گھٹنے لگا ، آخر حالت اصلی پر آ جاتا ہے ۔ جب ماہ اُفق غربی
پر پہنچتا ہے ، پھر جوار شروع هوتی ہے اور بڑھنے لگتی ، جہاں
وتدالارض پر آچکتا ہے، کمال طغیانی اس کی هوتی ہے ۔ جب وهاں سے
سرکتا ہے بھاٹا شروع هوتا ہے ؛ رفته رفته پانی پھر اپنے طور پر
بہنے لگتا ہے ؛ جس وقت قمر پھر افق شرقی پر پہنچا ، جوار کا آغاز
هوا ، لیکن اس کی اور اس کی ابتدائے حقیقی هرگز محسوس نہیں
هوتی مگر عرفی ۔ غرض هیجان بحر مانند هیجان اخلاط بدن آدمی
ہے ، جیسے اس کے گھٹنے بڑھنے کی علت حکما کے نزدیک قمر پڑتا
ہے ویسے هی اس کی بھی ۔ غرض اس ساعت پانی یہاں کے دریا
کا پینے والے کے حق میں سم ہے بلکه آب تیغ دو دم ۔ خدا
نه خواسته جس نے اس کو پیا وہ بے چارہ کب جیا ۔ پس اکل و
شرب خلق کا تالاب کے پانی پر ٹھہرا ، اسی واسطے بنا تالاب کی
اس ملک مین اکثر ہے اور ایک نام خاص بھی بعضے بعضے
تالابوں کے لیے مثلاً لال ڈگی ، چورنگی وغیرہ ۔ اور سوائے اس جوار
بھاٹے کے وسط ماہ کی تین تاریخوں میں اور آخر ماہ کی ایک بار
دن رات میں پانی به صورت دیوار بلند هو کر نہایت زور شور سے
دریائے شور کی طرف سے آتا ہے ۔ جہاز بھی اس کے تلاطم سے

هل جاتا ہے، پھر ناؤ تو کیا چیز ہے ۔ اس وقت اگر گہرے پانی میں ہوئی تو بچی اور جو کنارے سے متصل لگی تھی تو اس کے صدمے سے خشکی میں جا پڑی اور ٹکڑے ہو گئی ۔ اسی واسطے ملاح ایام مذکور میں چھوٹی بڑی ناویں بھاری لنگر ڈال کر کنارے سے دور رکھتے ہیں۔ بنگلا زبان میں اس طرح کی موج کا ناؤں ہنّا ہے لیکن برسات میں اس قوت و شورش سے نہیں آتا، سبب یقینی اس کا بشر بتلا نہیں سکتا اور لِم اس کی کوئی پا نہیں سکتا مگر حکما کے نزدیک شعاع شمس ہے، لیکن ایام معینہ اور اوقات مقررہ میں، پر بادھائے مختلف کو بھی اس میں مداخلت ہے اور اس کی کمتی زیادتی میں فصول اربع کو ۔ فی الواقع شعاع آفتاب میں حدّت بہ مرتبہ ہے، پھر غلیان بھی اس سے ایسا ہی کچھ ہوگا ۔ آب و ہوا بھی یہاں کی بہ نسبت زمانۂ سابق کے بالفعل اچھی ہے، چنداں بد نہیں؛ خصوصاً جاڑے کی رُت میں تو ہمیشہ اعتدال پر رہتی ہے ۔ یوں درد دکھ انسان کو کہاں نہیں ہوتا، کون سا شہر ہے کہ بیمار جہاں نہیں ہوتا، لیکن بواسیر، کھجلی داد ضعف معدہ پورب میں بہ کثرت ہے اور پچھم میں بہ قلت، اور نکرِ اسانجر فیل پا گھینگا خاص اسی سر زمین میں ہوتا ہے، وہاں مطلق نہیں مگر کبھی کہیں کسی کو بہ سبیل ندرت ۔ اور ارمنی محلے میں بڑے بازار و چینی بازار کے بیچ ارمنی گرجا ہے، بہت اونچا کشادہ، مشہور بھی سب گرجوں سے زیادہ ۔ تعمیر اس کی آغا ناظر ارمنیوں کے سردار نے سن ایک ہزار سات سو چوبیس عیسوی میں کی ۔ اگرچہ اس شہر میں گرجے انگریز و پرتکیش[1]

۱۔ ''پرتکیش'' نسخۂ اول (ص ۱۳۰)، نسخۂ دوم (ص ۹۲)، نسخۂ سوم (ص ۱۰۰) میں ہے ۔ ''پرتگیش'' نسخۂ چہارم (ص ۱۱۳) میں ۔ موجودہ تلفظ 'پرتگیز' ہے ۔

(پرتگیز) وغیرہ عیسائیوں کے بہت ہیں پر شہرت اسی کی بیش تر ہے اور گھڑی بھی اس کی نہایت معتبر - مسجدیں بھی یہاں کثیر ہیں لیکن نہ قابل تحریر ، مگر رمضانی درزی نے ایک مسجد پختہ مربع نو برج کی ستھل ہٹی میں بنائی ہے ، واقعی تعمیر اس کی اس کے حوصلے سے باہر ہے اور یہاں کی سب مسجدوں سے بہتر - امام باڑے بھی علا ھذا القیاس بہتیرے کیوں کہ کوئی سرکار و جمع دار خانساماں ناظر وغیرہ نہ ہوگا کہ جس نے اپنی حویلی کے متصل نہ بنایا ہو ، لیکن ایک چھوٹا سا گنبد دو تین ہاتھ کا اونچا اور چبوترا بھی اسی قدر لمبا چوڑا ، مگر بعضے بعضے چوب‌دار جمع دار نے یا کسی صاحب کی ہندوستانی بی‌بی نے محوطہ اور مکانات کے ساتھ بھی بنایا ہے اور بہت سا پیسا اس کی تیاری میں اٹھایا ہے، لیکن ایسے اشخاص تعمیر کے سلیقے اور تعزیہ داری کے طریقے سے کیا واقف ہیں؛ تاہم اگر ایمان کے ساتھ ہے اور نیت بھی بہ خیر تو عقبیٰ میں کچھ رست گاری ہوگی و الاّ دونوں جہان میں ذلت و خواری - اور محرّم کی ساتویں کو یہاں کے باشندے جتنے تعزیے دار ہیں ، شدے اور عَلَم اٹھا کر بیٹھک خانے تلک شیون کرتے ہوئے لے جاتے ہیں اور وہاں سے اسی ہیئت سے پھر اپنے گھر آتے ہیں ، رستوں میں خلائق کی کثرت سے رستہ[1] کم ملتا ہے اور شانے سے شانہ چلنے والوں کا چھلتا ہے -

۱- ''رستہ'' نسخۂ اول (ص ۱۳۱)، نسخۂ دوم (ص ۹۲) ، نسخۂ سوم (ص ۱۰۰) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۱۴) ، میں ہے ، اس سے پہلے 'رستاً' الف سے کتاب میں ملتا ہے - اس سے اتنا پتا چلتا ہے کہ افسوس 'رستہ' اور 'رستا' دونوں طرح لکھتے تھے -

نسخۂ انجمن ترقی اردو طبع ۱۹۴۵ء (ص ۱۴۷) میں ''رابستہ'' ہے جو خلاف قدیم نسخوں کے ہے -

سہپہری (سہ پہری) سے رات تلک یہی عالم اور ہر ایک گلی کوچے میں ماتم رہتا ہے؛ اسی کا نام یہاں کے لوگوں نے دوپہریا ماتم رکھا ہے، اور اسی دن ہر ایک چھوٹے بڑے امام باڑے میں یہاں کے زن و مرد مرغ کا سالن اور روٹی یا پلاؤ پکا پکا لے جاتے ہیں اور اس پر فاتحہ امام کی دلاتے ہیں۔ غرض مرغ اس قدر ذبح ہوتے ہیں کہ اس دن اگر شہر میں ڈھونڈے تو ایک پر بھی نہ پاوے مگر اُن کے لہو کا ایک نالہ ہر گلی کوچے میں بہتا نظر آوے۔ سوائے اس کے یہاں کے پواج و ارزال اس روز امام باڑوں میں جاتے ہیں اور عجیب عجیب سوانگ لاتے ہیں؛ مثلاً جس شخص نے ایک امام باڑے میں عہد کیا تھا کہ میری یہ مراد اگر اس سال میں بر آئے گی تو میں یہاں بیٹھ کر اپنے سر پر چولھا رکھ کر کھیر پکاؤں گا، وہ کھیر پکاتا ہے اور جس نے اپنی منت کے بر آنے پر قفل لگانے کا وہاں عہد کیا تھا، وہ اپنے منہ میں قفل لگاتا[1] ہے، ہر چند کہ اس کے دونوں گال چھد جاتے ہیں کیوں کہ اس کے ادھر اُدھر دو پٹریاں لوہے کی ہوتی ہیں اور بیچ میں ایک پتلا سا سیخ چہ، شکل اس کی گھوڑے کے دہانے سے کچھ ملتی ہے؛ غرض یہ خر نامشخص اس کو اپنے منہ میں لگا کر امام باڑے کے گنبد کے آس پاس پھرتا ہے۔ اگر تین پھیرے میں قفل کھل کر گر پڑا تو اُس نے جانا کہ میری نذر نہایت قبول ہوئی اور اگر ساتویں پھیرے میں گرا تو فی الجملہ، اور وہ جو کھیر سر پر پکاتا ہے وہ حالت اپنی ایسی بناتا ہے کہ لوگ جانیں اس کو ٹھنڈ لگتی ہے، کچھ اوڑھ بھی لیتا ہے، گو کہ گرمی کی رُت ہووے غرض اس کی حالت گدائی کو اور قفل کے خود بہ خود

۲۔ ''لگا تالا'' ہے۔ نسخۂ اول (ص ۱۳۱) میں غلط چھپا ہے۔ ''لگاتا ہے'' صحیح ہے، جس کی غلط نامے میں تصحیح کی گئی ہے (صفحہ ٦ غلط نامہ نسخۂ اول)۔

گر پڑنے کو چھوٹی است کرامت سمجھتی ہے اور اجابت کی علامت ۔ طرفہ تر یہ کہ اس جاہل کا ساتھ[1] اس کے یہ بھی عقیدہ ہے کہ اگر کسی اور امام باڑے میں سوائے امام باڑۂ معہود یہ کام کریں تو نہ کھیر پکے اور نہ قفل کھلے ؛ احیاناً اگر کوئی عالم اس جاہل کو چاہے کہ اس فعل نا شایستہ سے باز رکھے ، کیا مجال ، بلکہ جناب امام کے بھی مانع ہونے سے ترک اس کا اس سے محال ۔ مصرعہ

ہر کس بہ خیالِ خویش خبطے دارد

اور عشرے کے دن کوئی خاص طور یہاں نہیں دیکھا و الاّ لکھنے میں آتا ۔ اور یہاں کے ہنود کی بھی بعضی بعضی پوجا کا طور جدا ہے ؛ چناں چہ درگا پوجا میں اور کالی کی پوجا میں اور کاتک پوجا میں یہ اپنے اپنے گھروں میں بڑے بڑے روغنی بت ہر ایک کی شبیہ معین پر بنوا[2] کے رکھتے ہیں ۔ اور ان کو روز معہود بڑی دھوم دھام اور باجے گاجے سے دریا میں لے جا کر ڈال دیتے ہیں ۔ عوام یہاں کے اس کو بھسان کہتے ہیں ؛ غرض درگا پوجا بہت دھوم اور ہجوم کے ساتھ ہوتی ہے اور اس کے لوازم میں یہاں کی خلقت بہت رُوپیا پیسا اپنا کھوتی ہے ، نام اس کا نوراتر، ابتدا اس کی کوار سدی پرواسی اور انتہا دسمی کو لیکن چھٹ سے ستمی ، اشٹمی ، نومی تک تھاپنا کر کے پوجتے ہیں ، یعنی ایک کورے گھڑے میں پانی بھر کر اس کے آگے پرستش میں مشغول ہوتے ہیں ، اور دسمی کو بسر جن کرتے ہیں ، یعنی درگا کو دریا میں ڈال دیتے

۱۔ ''اس'' نسخۂ اول (ص ۱۳۲) ، نسخۂ سوم (ص ۱۰۱) نسخۂ چہارم (ص ۱۱۵) میں ہے ''اسی'' نسخۂ دوم (ص ۹۳) میں ہے ۔

۲۔ ''بنوا کے'' نسخۂ اول (ص ۱۳۲) نسخۂ دوم (ص ۹۳) ، نسخۂ سوم (ص ۱۰۲) میں ہے اور نسخۂ چہارم (ص ۱۱۶) میں ''بنا کے'' ۔

هیں اور ایام مذکور میں خصوصاً چھٹی سے دسویں رات تلک اکثر هندو بنگالی اپنے حوصلے اور مقدور کے موافق مجلس عیش کی جماتے هیں ۔ اگرچہ بیش‌تر ان میں تھڑدلے هیں پر اس کام میں بہت سا ر ہیا اٹھاتے هیں ؛ چناں چہ یہاں کے اعزہ متمول مسلمانوں کی بھی دعوت کرتے هیں بلکہ صاحبان عالی شان کی بھی ۔ غرض اکثر قوم کے اشخاص اور سردار مجلس میں جاتے هیں اور ایک حظ اٹھاتے هیں ۔ فرش رنگ بہ رنگ کا هر مکان میں اور شمیانے کے تلے نہایت پاکیزہ و مصفا ۔ شیشے کے جھاڑ، فانوسیں ، قندیلیں متعدد روشن جا بہ جا ۔ پاندان ، عطردان ، نقرئی و طلائی قرینوں سے دھرے ہوئے ، سینکڑوں چنگیروں میں ہار پھول طرے بھرے ہوئے ۔ بھانڈ بھگتیوں اور کنچنیوں کے طائفے دس دس بیس بیس ، پوشاکیں بھی اِن کے گلوں میں نفیس نفیس ۔

ابیات

مسلسل کناری بنت کی چمک
کڑے اور توڑے کی ِتس پر جھنک

نظر چشم کی کس طرح تاب لائے
کہاں تک دلِ عاشقاں پس نہ جائے

سطحِ فرش کی هر دو جانب انگریزوں پرت کیشوں (پرنگیزوں) رومنیوں کی بی‌بیاں اور مستی سائیں پُر تکلف لباس پہنے ہوئے کرسیوں پر جلوہ گر ، حسن کا بازار لگا ہوا ادھر آدھر ۔

ابیات

جو یوسف بھی اس بزم دل کش میں آئے
تو دل ایک نظّارے پر بیچ جائے

یہ هر مہ کا چمکا ہوا رنگ ہے
کہ اندر کی بھی اپچھرا دنگ ہے

هر اک اپنے جوبن سے مغرور ہے
قیامت ہے ، آفت ہے ، بس دور ہے

جو آوے پری اس شبستان میں
تو جاوے نہ ہرگز پرستان میں

پھر انسان ناچیز کا ظرف کیا
حواس اس کے کیوں کر رہیں یاں بجا

سچ تو یہ ہے کہ ہر قوم کی مجلس اور خوب رویوں کی شان جدی ہے اور ہر گروہ کے گل رُخوں کی آن بان جدی ۔ مصرع

ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است

قصہ مختصر ہر شب سحر تلک ناچ راگ کا سماں بندھا رہتا ہے اور تماشائیوں کا ہجوم لگا رہتا ۔ پھر دسویں کو تیسرے پہر سے شام تلک دریا پر بھی ایک کیفیت اور زن و مرد کی کثرت رہتی ہے ؛ سوائے اس کے اور بھی کئی میلے اپنے اپنے موسم میں یہاں ہوتے ہیں لیکن نہ اس خوبی و کیفیت کے ساتھ ۔ بنا بر اس کے طور ان کا تحریر نہ کیا اور ان کی تفصیل میں فائدہ معتدبہ نہ دیکھا ۔ شہر سے اندک فاصلے پر جنوب کی طرف فورٹ ولیم قلعہ ہے ، بنا اس کی پلاسی کی فتح کے بعد کرنیل کلیو کے عہد میں ہوئی لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ گویا آج بنا ہے اور ابھی تیار ہوا[1] ؛ مع ہذا اسباب و لوازم جتنے کہ قلعے کو اور اس کے باشندوں کو درکار ہوں ، ہمیشہ مہیا رہتے ہیں بلکہ دن بہ دن ان امور کی ترقی و زیادتی ہے ۔ ساخت کا تو اس کی مذکور کیا ، ساخت ہی جدی ، عمارت

۱- نسخۂ انجمن (ص، ۱۵۰) میں ''ہے'' غلط ہے ۔ کسی قدیم نسخے میں نہیں ۔

کی طرز ھی نئی ، اس بلاد کے کسی قلعے سے نہیں ملتی ۔ چار دیواری باھر سے تو پشتے کے مانند اور اندر سے نہایت بلند ، کنج کاؤ اس کے کونن پا سکے اور بچاؤ لگاؤ کس کی مجال جو بتا سکے۔ واقعی ایک عالم کے لیے حکم طلسم کا رکھتا ھے ۔ دید اس کی حیرانی بڑھاتی ھے اور سیر سُرت بھلاتی ھے ۔

ابیات

حصار اس طرح کا زمیں پز کہیں
کوئی دوسرا ھم نے دیکھا نہیں

عجب کیا جو معمار قدرت اسے
کہے ھے یہی ایک حصن حصیں

اور قلعے کے پچھم دریا کے پار لیکن کنارے پر بعد ایک باغ کے قدرے فاصلے سے صاحبان کمپنی دام ظلہم کا باغ سراپا بہار ھے لیکن بے محوطے پر بہت بڑا اور کشادہ کہ عقل کے احاطے میں آ نہیں سکتا ؛ پھر محوطہ اس کے گرد کوئی کیوں کر بناوے ، اور فضا اس کی حد سے زیادہ کہ طائر وھم اُس کے باھر جا نہیں سکتا ، پھر بشر اس کے اُدھر کیوں کر جاوے۔ سچ تو یہ ھے جیسے اس کے مالک ریاست و حکومت میں حکام زمان سے برتر ھیں ، ویسی ھی یہ لطافت و کیفیت میں باغ ھائے جہان سے ؛ جس طرح ان کی حشمت کو زمانے میں ترقی ھے ، اُسی طرح اس کے درختوں کی کثرت کو ۔ فی الواقع کہ اس کا ھر ایک چمن گل زار کے برابر اور نقشہ باغ ارم کے نقشے سے کہیں بہتر ۔ زمین اس کی سراسر صاف و ھم وار اور روش لال لال اس میں بہ خوبی نمودار۔ سبزہ زاروں کے گرد انواع و اقسام کے سیکڑوں اشجار اور پتے اُن کے سبز زمرد وار ۔

ابیات

هر اک خار[1] اس باغ کا مثل گُل
گیاہ[2] اس کے چمنوں کی سنبل سی گُل

شگفتہ نہ ہو اس میں کس طرح دل
ہوا اس کی رہتی ہے نت معتدل

ہیں رنگت میں بہتر جواہر سے پھول
جو دیکھے انھیں جائے سرت اپنی بھول

سنی واں کے طائر کی جس نے صدا
نہ طالب ہوا راگ کی تان کی

پھولوں پھلوں کے بھی درخت ہزار ہا ، بلکہ اکثر ایسے جن کا نام بھی کسی نے نہیں سنا اور بعضے ایسے کہ جن کو اکثر اشخاص نے نہیں دیکھا ؛ چناں چہ لونگ ، جائے پھل ، دار چینی ، کباب چینی ، کافور کے درخت اُس میں متعدد ہیں بلکہ جائے پھل کا درخت ایک آدھ پھلا ہوا بھی وہاں دیکھنے میں آیا ہے اور اس کے پتے کو جامن کے پتے سے کچھ مشابے (مشابہ) پایا ، لیکن جھمکا ایک پھول ہے کہ وہ خاص انھیں ملکوں میں ہوتا ہے ، اُس کے پتے سے تو مشابہت ُکلی" اور لونگ کا پتا بھی کچھ ویسا ہی ، پر دار چینی کا بیر کے پتے سے ملتا ہے اور کافور کا شفتالو کے پات سے ۔ تالاب بھی اس میں بہت سے ہیں اور نہریں بھی کتنی ہیں ۔ ناؤ دانیں ان

۱- ''خار'' نسخۂ اول (ص ۱۳۵) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۱۹) میں ہے ۔ ''خانہ'' نسخۂ دوم (ص ۹۵) ، نسخۂ سوم (ص ۱۰۳) نسخۂ انجمن (ص ۱۵۱) میں غلط ہے ، صحیح لفظ ''خار'' ہے ۔

۲- ''گیا'' متن نسخۂ اول (ص ۱۳۵) نسخۂ دوم (ص ۹۵) نسخۂ سوم (ص ۱۰۳) میں غلط ۔ ''گیاہ'' نسخۂ چہارم (ص ۱۱۹) میں صحیح ہے - غلط نامہ نسخۂ اول (ص ٦) میں تصحیح کی گئی ہے ۔

کی دریا سے متصل ؛ چناں چه جوار کے وقت جن دنوں شدت ہوتی ہے ، پانی آنھیں کی راہ سے تالابوں میں آتا ہے اور بھاٹے کے وقت نکل جاتا ہے ۔ مکان بھی اس میں تین چار ہیں لیکن لب دریا ایک عمارت انگریزی نہایت دل چسپ ، پر مختصر اور خوش اسلوب ؛ سراسر ساخت اس کی بڑی بڑی عمارات سے فائق ، ساتھ اس کے ہر موسم کے لائق ۔ ہوا اس کی ہر مزاج کو راس آوے ، ساکن اس کا بسا اوقات حظ اٹھاوے ۔

ابیات

نه گھبرائے تنہا بھی واں آدمی
کبھو ہو نه ہرگز اداس اس کا جی
طلسمات کا سا ہے اس میں سماں
پھر انسان چھوڑ اس کو جاوے کہاں

اور چار روش کی وسط میں کرنیل کیٹ[1] کا مقبرہ ہے ۔ محوطه اس کا ہشت پہلو اور اس کے گنبد میں آٹھ ستون دروازے بھی چار ، اندر اس کے سنگ مرمر کا ایک ستون ، تین چار ہاتھ لنبا[2] (لمبا) لیکن نہایت خوب ترشا ہوا ، شیشه سا چمکتا ؛ اوپر اس کے صاحب قبر کی تصویر اور پاس اس کے ایک عورت کی بھی شبیه دل پزیر ۔ جائے عبرت ہے کیوں که یه رکن حکومت ایک دن یہاں حکومت کر رہا تھا ، آج اس ستون کے نیچے گڑا ہوا ہے اور ہر ایک عضو بدن خاک میں ملا ہوا ۔ ایک روز اس ستون کا بھی حال دگرگوں ہو جائے گا اورگنبد کے بھی نقشے میں تغیر آئے گا ۔

۱- ''کیٹ'' نسخهٔ اول (ص ۱۳۶) ، نسخهٔ دوم (ص ۹۶) نسخهٔ سوم (ص ۱۰۵) نسخهٔ چہارم (ص ۱۲۱) میں ہے ۔ ''کیٹ'' نسخهٔ انجمن (ص ۱۵۳) میں ہے لیکن کسی قدیم نسخے میں نہیں ۔

۲- ''لنبا'' چاروں نسخوں میں ''ن'' سے ہے ۔ نسخهٔ انجمن میں 'لمبا' ہے ۔

ابیات

عمارت کی تعمیر سے هاتھ اٹھا
ٹک اک خانۂ آخرت کو بنا

یہ هے چند روزہ همیشہ هے وو
تو اس کے لیے ویسے گھر کو نہ کھو

قصہ مختصر یہ باغ همیشہ ڈھڈھا اور هرا بھرا رهتا هے - سبب ظاهری اس کا یہ هے کہ سوائے داروغہ اور کارکنوں کے سو باغبان بھی نوکر هیں ، اور وے رات دن درختوں کی غور پرداخت کیا کرتے هیں ، اور دریا بھی نہایت متصل هے ، لیکن حقیقتاً مالکوں کی نیت ، کیوں کہ سو باغ بان اس کے ایک ضلعے کے درختوں کو بھی سینچ نہیں سکتے ، اور دریا کا قرب بسا اوقات مزارع و باغ کو مضر بڑتا هے - پس حاکم کا خوش نیت هونا عجب چیز هے - چناں چہ ایک بادشاہ کی نقل هے ، بعضے اشخاص بہرام گور سے اس کو منسوب کرتے هیں کہ ایک دن شکار کھیلتا هوا تنہا پیاسا کسی قصبے کے نواح میں جا نکلا ، وهاں ایک باغیچہ تھا لیکن ایسا جیسا گاؤں گنویں میں هوتا هے اور ایک شخص دروازے پر آس کے کھڑا یا بیٹھا تھا - آن نے اس سے پانی مانگا وہ بولا کہ ''میاں سوار! تم گھوڑے سے اتر بیٹھو ، ٹک دم لو ، جلد پانی پینا اچھا نہیں''- یہ کہہ کر اندر گیا اور دو انار بڑے بڑے توڑ لایا - ایک کے دانے نکال کر جو بیالے میں نچوڑے ، ملبب بھر گیا اور کاسہ بھی سیر بھر کے انداز سے کم نہ تھا - بادشاہ نے پیا اور خوب مزا اٹھایا کیوں کہ ساتھ کلانی کے وہ میٹھا بھی بہت تھا - بعد اس کے پوچھا کہ '' سرکار میں تم اس باغ کا محصول کیا دیتے هو ؟'' اس نے نہایت کم بتلایا ؛ وونهیں (ووں هی) خاطر مبارک میں آیا کہ کچھ بڑھایا چاهیے - بعد ایک دم کے جو دوسرا انار اسی

پیالے میں نچوڑا تو چوتھائی خالی رہا۔ حضرت نے مالک کی طرف تعجب سے دیکھا۔ اس نے کہا ''میاں سپاھی! معلوم ھوتا ھے کہ اس وقت حاکم کی نیت ڈانواں ڈول ھوئی اور اسی کی نیت سے رعیت کی برکت ھے''۔

بیت

کیا کر دلا مے کدے کی بھی سیر
ولیکن تو رکھ اپنی نیت بہ خیر

چندن[1] نگر عرف فراش[2] (فرانس) ڈانگا

چھوٹا سا ایک شہر ھے کلکتے سے بارہ کوس کے فاصلے پر۔ فراسیس[3] کی کوٹھی اسی میں ھے، عمل دخل بھی وھاں ھمیشہ انھیں کا تھا۔ صاحبان انگریز کچھ مداخلت نہ کرتے تھے لیکن چند سال سے عناد و فساد جو باھم ھوا، بنا بر اس کے صاحبان عالی شان نے اس کو چھین لیا، بالفعل بھی انھیں کے تحت میں ھے۔

۱۔ ''چندن نگر عرف فرانس ڈانگا'' شیر علی افسوس کا اضافہ ھے۔ 'خلاصة التواریخ'' میں اس کا ذکر نہیں ھے۔ (فائق)

۲۔ فراش۔ نسخۂ اول (ص ۱۳۷)، نسخۂ دوم (ص ۹۷)۔
فراس۔ نسخۂ سوم (ص ۱۰۶)۔
فرانس۔ نسخۂ چھارم (ص ۱۲۱)۔
فراش۔ نسخۂ انجمن (ص ۱۵۴)۔

۳۔ ''فراسیس'' نسخۂ اول (ص ۱۳۷)، نسخۂ دوم (ص ۹۷)، نسخۂ سوم (ص ۱۰۶) میں ھے۔ ''فرانسیس'' نسخۂ چھارم (ص ۱۲۱) اور نسخۂ انجمن (ص ۱۵۴) میں۔

چوچره[1]

ہوگلی کے نزدیک دکھن کی طرف ایک کوس کے تفاوت سے ہمیشه ولندیز کے تحت و تصرف میں تھا ۔ کئی برس سے صاحبان انگریز نے اس پر بھی قبضه کر لیا ، سبب اس کا موافق ہونا ان کا فراسیس سے ۔

شیو رام پور[2]

بھی دریائے مذکور کے کنارے پر ایک چھوٹی سی بستی ھے کلکتے سے چھ کوس پر ، اس پار اچانک کا اور اس کا آمنا سامنا ، دریا بیچ میں؛ علاقه اس کا دنا مار سے، صاحبوں کو کچھ کام نہیں ، کوٹھی اسی فرقے کی وہاں اب تلک قائم ھے لیکن اچانک کلکتے کے متعلقات سے ھے ؛ چناں چه وہاں بھی لارڈ ولزلی بہادر نے ایک عمارت خوش نما اور باغ پُر فضا بنایا ھے ، صحن اس کا مانند رمنے کے وسیع اور ھوا ھر موسم میں مثل ھوائے ربیع ۔ وحشی اس میں اکثر بے مثال اور طائر بہتیرے نادر جہاں ۔ دیکھ کر ان کو انسان نقش دیوار بن جائے اور خدا کی قدرت یاد آئے ۔ مشرک بھی بے اختیار ''فتبارک اللہ احسن الخالقین'' پڑھنے لگے اور کافر بھی بے تامل ''الحمد للہ رب العالمین'' کہه اٹھے۔ سڑک بھی وہاں سے کلکتے تلک ایسی سیدھی ھموار بنائی که کجی نام کو نه رھی ۔

۱- ''چوچره'' نسخۂ اول (ص ۱۳۸) میں ھے ۔ 'چوچڑه' نسخۂ دوم (ص ۹۷ ، نسخۂ سوم (ص ۱۰٦) ، نسخۂ انجمن (ص ۱۵۵) میں ھے لیکن ''خلاصة التواریخ''. میں اس کا ذکر نہیں ۔ اضافه مترجم (فائق)

۲- ''شیو رام پور'' ''خلاصة التواریخ'' میں اس کا بیان نہیں ۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں بنیاد پڑی ۔ افسوس نے اضافه کیا ھے ۔ (فائق)

ساتھ اس کے دو رستہ درخت سایہ دار لگوا کر رستہ گل زار کیا اور چلنے والوں کو سو طرح کا آرام دیا ۔

بیت

ہمیشہ ہے اس پر ہوا باغ کی
فضا اس کی ہے گی فضا باغ کی

سرکار سلہٹ[۱]

آبادی اس کی پہاڑوں میں ہے ۔ گینڈے کی ڈھال وہاں کی مشہور فی الواقع نہایت خوب و خوش اسلوب ہوتی ہے ، ہندوستان کے کسی ملک میں ایسی سپر کہیں نہیں بنتی ۔ میوے بھی وہاں کے اکثر خوش ذائقہ ؛ چناں چہ بہتر سے بہتر ان میں کولا ہے؛ احوال اس کا سابق اس سے لکھا گیا ۔ سوائے اس کے چوب چینی بہ کثرت بہم پہنچتی ہے اور 'اگر' کے درخت بھی بہتایت سے وہاں کے پہاڑوں میں ہوتے ہیں ، آخر برسات ان کو کاٹ کر آب و ہوا میں ڈال دیتے ہیں ؛ بعد چند روز جہاں سے جتنا 'اگر' اچھا ہاتھ لگا اس کو رکھ چھوڑا اور برے کو پھینک دیا ۔ خواجہ سراؤں کی افراط اس دیار میں فقط "خلاصۃ التواریخ" سے دریافت ہوئی اور خلاف اس کا بیش تر سنا لیکن "ریاض السلاطین" میں ہونا نہ ہونا کچھ نہ دیکھا ، اس لیے احوال ان کا ترک کیا ، کچھ نہ لکھا ۔

۱۔ "خلاصۃ التواریخ" (ص ۴۸) کے بیان میں قدرے اضافہ کیا ہے ۔ ڈھال کا بیان نہ "آئین اکبری" میں ہے نہ "خلاصۃ التواریخ" میں ۔ آئین اکبری میں دو پرندوں کا ذکر آتا ہے ۔ بھنگ راج ، شیر گنج ۔ افسوس اور سجان رائے نے ان کا ذکر بھی نہیں کیا ہے ۔ (فائق)

سرکار رنگ پور گھوڑا گھاٹ[1]

ریشم وھاں بہ کثرت بہم پہنچتا ھے اور ایک میوہ ضخامت میں مثل چار مغز اور مزے میں مانند انار، بیج اس میں تین اور نام لٹکن اسی سرزمین سے تعلق رکھتا ھے۔ ٹانگن بھی ابلق پہاڑوں سے لاکر ونہیں[2] (وھیں) بیچ جاتے ھیں اور لینے والے ان سے اور ملکوں میں نفع اٹھاتے[3] ھیں۔

سرکار بگلا[4]

سمندر کے کنارے وھاں بھی ایک قلعہ تھا۔ چار طرف اس کے درخت گنجان بے شمار تھے اور جوار بھاٹا بہ طور کلکتے کے

۱۔ ''سرکار گھوڑہ گھاٹ ابریشم و پارچہ تدت بند و اسپ گوت و خواجہ سرایان فراوان بود ھندی میوہ بسیار''۔ (خلاصۃالوارخ، ص ۴۸)
''در سرکار گھوڑہ گھات ابریشم و پارچۂ ٹاٹ بند و خواجہ سرا و اسپ گوٹھ فراوان بود و ھندی میوہ بسیار، خاصہ لنکن (لتکن) میوہ ایست برابر جوز بہ مزۂ ناروسہ دانہ درو''۔ (آئین اکبری، ص ۳۹۰)۔
''خلاصۃ التواریخ'' کے مصنف نے ''آئین اکبری'' کی عبارت نا تمام نقل کردی ھے، افسوس نے آئین اکبری کا خلاصہ پیش کردیا ھے۔ (فائق)

۲۔ ''ونہیں'' نسخۂ اول و دوم و سوم میں ھے۔

۳۔ ''اٹھاتھے'' نسخۂ اول میں ھے۔ نسخۂ دوم و سوم میں ''اٹھاتے''۔

۴۔ ''سرکار بگلا۔ بر ساحل دریائے شور است، در حواشی قلعہ درخت زاریست، سر آغاز ماہ ھلالی تا چہار دھم دریا بہ موج خیز در آید و امواج بہ سان کوہ بر خیزد و نموداری شگرف و تماشاے عجیب شود و از پانز دھم تا اخیر ماہ پایہ بہ پایہ بکاھد''۔ (خلاصۃالتواریخ ص ۴۸)۔
''سرکار بگلا''۔ ساحل دریاے شور، گرد قلعہ درخت زار، سر آغاز ھر ھلالی ماہ تا چہار دھم دریا بموج خیز در آید و پانز دھم تا آخر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۲)

اس مقام میں بھی آتا ھے ؛ لیکن اکبر کے انتیسویں[1] سال جلوسی میں پہر دن رھے ایک روز عجب ایک سیل نمود ھوئی ، تمام شہر ڈوبا ، راجا وھاں کا ناؤ پر چڑھ کر بھاگا ؛ غرض پانچ ساعت جوش طوفان کا رھا اور تموج دریا کا نہ گھٹا ؛ ساتھ اس کے بجلی چمکا کی ، بادل گرجا کیے ، مینہ برسا کیا ۔ آخر دو لاکھ جاندار حیوان و انسان سے سیل فنا میں غرق ھوئے اور ''خلاصۃ التواریخ'' میں یہ لکھتا (لکھا) ھے ''شروع ماہ ھلالی سے چودھویں تلک وھاں کے دریا سے موجیں پہاڑ کے برابر برابر ھر روز اٹھتی ھیں اور پندرھویں سے بہ تدریج گھٹتی ھیں'' لیکن تاریخ بنگالہ سے یہ بات دریافت نہیں ھوتی ۔ قریب اس کے :

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

پایہ بہ پایہ بکاھد و در سال بیست و ھشتم الٰہی ، سوم پہر روز شگرف سیلابے آمد و ھمگی سرکار را فرو گرفت ۔ مرزبان آں جا جشنے داشت ، خود را بر فراز کشتی رسانید ، و پرمانند رائے پور او با برخے بر بت خانہ بر آمد و بازرگانے بر تالارے شتافت، تایک و نیم پہر جوش دریا و شورش ابر و باد بود ۔ خانہا وکشتی ھا فروشد و بت خانہ را و تالار را گزندے نہ رسید ۔ نزدیک دولک جان دار دراں طوفانے جوشش فروشد'' ۔ (آئین اکبری ، ص ۳۹۰)

افسوس نے '' آئین اکبری'' کا ترجمہ کیا ھے ، ''خلاصۃ التواریخ '' کے مصنف کے بیان پر اعتبار نہیں کیا مگر ''آئین اکبری'' میں اٹھائیسیوں سال جلوس کا ذکر کیا ھے ۔ افسوس نے انتیسویں کا حوالہ دیا ھے جو صحیح نہیں ۔ (فائق)

۱۔ ''انھتیسویں'' نسخۂ اول (ص ۱۳۹) میں ھے ''انتیسویں'' نسخۂ دوم و سوم اور نسخۂ انجمن میں ۔

کام روپ[1]

ہے ۔ اسی کو کانورو بھی کہتے ہیں ۔ عورتیں وہاں کی نہایت شکیل ، فن جادوگری میں بے عدیل ، دور از عقل ؛ ان کی فسوں سازی و شعبدہ بازی کی نقلیں کرتے ہیں ۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ جس دانا کو چاہیں ایک آن میں دیوانہ کر دیویں بلکہ جس انسان کا ارادہ کریں ایک پل میں حیوان بنا لیویں ۔ نباتات بھی وہاں کے عجیب و غریب ہیں ؛ چناں چہ پھولوں کی باس توڑنے کے بعد کئی مہینے تلک بہ دستور رہتی ہے اور آم کے درخت انگور کی مانند تاکوں پر پھیل کر پھولتے پھلتے ہیں ۔ اس سے بھی نادر تر یہ ہے کہ درخت اگر کاٹیے تو عرق شیریں ٹپکنے لگے ، یہاں تک

۱- کام روپ کہ این و آن کا نورو خوانند و کامتا بدست اوست ۔ دراں جا نکو روئی بس فراواں و جادوگری از اندازہ بیش ۔ شگرف داستان ها بر گزارند گویند خانہ سازند ستون و دیوار و سقف از آدم باشد ۔ برخے را بہ نیروے سحر پردازی بربں دارند ، و گناہ اندوزان ئیستی سزا وار نیز بکار روند و هرکه بہ خواهش خود تن بدیں کار دهد یک سال بہ کار کرد او باز خواست نہ رود ۔ گونا گوں نعمت برو آمادہ دارند و چوں هنگام رسد ، چندے شمشیر برگرفتہ ایناں را از هم‌گزرانند و از جنبش‌و آرامش و دیگر حال برگرانی و ارزانی و افزونی‌غم و دراز زندگانی مر زبان و کاهش غنیم آ گاهی یا بند و نیز آبستن تمام شهور را شکم دریدہ آئین اکبری‌ض ۳۸۷) فرزند بیروں آورند و ازاں نیز لختے برآیندہ بے برند'' ''خلاصۃ التواریخ '' کی عبارت '' آئین اکبری'' سے ماخوذ ہے ملاحظہ ہو: ''نزدیک آں کا مروپ است کہ آں را کانورو گویند و حسن ظاهری زناں آں جا بس فراواں ، خصوص جادوگری و طلسم سازی و سحر و شعبدہ پردازی از اندازہ ۔ ۔ ۔'' (خلاصہ ، ص ۴۸) ۔ افسوس نے تین سطروں میں جادوگریوں کا حال ختم کر دیا ہے ؛ چوں کہ افسوس ان باتوں کا قائل نہ تھا اسی لیے اجمال برتا ۔ (فائق)

که پیاسوں کی پیاس بجھا دیوے ، اور ''ریاض السلاطین'' سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ سابق میں وہاں عمل کوچ بہار کے راجاؤں کا تھا - لباس وہاں کے زن و مرد کا فقط ایک لنگی اور لہجہ گفت گو کا کوچ بہار کے باشندوں سے ملتا ہوا - قریب آس کے :

ولایت آشام[1] (آسام)

ہے - نہایت وسیع ، بیچ میں اس کے دریاؤ برمھا پتر مغرب سے مشرق کی طرف بہتا ہے - آب و ہوا اس کے کنارے کی متوطن و مسافر کے لیے مساوی ہے ، لیکن اس سے دور کی متوطن سے تو موافق اور غیر کے حق میں سم - برسات آٹھ مہینے کی اور چار مہینے جاڑے کے بھی مینہ سے خالی نہیں - پھول اور پھل بھی ہندوستان و بنگالے کے وہاں بیش تر بہم پہنچتے ہیں بلکہ سوائے ان کے بہتیرے خاص اس سر زمین میں پیدا ہوتے ہیں - دھان کی نہایت کثرت ، لون کی بہ مرتبہ قلت اور گیہوں ، جو ، مسور مطلق نہیں بوتے اگرچہ زمین وہاں کی قابل ہے کہ جو کچھ بوئیں سو آگے - مرغ اس سر زمین کا بڑا لڑاکا ، آپ سے چوگنے کے مقابل ہو اور یہاں تلک لڑے کہ مغز اس کا پاش پاش ہو جائے ، پر لڑائی سے باز نہ آئے ، مرمٹے حریف کے آگے سے نہ ہٹے - ہاتھی بھی

''۱- پیوست آں ولایت آسام است بسیار و سبع مر زبان آنجا را چوں روزگار سپری گردد خاصان او مرد و زن کشادہ پیشانی زندہ فرو شوند و ہر کہ وارث نہ داشتہ باشد جمیع اموال باو مدفون کنند''- (خلاصۃالتواریخ ص ۳۸ و ۳۹) -

''و پہلوے ایں ولایت ملک راجہ آشام است فراواں شکوہ ازو برگزارند ، چوں روزگار او سپری شود ، خاصان او مرد و زن کشادہ پیشانی زندہ درگور شوند''- (آئین اکبری)

افسوس نے آسام کا حال تفصیل سے لکھا ہے - (فائق)

ادھر کے جنگل میں بیش تر خوش جمال و کلاں ؛ ھرن ، بارہ ، سنگے نیل گاؤ ، مینڈھے ، فراواں ۔ اور دریا کی ریتاں[1] میں سونا پیدا ھوتا ھے لیکن کھوٹا ؛ چناں چہ آٹھ رُپے تولہ بکتا ھے ۔ طرفہ تر یہ کہ وھاں کا راجا ایک بلند مکان پر بیٹھا رھتا ھے ، زمین پر پاؤں نہیں رکھتا ؛ احیاناً اگر رکھ دے ، راجائی اس کی جاتی رھے ۔ عقیدۂ باطل وھاں کے راجاؤں کا یہ ھے کہ آبا و اجداد ان کے آسمان پر تھے ، کسی وقت سونے کی سیڑھی رکھ کر اترے اور پاؤں اپنا زمین پر نہ رکھا ۔ بنا بر اس کے وھاں کے راجا کو سرگی کہتے ھیں ۔ سرگ لفظ ھندی ھے ، معنی اس کے آسمان ۔ قصہ کوتاہ جب راجا اس دیار کا مرتا ھے ، بعضے بعضے مرد رنڈی اس کے خواص و خدمتی زندہ معہ قدرے تجمل و اسباب بلکہ لباس و طعام بھی اس کے ساتھ سردابی میں دفن کر دیتے ھیں اور کتنے گھی کے چراغ بھی جلا کر اس مقام میں دھر دیتے ھیں ۔ متصل اس کے تبت اور :

مہاچیں[2]

تبت سے قریب ماچیں ۔ ملک خاں بالغ کا دار الحکومت یہی ھے ، دریائے شور اس سے چار دن کی راہ ۔ کہتے ھیں کہ ملک

۱۔ ''ریتاں'' نسخۂ اول (ص ۱۴۱) میں ھے ۔ ''ریتیاں'' نسخۂ دوم (ص ۱۰۰) نسخۂ سوم (ص ۱۰۸) اور نسخۂ انجمن میں ''ریت'' ھے ۔

۲۔ ''و پیوست آں پایان تبت و چپ ایں ختا ازو بہ مہاچین گزارش رود و عامہ ما چین گویند ، از خان بالغ کہ دارالملک است تا بہ دریاے شور چہل منزل رودے بریدہ اند ، و ھر دو کنارہ بہ سنگ و چونہ بر آوردہ ، سکندر رومی ازیں حدود باں دیار شتافت ، و نیز راھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۷ پر)

مذکور سے سمندر تلک ایک نہر کلاں کھود کر دونو[1] (دونوں) کنارے اس کے سنگین و پختہ بنائے ہیں۔ سکندر رومی انہیں کی راہ اس ولایت میں گیا اور تمام ملک کی سیر کر کے دریا کی راہ سے نکلا۔ مشہور ہے کہ حسب الحکم سلطان موصوف کے حکیمان والا دانش و دانایان عالی منش نے وہیں دریائے شور پر ایک طلسم آدمی کے پنجے[2] کی صورت بنایا ہے۔ جب جہاز ادھر کو آنے لگتا ہے وہ اشارے سے منع کرتا ہے۔ اور درمیان مشرق و جنوب شہر:

(گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ)

نشان دہند که به چہار شبانه روز تواں رفت''۔ (آئین اکبری، ص ۳۸۷ و ۳۸۸)۔

''خلاصة التواریخ'' کے مصنف نے ''آئین اکبری'' سے کچھ عبارت زیادہ لکھی ہے:

''سلطان سکندر رومی ازیں حدود باں دیار رفت، سیر تمام آں ولایت نموده براه دریا بر آمد و به موجب امر سلطان سکندر حکما والا دانش طلسمی پنجه دست آدم بر روے دریاے شور نهاده اند که چوں جہاز آں طرف می رود به اشاره منع می کند که بدیں سمت میا''۔

(خلاصة التواریخ ص ۴۹)

۱۔ ''دونو'' نسخهٔ اول (ص ۱۴۱)، نسخهٔ دوم (ص ۱۰۰)، نسخهٔ سوم (ص ۱۰۹)۔

۲۔ ''پنجے'' نسخهٔ اول (ص ۱۴۱)، نسخهٔ دوم (ص ۱۰۰)، نسخهٔ انجمن (ص ۱۵۹) میں ہے۔ نسخهٔ سوم (ص ۱۰۹) میں ''لیچے'' غلط ہے۔

ارخنگ[1]

ایک بڑا ملک ہے۔ بندر چاٹگام[2] (چاٹ گانوں) وہاں سے نہایت متصل۔ ہاتھیوں کی وہاں کثرت بہت ہے، یہاں تک بھورا ہاتھی بھی وہاں میسر آتا ہے، لیکن گھوڑا نایاب، اونٹ گدھا نپٹ مہنگا، گائے بھینس ناپید، پر ایک جانور مثل ان کے بہ رنگ ابلق دودھ دیتا ہے۔ وہاں کے لوگوں کا مذہب و ملت نرالا، ہندو مسلمان سے جدا، سوائے ماں کے ہر عورت کو جورو کر لیتے ہیں؛ چناں چہ بھائی بہن سے احتراز نہیں کرتا۔ سوائے اس کے یہ رسم ہے کہ سپاہیوں کی رنڈیاں دربار میں سردار کے مجرے سلام کو حاضر ہوتی ہیں اور خاوند ان کے گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ طرفہ یہ کہ زن و زمر وہاں کے گالی[3] اور گھوسے پر اپنے پیشوا و سردار کی خدمت و اطاعت خلوص دل سے کرتے ہیں اور نہایت اس سے ڈرتے ہیں

۱- ''درمیان مشرق و جنوب فراخ ملکے است، ارخنگ نام بندر بکالو از و ست، فیل بسیار شود و سفید فیل هم پیدای یابد و اسپ و شتر و خر گران ازر و گاو وگاومیش اصلا نبود و جانور یست ابلق که ازیں هر دو بهره دارد، و بگونا گوں برایند و شیر او بخورند، کیش ساکنان آں برخلاف هندو و مسلمین است، خواهر خود را بلکه توام را به زوجیت بر گیرند و تنها از مادر حقیقی پرهیز دارند، دانش کیش ریاضت اندیش را والی گویند''۔ (خلاصة التواریخ)

۲- ''میان شرق و جنوب بنگاله فراخ ملکے است ارخنگ نام، بندر چاٹ گانو از وست''۔ (آئین اکبری، ص ۳۸۸) -

۳- ''کالے اور کھوسے'' نسخۂ اول (ص ۱۴۲)، نسخۂ چهارم (ص ۱۲۶) میں ہے۔ '' کالے اور گھوسے'' نسخۂ دوم (ص ۱۰۱) میں اور '' کالی اور گھوسے'' نسخۂ سوم (ص ۱۰۹) میں۔ یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

لقب اس کا والی ہے ۔ اور قریب ارخنگ :

پیگو[1]

فوج اس ملک کی فقط ہاتھی اور پیادے ، حدوں میں اس کی فلزات اور جواہرات کی کھانیں : اسی واسطے پیگو اور ارخنگ کے باشندے اور مگھ آپس میں عناد و فساد رکھتے ہیں قصہ کوتاہ صوبۂ بنگ نہایت وسیع و بہ مرتبہ آباد ہے ۔ بہترین دریا یہاں کے دریاؤں میں گنگا اور برمہا پتر[2] ۔ طول صوبہ کا چاٹگام (چاٹ گنو) سے تیلیا گڑھی تلک شرقاً و غرباً چار سو کوس ، اور عرض کوہستان شمالی سے تا سرکار مدارن[3] دو سو کوس ۔ مشرق کی طرف اس کے

۱۔ نزدیک بدیں گروہ 'پیگو' و آن را چین خوانند ، در برخے باستانی نام ھا دارالملک چین نویسند ، فیل و پیادہ فراوان دارد ، و سفید فیل نیز پدید آید ، یک سوے ولایت او خشکی است ، کان یاقوت و الماس و طلا و نقرہ و مس و نفط و گوگرد دران و اہ را بر سر قوم مگہ بر سر کان آویزش رو بہ الوس پترہ نیز کار زار شود " (آئین اکبری ، ص ۳۸۸) "خلاصۃ التواریخ" میں "پیگو" نام نہیں ہے "آئین اکبری" کے مطابق آغاز میں اختلاف ہے ۔

" و نزدیک آن ملکے است کہ آن را چین خوانند ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۳۹) ۔

۲۔ "دویم برھم پوتر است از خطا بہ کوچ آید ۔ و ازان جا سرکار بار دھار سیراب سازد ۔ (خلاصہ ۳۹) ۔

و دیگر برھم پتر بفتح با و سکون را و ھاے خفی و میم و ضم باے فارسی و سکون تاے فوقانی و را ۔ از خطا بہ کوچ آید و ازان جا بہ سرکار بارو ھا ، سیراب سازد" ۔ (آئین اکبری ص ۳۸۹)

۳۔ "مدارن" نسخۂ اول (ص ۱۴۲) ، نسخۂ دوم (ص ۱۰۱) ، نسخۂ سوم (ص ۱۱۰) میں ہے ، "مدارون" نسخۂ چہارم (ص ۱۲۶) میں اور "مداران" نسخۂ انجمن (ص ۱۶۰) میں ۔

دریائے شور، مغرب کی سمت صوبۂ بہار اور جانب جنوب و شمال کوهسار۔ پر ''ریاض السلاطین'' میں یہ ہے کہ دریائے شور جانب جنوب اور کوهستان جانب مشرق و شمال اور متعلق اس سے ست سٹھ (سڑسٹھ) سرکار، تابع آن کے ایک ہزار ایک سو نو محال، آمدنی اگلے زمانے میں چالیس[1] کروڑ انتیس لاکھ دام، لیکن صاحب ''ریاض السلاطین'' اٹھائیس سرکار و ستاسی محال لکھتا ہے اور آمدنی موافق زمانۂ سابق کے پچاس کروڑ چوراسی لاکھ آنسٹھ ہزار تین سو اُنیس دام جس[2] کے ایک کروڑ آنسٹھ لاکھ ایک ہزار چار سو بیاسی رُپے سکتے پندرہ آنے کسرے زیاد، سپاہ دائمی تیئیس[3] ہزار تین سو تیس سوار، اور اکاسی (اکیاسی) ہزار ڈیڑھ سو آٹھ پیادے، توپیں چار ہزار، ناویں چار سو۔

۱- ''خلاصۃ التواریخ'' میں آمدنی چھیالیس کروڑ آنتیس لاکھ چار ہزار دام ہے اور دو سو توپ (تھان؟) اور چار ہزار چار سو کشتیاں صوبہ کی آمدنی ۔ اصل عبارت یہ ہے :

''بیست و هفت سرکار مشتمل بر یک ہزار و یک صد و نه محال و چہل و شش کرور و هشت و نه (بیست و نه) لک دام و چہار ہزار و دو صد توپ و چہار ہزار و چہار صد کشتی داخل ایں صوبہ است''۔ (خلاصہ، ص ۳۹)

۲- ''جس'' نسخۂ اول (ص ۱۴۳) میں ہے 'جن' نسخۂ سوم (ص ۱۱۰) نسخۂ دوم (ص ۱۰۱) اور نسخۂ چہارم (ص ۱۲۷) -

۳- تیئیس ہزار تین سو تیس سوار، نسخۂ اول (ص ۱۴۳)۔ 'تیئیس ہزار تین سو تیئیس سوار'۔ نسخۂ دوم (ص ۱۰۱) نیز نسخۂ سوم (ص ۱۱۰) اور نسخۂ انجمن (ص ۱۶۱) میں بھی یہی ہے -

'تیس ہزار تین سو تیس سوار'۔ نسخۂ چہارم (ص ۱۲۵)

صوبۂ اڑیسہ[1]

آگے اس میں انتیس قلعے پختہ تھے، دو تین اب بھی ہیں اور آب و ہوا بھلی چنگی لیکن آٹھ مہینے برسات، تین مہینے ٹھنڈ، ایک مہینے گرمی۔ پھول بھی اپنی اپنی رُت میں بہت ہوتے ہیں، خصوصاً چنبیلی نہایت نازک خوش بو، اور کیوڑا تو جنگل جنگل پھولتا ہے۔ پان بھی اقسام کے پیدا ہوتے ہیں۔ دھان کے کھیت اکثر، اور خوراک وہاں کے لوگوں کی خشکا، مچھلی، بینگن[2] بیش تر؛ پر رات کو پکاتے ہیں، صبح کو کھاتے ہیں۔ سوائے اس کے خط و کتابت

۱- ''صوبۂ عشرت سرشت اودیسہ بست و نہ قلعہ پختہ دارد آب و ہوایش ساز گار است، ہشت ماہ بارش و سہ ماہ زمستان و یک ماہ تابستان شود''۔ (خلاصہ ۹۳)۔

افسوس نے ترجمے میں حال کے مطابق تبدیلی کر دی کہ:

''آگے اس میں انتیس قلعے پختہ تھے دو تین اب بھی ہیں ۔۔۔۔''

(ص ۱۶۱ آرائش محفل نسخۂ انجمن)۔ ''آئین اکبری'' میں جگناتھ مندر کے بارے میں کافی معلومات ہیں۔ یہ بھی ہے کہ اوڑیسہ پہلے جداگانہ ملک تھا، اکبر نے پانچ سرکاریں مقرر کیں اور آج یہ پانچوں یعنی سرکار جلیسر، سرکار بھدرگ، سرکار کٹک، سرکار کلنگ دند پاٹ، سرکار راجہ مہندرہ صوبۂ بنگالہ میں داخل ہیں۔ (آئین اکبری، ص ۳۹۱ طبع کلکتہ)۔

۲- ''بینگن'' نسخۂ اول (ص ۱۴۳) نسخۂ چہارم (ص ۱۲۷)میں ہے اور ''بیگن''۔ نسخۂ دوم (ص ۱۰۱) نسخۂ سوم (ص ۱۱۰) نسخۂ انجمن (ص ۱۶۱) میں۔

تاڑ کے پتوں پر؛ فولاد کے قلم کو مٹھی میں پکڑ کر لکھتے ہیں، کاغذ سیاہی کا استعمال بہت کم - اور وہاں کے ایک گاؤں میں ہیجڑے بہت ہوتے ہیں، اس لیے وہ ہیجڑا گاؤں کہلاتا ہے - کپڑا بھی اس ملک کا برا نہیں ہوتا اور چلن اکثر کوڑیوں کا - دکھن طرف دریائے شور کے کنارے شہر :

پرسوتم[1]

ہے - بت خانہ جگن ناتھ راجا کا اندر سین نے وہیں بنیاد کیا - کچھ اوپر چار ہزار برس اسے گزرے - قریب اس کے ایک اور دیہرا ہے - اس کو آفتاب سے منسوب کرتے ہیں، بارہ برس کا حاصل اس ملک کا اس میں لگا ہے - دیواروں کی اچان ڈیڑھ سو ہاتھ اور چوڑان انیس ہاتھ - اکثر جہاں دیدہ اس کو دیکھ کر مقام حیرت میں آتے ہیں بلکہ نقش دیوار بن جاتے ہیں -

تیریا (تریا) راج[2]

بھی وہاں سے نہایت قریب ہے - مرد اس نواح کے رنڈیوں کا سا بناؤ کرتے ہیں اور گہنا بھی ویسا ہی پہنتے ہیں لیکن عورتیں فقط ستر عورت پر اکتفا کرتی ہیں اور پوشش بیش تر بتوں کی وہاں رائج ہے؛ ساتھ اس کے لطف یہ ہے کہ ایک رنڈی اٹھ واڑہ میں کئی کئی خصم کرتی ہے اور صحبت کے وقت حرکات مردانہ اور مرد اس کے بالعکس - باہر کا کاروبار بھی اسی سے تعلق رکھتا

۱- ''در شہر پرسوتم بر ساحل دریاے شور معبد جگناتھ''- (آئین اکبری، صفحہ ۳۹۲) ''در شہر پر سوتم پور بت خانۂ جگناتھ است''- (خلاصۃ التواریخ، ص ۵۰) -

۲- ''تریا راج کہ مردان زنان آسا تن بہ صندل آرایند - - - -'' (خلاصۃ التواریخ، ص ۵۰)

ہے اور اندر کا مرد سے ۔ طول اس صوبے کا ایک سو بیس کوس اور عرض سو کوس ۔ سرکاریں جلیسر ، کٹک وغیرہ بندرہ ، اور محال اُن کے تعلقے کے دوتیس[1] ؛ آمدنی چالیس کروڑ ایکتالیس (اکتالیس) لاکھ پانچ ہزار دام ۔

۱۔ ''مشتمل بر دو صد و سی و دو محال و چہل کرور و یک لکھ و پنج ہزار دام داخل این صوبہ است''۔ (خلاصۃالتواریخ ، ص ۵۰) ۔

خلاصۃالتواریخ کا مصنف دو سو بتیس محال اور چالیس کرور ایک لاکھ اور پانچ ہزار دام صوبے کی آمدنی ظاہر کرتا ہے لیکن افسوس نے دو سو تیس محال اور آمدنی چالیس کروڑ اکتالیس لاکھ پانچ ہزار لکھی ہے ۔ افسوس سے ترجمے میں غلطی ہوئی ہوگی یا افسوس کے پیش نظر دوسرا قلمی نسخہ ہوگا جس کا ترجمہ کیا ہے ۔ (فائق)

صوبۂ مبارک بنیاد اورنگ آباد

بعضی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے زمانے میں اس شہر کو دھارا نگر کہتے تھے ، بعد اس کے نام اس کا دیو گیر ہوا ۔ جب سلطان محمد فخر الدین جوناں (جونا) دھلی کے بادشاہ نے تمام دکھن چھین لیا ، نام اس کا دولت آباد رکھا اور قلعے کو دارالسلطنت بنایا ۔ بعد سلطان موصوف تمام دکھن دلی کے سلاطین کے قبضے سے نکل گیا ۔ جب تین سو برس گزرے ، شاہ جہاں نے قلعۂ مذکور پر پھر قبضہ کیا اور عالم گیر کو صوبۂ مسطور کی صوبہ داری عنایت کی ؛ شاہ زادے نے قریب اس کے ایک شہر بسا کر اورنگ آباد نام رکھا ۔ رنگ ڈھنگ اس کی آبادی کا دیکھ کر آنکھیں حظ اٹھائیں ، کشادگی سے اس کی دل بستہ یک لخت کھل جائیں ۔ ھوا اس کی باد بہاری کی طرح خوش آیند ، عمارات وھاں کی ہر ایک صاحب طبع کی پسند ۔ پانی میں وھاں کے شراب انگوری کا اثر ، ہر فصل اس مقام میں مانند ربیع تازہ و تر ۔ شروع جوزا سے سنبلہ کے آخر تک مینہ برسا کرتا ھے اور باغ و جنگل میں پھل بھی ہر قسم کا بہ کثرت خوش ذائقہ و خوش رنگ لگا کرتا ھے ۔ ساتھ اس کے غلے کی فراوانی اناج کی ارزانی ھمیشہ ، کپڑا خوش قماش قسم قسم کا ، جواھر گراں بہا چوکھا ہر وقت موجود ۔ سوائے اس کے تحفہ جات ہر ملک کے اور نادرات ہر جزیرے کے جس وقت چاھو لو ۔ باشندے بھی وھاں کے خوش لباس خوش معاش و اھل دولت و صاحب ثروت بیش تر اور خوب رو بھی حسن و ادا میں بے مانند یک سر ۔ طول صوبے کا ڈیڑھ سو کوس کا اور عرض سو کوس ۔ آٹھ سرکاریں ، متعلق ان سے اسی محال ؛ آمدنی اکاون کروڑ باسٹھ لاکھ اسی ہزار دام ۔

صوبۂ برار[1]

ایک ملک ہے دکھن کی طرف کے دو پہاڑوں میں۔ ایک کا نام بند، اکاویل نرنالہ و میل گڑھ اسی پر ہیں اور دوسرے کا سبھا (سہیا)، ماہور و رام گڑھ اسی کے اوپر۔ آب و ہوا وہاں کی بد نہیں۔ اطراف میں اس کی زراعت کی بہتایت اور جنگلوں میں ہاتھیوں کی کثرت۔ پر ملک مذکور میں چودھری کو دیس مکھ، قانوں گو کو دیس پانڈ، مقدم کو پٹیل، پٹواری کو کل کرنی[2] کہتے ہیں۔

پنار (پتار) گڑھ[3]

ایک قلعہ ہے نہایت مستحکم و سنگین بلند پشتے پر۔ اس

۱- ''صوبۂ برار، اصلی نام ورداٹٹ؛ 'وردا' رودیست و 'ٹٹ' کنار۔ از دوم اقلیم دراز از بٹالہ تا بیرا گڑھ دویست کروہ۔ پہنا از بیدر تا ہنڈیہ صد و ہشتاد۔ خاور رویہ بیرا گڑھ پیوست بستر، شمالی ہنڈیہ، جنوبی تلنگانہ، باختر مہکر آباد ملکیست میان دو کوہ جنوبی؛ یکے را '' بندہ '' گویند، کاویل ونر نالہ و میل گڑھ برو۔ دیگر سہیا (سہایا سہسیا یا سہسا - حاشیہ ۳، آئین اکبری، ص ۴۷۶) ماہور و رام گڑھ بر فراز آن۔ (آئین اکبری، ص ۴۷۶ طبع کلکتہ)۔

۲- ''کل کرنی'' نسخۂ اول (ص ۱۴۵)، نسخۂ چہارم (ص ۱۳۰) میں ہے اور ''کل کرتی'' نسخۂ دوم (ص ۱۰۳)، نسخۂ سوم و انجمن میں۔

۳- پتار گڑہ سنگین قلعہ ایست بر پشتہ سہ طرف آں را دو رود بر گرفتہ''۔ (خلاصۃ التواریخ، ص ۵۱) '' پنار سنگین قلعہ ایست بر پشتہ، سہ طرف او را دو رُود گرفتہ''۔ (آئین اکبری، ص ۴۷۷)

کی تین طرف کو دو ندیوں نے احاطہ کیا ہے ۔ مفتوح ہونا اس کا نہایت اشکال اور لینا اس کا بدون اہل قلعہ کی سازش امر محال ۔

کھڑلا[1]

سطح زمین پر پتھر کا ایک گڑھ ہے ۔ بلندی میں فلک فرسا اور استواری میں پہاڑ سا ۔ اندر اس کے ایک چھوٹی سی پہاڑی[2] ہے ، قریب اس کے جا کر منت و زاری کرتے ہیں اور دعائیں مانگ مانگ ماتھے رگڑتے ہیں ۔ چار کوس وہاں سے ایک کوا (کنواں) ہے ؛ جس جان دار کی ہڈی اس میں گرتی ہے ، سنکھ بن جاتی ہے ۔

اور ''سیل گڑھ'' کے پاس جو ایک چشمہ ہے ، اس میں تو کوئی چیز گرے سنکھ ہی بنے ۔

پیرا گڑھ[3] (ہیرا گڑھ)

میں ہیرے کی کھان ہے اور کپڑا بھی وہاں کا مصور حیرت افزائے جہان ۔

۱- کھیرلہ ، حصاریست سنگین بر زمین ، درمیان آن کوھچہ ایست بد و نیایش کنند ، (خلاصۃ التواریخ ، ص ۵۱) ۔
''کھیرلہ ، سنگین حصاریست بر زمین درمیانۂ آن کوھچہ ایست بدو نیایش کنند''۔ (آئین اکبری ص ۴۷۷) ۔

۲- ''بھاڑی'' نسخۂ اول (ص ۱۴۵) نسخۂ دوم (ص ۱۰۳) نسخۂ سوم (ص ۱۱۲) میں ہے اور ' پہاڑی ' نسخۂ چہارم (ص ۱۳۰) میں۔

۳- ''و در ھیراگڑھ کان الماس است و پارچہ صورت ناک نیک بافند''۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۵۱) ۔
''ہیرا گڑہ کہ کان الماس دارد و گزین پارچۂ صورت ناک و جز آن بافند''۔ (آئین اکبری، ص ۴۷۷) ۔

اندرو[1] اور نرمل (ایندور و نرمل)

میں کان فولاد ، اور ظروف سنگین وھاں کے نادر روزگار۔ بیل بھی وہاں کا نہایت خوب ۔ سوائے اس کے کرک ناتھ مرغ ایسا کہ جس کی هڈی تلک سیاہ ۔ اور اسی صوبے کے متعلقات سے :

بشن گیا

ایک بڑی پرستش گاہ ھے ۔ کنڈھ اس کا کوس بھر کے طول و عرض میں ، چار طرف اس کے اونچے اونچے پہاڑ اور بندر وھاں بے شمار۔ پانی اس کا کھاری لیکن مایہ صابون و شورے کا اس سے حاصل ہوتا ھے بلکہ آئینے کا بھی ۔ اگرچہ اس صوبے میں دریاؤ بہت ھیں

۱- اندرو و نرمل ، نسخۂ اول (ص ۱۳۶) و نسخۂ دوم (ص ۱۰۳) نسخۂ سوم (ص ۱۱۲) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۳۰) ۔
اندور اور نرمل ، نسخۂ انجمن (ص ۱٦۵) میں ھے ۔
خلاصۃ التواریخ (ص ۵۱) میں ' ایندرو ' و نرمل ' ھے ۔
آئین اکبری (ص ۳۸۳) میں سرکار تلنگانہ (صوبہ برار) کے تحت ' ایندور ' اور ' نرمل ' موجود ھیں، یہی صحیح نام ھے ۔ (فائق)
''و در ' ایندور' و 'نرمل ' کان فولاد و جز آن و سنگین آوند ھاے دل گزیں تراشند و شگفت خروس چناں کہ استخوان و خون سیہ فام باشد و آن مرغ را کرک نات گویند''۔ (خلاصۃ التواریخ)
آئین اکبری کی ایک سطر سجان رائے نے اپنی کتاب میں داخل کر لی ھے ، افسوس نے ترجمہ آئین اکبری سے کیا ھے ۔ خلاصۃ التواریخ میں بیل کا ذکر نہیں ، آئین اکبری میں ھے اور افسوس نے بھی ترجمہ کیا ھے ، اس سے واضح ھوتا کہ آئین اکبری ھی افسوس کے پیش نظر تھی ، آئین اکبری کی عبارت یہ ھے :
''ودر ایندور و نرمل کان فولاد و جز آن سنگین آوند ھاے دل گزیں بر تراشند و گاوبس گزیدہ شود ۔ شگفت آن کہ خروس چناں شود کہ استخوان و خون سیاہ فام باشد''۔ (آئین اکبری ، ص ۳۷۸) ۔

لیکن گوتمی کو سب پر ترجیح - جیسے گنگا کو مہا دیو سے علاقہ ہے ، اس کو گوتم منی سے - عجیب و غریب نقلیں حکایتیں اس کی بھی لکھ گئے ہیں اور آج تلک پرستش کرتے ہیں - نکاس اس کا کوہ سنبھا سے اور جوش مارنا تربنگ کے قریب - بعد اس کے یہ ندی احمد نگر میں ہو ، برار میں آئی اور وہاں سے سرکار تلنگانا کی طرف جا نکلی - جب مشتری برج اسد میں آتی ہے ، دور دور سے سیکڑوں ہندو وہاں آتے ہیں اور ثواب جان کر نہاتے ہیں - یہ میلا اکثر ملکوں میں مشہور ہے ، تاپی و تپتی کو بھی صدق دل سے مانتے ہیں اور پرستش گاہ جانتے ہیں - لیکن پورنا دیول گاؤں کے متصل جاری ہے ، پر ایک سرا اس کا بارہ کوس بالا تر تاپی سے اور دوسرا نزدیک گؤں مذکور کے - القصہ طول اس صوبے کا پٹیالے[1] سے پیرا گڑھ تلک دو سو کوس اور عرض بدر[2] سے ہنڈیا تلک ایک سو اسی - شرق رو اس کے بیرا گڑھ ، غرب رو مکھرا باد ، شمال کی طرف ہنڈیا ، جنوب کی طرف تلنگانا - سرکاریں دس ، متعلق ان سے دو سو محال ، آمدنی ساٹھ کروڑ بہتر لاکھ ستر ہزار دام -

---

۱- ''القصہ طول ایں صوبہ از پتالہ تا ہیرا گڈہ دو صد کروہ''- (خلاصۃ التواریخ ، ص ۵۲) -

''پتیالہ ،استوار قلعہ ایست برفراز کوہ ، پتال نگری از مضافات او''- (آئین اکبری ، ص ۴۷۸) -

۲- ''و عرض از بیدر تا ہندیہ صد و ہشتاد کروہ ، خاور رویہ ہیرا گڑھ ، باختر مہکر آباد و شمالی ہندیہ ، جنوبی تلنگانہ''- (خلاصۃ التواریخ ، ص ۵۲) -

صوبۂ خاندیس[1]

دارالخلافت اس کا برہان پور، تبتی[2] (تپتی) کے کنارے۔ عرض و طول میں بہت بڑا، آبادی اس کی حد سے زیادہ۔ باشندے وہاں کے بیش تر صاحب ہنر اور اطراف میں باغات اکثر۔ میوے بھانت بھانت کے جہاں تہاں، پھول قسم قسم کے اپنی اپنی رت میں فراوان۔ اجناس قیمتی ہر ملک کی بازار میں بے شمار، صندل و اگر کے دکانوں میں جدھر تدھر انبار۔ گرمیوں میں آندھیوں کی شدت اور برسات میں کیچڑ کی بہتایت۔ کھیتیاں جوار کی اکثر اور دھان کی کم تر، لیکن چانول وہاں کا نہایت اعلا اور خوش ذائقہ۔ پانوں کی فراوانی اور ترکاریوں کی ارزانی بیش تر رہتی ہے، کپڑا موٹا مہین اقسام کا بہم پہنچتا ہے، لیکن الانچہ سری[3] صاف بھیرون وہاں کا نہایت خوب ہوتا ہے۔ آگے یہ ملک غریب خاں حاکم کے

۱۔ ''ایں آباد بوم را خاندیس می گفتند۔ چوں آسیر کشایش پذیرفت و ایں ملک به شاهزادۂ والا گہر سلطان دانیال باز گردید بدیں نام (داندیس) روشناس آمد''۔ (آئین اکبری، ص ۴۷۳) ۔

۲۔ ''تبتی، نسخۂ اول (ص ۱۴۷) نسخۂ دوم (ص ۱۰۴) نسخۂ سوم (ص ۱۱۳) میں ہے اور 'تپتی' نسخۂ چہارم (ص ۱۳۱) میں۔

۳۔ '' و پارچہ سری صاف و الفه و بھیرون نیک بافند''۔ (خلاصة التواریخ ص ۵۲) ۔

''سری صاف و بھیروں از دھرن گانو بر خیزد''۔ (آئین اکبری، ص ۴۷۳) ۔

نام پر تھا، جب شیخ ابو الفضل نے آسیر کا قلعہ لیا، صوبۂ مذکور اکبر بادشاہ نے اپنے دوسرے بیٹے کو جس کا دانیال نام تھا دیا اور نام اس کا دان دیس رکھا۔ زمین دار اس کے اکثر بھیل کولی گونڈ۔

چانک دیو[1] (چانگ دیو)

ایک گاؤں ہے، اس کے قریب تپتی اور پورنا باہم ملے ہیں۔ ہندو اس مقام کی پرستش کرتے ہیں اور چکر تیرتھ اس کو کہتے ہیں۔ قصہ مختصر دریاؤ اس صوبے میں بہتیرے ہیں لیکن اعلا ان میں تاپی (تاپتی) اور وہ گوندوانے و برار کے بیچ[2] سے نکلی اور پورنا بھی وہیں سے، لیکن کرتی اور تپتی نے چوبرے کے متصل اتصال پایا؛ اس مقام کو بھی ہنود معبد جان کر دور دور سے پوجا کو آتے ہیں اور اپنے گمان میں بہرۂ کامل اٹھاتے ہیں۔ قصہ کوتاہ طول صوبے کا نور گانو[3] (بور گانو) سے کہ ہنڈیا کے متصل

۱- ''چانگ دیو دھے است، نزدیک او دریاے تپتی و پورنا باہم پیوندد''۔ (خلاصۃ التواریخ، ص ۵۲)

۲- '' پیچ '' نسخۂ اول (ص ۱۴۷) میں غلط ہے اور دوسرے نسخوں میں ''بیچ'' صحیح۔

۳- ''و طول از بورگانو که به هنڈیه پیوسته است تاتلنگ که متصل به ولایت احمد آباد است'' ۔ (خلاصۃ التواریخ، ص ۵۲) ۔
''دراز از بورگانو که به هندیه پیوسته است تاللنگ (در اکثر نسخها تلنگ) که متصل به ولایت احمد نگر است''۔ (آئین اکبری، ص ۴۷۳) ۔
سرکار خاندیس کا نقشہ جو آئین اکبری میں ہے، اس میں '' برن گانو '' اور ''للنگ'' موجود ہیں۔ ''برن گانو''، ''بور گانو'' کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۱ پر)

ہے ، تاتلنگ کہ احمد آباد سے قریب ہے ، پچھتر کوس اور عرض جامودہ سے کہ قریب برار ہے ، پال تلک اور وہ مالوے سے نزدیک ہے ، پچاس کوس ۔ شرق کی طرف اس کے برار ، غرب کی طرف کوہ جنوبی ، جنوب رخ چالنا[1] (جالنا) شمال رو مالوا ۔ سرکاریں اس کی پانچ اور متعلق اُن سے ایک سو بارہ محال ، آمدنی چار کروڑ چھتیس لاکھ تیس ہزار دام ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

علاوہ بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی امکان ہے کہ اسی کی تبدیل شدہ شکل ہو ۔ ''للنگ'' کے بارے میں صفحہ ۳۷۵ کے حاشیہ ۲ پر درج ہے کہ چند نقشوں میں ''نلنگ'' نون سے ہے ۔ ''خلاصۃ التواریخ'' کے مصنف نے ''تلنگ'' کو ترجیح دی ہے لیکن افسوس نے ترجمے میں لطیفہ پیدا کر دیا ۔ ''تاتلنگ'' کا ترجمہ اُس نے نہیں کیا بلکہ اُس کو مقام فرض کر کے '' تاتلنگ '' لکھ دیا ۔ اُسے ترجمہ کرنا تھا ''تلنگ تک''۔ (فائق)

۱۔ '' چالنا '' نسخۂ اول (ص ۱۳۸) ، نسخۂ دوم (ص ۱۰۵) ، نسخۂ سوم (ص ۱۱۳) ، نسخۂ چہارم ، (ص ۱۳۳) میں ہے اور '' جالنا '' نسخۂ انجمن ترقی اردو (ص ۱٦۷) میں ۔

صوبۂ مالوا[1] (صوبہ مالوہ)

دارالسلطنت اس کا اُجین ، راجا وہاں کا بیر مکرما جیت ، اوصاف اس کے قیاس سے باہر ؛ اہل سلف ان کو تحریر کر گئے ہیں بلکہ دفتر کے دفتر بھر گئے ہیں ۔ واقعی اس دھن کا راجا ہندوستان میں پھر نہیں ہوا اور محتاجوں کا کام کسی نے اس خوبی سے نہیں کیا ۔ سن اس کے ہند میں آج تلک لکھتے ہیں ، ساتھ اس کے شہر مذکور کی بھی وسعت میں بہت سا مبالغہ کیا ہے بلکہ کتابوں میں لکھا ہے ، دریاے شپرا اُس کے تلے موج مار رہا ہے ؛ عجیب تر یہ کہ کبھو کبھو ایک آدھ موج دودھ کی بھی اُس میں آ جاتی ہے اور ایک خلق ٹھلیا ہانڈیاں بھر لاتی ہے ۔ کہتے ہیں یہ اچنبھا بارہا لوگوں نے دیکھا اور یہی عمل کیا ۔

چندیری[2]

ایک قدیم شہر ہے بہت بڑا ، نپٹ دل کشا ۔ بود و باش اس

۱۔ ''صوبۂ مالوہ اوجین شہریست بزرگ ۔۔۔۔۔۔۔ دریاے شیو پریا پایان او می رود ''۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۵۳) ۔

''صوبۂ مالوہ از اقلیم دوم ۔۔۔۔۔ اُجیں بزرگ شہریست بر ساحل سپرا''۔ (آئین اکبری ، ص ۴۵۵) ۔

۲۔ ''چندیری از بزرگ شہر ہائے باستانی است، قلعۂ سنگین و سی صد و ہشتاد و چہار بازار و سیصد و شصت فراخ سرا و دوازدہ ہزار مسجد دارد و گونا گون مردم درو آباد''۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۵۳)

آئین اکبری میں چودہ ہزار پتھر کے مکانوں کا بھی ذکر ہے ۔ افسوسؔ نے قلعے اور مکانات کا ذکر نظر انداز کر دیا ہے ۔ (فائق)

میں اقوام کی ، بازار تین سو چوراسی ، سرائیں تین سو ساٹھ اور مسجدیں باره ہزار ۔

تومن[1]

ایک قصبہ ہے بیتما ندی کے کنارے ۔ ایک آدھ جل مانس بھی کبھو کبھو دریاے مذکور میں نظر آجاتا ہے اور تماشائیوں کو گرداب حیرت میں غوطے کھلاتا ہے ۔ سوائے اس کے قصبۂ مسطور میں ایک بت خانہ اتنا بڑا ہے ، اگر نقارہ اس میں بجے تو باہر آواز کوئی نہ سنے ۔

منڈو[2]

ایک بڑا شہر ہے بارہ کوس کے عرصے میں ۔ چند مدت

۱۔ مصنف ''خلاصة التواریخ'' کا بیان ''تومن'' یا ''تومون'' کے بارے میں ناقص ہے ، دریا کا نام بھی غلط لکھا ہے ۔ '' آئین اکبری'' میں صحیح نام ہے ، افسوس نے اسی سے ترجمہ کیا ہے ، ملاحظہ ہو :

'' تومون قصبہ ایست برساحل دریاے بیتمہ ، آبی آدم ازاں نمودار گردد و بت خانۂ بزرگ ، اگر درو نقارہ نوازند آواز آں بیروں نشود ''۔ (آئین اکبری ، ص ۴۵۶) ۔

'' تومن قصبہ ایست بر ساحل دریاے تو ازبدہ ، چشمہ آبی در و نمودار گردد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (خلاصة التواریخ ، ص ۵۳) ۔

آرایش محفل میں قصبے کا نام '' لومن '' غلط لکھا ہے ۔ (فائق)

۲۔ ''منڈو'' کے قلعے کا دور ''آئین اکبری'' اور ''خلاصة التواریخ'' میں بارہ کوس لکھا ہے ۔ افسوس نے ترجمے میں غلطی کی اور شہر کا دور بارہ کوس لکھ دیا ہے ۔ (فائق)

''مند و شہریست سترگ دور قلعہ او دواز دہ کروہ و منارۂ ہشت منظری درمیان ''۔ (خلاصة التواریخ ، ص ۵۳) ۔

''مندو شہر یست بزرگ ، دوازدہ کروہ دور قلعۂ او ، منارہ ہشت منظری درمیان ''۔ (آئین اکبری ، ص ۴۵۶) ۔

حاکم نشین بھی تھا۔ قلعے میں اس کے ایک مینار ہشت منظری بے نظیر، ساتھ اسی کے تعمیرات قدما کی نہایت کلاں و دل بزیر اور مزار سلاطین خلج کے بھی اکثر، لیکن عجیب یہ ہے کہ سلطان محمود ابن سلطان ہوشنگ کے گنبد سے گرمیوں میں پانی ٹپکا کرتا ہے، نادان اُس کو مدتوں سے کرامت سمجھتے ہیں، پر دانا اُس کی حقیقت حال کو ادنا تامل میں پا جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس دیار میں پارس پتھر بھی کبھو کبھو نکل آتا ہے؛ لوہا، تانبا وغیرہ جو اس سے لگے، سونا ہیں (ہی) بن جاتا ہے۔

دھار

ایک قصبہ ہے۔ اگلے زمانے میں راجا بھوج کی تخت گہ تھا بلکہ اور بھی راجاؤں کے وقت میں وہی چند گاہ دارالحکومت رہا۔

القصہ زمین اس صوبے کی بہ نسبت بعضی زمینوں کے کچھ اونچی ہے اور سب کی سب قابل زراعت۔ دونو (دونوں) فصلیں بہ خوبی ہوتی ہیں، غلہ سب طرح کا بہتایت سے؛ خصوصاً گیہوں، خشخش؛ اور میووں میں گنا، آم، خربوزہ، انگور۔

حاصل پور

لطف یہ ہے کہ حاصل پور میں انگور دو بار پھلتا ہے اور پان بھی اچھے سے اچھا ہوتا ہے۔ بارش چار مہینے تلک، ہوا اکثر اعتدال پر؛ چناں چہ جاڑوں میں روئی دار کپڑے کی حاجت اور گرمیوں میں شورے کے پانی کی نہیں ہوتی، لیکن برسات میں کبھی کبھی بالا پوش کی احتیاج پڑتی ہے۔ چھوٹے بڑے وہاں کے تین برس کی عمر تلک لڑکوں کو افیون دیتے ہیں۔ اگرچہ دریاؤ

صوبۂ مذکور میں بہت ھیں لیکن بہترین دریا نربدا[1] ، سپرا ، کالی سندھ و بیتما[2] و گودی ؛ اور کنارے ھر ایک دریا کے دو دو تین تین کوس تلک ھم وار و صاف ، علاوہ اس کے آن پر پھول بھی اقسام کے رنگین و خوش بو ، بلکہ سنبل و درخت سایہ دار ھر ایک سو ؛ اور جنگلوں میں بھی بیش تر تالاب و سبزہ ڈھڈھا ، درخت سہاونے ہزارھا ۔ طول[3] صوبے

۱۔ وگزین دریاے این صوبہ نربدہ و سپرا و کالی و سندہ (کالی سند ، آئین اکبری، ص ۳۵۵) و بیتھم وگودی و شیوپریا است (خلاصۃ التواریخ ، ص ۵۳) ۔

اوپر ''شیو پریا '' کا نام آئین اکبری سے سپرا (شپرا افسوس نے لکھا ھے) واضح ھو چکا ھے ۔ کالی سندہ ایک دریا ھے ، کالی و سندہ غلط ھے ۔ بیا ، بیتم ، بیتما ''بیتوہ'' کی شکلیں ھیں ۔

اس مقام پر افسوس نے ترجمے میں اختصار سے کام لیا ھے (فائق) ۔

۲۔ '' بتیا '' نسخۂ اول (ص ۱۳۹) ۔

'' بیا '' نسخۂ دوم (ص ۱۰۶) ، نسخۂ سوم (ص ۱۱۵) نسخۂ انجمن (ص ۱۶۹) ۔

'' بیتوہ '' نسخۂ چہارم (ص ۱۳۵) ۔

۳۔ ''طول این صوبہ از پایان گڑھ تا باسوارہ دو صد و چہل کروہ و عرض از چندیری تا ندر بار دو صد و سی کروہ ۔ شرق باندھو ، غربی گجرات و اجمیر ، شمالی نرور ، جنوبی بگلانہ ، سرکار اوجین و راے سین و چندیری و سارنگ پور و بیجا گڑھ و مندو و گاگرون و کوبری و ھنڈمہ وغیرہ دوازدہ سرکار مشتمل بر سیصد و نہ محال و سی و شش کرور و نود لک و ھفتاد ھزار دام داخل این صوبہ است''۔ (خلاصۃالتواریخ، ص ۵۳ و ۵۴) ۔

''دراز از پایان گڑھ تا بانسوارہ دویست و چہل و پنج کروہ ۔ پہنا از چندیری تاندربار دویست و سی ۔ شرق باندھو ، شمالی نرور ، جنوبی بگلانہ ، غربی گجرات و اجمیر'' (آئین اکبری ص ۳۵۵) ۔

افسوس نے طول کے ذیل میں '' کوٹے '' '' آرے '' کا غلط ذکر کیا ھے ۔ ''خلاصۃالتواریخ'' میں دو سو چالیس کوس طول اور ''آئین اکبری'' میں دو سو پینتالیس ھے ، افسوس نے صحیح لکھا ھے ۔ (فائق)

کا کوٹے[1] کے تلے سے پان سو آڑے تلک دو سو پینتالیس کوس اور عرض چندیری سے تا ندربار دو سو تیس کوس ۔ جانب شرق آس کے باندھو ، غربی گجرات و اجمیر ، شمالی نرور ، جنوبی بگلانا ، آجین و رائے سیسن و سارنگ پور و بیجا گڑھ و منڈو وغیرہ ۔ بارہ سرکاریں ، متعلق آن سے تین سو نو محال ، آمدنی چھتیس کڑوڑ نوے لاکھ ستر ہزار دام ۔

۱۔ ''کوٹے'' نسخۂ اول (ص ۱۵۰) ، نسخۂ دوم (ص ۱۰۶) ، نسخۂ سوم (ص ۱۱۶ ، نسخۂ چہارم (ص ۱۳۵) ۔
''کوٹلے'' نسخۂ انجمن (ص ۱۵۹) میں ہے ۔

صوبۂ (دارالخیر) اجمیر[1]

اجمیر قدیم شہر ہے نہایت خوش آب و ہوا، بے ٹھل گڑھ سے لگا ہوا - سواد اس کا صاحبانِ طبع کا مرغوب اور آبادی اس کی نہایت خوب - درگاہ خلاصۂ عارفین خواجہ معین الدین چشتی کی بستی کے اندر جھالرے کے کنارے ہے اور قریب اس کے اسی نواح میں سید حسین مشہدی بھی آسودہ - عوام اس کو

۱- صوبہ دارالخیر اجمیر - اجمیر شہریست قدیم و مصریست باستانی، پیوست آن قلعہ بھتلی یادگاریست از راجہ بھتل، فراز کوہچۂ بسیار دشوار گزار و پیوست شہر کولابے است '' انا ساگر '' سہ کروہ مدّور و بس ژرف، بسیار جانوران آبی نہنگ وغیر ذلک درو، و عمارات بادشاہی برکنار آن و مزار پر انوار خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ درون شہر بر دامن کوہ بر ساحل کولاب '' جھالرہ '' واقع است این خواجہ پور غیاث الدین حسن از زبدۂ سادات حسینی است در سال پان صد و سی و ہفت ہجری در قصبہ سنجر (سجز) از دار سبحستان سعادت ولادت یافتہ - - - - ابراہیم قندوری ؟ - - - -

روز شنبہ ششم ماہ رجب سنہ شش صد و سی ہجری بہ ملک تقدس خرامش نمودند''- (خلاصۃ التواریخ، ص ۵۴) -

افسوس نے '' انا ساگر '' کا ذکر نہیں کیا - سجان رائے قلعہ جھٹلی راجا بھٹل کا ظاہر کرتا ہے اور افسوس بے ٹھل گڑھ سے یاد کرتا ہے - خواجہ معین الدین چشتی کی وفات سجان رائے ۶۳۰ ہجری بتاتا ہے اور شیر علی افسوس کے بقول چھ سو چھتیس ہجری ہے جو غلط ہے - خود افسوس نے ستانوے برس عمر بتائی ہے - آخر میں افسوس نے چند سطریں اضافہ کی ہیں - (فائق)

خنگ سوار کہتے ہیں۔ القصہ خواجہ ممدوح بیٹا خواجہ غیاث الدین چشتی کا اور[1] قوم کا حسینی سید ، تولد اس کا ۵۳۷ ھجری میں سجستان کے بیچ ، لیکن جب پندرہ برس کا ھوا ، پدر عالی مقدار اس کا قضائے الٰہی سے موا ؛ انھیں دنوں ابراھیم قندوزی کی نظر توجہ اس پر پڑی ، جذبۂ طریقت نے فی‌الفور اسے کھینچا ، ووہیں (ووں ھی) رستا معرفت کا وہ ڈھونڈھنے لگا ، ندان ھرون (ھارون) میں جا نکلا ، وھاں خواجہ عثمان چشتی کی صحبت سے بہرۂ کامل اٹھایا ، پھر عبادت و ریاضت میں غرق ھوا ۔ جب بیس برس کی عمر ھوئی ، تب شیخ عبدالقادر گیلانیؒ سے کچھ فائدہ حاصل کیا ۔ جب کہ سلطان شہاب الدین غوری ھندوستان کو فتح کر کے دھلی میں آیا ، تب یہ بزرگ گوشہ نشینی کے قصد سے اجمیر میں تشریف لایا ، ایک عالَم اس کی پیروی سے منزل مقصود کو پہنچا ؛ زندگانی اس نے دنیا میں ستانوے برس کی ؛ آخر رجب کی چھٹی کو ھفتے کے دن سن چھ سو چھتیس ھجری میں وفات پائی ۔ مزار اس کا آج تک خلق کی زیارت گاہ ھے ، جتنے بادشاہ کہ اس بزرگ کی وفات کے بعد ھند میں ھوئے ، اس کی درگاہ میں نذریں چڑھایا کیے ؛ خصوصاً جلال الدین محمد اکبر کہ زیادہ تر اعتقاد رکھتا تھا ، بارھا پیادہ پا اجمیر میں آ کر زیارت سے اس کی اور سید حسین خنگ سوار کی مستفید ھوا ؛ لیکن سید ممدوح بلاشبہ شیعہ مذھب تھا اور خواجہ موصوف کا بھی اغلب کہ یہی طریقہ ھو کیوں کہ بعضی رباعیات سے اس کی محبت جناب امیر علیہ السلام کی تراوش کرتی ھے ، العلم عند اللہ ۔ اجمیر سے تین کوس پرے :

۱۔ '' اور '' نسخۂ اول (ص ۱۵۰) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۳۶) میں ھے ۔ '' ارو '' نسخۂ دوم (ص ۱۰۶) ، نسخۂ سوم (ص ۱۱۶) میں غلط ھے ۔

پکھر[1] (بھکر)

ہے ۔ عمق اس تالاب کا آج تلک کسی نے نہیں پایا ، ته کو اس کی پاؤں کسی کا نہیں لگا ۔ ھنود کا قدیم تیرتھ ہے بلکه سارے تیرتھوں کا گرو۔ عقیدہ ان کا یه ہے که انسان اگر سارے تیرتھوں میں پھرے اور روئے زمین کے مندروں کی پوجا کرے ، جب تلک اس میں نه نہاوے گا ، ثواب کچھ نه پاوے گا ۔

چیتوڑ[2] (چتّوڑ)

مشہور قلعه ہے اسی صوبے کے متعلقات سے ؛ اور کوکندہ[3] که تابع اس کا ہے ، وہاں جست کی کھان اور چین پور میں تانبے کی لیکن یه مقام علاقه مانڈل سے رکھتا ہے ؛ سابق رانا کے تصرف میں تھا ، اکبر بادشاہ نے ایک مدت لڑکر اسے لیا ۔ قصه اس کا مشہور و معروف ہے ؛ اور زمانۂ سابق میں یہاں کے رئیسوں کو راول کہتے تھے ، اب ایک مدت سے رانا کہتے ہیں ۔ قوم ان کی کھلوت[4] لیکن اپنے گروہ کو اولاد نوشیروان عادل کی جانتے ہیں اور اس وجه سے که ان کے دادا نے اپنی بود و باش موضع سیسودھه میں کی تھی، سیسودیه کہلاتے ہیں ۔ سوائے اس کے ایک برھمن جو ان کا غم خوار تھا ، اس جہت سے اپنے تئیں برھمن بھی ٹھہراتے ہیں ؛ اور ان کے خاندان کا یه دستور ہے که رانا جب

۱۔ '' بھکر '' خلاصة التواریخ (ص ۵۴) و آئین اکبری (ص ۵۰۵) ۔
۲۔ '' چیتوڑ '' نسخۂ اول (ص ۱۵۱) ، نسخۂ دوم (ص ۱۰۷) ۔
'' چیتور '' نسخۂ سوم (ص ۱۱۷) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۳۷) ۔
'' چتّوڑ '' نسخۂ انجمن ترقی اردو (ص ۱۷۱) ۔
۳۔ '' گوکندہ '' (خلاصة التواریخ ، ص ۵۴) ۔
۴۔ '' گھلوت '' (خلاصة التواریخ ، ص ۵۵) ۔

مسندِ حکومت پر بیٹھے ، قشقه آدمی کے لہو سے اپنے ماتھے پر کھینچے ۔

قصبۂ سانبھر

لون وھاں کا نہایت مشہور ھے اور بیش تر کھانے میں بھی وھی آتا ھے ۔ شہر کے نزدیک چار کوس لمبا ، کوس بھر چوڑا ایک چشمه ھے ؛ پانی اُس کا نپٹ کھاری لیکن تاثیر اُس کی یه ھے جہاں زمین کھود کر پانی سے اُسے بھر دیا اور زمین نے جذب کیا ، تمام قطعه اُس کا نمک آلود ھو جاتا ھے ، جہاں کھود کر اُس کو کنارے پر ڈال دیا اور پانی چھڑکا ، لون صاف اُس میں سے نکل آتا ھے ؛ ھر سال کئی لاکھ رُپے کا لون وھاں کے بیپاری بیچتے ھیں اور محصول سرکار والا میں داخل کرتے ھیں ۔ الغرض تمام زمین صوبۂ مذکور کی ریتلی ، پانی دور تلک جو کھودے تو نکلے ، بونے جوتنے کا مدار بارش پر ، اسی سبب زراعت ربیعی به قلت ھوتی ھے اور فصل خریف میں باجرہ ، جوار ، موٹھ به کثرت ۔ ساتواں یا آٹھواں حصه غلے کا دیوان کو دیتے ھیں ۔ مال گزاری کا رواج کم ھے ۔ جاڑے میں وھاں جاڑا قریب به اعتدال اور گرمی میں کمال ۔ اکثر مقاموں میں جنوب کی طرف کوھسار اور بیش تر زمینیں دشوار گزار ؛ بنا بر اس کے کچھوا ھے اور راٹھوڑ ، سوائے ان کے اور بھی رجپوت سلاطین سے چنداں دبتے نہیں ۔ لشکر بادشاھی ایک بار وھاں جا نہیں سکتا ؛ علاوہ اس کے کوسوں پانی نہیں ملتا ۔ طول صوبے کا آنبیر سے بیکانیر و جلمیر[۱] (جسلمیر) تلک ایک سو اٹھ سٹھ (اڑسٹھ) کوس، عرض نہایت

۱۔ ''جل میر'' نسخۂ اول (ص ۱۵۲) ، نسخۂ دوم (ص ۱۰۸) ، نسخۂ سوم (ص ۱۱۸) ، نسخۂ انجمن (ص ۱۷۳) میں ھے اور ''جسلمیر'' نسخۂ چهارم (ص ۱۳۸) میں ۔ (خلاصة التواریخ ، ص ۵۵) میں ''جیسلمیر'' ھے ۔

سرکار اجمیر سے بانسواڑے[1] تک ڈیڑھ سو کوس ۔ پورب طرف آس
کے اکبر آباد ، پچھم طرف دیپال پور، تابع ملتان ، اتّر طرف قصبات
دھلی ، دکھن طرف گجرات ؛ اور سرکاریں اس کی اجمیر[2] ، رتھنبور
جودھ پور، ناگور وغیرہ سات ، متعلق اُن سے ایک سو تیس محال ،
آمدنی پچپن کروڑ تین لاکھ ساٹھ ہزار دام ۔

۱۔ ''بانسواڑے'' نسخۂ اول (ص ۱۵۲) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۳۸) میں صحیح ہے نسخۂ دوم (ص ۱۰۸) ، نسخۂ سوم (ص ۱۱۸) میں ''پان سواڑے'' ہے ۔

۲۔ نسخۂ چہارم (ص ۱۳۸) پر افسوس کے اصل نسخے سے اضافہ ہے جو مرتب کی جانب سے ہوگا ، وہ یہ ہے :

''اجمیر ، چیتوڑ ، رتنپور ، جودھپور ، ناگور ، سروھی و بیکانیر'' ۔

خلاصة التواریخ (ص ۵۵) میں یہ نام ہیں :

''سرکار اجمیر و چتور و رنتھبور و جودھ پور و ناگور و سروھی و بیکانیر - ھفت سرکار مشتمل بر یک صد و بست و سہ محال'' ۔

افسوس نے ایک سو تیس غلط لکھا ہے ، صحیح ایک سو تیئیس (۱۲۳) محال ہے ۔ (فائق)

صوبۂ گجرات

کتب تاریخ سے ، خصوصاً وہ تاریخ جو سلطان بہادر والیٔ گجرات کی تصنیف ہے ، اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہر پٹن اور چندے چانپانیر[1] بھی تخت گاہ تھے ۔ جب سلطان احمد بن سلطان[2] محمد بن سلطان مظفر شاہ سن آٹھ سو بارہ ہجری میں تخت سلطنت پر بیٹھا اور دریاے سابر متی[3] کے کنارے ایک قلعۂ متین بنا کیا ، بلکہ عمارات بھی نئی نئی وضع کی سنگین و رنگین بنا کر ایک شہر نہایت وسعت کے ساتھ آباد کیا ۔ نام اُس کا احمد آباد رکھا اور دارالسلطنت اُسے قرار دیا ۔ سوائے اس کے بتیس برس اور چھے مہینے اپنی حکومت کے ایام آبادی کے انتظام میں جو اُس نے صرف کیے ، ایک شہر عظیم بس گیا ؛ لیکن شہر مذکور میں دیواریں تو

۱۔ " چاپنانیر " نسخۂ اول (ص ۱۵۳) ، نسخۂ دوم (ص ۱۰۸) ، نسخۂ سوم (ص ۱۱۸) میں ہے " چانپانیر " نسخۂ چہارم (ص ۱۳۹) ، نسخۂ انجمن (ص ۱۷۳) میں ۔

۲۔ " سلطان محمد بن " نسخۂ اول (ص ۱۵۳) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۳۹) میں ہے ۔

" سلطان محمد سلطان " نسخۂ دوم (ص ۱۰۸) ، نسخۂ سوم (ص ۱۱۸) اور نسخۂ انجمن (ص ۱۷۳) میں ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۵۶) میں "بن سلطان مظفر شاہ" ہے ۔

۳۔ " سابرمتی " خلاصۃ التواریخ (ص ۵۶) ۔

" سابرمٹی " آئین اکبری (ص ۴۵۸) ۔

آرائش محفل میں " سائرمتی " غلط ہے ۔ (فائق)

گھروں کی خشتی اور چونے کی پر چھت کی جاگہ کھپریلیں؛ ہاں بعضے دور اندیش نیویں[1] پتھر کی چوڑی چوڑی قائم کر کے دیواریں کاواک بناتے ہیں اور اُن میں مخفی راہ رکھتے ہیں کہ وقتِ ضرورت وہاں سے نکل جائیں، اور بعضے مال دار تمام عمارات چونے گچ کی بنا کر اس طرح کے تہ خانے اس میں بناتے ہیں کہ مینہ کا پانی نتھرا اُس میں جائے اور بھرا رہے کیوں کہ تمام سال اُسی کو پیتے ہیں، باشندے وہاں کے اُس کو ٹانکہ کہتے ہیں، اور نقاش و خاتم بند، سوائے ان کے اور بھی کاری گر وہاں کے سیپ کے نقشی قلم دان[2] اور صندقچے نہایت خوش اسلوب و خوش قطع به سہولت بناتے ہیں، اپنی ہنرمندی و دست کاری کی طرزیں دکھاتے ہیں؛ اور کمخواب و زربفت و خارا و مخمل و زرباف چیرے پٹکے وہاں کے عدیم المثل ہیں، اُن کاری گروں چھٹ کس کی تاب و طاقت جو اس قماش کا ایک وصلچہ بُن سکے مگر حیرت سے ناچار ہو کر اپنا سردھن سکے؛ سوائے اس کے تقلید بھی اُن پر ختم ہے، کیوں کہ روم و فرنگ و ایران میں جو کپڑا کہ اعلا ہے، یہ اس کے مقابل بُن دیتے ہیں، سرمو فرق نہیں پڑتا۔ دور دور اس کو به طریق تحفہ لے جاتے ہیں اور صاحبان نعمت سے انعام پاتے ہیں۔ تلوار بھی وہاں کی دم خم میں مغربی تلوار سے مقابلہ کرتی ہے، کٹاری کی آب داری سے بجلی بھی ڈرتی ہے، اور تیر و کمان بھی زمانۂ سابق میں وہاں قابل تعریف بنتا ہوگا۔ چناں چہ

۱۔ ''نویں'' نسخۂ اول (ص ۱۵۳)، نسخۂ دوم (ص ۱۰۹)، ''نیویں'' نسخۂ سوم (ص ۱۱۸)، نسخۂ چہارم (ص ۱۳۹)، نسخۂ انجمن (ص ۱۷۳)۔

۲۔ ''قلمندان'' نسخۂ اول (ص ۱۵۳) اور نسخۂ دوم (ص ۱۰۹) میں یہ املا غلط ہے۔ نسخۂ سوم و چہارم میں ''قلم دان'' صحیح ہے۔

صاحبِ ''خلاصہ'' و مصنف ''آئین اکبری'' دونوں معترف ہیں لیکن ایک مدت سے کہاں لاہور کی اس دیار میں مشہور ہے ، اور اس سے آتر کرفرید آباد و کھجوے کی ، مگر روپا وہاں عراق و روم وغیرہ سے لاتے ہیں ، اُس کی نواح میں پیدا نہیں ہوتا ، اور جواہر کی بھی خرید و فروخت بیش تر رہتی ہے ۔ غرض شہر مذکور نہایت خوش آب و ہوا اور اجناس و متاع کے بہم پہنچنے میں بے ہمتا ہے ۔ باہر بھی اُس کے تین سو ساٹھ معمورے خاص خاص وضع پر آباد ہوئے کہ ہر ایک کو 'پُرا'[1] کہتے ہیں ۔ شہروں کی ضروریات ہر ایک میں مہیا ، لشکروں کے اسباب تیار جا بجا ؛ چناں چہ چوراسی 'پُرے[2] تو عالم گیر کے وقت تلک آباد تھے ۔ سوائے عمارات و باغات ہزار مسجدیں سنگین دو دو مینار کی اُن میں تھیں ، کتبے بھی اُن کے ایسے نادر اور خوش خط کہ ان کو دیکھ کر انسان درود بھیجے اور کندہ کار کے حق میں آفریں کہے ۔ ایک پُرے کا ناؤں رسول آباد ہے ، شاہ عالم بخاری وہیں آسودہ ہیں ، اکثر اُس بزرگ کی کرامت ولایت کے قائل اور بہتیرے اُس کے مرید و معتقد ۔ احمد آباد سے تین کوس :

بتوہ[3]

ایک قصبہ ہے نہایت دل کشا ۔ اکثر اولیا وہاں بھی مدفون

۱۔ '' پورہ '' خلاصۃ التواریخ (ص ۵٦) ۔

۲۔ ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے :

''و امروز تا ہشتاد و چہار آباد '' (آئین اکبری ، ص ۴۸٦) ۔

۳۔ خلاصۃ التواریخ (ص ۵٦) میں '' بتوہ '' ہے ۔ آئین اکبری کے متن (ص ۴۸٦) میں '' پتوہ '' ہے اور حاشیہ نمبر ۱ میں اختلافِ نسخ حسب ذیل ہے :

بتوہ ، پتوہ ، بتورہ ۔

''آرائش محفل'' نسخۂ انجمن ترقی اردو میں ''بتوہ'' غلط ہے ۔

هیں لیکن قطب[1] العالم شاہ بدر عالم بخاری کے باپ کی قبر پر ہاتھ بھر کا ایک کپڑا ہے ؛ کوئی اس کو سنگ ، کوئی چوب ، کوئی آہن خیال کرتا ہے اور عجیب و غریب حکایات اُس سے منسوب کرتے ہیں ۔

پٹن

ایک پرانی بستی ہے ۔ اگلے زمانے میں وہاں کے سلاطین کی تخت گاہ تھی ۔ قلعے بھی اُس میں دو ہیں ۔ ایک سنگین اور ایک خشتی لیکن نہایت مستحکم ، اور گائے بیل اُس کی نواح میں نہایت خوب ہوتے ہیں ۔

جانپانیر[2]

ایک قلعہ ہے پہاڑ کے ایک بلند ٹیکرے پر ۔ چڑھائی اس کی

۱۔ ''خصوص مزار قطب عالم پدر شاہ عالم بخاریست''۔
(خلاصۃ التواریخ ، ص ۵۶)
''خواب گاہ قطب عالم پدر شاہ عالم''۔ (آئین اکبری ، ص ۳۸۶)
افسوس نے شاہ عالم بخاری کے والد قطب عالم کے ترجمے میں غلطی کی ہے ، قطب العالم نام غلط ہے ۔ ''پدر شاہ عالم بخاری'' کا ترجمہ شاہ عالم بخاری کا باپ ہوتا لیکن افسوس نے ''پدر'' کو ''بدر'' پڑھ کر شاہ عالم کے نام کا جزو بنا دیا ۔ ترجمہ یہ ہوگا : ''قطب عالم (جو شاہ عالم بخاری کے باپ ہیں) کے مزار پر ۔ ۔ ۔ ۔'' (فائق)

۲۔ ''جانپانیر'' گزیں دژیست بر کوہ چہ نیم کروہ بلند''۔
(خلاصۃ التواریخ ، ص ۵۶)
''چانپانیر گزیں دژیست بر کوہے بس بلند ، دو نیم کروہ ازاں دشوار گزار ۔ (آئین اکبری ، ص۳۸۷)
'' خلاصۃ التواریخ '' میں دو کا عدد چھوٹ گیا ہے ، '' نیم کروہ '' سے پہلے ترجمہ افسوس نے اڑھائی کوس صحیح کیا ہے مگر بلند پہاڑی (کوہچہ) ترجمہ ہوتا نہ کہ بلند ٹیکرا ۔ یہاں مترجم نے اصل سے تجاوز کیا ہے ۔ (فائق)

اڑھائی کوس کی ، دروازے بھی کئی لیکن راہ نپٹ اوبھٹ ؛ اسی واسطے ایک طرف سے ساٹھ گز کے قریب پہاڑ کو کاٹ کر تختوں سے پاٹا ہے ، وقت پر اٹھا لیتے ہیں ؛ پر موضع مذکور چند مدت دار الحکومت رہا ہے ۔

بندر سورت

نامی ایک شہر ہے ۔ بعضے بنادر اس کے تابع ہیں ۔ دریائے تپتی اس کے قریب سے بہتا ہوا سات کوس پر جا کر دریائے شور سے ملا ۔ میوے اس میں اقسام کے بہ کثرت ؛ خصوصاً انناس نپٹ رسیلا، خوش بو ، خوش ذائقہ پیدا ہوتا ہے ، اور پھول بھی رنگ بہ رنگ کے بہتایت سے پھولتے ہیں ، ساتھ اس کے پھلیل بھی کئی طرح کا بہ مرتبہ خوش بو کھچتا ہے ؛ اور اہل فارس میں سے ایک قوم نے آ کر وہاں بود و باش اختیار کی ہے ، رات دن ہنگامہ آتش پرستی کا گرم رکھتی ہے ۔ سورت و نذربار[1] کے بیچ ایک کوہستان خوب آباد ہے ۔

بگلانا (بگلانہ)

اس کو کہتے ہیں ۔ واقعی بہ مرتبہ معمور و آب و ہوا اس کی نہایت خوب ، میوے بھی وہاں بہتیرے ہوتے ہیں لیکن شفتالو ، انگور ، سیب ، انناس ، انار ، ترنج ، آم ، ہر ایک لاثانی ہے؛ اور سات قلعے نامی اس سے متعلق ہیں ، انھیں میں سے سالیر اور مولیر بھی لیکن شہرت ان کی زیادہ ہے اور زمیں دار وہاں کے راٹھور ۔

۱۔ نسخۂ اول کے متن کے غلط نامے میں '' نذر بار '' سے صحیح کی گئی ہے (صفحہ ے غلط نامہ نسخۂ اول ، ص ۱۵۵) ۔

بھڑونچ[1]

ایک بڑا محکم قلعہ ہے۔ نربدا[2] اس کے نیچے سے گزر کر سمندر سے جا ملی ہے۔ کتنے بنادر اس کے بھی تابع ہیں، اقسام کا کپڑا بُنا جاتا ہے لیکن الائچا[3] وہاں کا مشہور، سوداگر شہر شہر لے جاتے ہیں اور فائدے اٹھاتے ہیں۔

سرکار سورٹھ[4]

ایک جدا ملک تھا، حاکم وہاں کا پچاس ہزار سوار و لاکھ پیادے کا مالک، پر احمد آباد کے فرمان روا کا فرماں بردار تھا لیکن خانِ خانان اکبر شاہی نے اس کے ملک پر قرار واقعی قبضہ

۱- ''بھڑونج'' نسخۂ اول (ص ۱۵۶)، نسخۂ چہارم (ص ۱۳۲)۔
''پھڑونج'' نسخۂ دوم (ص ۱۱۰)، نسخۂ سوم (ص ۱۲۰)۔

۲- ''نربدہ'' نسخۂ اول (ص ۱۵۶)، نسخۂ دوم (ص ۱۱۰)، نسخۂ سوم (ص ۱۲۰)۔
''نربدا'' نسخۂ چہارم (ص ۱۳۲)، نسخۂ انجمن (ص ۱۷۷)۔
موجودہ املا الف سے ہے، افسوس نے (ہ) سے لکھا ہے۔

۳- ''گونا گوں پارچہ بافتد خصوص الچہ مشہور و بازرگانان بہ اطراف گیتی برلد''۔ (خلاصہ ص ۵۷)
خلاصے میں اچہ ہے اور افسوس نے الائچا کپڑے کا نام بتایا ہے۔ غالباً عوام الائچا کہتے ہوں گے، افسوس نے وہی نام لکھ دیا (فائق)۔

۴- ''سورتھ'' نسخۂ اول (ص ۱۵۶)۔
''سورٹھ'' نسخۂ دوم و سوم و چہارم۔ (خلاصتہ التواریخ) میں میں ''سورتھ'' اور آئین اکبری میں ''سورٹھ'' ہے۔ دونوں صحیح ہیں فارسی میں سورتھ ہی لکھیں گے)۔

کر لیا۔ طول اس کا بندر گھوگہ[1] سے بندر ارامر[2] تلک سوا سو کوس، عرض ابتدائے دھار سے بندر دیو تلک بہتر کوس۔ آب و ہوا اس کی مزاجوں سے موافق، پھل پھول کی بھی اپنے اپنے موسم میں بہتایت۔ انگور خربوزے سے تاکیں اور فالیزیں معمور؛ لیکن اس ملک کے نو حصے ہیں اور ہر ایک میں آلس جدا، سبب اس کا درختوں کی فراوانی اور گنجانی، ساتھ اس کے پہاڑوں کی باہم پیچیدگی۔ مسکن ان کے نہایت مامون و محفوظ ہیں، فوجیں اکٹھی وہاں جا نہیں سکتیں جو تنبیہ قرار واقعی کریں۔

جوناں گڑھ (جونا گڑہ)

ایک سنگین قلعہ ہے، نہایت متین۔ حصانت و متانت میں ویسا دوسرا نہیں۔ سلطان محمود گجرات کے بادشاہ نے بہت سی لڑائیاں لڑکر بہ زور اس سے لیا اور پاس اس کے اور قلعہ بنا کیا۔

کرنال (گرنال)

ایک قلعہ ہے پہاڑ پر۔ ہنود کا بڑا معبد۔ اس میں بہت سے چشمے ہیں، قریب اس کے اکثر دریائے بنادر دریائے شور سے ملے ہیں؛ اور اس مقام میں مچھلیاں ایسی نازک ہوتی ہیں، اگر ایک دم دھوپ میں رکھیے تو پگھل جائیں۔ اطراف میں اس کے اونٹ، گھوڑا نہایت قوی و چالاک ہوتا ہے۔

سومنات

قدیم بت خانہ ہے، نہایت مشہور۔ شور دریا اس سے تین کوس،

۱- ”گھوگہ“ نسخۂ چہارم (ص ۱۴۲)۔

۲- ”از بندر گوگھہ تا بندر ازامرا صد و بست و پنج کروہ“۔ (خلاصۃ التواریخ ص ۵۵)۔

”دراز از بندر گھوگہ تا بندر آرامرای صد و بیست و پنج کروہ“۔ (آئین اکبری، ص ۴۸۸)۔

تابع اس کے پانچ بنادر، سرستی بھی قریب آس سے نکلی ہے، ھندو اس کو بڑا تیرتھ جانتے ھیں ۔ مشہور ہے کہ پانچ ھزار برس آس سے آگے پانچ چھے کروڑ آدمی جادو گروں کی قوم سے سرستی اور ھرن کے درمیان ھنسی خوشی آپس میں لپٹ لپٹ کے گرے اور ڈوب ڈوب گئے ۔ سومنات سے آدھ کوس :

سالگھا (سبھالکا[1])

ایک مکان، سری کشن کے پاؤں میں وھیں ایک صیاد کے ھاتھ کا تیر لگا اور سرستی کے کنارے پیپل کے درخت تلے بے کنٹھ باسی ھوا ۔ بنا بر اس کے اس مکان کو معبد جانتے ھیں اور اس درخت کو ''پیپل سر'' کہتے ھیں ۔

قصبۂ مول

میں ایک معبد ہے مہادیو سے منسوب ۔ ھر سال برسات سے پہلے روز معین ایک پرندہ[2] کبوتر سے چھوٹا، پر چونچ اس کی موٹی،

۱- و در نیم کروھے سومنات ۔ ''سبھالکا'' مکانیست بزرگ، سری کشن را از دست صیادے تیر بر پا رسید''۔ (خلاصہ ص ۵۷) ۔

و دو نیم کروھے پٹن سومنات ۔ '' بھالکا تیرتھ '' دراں جا بہ کشن تیر رسید و درکنار دریاے سرستی زیر درخت پیپل فروشد ۔ آں را پیپل سر گویند ۔ (آئین اکبری ص ۳۹۰) ۔

افسوس نے آدھ کوس ترجمہ '' نیم کروہ '' کا کیا ہے، لیکن آئین اکبری میں سومنات سے '' دو نیم کروہ '' (اڑھائی کرس) فاصلہ بتایا گیا ہے ۔ نام ''سبھالکا'' یا '' بھالکا'' ہے ۔ خلاصۃ التواریخ اور آئین اکبری میں اختلاف ہے (فائق) ۔

۲- ''کہ بزبان ھند سنگھ (مکھھ یا پنکھ) گویند پدید آید'' ۔ (خلاصہ، ص ۵۷ ۔ آئین اکبری، ص ۳۹۰) ۔

رنگت سیاہ و سفید اس دیہیرے کی چھت پر آ بیٹھتا ہے ، ایک دم کلولیں کر کے یہاں تلک لوٹتا ہے کہ جی سے گزر جاتا ہے - اُس دن شہروں کے لوگ وہاں جمع ہوتے ہیں اور طرح بہ طرح کے بخور کرتے ہیں - پھر سیاہی و سفیدی سے اس کی اندازہ بارش کا یعنی سیاہی سے تفول بارش اور سفیدی سے خشکی - متصل اس کے :

دوار کا

ہے ، جگت بھی اس کو کہتے ہیں ، بڑا معبد ہے - جب سری کشن متھرا سے باہر نکلا ، وہیں آ کر اُس نے باسا لیا اس لیے اس کو بھی پرستش گاہ جانتے ہیں - نزدیک اس کے :

گابھی[1] (کاٹھی)

ایک قصبہ ہے اہیروں کا مسکن - وے (وہ) ہندوؤں کے طریقے سے خارج ہیں ، پر زن و مردِ حسین ہوتے ہیں - جب نیا حاکم وہاں آتا ہے اُس سے قول لیتے ہیں کہ عورات سے بد کاری کا مواخذہ نہ کرے ، تب بود و باش اختیار کرتے ہیں و اِلاّ وطن چھوڑ دیتے ہیں - نزدیک اس کے ایک زمین ہے طول میں نوے[2] کوس - برسات سے پہلے سمندر اُبلتا ہے اور پانی میں وہ تمام ڈوب جاتی ہے ، جب بارش موقوف ہوتی ہے ، پانی گھٹنے لگتا ہے ، آخر زمین نکل آتی ہے اور لون بہت سا ہاتھ لگتا ہے -

---

۱- نزدیک آں قصبہ کاٹھی است (خلاصۃ التواریخ ، ص ۵۸) -
و دریں ولایت کاٹھی فراواں ، ذات ایشاں اہیر ، تیار اسپ کنند (آئین اکبری ، ص ۴۹۱) -

۲- نسخۂ اول (ص ۱۵۸) ، نسخۂ دوم (ص ۱۱۲) میں "نوہ" ہے - نسخۂ سوم (ص ۱۲۲) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۴۴) میں " نوے " ہے - طبع اول کے غلط نامے میں 'نوے' تصحیح کی گئی ہے -
نسخۂ انجمن (ص ۱۴۴) میں " نو " غلط ہے -

کچھ

ایک جدی ولایت ہے - عرض طول اس کا اڑھائی سو کوس کا ، سندھ اس کے پچھم طرف ، زمین وہاں کی بیش تر ریتلی ، اونٹ وہاں کثرت سے پیدا ہوتے ہیں اور بکریوں کی بھی افراط ہے ؛ سوائے اس کے تازی گھوڑے وہاں کے مشہور و معروف - وجہ اس کی یہ ہے کہ کسی زمانے میں ایک سوداگر کتنے عربی گھوڑے دریا کی راہ سے لیے جاتا تھا ، اتفاقاً اس کا جہاز ٹوٹ گیا ، کئی گھوڑے ایک تختے پر بہتے ہوئے کنارے پر آ لگے اور اس ملک میں پہنچے ، آج تلک ان کی نسل اس نواح میں باقی ہے - القصہ ہوا اس صوبے کی اعتدال پر رہتی ہے - جوار ، باجرے کی پیدایش بیش تر؛ چناں چہ مدار خلائق کی خورش کا اسی پر ہے ، اور زراعت ربیعی کم تر - گیہوں بلکہ بیش تر غلے مالوے اجمیر سے اور چانول دکھن سے آتے ہیں ، اور جنگوں میں یہاں کے درخت اس کثرت سے ہیں کہ لذت شکار سے لوگ اکثر محروم رہتے ہیں ، آم کی بھی یہ افراط ہے کہ پٹن سے تا بڑودہ سو کوس کا عرصہ ہے ، یک لخت اس کے درخت نظر آتے ہیں ، ساتھ اس کے آم بہ مرتبہ میٹھے اور خوش ذائقہ ، بلکہ کیریاں بھی حلاوت سے خالی نہیں - انگور و انجیر بھی علا ہذا القیاس - عجیب تر یہ ہے کہ خربوزہ گرمی اور جاڑے میں بہ افراط میسر آتا ہے ، اور پھول بھی ہر رُت کا اس کثرت سے ہوتا ہے کہ بازار گل زار بن جاتا ہے - اگرچہ درندے اور بھی اس نواح میں ہیں لیکن چیتوں[1] کا اس قدر وفور ہے کہ

۱- ''چتّوں'' نسخۂ اول (ص ۱۵۹) ، غلط نامے میں ''چیتو'' صحیح - ''چیتوں'' نسخۂ دوم (ص ۱۱۳) ، نسخۂ سوم (ص ۱۲۳) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۴۶) ، نسخۂ انجمن ترقی اردو ہند (ص ۱۸۱) -

هر سال صیاد سیکڑوں پکڑ لاتے هیں اور صید افگنی آن کو سکھلاتے هیں۔ بیل بھی وهاں کے خوش ظاهر ، قوی ، فربه ، گران قیمت ؛ چناں چه ایک جوڑی اگر پان سَے رُپے سے کچھ زیادہ کو آئے تو سستی هے ، اور چالاک بھی ایسی هوتی هے که تمام دن میں پچاس کوس طے کرے ، مطلق نه تھکے۔ دریا چھوٹے بڑے اس صوبے میں بہت هیں لیکن نامی[1] سا برمتی ، با ترک و مہندری ، نربدا و تپتی سرستی ، هرن۔ طول اس کا برهان پور سے دوارکا تلک تین سوکوس ، عرض جالور سے تا بندر دمن دو سو ساٹھ کوس۔ شرق رو اس کے خاندیش ، غرب رو دوارکا ، شمال رو جالور اور ایدر ، جنوب رو بندر دمن

۱- و گزین رود هاے آن ولایت سابرمتی و باترک و مهندری و نربده و تپتی و سرستی و هرن است و دو چشمه ایست که آن را جمنا و گنگا گویند۔ طول این صوبه از برهان پور تا دوارکا سیصد و دو کروه و عرض از جالور تا بندر اومن (دمن) دو صد و شصت کروه شرق رویه خاندیس و غرب رویه دوارکا ، که بر ساحل دریاے شور است و جنوبی کوه بهر جا پیوستگی دارد ، شمالی جالور و ایدر جنوبی بندر دمن و کهنبایت سرکار احمد آباد و پتن و نادوت و بهرونچ و برودہ و چانپانیر و گودهره و سورته و اسلام نگر عرف هار۔ نه سرکار مشتمل یک صد و هشتاد و هشت محال ، سیزده بندر و پنجاه و هشت کرور و سی و هفت لک و نود هزار دام داخل این صوبه است (خلاصه ، ص ۵۹)۔

صوبه کے حدود اربعه آئین اکبری میں زیاده واضح هیں :

دراز از برهان پور تا جگت سه صد و دو کروه ، پهنا از جالور تا بندر دمن دویست و شصت دیگر از ایدر تا بندر کنبهایت هفتاد۔ خاور رویه خاندیس ، شمالی جالور و ایدر جنوب بندر دمن و کنبهایت ، باختر سو جگت که بر ساحل دریاے شور است۔ (آئین اکبری ص ۴۸۵)۔ انسوس نے طول تین سو لکھا هے حالانکه ”خلاصة التواریخ“ میں تین سو دو هے۔

اور کنبھایت ، احمد آباد ، پٹن ، دوت ، بھڑوچ ، بڑودہ ، جانپانیر ، کروھی ، سورٹھ سروھی ، اسلام نگر - نو سرکاریں ، تابع ان کے ایک سو اٹھاسی محال تیرہ بندر ، آمدنی اٹھاون کروڑ اٹھتیس لاکھ نوے ہزار دام -

صوبۂ ٹھٹھ

اگلے زمانے میں برہمن آباد ایک بڑا شہر یہاں کی تخت گاہ تھا۔ قلعے میں اس کے چودہ سو بُرج تھے تھوڑے تھوڑے تفاوت سے۔ چناں چہ اب تک اُس کے برجوں اور دیواروں کا کچھ نشان باقی ہے۔ بعد اس کے دیور[1] پائے (پایۂ) تخت ہوا۔ بالفعل ٹھٹھ دارالحکومت ہے۔ دیبل بھی اس کو کہتے ہیں۔ فی الواقع ایک شہر کلاں و عظیم الشان ہے۔ دنیا کی چیزیں اس میں ملتی ہیں، خصوصاً موتی۔ سوائے اس کے اکثر بنادر کی اجناس۔ بر دستور اس ملک کا یہ ہے کہ زمین دار تیسرا حصہ زراعت کا سرکار میں داخل کرے اور دو آپ لیوے، لیکن کان نمک و آہن سے محصول بہت سا ہاتھ لگتا ہے، اور چھے کوس شہر سے برے زرد پتھر کی کھان ہے، جس اندازے کا سنگ چاہیں اُسّے (اس سے) نکال کر ترشوائیں اور عمارت میں لگوائیں۔ لیکن مدار کار بیش تر کشتیوں پر: چناں چہ وے (وہ) انواع و اقسام کی چھوٹی بڑی چالیس ہزار کے قریب وہاں کے دریا میں تیار رہتی ہیں۔ اگرچہ اس کے نواح میں شکار اقسام کا ہاتھ لگتا ہے لیکن گورخر و خرگوش و کوتاہ پاچہ و خوک صحرائی و ماہی کا شکار بہ کثرت، اور خوراک وہاں کے لوگوں کی اکثر وہی خشک مچھلی، بلکہ مدار خورش کا اسی پر ہے، یہاں تک کہ مچھلیوں کو

۱- بعد آں ''ادپور'' پایۂ تخت گردید (خلاصہ، ص ۵۹)۔
لیکن آرایش محفل میں ''ادپور'' نہیں، ''دیور'' ہے۔ (فائق)

سکھا ، تیل میں ڈال ، کشتیوں میں بھر اکثر بنادر و اطراف میں لے جاتے ہیں اور لوگ اُن کو مول لے کر کھاتے ہیں - پھر تیل کو وے (وہ) ناؤں کے کام میں لگاتے ہیں ، اور پلوہ ایک مچھلی نہایت لذیذ ہوتی ہے لیکن خاص اُسی ملک میں - وہ بھی نپٹ مزے دار و با حلاوت ، ساتھ اس کے چار مہینے تلک بگڑتی نہیں ؛ اور باغوں میں رنگ بہ رنگ کے پھولوں کی بہتایت ، اقسام کے میؤں (میووں) کی کثرت ، خصوصاً آم بہت خوش مزہ ہوتا ہے - لطف یہ ہے کہ خربوزے کی ریندیاں جنگلوں میں خود رو پیدا ہوتی ہیں ، دیکھنے کے لائق بلکہ کھانے کے قابل - ڈاینیں بھی ٹھٹھے کی مشہور ہیں کہ لڑکوں کے کلیجے منتر کے زور سے ترت لے جاتی ہیں اور ان کی ماؤں کے دلوں میں داغ دے جاتی ہیں - کھانا تو اُن کے حضور کسی کو کھانا لازم نہیں کیوں کہ اُس وقت اُن کا تیر نظر جس پر چلے اُسے مار ہی رکھے ؛ سوائے اس کے کبھو کبھو ایسی حالت اُن پر طاری[1] ہوتی ہے کہ اس وقت جس کو دیکھتی ہیں ہوش میں وہ نہیں رہتا ، پھر کئی دانے انار کے مانند اُس کے پاس سے اس کے ہاتھ لگتے ہیں ، کسی حکمت سے ایک لمحہ ان کو اپنی پنڈلیوں[2] کے اندر رکھ چھوڑتی ہے ، تب تلک وہ بے چارہ بے ہوش پڑا رہتا ہے ، ندان آگ پر اُن کو رکھ دیتی ہے - جب

۱- ''تاری'' نسخۂ اول غلط نامے میں صحت کر دی ہے - (ص ۱۶۰) ، نسخۂ دوم (ص ۱۱۴) -
'' طاری '' نسخۂ سوم (ص ۱۲۴) ، نسخۂ چھارم (ص ۱۴۸) ، نسخۂ انجمن (ص ۱۸۳) -

۲- آئین اکبری کی عبارت بجنسہٖ نقل کر دی ہے - (آئین اکبری ص ۵۵۶ و ۵۵۷) -

وے پھیل کر طباق کی صورت پکڑتے ہیں، تب اپنی ہم جنسوں میں حصے کر کے کھا جاتی ہے، وہاں اس کا کام تمام ہو جاتا ہے۔ اتفاقاً اگر وہ بد ذات پکڑی جائے تو لازم ہے کہ اس کی پنڈلیوں کو چیر ڈالیں، فوراً وے دانے نکل پڑیں گے۔ چاہیے کہ جس کے جگر کو صدمہ پہنچا ہے اُسے کھلا دیویں، خدا کی قدرت سے وہ شفا پائے گا اور کلیجا اس کا بچ جائے گا، اور یہ پلشت چرغ کو بھی منتر کے زور سے ایسا رام کرتی ہے کہ اس پر سوار ہو کر دور دور تلک جاتی ہے بلکہ بعضے ملکوں کی خبر لاتی ہے، اور جو کوئی عامل چاہے کہ اس کو اس چلن سے باز رکھے تو اس کی کن پٹیاں داغے اور آنکھوں میں لون بھر کر چالیس دن تلک لٹکا رکھے، کھانا بے نمک کھلائے، ساتھ اس کے بڑھنت بھی اس کے بطلان عمل کے لیے پڑھے، تب وہ اپنا منتر بھول جائے گی اور اس چلن سے باز آئے گی، لیکن بیش تر اس پیشے کی رنڈیاں ہوتی ہیں اور مرد کم۔ صاحب خلاصہ لکھتا ہے کہ میں نے بہ چشم خود ایک[1] لڑکے کا کلیجا ایک ڈائن کو لے جاتے دیکھا ہے۔ ہر چند کہ عقل میں نہیں آتا کہ جنس بشر میں اس طرح کی عورت یا

۱۔ افسوس نے یہاں ترجمے میں کچھ زیادتی کی ہے اور خلاصۃ التواریخ کے مصنف کی طرف نسبت کر دی کہ ایک لڑکے کا کلیجا ڈائن کو لیجاتے دیکھا، اصل عبارت خلاصۃالتواریخ کی یہ ہے :—

”و آسیب ایں خدا ناترساں بہ چشم خود دیدم کہ جگر طفلان نونہال باغ زندگی را بربایند“۔ (خلاصۃ التواریخ، ص ۶۰)۔

ترجمہ لفظی یہ ہے :

لیکن ان خدا سے نہ ڈرنے والیوں کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ باغ زندگی کے نونہال بچوں کے جگر اڑا لے گئیں۔

عام واقعے کو افسوس نے خاص کر دیا ہے۔ (فائق)

مرد ہو کہ جگر کسی کے سینے سے بدون چاک کیے نکال لے جائے اور کوئی نہ دیکھے لیکن خدا کی قدرت معمور ہے ، اس کی صنعت سے کچھ دور نہیں ، بعض انسان کو یہ بھی قوت دی ہو۔ اگر ہمارے مدرکے نے ادراک نہ کیا تو یہ لازم نہیں کہ وہ حقیقت میں بھی نہ ہووے یا اس کی نظر میں موثر حقیقی نے ایسی تاثیر دی ہو کہ جس لڑکے کی طرف نگاہ بد سے دیکھے اس کے جگر کو صدمۂ عظیم پہنچے ، یا کوئی افسوں اسے ایسا یاد ہو کہ جس میں اس طرح کا اثر ہو۔ مجازاً اگر اہل عرف نے کلیجا لے جاتا یا کھا جاتا کہا تو مضایقہ نہیں ۔ سوائے اس کے ڈاینیں اور ایک منتر ایسا جانتی ہیں ، اگر کوئی چکی کا پاٹ آن کے گلے میں ڈال کر ڈبو دے تو نہیں ڈوبتیں اور آگ میں جلا دیوے تو نہیں جلتیں ۔

ہنگلاج

ایک مکان ہے ٹھٹھے سے ستر کوس ، درگا سے منسوب ۔ اُتّر اور پچھم میں دریائے شور کے نزدیک ، لیکن پانی کی نایابی اور راہ کی خرابی بہ مرتبہ ہے ؛ علاوہ اس کے بھیلوں کی رہ زنی کا خوف ، اس لیے ہر کوئی وہاں جا نہیں سکتا ، مگر بعضے اتیت خصوصاً سنیاسی بھوک پیاس کو گوارہ[1] کر کے وہاں جاتے ہیں اور پرستش کرتے ہیں ؛ غرض آتے جاتے پندرہ دن سے کم نہیں لگتے ۔

سرکار سیوستان

تابع اس صوبے کے ، دریاے سندھ کے کنارے ؛ نزدیک[2] اس

۱۔ ''گوارہ'' نسخہ نمبر ۱ تا نسخہ نمبر ۴ میں اسی طرح ہے ، نسخۂ انجمن میں ''گوارا'' الف سے ہے ۔

۲۔ و دریں حدود کول آبے است بزرگ دو روزہ راہ دراز و آں را مسچور خوانند ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۶۰) ۔

نزدیک سیہواں بزرگ کو لابیست ، دراز دو روزہ راہ ، آں‌رامنچور ۔ گویند (آئین اکبری ، (ص ۵۵۶) ۔

کے ایک بڑا تالاب ہے ، طول اُس کا دو دن کی راہ ۔ کتنے ماہی گیر اُس پر ایک سطح خاکی بنا کر ساکن ہوئے ہیں ، ہر روز مچھلیاں مارتے ہیں اور اپنی اوقات گزارتے ہیں ، اور اس صوبے میں ملتان و اوچ کی حدوں سے ٹھٹھے و کج مکران تلک شمال رُو بلند بلند پتھر کے پہاڑ ہیں ۔ اکثر بلوچوں نے اور بعضے پٹھانوں نے اپنی بود و باش وہیں (وہیں) مقرر کی ہے ، اور اوچ سے تا گجرات جنوب رخ ریتل کے پہاڑ ، بھیتوں (بھٹیوں) کے گروہ نے استقامت اپنی وہاں ٹھہرائی لیکن اُن کے رئیسوں کی سکونت جیسلمیر[1] میں ہے ، اور راجپوتوں کی اکثر قوموں نے بھکر سے نصیر پور و امر کوٹ تلک سکونت کی ۔ سوائے ان کے سودھ و چاریچہ[2] (جاریجہ) بلکہ بہتیرے اشخاص وہاں آ کر ساکن ہوئے ۔ دریاؤ بھی اس صوبے میں کئی ہیں لیکن بڑا دریا سندھ ؛ چناں چہ اکثر سوداگر ملتان اور بھکر سے اسباب و اجناس دریا کی راہ سے کشتیوں پر ٹھٹھے میں لے جاتے ہیں ؛ یہاں تلک کہ جمیع مسافر بلکہ بڑے بڑے لشکر ٹھٹھے کی طرف غیر از راہ دریا نہیں جاتے ۔ ایسا وقت کم ہوا ہوگا کہ خشکی کی راہ سے لوگ اُدھر کو جائیں اور پانی کی نایابی و راہ کی دشواری سے رنج نہ اٹھائیں ۔ طول[3] صوبے کا بھکر سے کج مکران

۱۔ رئیس آن ها جیسل میر است ۔ (خلاصة التواریخ ص ۶۰) ۔

۲۔ جاریجه (خلاصة التواریخ ، ص ۶۰) ۔

۳۔ طول این صوبه از بهکرتا کچ مکران دو صد و پنجاه کروه و عرض از قصبه بدین تا بندر لاهری صد کروه ۔ شرق رویه گجرات احمد آباد ، غرب روکچ مکران ، شمال بهکر ، جنوب دریاے شور ۔ سرکار ٹھٹھ و سیوستان و نصیر پور و امر کوٹ چهار سرکار مشتمل بر پنجاه و هفت محال و پنج بندر و نه کرور و چهل و نه لک و هفتاد هزار دام داخل این صوبه است (خلاصة التواریخ ، ص ۶۰ و ۶۱) ۔

(بقیه حاشیه صفحه ۳۳۹ پر)

تلک اڑھائی سو کوس ، عرض قصبۂ بدین سے تا بندر لاھری سو کوس ، شرق رو اس کے گجرات احمد آباد ، غرب رخ کچ مکران ، شمال رو بھکر ، جنوب رخ دریائے شور ، سرکاریں اس کی ٹھٹھہ ، سیوستان ، نصیر پور ، امر کوٹ چار ، متعلق ان کے ستاون محال اور پانچ بنادر ، آمدنی نو[1] کروڑ انچاس لاکھ ستر ہزار دام ۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

آئین اکبری میں حدود اور فاصلہ مختلف ہے ۔ کچ مکران کے درمیان میں واؤ ہے ۔

دراز از بھکر تا کچ و مکران دویست و پنجاہ و ہفت کروہ ۔ پہنا از قصبہ بدین تا بندر لاھری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (آئین اکبری ، ص ۱۵۵) ۔

۱۔ '' نہ کرور '' کا ترجمہ سو کروڑ غلط کیا ہے ۔ (فائق)

صوبۂ ملتان

قدیم شہر ہے ، ہر صنف کے اشخاص اس میں آباد ، اشیا بھی ہر ملک و ہر قسم کی بیش‌تر موجود ، خرید و فروخت کا بازار مدام گرم رہتا ہے ۔ عراقی گھوڑے قندھار کی راہ سے سوداگر لاتے ہیں اور وہاں بینچ (بیچ) جاتے ہیں ۔ جاڑوں کی ہوا معتدل ، گرمی کے موسم میں گرمی بہ شدت ، برسات کم ۔ زبان وہاں کے باشندوں کی لاہوری لیکن سندھی اس میں ملی ہوئی ۔ شطرنجیاں اور قالینیں بھی گل‌زار وہاں کی مشہور ہیں ؛ سوائے اس کے سلیقہ تقلید کا اس دیار کے کاری‌گروں کو خوب ہے ؛ چناں چہ بندر کی چھیٹوں کی نقل ایسی بناتے ہیں کہ اصل کر دکھاتے ہیں ۔ قلعہ وہاں کا خشتی ۔

بہاؤالدین زکریا (وفات ٦٦٥ھ) : اور مزار مخدوم بہاؤالدین زکریا کا بھی وہیں ۔ سنا ہے کہ شیخ مذکور بیٹا شیخ قطب الدین[1] محمد بن کمال الدین قریشی کا ہے ۔ پان سو پینسٹھ ہجری میں کوٹ کرُوڑ کے بیچ پیدا ہوا اور خورد سال تھا کہ باپ اس کا اس جہان سے اٹھ گیا ، لیکن شیخ کی طینت ازبس کہ اچھی تھی ، تحصیل علم میں اکثر مشغول رہا ۔ آخر فضیلت کے مرتبے کو

۱۔ ایں شیخ پور شیخ وجیہ الدین محمد بن شیخ کمال الدین علی شاہ قریشی در سال پان صد و شصت و پنج ہجری در کوت کرور سعادت ولادت یافت ۔

پہنچا ۔ پھر مسافرت اختیار کی ، بعد ایران و توران کی سیاحت کے بغداد میں آیا اور شیخ شہاب الدینؒ سہروردی کا مرید ہوا ۔ چند روز میں پایۂ خلافت کو پہنچا ؛ چناں چہ شیخ عراقی و میر حسینی شیخ موصوف ھی سے فیض یاب ہوئے ۔ پھر اُس بزرگ نے بغداد سے ملتان میں آ کر استقامت کی ، وھاں بھی بہتوں نے اس سے ایک مرتبہ پایا اور فیض اٹھایا ۔ کہتے ھیں کہ شیخ فرید شکر گنجؒ سے شیخ ممدوح کو کمال ربط و اتحاد تھا ۔ مدتوں ایک جا معاشرت کی ۔ آخر ماہ صفر کی ساتویں[1] کو سن چھ سو پینسٹھ ھجری میں کسی پیر مرد تورانی نے ایک خط مُہری لا کر اُس کے فرزند شیخ صدر الدین کے ھاتھ میں دیا اور اُس نے گھر میں جا کر شیخ مذکور کو گزرانا ۔ پڑھتے ھی اُس نے جان بحق تسلیم کی ؛ وھیں اُس کے گھر سے غل اٹھا کہ دوست دوست سے ملا ۔ سوائے اس کے اور بھی حکایاتِ عجیب و غریب اُس بزرگ کی زبان زد خلائق ھیں ۔

شیخ صدر الدین (وفات ۷۰۹ ھ) : بعد اس کے شیخ صدر الدین اس کا قائم مقام ھوا ۔ اکثر اشخاص اس کے بھی دائرۂ بیعت میں آئے بلکہ بعضے تو صاحب حال و قال ھوئے ، ندان سن سات سو نو ھجری میں اس نے بھی اس سرائے فانی سے رختِ ہستی باندھا ۔

شیخ رکن الدین : پھر شیخ رکن الدین نے بھی طریقہ اپنے دادا کا مدت حیات میں بہ خوبی جاری رکھا ۔ آخر کار منزل بقا کا

۱۔ ھفتم ماہ صفر سال شش صد و شصت ھجری نورانی نامہ سر بہ مہر آورد و بدست شیخ صدر الدین خلف ایشان بہ درون فرستاد ۔
(خلاصہ ، ص ۶۱) ۔

رستا لیا اور شہر مذکور میں مدفون ہوا ۔ سوائے اس کے بہت سے بزرگوں کے مزار پُر انوار اس شہر میں زیارت گاہ خلائق ہیں ۔

سلطان سرور خلف سید زین العابدین : اور شہر مذکور سے چار کوس کے تفاوت سید زین العابدین کی درگاہ ۔ سلطان سرور بیٹا اسی بزرگ کا ہے ۔ وہاں بھی گرمیوں میں چار طرف سے لوگ زیارت کو آتے ہیں ، کئی روز بھیڑ بھاڑ رہتی ہے ، اور چالیس کوس پرے مغرب رُو دریا کے اُس پار ایک پہاڑ کے دامنے میں بلوچوں کا شہر[1] ، سلطان سرور وہیں مدفون ہے ۔ کہتے ہیں کہ سید مرحوم ابتداے شباب سے عبادت و ریاضت میں رہا ، تصفیۂ باطنی اُس کو حاصل ہوا ۔ اتفاقاً[2] ایک واردات ایسی در پیش ہوئی بہ سبب اُس کے ایک قوم سے لڑ کر اپنے بھائی سمیت شہید ہوا ؛ پھر اس کی اہلیہ بھی اس کے غم میں مر گئی ، بلکہ ایک لڑکا خورد سال اس کا راناکر مشہور تھا ، اُس نے بھی والدین کا ساتھ دیا اور سب کے سب وہیں دفن ہوئے ۔ لوگ وہاں کے اُن کے مدفن کو

۱- '' بلوچوں کا شہر '' چاروں نسخوں میں یہی عبارت ہے ، لفظ شہر سے معنی خبط ہو جاتے ہیں چونکہ بعد میں سلطان سرور کی شہادت کا ذکر ہے ۔ خلاصۃ التواریخ ، ص ٦١ پر مکمل عبارت یہ ہے'' ۔

''و چہل کروہے ملتان غرب رویہ دامن کوہ بلوچستان آں طرف دریاے سندھ خواب گاہ سلطان سرور است ''۔

ترجمہ یہ ہوگا :

اور ملتان سے مغرب کی طرف چالیس کوس کے فاصلے پر بلوچستان کے پہاڑ کے دامن میں دریاے سندھ کے پار سلطان سرور کی خواب گاہ ہے ۔

۲- ایں سید زادہ ۔ ۔ ۔ ۔ باتفاقے کہ روداد بہ قوم جت کھوکر آویزش گردید ۔ سلطان سرور و ہودھا برادرش درجہ شہادت یافتند ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ و بہ مزار شہید شہرت گرفت (خلاصہ ، ص ٦۲) ۔

مزار شہید کہتے ہیں ۔ اتفاقات حسنہ سے ایک سوداگر قندھار سے ملتان کو جاتا تھا ۔ جس وقت اُس بزرگ کے مزار کے نزدیک پہنچا ، اس کے اونٹ کا پاؤں ٹوٹ گیا ۔ وہ بے چارہ گھبرایا کہ بوجھ کس پر لادے ۔ آخر مزار شہید پر جا کر منت مانی ، فی الفور خدا کے حکم سے پاؤں اُس کا درست ہوگیا ۔ تاجر نے اسی وقت نذر چڑھائی اور اونٹ کو لاد کر وہاں سے راہی ہوا ۔ یہ قصہ اطراف و اکناف میں بھیلا اور اکثروں نے سنا ؛ پھر تو مزار اس کا ایک خلق کی زیارت‌گاہ ہوگیا ۔ علاوہ اس کے ایک اندھا ، دوسرا کوڑھی ، تیسرا نامرد ؛ انھوں نے وہاں کی مجاوری اختیار کی تھی ، اس واسطے کہ اچھے ہو جائیں ، چنان چہ قدرت الٰہی سے تینوں شخص تن درست ہوئے ، اس بات سے اور بھی خلق کا اعتقاد بڑھا ۔ الغرض ہر طرف سے ایک خلق وہاں زیارت کو آتی ہے اور نذریں چڑھاتی ہے ؛ خصوصاً جاڑوں کے نکتے دور دور سے (لوگ) آتے ہیں ، یہاں تلک کہ ملتان سے اس کے مزار تک چالیس کوس کا فاصلہ ہے ، کوئی رستا آدمیوں کی بھیڑ سے خالی نہیں ہوتا ، ہر جاگہ جنگل میں دنگل (منگل ؟) ہی دکھائی دیتا ہے ۔ اور

قصبۂ اوچ[1]

میں قبر شیخ جلال الدین ابن سید محمود بن سید جلال بخاری

۱- ''قصبۂ اوچ'' نسخۂ اول (ص ۱۶۶) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۵۱) میں صحیح ہے ۔

''قصبۂ لوچ'' نسخۂ دوم (ص ۱۱۷) ، نسخۂ سوم (ص ۱۲۸) ، نسخۂ انجمن (ص ۱۸۸) میں غلط ہے ۔

''قصبۂ اوح'' (خلاصۃ التواریخ ، ص ۶۲) ۔ ''اوچ'' (آئین اکبری ص ۵۵۱) ۔ ''اوچ'' ضلع جھنگ (مخزن پنجاب ، ص ۲۵۱) ۔

کی ہے ۔ مخدوم جہانیاں اُسی کو کہتے ہیں ۔ سن سات سو سات ہجری میں شب برات کو وہ متولد ہوا ۔ ہر چند کہ جانشین و مرید اپنے باپ کا ہے لیکن شیخ رکن الدین ابوالفتح سہروردی سے بھی بہت سا فائدہ اُس نے پایا ہے ۔

بعد اس کے دھلی میں آ کر شیخ نصیر الدین چراغ دھلی سے به مرتبہ فیض اُٹھایا ۔ آخر چہار[1] شنبہ کو، اتفاقاً عید قربان بھی اسی دن تھی ، وفات پائی ۔ ملنگ اور جلالئے، فقیر اسی کے خاندان کے مرید ہیں ۔ اور

شہر پتن[2] (پٹن)

کہ اجودھن بھی اسی کو کہتے ہیں ، دیپال پور کی وہ سرکار ہے ۔

شیخ فرید گنج شکر : ملتان کے پورب طرف وہاں شیخ فرید شکر گنج ابن شیخ جلال الدین سلیمان ، فرخ شاہ کابلی کی اولاد ، وطن[3] اُن کا قصبہ کھنوال[4] ملتان کے نزدیک ؛ ابتدائے جوانی میں

۱- چہار شنبہ عید قربان هفت صد و هشتاد و پنج آخشیجی پیکر برانداخت ، درویشان ملنگ و دودرے سراپا برهنه از مریدان آن جناب درهر جانب هستند ۔ (خلاصة التواریخ ، ص ٦٢)

۲- '' پتن '' نسخۂ اول (ص ١٦٦) ۔

''پٹن'' نسخۂ دوم (ص ١١٨) نسخۂ سوم (ص ١٢٨) ، نسخۂ چہارم ص ١٥٢) ، نسخۂ انجمن (ص ١٨٩) '' پاک پٹن دوآبہ باری ضلع منٹگمری'' (مخزن پنجاب ، ص ٢٣٧) ۔

۳- زاد بوم ایشاں قصبه ''کھوتوال'' نزدیک ملتان واقع است ۔ (خلاصة التواریخ ، ص ٦٣) ۔

۴- '' کھنوال '' نسخۂ اول (ص ١٦٦) میں ہے ، بقیہ تین نسخوں میں '' کھنوال '' ہے ۔

طالب علمی کرنے ملتان میں وارد ہوا ۔ اتفاقاً خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ملا اور فیض اُس کی صحبت سے بہ مرتبہ اٹھایا ۔ آخرش ہم راہ اُن کے دلی میں آ کر کمندِ ارادت اپنے گلے میں ڈالی ، دولت ابدی حاصل کی ۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ بہ موجب حکم خواجہ ملتان سے قندھار و سیستان کو جا کر علم تحصیل کیا ، بعد اس کے دلی میں آ کر اُس کی خدمت میں مشرف ہوا ؛ پھر ریاضتیں سخت سخت ، عبادتیں شاق شاق بجا لایا اور خواہش نفسانی سے یک لخت ہاتھ اٹھایا ۔ چند روز کے بعد خواجہ سے رخصت ہو کر ہانسی میں آیا اور سکونت اختیار کی ۔ جو کہ خواجہ قطب الدینؒ نے وقت رحلت فرمایا تھا کہ خرقہ و عصا وغیرہ جو کچھ کہ مجھ کو پیر سے پہنچا ہے ، اس کو شیخ فرید کے حوالے کیجیو ، یہ سن کر وہاں سے پھر دلی میں آیا اور اس امانت کو لے کر شہر مذکور سے چل نکلا ۔ جب پٹن میں پہنچا متوطن ہوا ۔ وہاں بھی ایک عالَم اُس سے فیض کو پہنچا ۔ مشہور ہے کہ اس کی نگاہ کی تاثیر سے خاک کے تودے کے تودے شکر ہوگئے تھے ، اسی سبب سے لقب اُس کا شکرگنج[۱] ہوا ۔ ندان پانچویں محرم کو ہفتے کے دن سن چھ سو ست سٹھ (سڑسٹھ) ہجری میں پٹن کے بیچ ملکِ عدم کا راہی ہوا ۔ قصہ کوتاہ سرکار دیپال پور میں دو قوم ڈوگر و گوجر ؛ سوائے ان کے اور بھی قومیں کہ تمرد و رہ زنی اُن کی شہرت رکھتی ہے ساکن ہیں ۔ جب برسات آتی ہے ستلج و بیاہ دونو دریاؤ کئی فرسخ پھیلتے ہیں ، سرکار مذکور کے محالوں کی زمین پر اکثر اوقات ایک سطح آب ہو جاتی ہے ۔ غرض ہر سال وہاں طوفان آتا ہے اور

۱۔ ''بہ گنج شکر مشہور شدند'' (خلاصة التواریخ ، ص ۶۳) ۔ اس کا ترجمہ ''شکر گنج'' کر دیا ہے جو مناسب نہ تھا ۔ (فائق)

طوفان نوح کو یاد دلاتا ہے ۔ پھر جس وقت دریاؤ ہٹ جاتا ہے رطوبت اور تراوت کے باعث ایسا گنجان جنگل ہو جاتا ہے کہ پیادہ بھی راہ نہیں چل سکتا ، سوار کا تو کیا مقدور ۔ اسی سبب اس دیار کو لکھی جنگل کہتے ہیں اور مفسد مذکور اسی کی پناہ کے سبب اور اس باعث کہ دریاؤ کئی ٹکڑے ہو کر ان کے مساکن میں بہتا ہے ، رہ زنی و دزدی ندھڑک کرتے ہیں ، امرا و حکام بادشاہی سے ان کی تنبیہہ قرار واقعی ہو نہیں سکتی ۔ جاڑا اس دیار میں میانہ ، گرمی بہ شدت ، خریف میں زراعت جوار کی ، ربیع میں گیہوں کی بہ خوبی ہوتی ہے ۔ اور ملتان کے پچھم طرف پانچ کوس کے تفاوت سے دریائے چناب پر بلوچوں کا ملک ہے ۔ اس میں ان کے دو سردار ایک تو دودائی کہ تیس ہزار سوار اور پچاس ہزار پیادے اپنے ساتھ رکھتا ہے ۔ دوسرا ہوت کہ بیس ہزار سوار تیس ہزار پیادے کا سردار تھا ۔ دونو (دونوں) آپس میں مخاصمت کے سبب اپنی اپنی سرحد پر آ کر اکثر لڑا بھڑا کرتے تھے لیکن بادشاہ کے جادۂ اطاعت سے قدم باہر نہیں دھرتے ۔ چناں‌چہ پیش کش معمولی ہمیشہ حضوراعلا میں پہنچاتے تھے اور اپنے اپنے ملک کو تصرف بادشاہی سے بچاتے ۔ وکیل بھی ہر ایک کی طرف سے صوبۂ ملتان کے حضور رہتا تھا کہ احکام بادشاہ کے اور امر صوبہ دار کے بہ خوبی بجا لاوے ، تغافل شعاری و سہلنگاری[1] (سہل انگاری) کا

۱۔ '' سہلنگاری '' نسخۂ اول (ص ۱۶۸) ، نسخۂ دوم (ص ۱۱۹) ، نسخۂ سوم (ص ۱۳۰) ۔

'' سہل انگاری '' نسخۂ چہارم (ص ۱۵۳) ۔

'' سہل انگاری '' کا الف حذف کرنے سے معنی بدل جاتے ہیں اس لیے '' سہل انگاری '' صحیح ہے اور '' سہلنگاری '' یا ''سہل نگاری'' غلط ۔

شیوه اختیار نه کرے ۔ غرض ولایت بلوچوں کی نپٹ آباد اور زراعت دونوں فصلوں کی به افراط ہوتی تھی، حاصل بھی علیٰ ہذا القیاس ۔ سوائے اس کے چوروں اور رہ زنوں کا وہاں گزر نہیں ۔ کہتے ہیں کہ ملتان کا ملک سلطان علاء الدین ثانی کی سلطنت میں دہلی کے علاقے سے نکل گیا تھا اور اس پر قوم لنگاہ متصرف ہوئی تھی، پھر سلطان حسین لنگاہ حاکم ملتان نے اپنی[1] حکومت میں جب ملک سہراب وغیرہ بلوچوں کو کمک کے کیچ مکران[2] بلوایا کڑوڑ کوٹ دھن کوٹ تلک ان کی جاگیر میں دیا، بلکہ اکبر کے عہد سلطنت میں بھی راجا ٹوڑل[3] (ٹوڈرمل) دیوان بادشاہی نے اس ولایت کو بلوچوں ہیں (ہی) پر متعین رکھا اور خراسان و ہندوستان کے مابین ایک لشکر جرار متعین کیا ۔ سوائے اس کے ان کی حدوں میں ایک دیوار مستحکم بنا کی ۔ جنوب رخ ملتان کے :

۱۔ '' اپنی سے حکومت میں '' نسخۂ اول (ص ۱۶۸)، نسخۂ دوم (ص ۱۱۹) غلط ۔
'' اپنی حکومت میں '' نسخۂ سوم (ص ۱۲۰)، نسخۂ چہارم (ص ۱۵۴) صحیح ۔
'' اپنی جانب سے حکومت میں '' نسخۂ انجمن (ص ۱۹۱) غلط ۔

۲۔ '' کج مکران بلوایا '' نسخۂ اول (ص ۱۶۸)، نسخۂ دوم (ص ۱۱۹)، نسخۂ سوم (ص ۱۳۰)، نسخۂ انجمن (ص ۱۹۱) غلط ۔
'' کج مکران سے بلوایا '' نسخۂ چہارم (ص ۱۵۴) صحیح (آئین اکبری) میں '' کچ مکران '' ہے ۔

۳۔ '' ٹوڑل مل '' نسخۂ اول و دوم و سوم میں غلط ہے ۔
'' ٹودر مل '' نسخۂ چہارم (ص ۱۵۴) میں اور '' ٹوڈر مل ''۔ نسخۂ انجمن (ص ۱۹۱) میں صحیح ہے ۔

بھکر[1]

ایک قلعه[2] نہایت متین اور نپٹ سنگین ھے ـ کتب تواریخ سابق میں نام اس کا منصوره لکھ گئے ھیں ـ طرفه اتفاق ھے که دریاے سندھ پنج رود پنجاب سے مل کر قریب اس کے پہنچا ، پھر دو ٹکڑے ھو کر به قدر ایک حصے کے قلعۂ مذکور کے اتر طرف گیا اور به قدر دو حصے دکھن طرف ـ غرض محکمی اور مضبوطی اس کی اطراف میں مشہور ھے ـ هرچند فوج کثیر ھو ہر اسے لے نه سکے ـ گرمی کی اس دیار میں افراط اور بارش کی قلت ـ میوه بھی اقسام کا پاکیزه و نطیف ھوتا ھے ـ لیکن ایک جنگل لق و دق بھکر و سیوسی کے مابین واقع ھے ـ گرمیوں میں تین مہینے تلک باد سموم وھاں چلتی ھے ـ جب دریاے سندھ کئی برس کے بعد دکھن کی طرف سے شمال کی جانب آتا ھے ، دیہات ادھر کے خراب ھو جاتے ھیں ـ بنا بر اس کے چھپر کے گھروں میں باشندے وھاں کے اوقات گزارتے ھیں ـ رواج پکی عمارتوں کا کم ھے ـ طول[3] صوبے کا فیروز پور

۱ـ '' بھکر '' نسخۂ اول (ص ۱٦۸) اور نسخۂ چهارم (ص ۱۵۳) میں صحیح ھے ـ

'' بکھرا '' نسخۂ دوم (ص ۱۱۹) نسخۂ سوم (ص ۱۳۰) نسخۂ انجمن (ص ۱۹۱) میں غلط ـ

۲ـ '' بھکر قلعه ایست متین و حصنے است حصین در باستانی نامہاے منصوره می نویسند'' (خلاصة التواریخ ، ص ٦۳) ـ

'' بھکر گزیں دژیست و آں را در کہن نا مہا منصوره نویسند '' ـ (آئین اکبری ، ص ۵۵۰) ـ

۳ـ طول ایں از فیروز پور تا سیوستان چهار صد کروه و عرض از خط پور تا جیسلمیر صد و بست و پنج کروه و درازی از صد گھره تا کیچ مکران شش صد و شصت کروه ـ خاور رویه پیوسته به سرکار سهرند ، غرب رویه کیچ مکران ، شمالی شور کوت ، جنوبی صوبه اجمیر ، (بقیه حاشیه صفحه ۲۵۹ پر)

سے سیوستان تلک چار سو کوس و عرض خط پور سے جیسلمیر تلک ایک سو پچیس کوس ؛ اور جو ٹھٹھے کو اس میں ملائیں تو طول کیج مکران تلک چھ سو سات (ساٹھ) کوس کا ٹھہرتا ہے۔ شرق رو ملا ہوا سرکار سرھند سے، غرب رو اس کے کیج مکران، شمال کی طرف پشور (شورکوٹ)، جنوب کی سمت صوبہ اجمیر، ملتان و دیپال پور و بھکر تین سرکاریں، تابع ان کے چھیانوے محال، آمدنی چار کڑوڑ[1] (چوبیس کڑوڑ) چہالیس (چھیالیس) لاکھ پچپن ہزار دام۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

سرکار ملتان و دیپال پور و بھکر سہ سرکار مشتمل برنود و شش محال بست و چہار کرور و چہل و شش لک و پنجاہ و پنج ہزار دام داخل ایں صوبہ است'' (خلاصۃ التواریخ، ص ۶۴)۔

آئین اکبری (ص ۵۴۹) میں طول اور عرض مختلف ہے، حدود یکساں ہیں، ملاحظہ ہو:

''دراز از فیروز پور تا سیوستان چہار صد و سہ کروہ۔ پہنا از خط پور تا جیسلمیر صد و ہشت سیس طول تا کھچ و مکران شش صد و شصت کروہ۔ خاور رویہ پیوستہ بہ سرکار سہرند، شمالی بہ شور، جنوبی بہ صوبۂ اجمیر، باختر سو کھچ و مکران''۔

افسوس نے ترجمے میں غلطی کی ہے، چھ سو ساٹھ صحیح مطابق متن ہے، چھ سو سات غلط ہیں۔ اسی طرح شمال کی طرف ''شور کوٹ'' ہوتا لیکن افسوس نے ''آئین اکبری'' کی تقلید میں ''بشور'' ملا کر لکھ دیا، اور مطبع کے کارکنوں نے '' پشور'' سمجھ لیا۔ ایک اور بڑی غلطی افسوس نے کی ہے '' بست و چہار کرور'' کا ترجمہ چار کروڑ کیا ہے، صحیح چوبیس کروڑ ہوتا۔ اس غلطی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی، اس قسم کی غلطیاں اور بھی ہیں۔ (فائق)

۱- '' چہالیس لاکھ'' نسخۂ اول (ص ۱۶۹)، نسخۂ چہارم (ص ۱۵۵)۔ '' چھیالیس لاکھ ۴۶۰۰۰۰۰ صحیح۔

'' چالیس لاکھ'' نسخۂ دوم (ص ۱۲۰)، نسخۂ سوم (ص ۱۳۰) غلط۔

صوبۂ لاہور

قدیم شہر ہے راوی کے کنارے ۔ کہتے ہیں کہ راجا رام چندر کے بیٹے بلو (لو) نے اسے آباد کیا اور بعضی تاریخوں میں نام اس کا لہور و لہاور لکھ گئے ہیں ۔ جب کہ آسمان کی گردش سے بعد گزرنے کتنے دوروں کے آبادی اس کی ویران ہوئی اور تھوڑے نشان کہیں کہیں رہ گئے، تب دارالحکومت اس ولایت کا سیال کوٹ ٹھہرا ۔ بعد اس کے جس وقت سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان کو فتح کیا ، ملک ایاز کہ اس کا منظور تھا ، اس شہر کے آباد کرنے پر متوجہ ہوا ، یہاں تلک کہ ایک پکا قلعہ بنا کر نئے سر سے شہر آباد کیا ؛ پھر سلطان محمود کے فرزندوں میں سے خسرو شاہ و خسرو ملک دونوں باپ بیٹوں نے تازہ اس ولایت کو فتح کر کے لاہور کو دارالسلطنت کیا ۔ غرض اٹھتیس (اڑتیس) برس تلک دارالحکومت سلطان محمود کی اولاد کا رہا ؛ بعد ان کے کسی ہند کے بادشاہ نے اس شہر میں استقامت نہ کی ، بہ سبب اس کے بے رونق پھر ہو گیا ۔ آخر ایک مدت کے بعد تاتار خاں سلطان بہلول کے ایک امیر نے دار الامارۃ اس کو مقرر کیا ۔ اس کے بعد بابر بادشاہ کے بیٹے کامران مرزا نے وہاں بود و باش کی ، پھر تو آبادی اس کی زیادہ بڑھ گئی ۔ بعد اس کے اکبر نے اپنے عہد سلطنت میں اس کی آبادی پر توجہ فرمائی اور ایک شہر پناہ خشتی اس کے گرد بنائی بلکہ ایک دولت خانہ بھی تعمیر کیا ۔ وہ اس کی

رونق کا موجب زیادہ تر ہوا ۔ پھر نور الدین محمد جہانگیر نے بڑی بڑی عمارتیں بنا کر ایک مدت نزول اجلال فرمایا اور رونق کو اس کی زیادہ بڑھایا ۔ چناں چہ وے (وہ) عمارتیں عالم گیر کے وقت تلک بھی موجود تھیں ۔ سوائے اس کے کچھ کچھ عمارتیں حویلیاں شہزادوں نے بھی شہر مذکور میں بنیاد کیں ، بلکہ امرائے والا شان نے بھی ؛ خصوصاً عمارت ابو الحسن آصف خاں بن اعتماد الدولہ کی نہایت زینت بخش ہوئی ؛ اور شاہ جہاں کی بھی بادشاہت میں آبادی اس کی دن بہ دن بڑھا کی ۔ جب عالم گیر کا وقت آیا ، تب دریائے راوی ایسا چڑھا کہ شہر کے اکثر باغات و عمارات کو صدمہ عظیم پہنچا ۔ تب بادشاہ نے چوتھے سن جلوسی میں ارشاد کیا کہ ایک باندھ مستحکم بنائیں کہ عمارات کو بار دیگر اس طرح کا صدمہ نہ پہنچے ۔ فرماں برداروں نے بھی ویسا ہی باندھ مضبوط کوس بھر کے طول کا باندھا اور اکثر جاگہ سیڑھیاں پکی دریا میں بنا کر کنارے کو خوش اسلوب کر دیا بلکہ عمارتیں پکی پکی اور حویلیاں اچھی اچھی لب دریا بنا کر شہر کو بھی صفحۂ تصویر بنا دیا ۔ غرض چوتھے سال کے شروع سے چالیس برس تلک ہر سال مرمت و تعمیر اس کی سرکار والا سے ہوتی رہی اور مبلغ کثیر خرچ ہوا کیے ۔ پھر تو یہ خجستہ بنیاد یک دست آباد ہوا ، لوگوں کی کثرت اور ہنر مندوں کی بہتایت ایسی کم کسی شہر میں ہوئی ہوگی ۔ مفلسی و تنگ دستی کے دروازے یک لخت مفقود ، اجناس ہفت کشور بلکہ اشیائے بحر و بر بہ افراط موجود ۔ خرید و فروخت لیل و نہار ، لین دین کا ہمیشہ گرم بازار ۔ اگرچہ کوچہ و بازار مسجد سے خالی نہ تھا لیکن دریا کے کنارے مقابل دولت خانۂ عالم گیر کے ایک مسجد سنگین

عالی شان ایسی تعمیر[1] ہوئی جس کی بنا پر پانچ لاکھ رُپے صرف ہوئے ۔ سوائے اس کے شہر کے بیچوں بیچ وزیر خاں عرف حکیم علم الدین شاہ جہانی نے ایک جامع مسجد[2] ایسی خوش قطع بنا کی کہ شہر کی رونق دو چند ہو گئی ۔

علی ہجویری : مزار بھی اکثر بزرگوں کے شہر میں ہیں ۔ خصوصاً[3] پیر (میر) علی حجویری[4] (ہجویری) کہ جامع فضیلت و ولایت تھا ، وہ بھی وہیں آسودہ ہے ۔ لیکن آنا اُس بزرگ کا غزنیں سے لاہور میں سلطان محمود کے ساتھ ہوا بلکہ سلطان ممدوح کا عقیدہ یہ ہے کہ صوبہ مذکور کی فتح اُسی کے یُمن قدم سے ہوئی ۔

مقبرہ جہاں گیر بادشاہ : اور مقبرہ جہانگیر بادشاہ کا دریائے راوی کے اس پار شاہ درے کے متصل واقع ہے ، لگا ہوا اس سے مقبرہ آصف خاں ابو الحسن جہاں گیری کا ۔ اگرچہ حواشی شہر

۱- ''اما برکنار دریا محاذی دولت خانہ والا حضرت عالم‌گیر بادشاہ مسجدے عالی از سنگ بنا فرمودہ اند کہ زیادہ از پنج لک روپیہ بران صرف شدہ'' (خلاصۃ التواریخ ، ص ۱۱۵) ۔

مؤلف خلاصۃ التواریخ کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہی مسجد عالم گیر کے عہد میں بنی ۔ (فائق)

۲- ''دیگر در وسط شہر مسجد جامع وزیر خاں عرف حکیم علیم‌الدین شاہ جہانی بر رخسارۂ مصر خال زیبا افتادہ'' (خلاصۃ التواریخ ، ص ٦۵) ۔

۳- ''و دریں مصر خواب گاہ زبدۃ اولیائے عظام میر علی حجویری (ہجویری) است'' (خلاصۃ التواریخ ، ص ٦۵) ۔

۴- '' حجویری '' نسخۂ اول (ص ۱۷۱) ، نسخۂ دوم (ص ۱۲۱) ، نسخۂ سوم (ص ۱۳۲) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۵۷) میں ہے ۔

میں باغ اکثر پرفضا ہیں لیکن باغ شالامار کہ شاہ جہاں نے نقل باغ کشمیر کی بنایا ہے ، اس کی سیر سے اکثر خاطر بستہ کو شگفتگی اور دلِ پژمردہ کو تازگی ہوتی ہے ۔ جب کہ احوال دارالسلطنت کا قدرے لکھنے میں آیا ، لازم ہوا کہ کچھ کچھ قصبات کا بھی تحریر کیجیے ۔

جالندھر

ایک قصبہ قدیم دوآبے میں ہے ۔

شاہ ناصر الدین : شاہ ناصر الدین وہیں مدفون ہوا اور مزار اُس کا زیارت گاہِ خلائق ٹھہرا ۔ خصوصاً گرمیوں میں اکثر اشخاص وہاں زیارت کو جاتے ہیں اور نیازیں نذریں اس کی قبر پر چڑھاتے ہیں ۔ کہتے ہیں کہ شیخ مرحوم اپنے وقت میں صاحبِ ولایت و خلاصۂ اہل ریاضت تھا ۔

شیخ عبداللہ سلطان پوری : اور مزار شیخ عبداللہ سلطان پوری کا بھی اُسی کی نواح میں ہے ۔ کمالات و حالات اس کے مشہور و معروف ، خطاب اس کا سلیم شاہ کی سلطنت میں شیخ الاسلام تھا ، پھر ہمایوں و اکبر کے عہد میں مخدوم الملک ٹھہرا ۔ اور اسی دوآبے میں :

بجواڑہ

بھی ایک پرانا قصبہ ہے ۔ سری صاف و بافتہ ڈوریہ پیچ تولیہ جھونہ سفید چیرہ پٹکا سنہری آنچل دار وہاں کا ہند میں مشہور ہے ۔

سلطان پور

لیکن چھینٹ سلطان پور ہی میں خوب چھپتی ہے بلکہ بادلہ بھی وہیں کا نہایت چمک کے ساتھ ہوتا ہے ۔ اور دوآبے میں :

هیبت پور بھٹی[1]

ایک پرگنہ ہے ۔ وہاں کے گھوڑے عراق کی مانند ہوتے ہیں ۔ چناں چہ بعضے بعضے دس دس پندرہ پندرہ ہزار رُپے کو بکتے ہیں ، اور بھٹی ہیبت پور کے متعلقات سے چک گوردھر گوبند ایک مقام ہے ۔ اس میں ایک باغ نہایت پُر فضا اور ایک تالاب نپٹ خوش نما سیر کے قابل اور دید کے لائق ہے ۔ چناں چہ بیساکھی کے دن وہاں ہزاروں آدمی جمع ہوتے ہیں ۔ اور اس سے دو تین کوس پر :

رام تیرتھ

ایک بڑی پرستش گاہ ہے ۔ ہنود وہاں کی بھی پرستش کا نتیجہ

۱- ''ہیبت بھتی'' نسخۂ اول (ص ۱۷۲) ، نسخہ دوم (ص ۱۲۲) ، نسخۂ سوم (ص ۱۳۳) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۵۸) ۔

'' ہیبت پور بھٹی '' نسخۂ انجمن (ص ۱۹۵) ۔

''و در دوآبہ باری '' ہیبت پور پتی '' پرگنہ ایست'' ۔ (خلاصة التواریخ ، ص ٦٦) ۔

صحیح نام ''ہیبت پور پٹی'' ہے دیکھیے '' تاریخ مخزن پنجاب '' (ص ۲۳۱) مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوری ۔

'' پٹی '' دوآبہ باری ضلع لاہور پرگنہ قصور کے علاقے میں ۔ یہ قصبہ گیارہ میل دھنے کنارے دریائے گھارا کے اور پینتالیس میل لاہور سے جنوب مشرق کی سمت کو آباد ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۹۲۹ھ میں مسمٰی ہیبت خاں جاگیردار نے —— یہ قصبہ آباد کیا ۔ ۔ ۔ ۔ اس کی آبادی سے اول یہاں ایک موضع اسلام پور نام آباد تھا ، بعد آبادی کے نام اس کا '' ہیبت پور پٹی '' رکھا گیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ '' پتی '' ایک عورت کا نام جو موضع آصل میں رہتی تھی اور ہیبت خاں کی مطلوبہ تھی'' ۔

ثواب عظیم جانتے ھیں - کئی[1] کوس وھاں[2] سے :

بٹالہ[3]

ایک قصبہ دل کشا اور معمورۂ خوش آب و ھوا ھے - بسانے والا اُس شہر کا راے رام دیو بھٹی ھے کہ کپور تھل کا زمین دار اور اپنی قوم کا سردار تھا - مشہور ھے کہ سابق اس سے ایک مرتبہ پنجاب میں اس طرح کا طوفان آیا کہ ستلج سے چناب تلک تمام زمین سطح آب ھو گئی ، بہ سبب اس کے عمارتیں ڈھے گئیں اور بستیاں خراب ھوئیں بلکہ ھزاروں ذی حیات بھی ڈوب کر ھلاک ھوئے - چناں چہ طوفان کے جانے کے بعد بھی ایک مدت یہ سر زمین ویران پڑی رھی - بعد ایک عمر کے بعضی بعضی جاگہ آباد ھوئی لیکن مغل ، بلخی و کابلی از بس کہ ھر سال پنجاب پر دوڑا کرتے تھے ، اس جہت سے یہ ولایت مدتوں خراب رھی - زراعت اس میں بہت کم ھوتی تھی ، حاصل بھی چنداں نہ تھا - جب سلطان بہلول لودی کا وقت آیا تب تاتار خاں صوبہ دار لاھور کا ھوا اور اس سے رائے رام دیو بھٹی نے تمام پنجاب کو نو لاکھ ٹکے پر اجارے لیا - اتفاقاً ایسی واردات در پیش ھوئی کہ راے مذکور مسلمان ھوا اور یہ ھی اُس کی پیش آمد کا باعث ٹھہرا - بعد اس کے آٹھ سو

۱- ” کئی “ نسخۂ اول ، سوم ، چہارم میں ھے اور ” نئی “ نسخۂ دوم (ص ۱۲۲) ، نسخۂ انجمن (ص ۱۹٦) میں -

۲- ” و چند کروھے آں بتالہ قصبہ ایست دل کشا - - - - بانی این شہر رائے رام دیو بھتی است کہ زمیں دار کپور تھل و رئیس قوم خویش بود“ (خلاصۃ التواریخ ، ص ٦٦) -

۳- ”پٹالہ “ نسخۂ اول (ص ۱۷۲) ، نسخۂ دوم (ص ۱۲۲) - نسخۂ سوم (ص ۱۷۳) نسخۂ انجمن (ص ۱۹٦) -

” بٹالہ “ نسخۂ چہارم (ص۱۵۹) -

ستهتر هجری[1] اور پندرہ سو بائیس بیر بکرما جیتی میں خان موصوف کی اجازت سے پٹالے کو کہ محض ایک جنگل تھا ، آباد کیا ۔ وجہ تسمیہ اس کی یہ ہے کہ شہر کی بنیاد کے وقت بد شگنی ہوئی تھی، بہ سبب اس کے جاگہ بدلی ؛ قریب ہی اُس کے ایک پشتے پر بنا اس کی پھر ڈالی ، اور پٹالا پنجابی زبان میں مبادلے کو کہتے ہیں اس واسطے قصبۂ مذکور کا یہی نام رکھا ۔ پھر بہت سے جنگل کٹوا کر گاؤں بسائے ، کھیت بوائے ؛ آخر ایک پرگنہ مقرر ہو گیا ۔ چناں چہ تحصیل اس کی اورنگ زیب کے وقت میں تو گنج قارون سے بھی کچھ افزود تھی ۔ القصہ قصبۂ مذکور ابتدا میں چنداں آباد نہ تھا ، شمشیر خاں خواجہ سرا اکبر کے وقت جو وہاں کا کڑوڑا ہوا ، اُس نے ایک مکان حاکم نشین اور تالاب لطیف و باغ وسیع وہاں بنا کر رونق اُس کی دو چند کر دی ؛ پھر دن بہ دن آبادی بڑھتی گئی یہاں تک کہ ایک شہر معقول ہوا ۔ بعد اُس کے شیخ المشائخ کڑوڑی نے ایک عمارت نپٹ انوٹھی اور پھلواری بہت خاصی بنائی ، اس نے آبادی کو اور ترقی دی اور بہار تازہ بخشی ۔ پھر اورنگ زیب کے وقت وزیر خاں عرف مرزا محمد جان (خان) جب امین ہوا ، اُس نے عالم گیر کے بارھویں سن جلوسی میں

۱۔ ''و در سنہ هشت صد و هفتاد و هفت (یا شش) هجری و یک هزار پان صد و بست و دو بکرما جیت باجازت تاتار خاں قصبہ بتالہ کہ دراں مکان ویرانہ و جنگل بود ، آباد گردانید ۔ وجہ تسمیہ آنکہ در هنگام طرح شہر شگون خوب نہ شد ازاں جا موقوف کردہ در نزدیکی آں بر پشتہ بنائے معمورہ انداخت چوں بزبان پنجاب مبادلہ را بتالہ گویند ، بنا بر تبدیل جا ایں شہر بہ بتالہ موسوم گردید'' ۔ (خلاصة التواریخ ، ص ٦٧) ۔

تمام دکانیں بازار کی پختہ کر دیں اور بانکے رائے اور سجان سنگ دونوں قانون گوؤں نے بلکہ ان کے بیٹو (بیٹوں) نے بھی کتنے مکانات پُر فضا بنائے؛ سوائے ان کے ایک کاروان سرائے اور پُرہ بھی بنا کیا ۔ بعد اس کے قاضی عبدالحئی نے عمارتیں سنگین و رنگین بنائیں؛ ساتھ اس کے ایک بازار، کاروان سرا بھی نہایت وسیع اور ایک مسجد جامع بہ مرتبہ رفیع بنوائی بلکہ ایک باغ بھی بہت بڑا دل کشا بنوایا؛ پھر تو شہر کی رونق چوگنی ہو گئی اور آبادی حد سے زیادہ بڑھی ۔ بعد ان کے گنگا دھر ھیرا نند کے بیٹے نے ایک پکا کنواں شہر کے بازار میں کھدایا، ساتھ اس کے ایک باغ مع باؤلی سواد شہر میں لاھور کے رستے پر بنایا ۔ غرض دونوں مقاموں کو آبرو بخشی اور وھاں کے باشندوں کو بلکہ مسافروں کو راحت دی ۔ از بس کہ دونوں کا پانی آب گنگا سے مساوی ھے، بہ سبب اس کے ان کے پانی کا ناؤ (نام) گنگا دھر مشہور ھوا ۔ اگرچہ اطراف شہر میں باغ بے شمار و گل زار پُر بہار ھیں لیکن امر سنگ (سنگھ) قانون گو نے ایک باغ شالامار کے مشابے نہایت مطبوع و دل چسپ بنایا اور اس کے تین درجے رکھے؛ اوپر کا درجہ شمشیر خاں کے تالاب پر مشرف ھے ۔ القصہ اس کی سیر کوئی غم نہیں جسے نہیں کھوتی اور اس کی دید سے طبیعت کسی کی کبھی سیر نہیں ھوتی ۔ سوائے عمارات و باغات کے اندر شہر کے اور باھر اس کے اطراف میں بہت سے مردان خدا آسودہ ھیں ۔ انھی میں سے شہاب الدین بخاری و شاہ اسماعیل و شاہ نعمت اللہ و شیخ اللہ داد ھیں کہ ھر ایک اپنے عصر میں اھل کمال و صاحب حال تھا ۔ اور وھاں سے دو کوس پر موضع :

مسالی

اس میں مزار شاہ بدر الدین کا ھے ۔ سلسلہ اس عزیز کا

پیر دست گیر[۲] کو پہنچتا ہے ۔ چار کوس بٹالے[۱] سے :

دیپال ڈال (دیپالی ڈال)

اس میں درگاہ شاہ شمس الدین دریائی کی ہے ۔ اس بزرگ کی بھی کرامات و خرق عادات زبان زد خلائق ہیں ۔ چناں چہ اُس کے حین حیات کی ایک سرگزشت یہ ہے کہ ایک ہندو دیپالی نام بڑا راسخ الاعتقاد تھا ۔ جب گنگا کے نہان کا موسم آیا اور ہندوؤں کے گروہ کے گروہ جانے لگے ، دیپالی نے بھی اس بزرگ سے رخصت مانگی ؛ اُن نے فرمایا کہ جب روز معہود آوے ، مجھے یاد دلائیو ۔ چناں چہ جب وہ دن آیا ، دیپالی نے عرض کی ۔ فرمایا ''آنکھیں بند کر'' جونہیں کیں اپنے تئیں گنگا کے کنارے پر دیکھا اور بھائی بندوں سے ملاقات کر کے اُن کے ساتھ نہایا ، انھوں نے بھی اُسے دیکھا ۔ پھر جونہیں آنکھیں کھول دیں ، اپنے تئیں اس ہادی کی مجلس میں پایا ، نہایت حیران ہوا ۔ جب کہ اُس کے بھائی بند اپنے اپنے گھروں میں آئے اور اُس کو وطن میں دیکھا ، ہر ایک نے کہا '' دیپالی ہمارا شریک تھا ، چناں چہ باہم گنگا میں نہائے بھی تھے لیکن مراجعت کے وقت ہم سے پیش قدمی کر کے یہ پہلے پہنچا ، ہم پیچھے آئے''۔ آخر الامر حقیقت حال سے واقف ہوئے اور ایک مدت دریائے حیرت میں غرق رہے ۔ نادر تر اس سے یہ ہے کہ اُس کے انتقال کے چند سال بعد بڑھیوں نے کلانور کے حاکم کے حکم سے سرس کا درخت کہ اُس کی قبر کے نزدیک تھا ، اُسے کاٹ کر عمارات کے واسطے ٹکڑے ٹکڑے کیا ، ایکا ایکی ایک آواز ہیبت ناک آئی اور زمین وہاں کی کانپنے لگی ، پھر اس درخت کا تنہ خود بہ خود

۱- '' بٹالے '' نسخۂ چہارم (ص ۱۶۱) میں ہے لیکن دوسرے نسخوں میں '' پٹالے ''ہے ۔

اٹھ کھڑا ہوا ، بڑھئی اس سانحے[1] سے ڈر کر بھاگ گئے۔ وہ ٹھنٹھ پھر سرسبز ہوا اور اس واردات نے اطراف میں شہرت پکڑی اور خلق کی رجوع زیادہ ہوئی۔ غرض اب تک بھی اس کی درگاہ چھوٹے بڑوں کی زیارت گاہ ہے ، ہر جمیرات[2] (جمعرات) کو وہاں بھیڑ ہوتی ہے ، خصوصاً نو چندی جمیرات (جمعرات) کو تو زن و مرد بہ کثرت دور دور سے بھی آتے ہیں اور نذریں قسم قسم کی چڑھاتے ہیں بلکہ اپنے مطلبوں پر نذریں مانتے ہیں اور مرادیں پاتے ہیں۔ پر اچنبھا زیادہ یہ ہے کہ اس بزرگ کی درگاہ کے خادم ہندو ہیں دیپالی کی اولاد سے ، ہر چند اہل اسلام نے چاہا کہ اس جماعت کو وہاں سے دفع کریں اور اس خدمت کو چھین لیں پر کچھ پیش رفت نہ ہوا۔ چناں چہ عالم گیر کے وقت تلک تو مجاور وہی لوگ تھے، اب کی خدا جانے۔ قریب اس کے :

دھیان پور

ایک مکان ہے وہاں۔ بابا لال ایک درویش بڑا موحّد صاحب کمال رہتا تھا۔ باوجود اس کے سلیقہ تقریر کا بھی اس کو خوب تھا۔ چناں چہ وحدانیت و معرفت الٰہی اس خوبی سے بیان کرتا تھا کہ سامعین حظِّ وافر اٹھاتے تھے اور اس کے کلام کے سننے کو اکثر اوقات آتے تھے اور نظم ہندی بھی اس کی اس مضمون کی بہت ہے

۱- ”سانچے“ نسخۂ اول (ص ۱۷۶) ، نسخۂ دوم (ص ۱۲۳) غلط ہے۔

”سانحے“ نسخۂ سوم (ص ۱۳۶) ، نسخۂ انجمن (ص ۱۹۹) ، صحیح ہے۔

۲- ”جمیرات“ نسخۂ اول (ص ۱۷۶) ، نسخۂ دوم (ص ۱۲۳) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۶۱) ، نسخۂ انجمن (ص ۱۹۹) -

افسوس نے غالباً عوام کے تلفظ کو نقل کر دیا ہے اس لیے تصحیح نہیں کی گئی۔ صحیح ”جمعرات“ ہے۔

”جمعیرات“ نسخۂ سوم (ص ۱۳۶) -

بلکه اکثر اشخاص اس کو ورد وظیفے کے طور سے پڑھتے ھیں اور بہت سے خاص و عام اعتقاد اس سے رکھتے ھیں ۔ کہتے ھیں کہ دارا شکوہ کی اس بزرگ سے بیش تر ملاقات تھی اور کلمہ و کلام عارفانہ بھی باھم اکثر رھتے تھے ۔ چناں چہ چندر بھان منشی شاہ جہانی نے طرفین کے جواب و سوال کو جمع کر کے ایک کتاب عبارت فارسی میں نہایت مربوط لکھی ھے ۔ بارہ کوس بٹالے سے راوی کے کنارے :

بابا نانک

کا مکان ھے۔ عالم گیر کے وقت تلک اس کی اولاد وھیں رھتی تھی، غرض اپنے وقت میں وہ بڑا جوگی ، تپشی، دھرمی تھا ۔ ھندوؤں کے اکثر فرقے اس کی کرامات کے قائل ھیں ، خصوصاً سکھ اس کو بہت مانتے ھیں اور اتیتوں میں ایک فرقہ نانک پنتھیوں کا جو ھے ، اس کا سلسلہ اسی کو پہنچتا ھے ۔ بہت سے دوھرے اس کے جن سے وحدانیت و معرفت ٹپکی پڑتی ھے ، مشہور ھیں ؛ چناں چہ اکثر اھل مذاق ان کو ذوق و شوق کی حالت میں پڑھتے ھیں اور آنسو ان کے ٹپک پڑتے ھیں ۔ قصہ[1] کوتاہ پندرہ سو چھتیس بیر بکرما جیتی میں

۱۔ ''گویند کہ ایں برگزیدۂ آفاق در سنہ ھزار و پان صد و بست و شش بکرما جیت مطابق ھشت صد و ھشتاد ھجری در زمان سلطان بہلول لودی در مکان تلونڈی رائے بھونہ سعادت ولادت یافتہ ۔۔۔۔۔ و آن پیشوائے خدا شناساں در عہد سلطنت سلیم شاہ افغان در عمر مابین ھفتاد و ھشتاد سالگی جہان گزران را پدرود نمود '' (خلاصۃ التواریخ ، ص ۶۹) ۔

خلاصۃ التواریخ کے مصنف نے ''۱۵۲۶'' سمبت بکرماجیت کو آٹھ سو اسی ھجری کے مطابق قرار دیا ھے ۔ افسوس نے پندرہ سو چھتیس بیر بکرماجیتی مطابق آٹھ سو چورانوے ٹھہرائے ھیں ۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ھو سکتی ھے کہ افسوس کے پیش نظر خلاصۃ التواریخ کا ایسا نسخہ ھو جس میں چھبیس کی جگہ چھتیس ھوں صحیح ''۱۵۲۶'' (تاریخ ھندوستان جلد ۹ ، ص ۴۶) ۔

مطابق جس کے آٹھ سو چورانوے ھجری ھیں ، تلونڈی کے بیچ یہ تپشی پیدا ھوا اور وھیں اپنے نانا کے گھر میں پلا ، لیکن لڑکائی سے اس کو جپ تپ کا دھیان تھا ، رام سے دن رات لو لگائے ھی رھتا ۔ چنانچہ آثار فقر کے اور کشف و کرامات کے اسی سن میں اس سے ظاھر تھے اور اکثر اشخاص اس کے معتقد ۔ آخر بہت سے ملکوں کی سیر کر کے بٹالے میں آیا ، وھیں کد خدا ھوا اور قصبۂ مذکور کے ایک گؤں میں دریا کے کنارے رھنا اختیار کیا ۔ از بس کہ شہرہ حق شناسی اور خدا پرستی کا اس کی ملک بہ ملک پہنچا ، ایک عالَم اطراف ممالک سے آکر اُس کا مرید ھوا ۔ چنانچہ ایک گوّیا مردانہ نام اس کا بڑا مقرب تھا ، وہ اُس کے اکثر دوھرے اس لطف سے گاتا کہ ایک عالم ریجھ جاتا بلکہ اس کے کمال کا اعتقاد لاتا ۔ ندان وہ تپشیوں و ریاضتیوں کا پیشوا سلیم شاہ افغان کے عہد سلطنت میں ستر برس سے کچھ اوپر ھو کر بیکنٹھ باسی ھؤا ۔ اگرچہ لکھمی داس[1] اُس کا بیٹا سپوت تھا ، لیکن جوگ کی دولت جو اس کی قسمت میں نہ تھی ، الھیہ نام کھتری کوکہ اُس کا خاص مصاحب تھا ، گورو انگد خطاب دے کر مرتے وقت اپنا قائم مقام کر گیا ۔ وہ تیرہ برس اُس کا جانشین رھا ؛ جب مرنے لگا لاولد تھا ، بنا بر آس کے اپنے داماد کو کہ اس کا امر داس (عرف بھیلہ) نام تھا ، خلیفہ کیا ؛ اُن نے بھی بائیس برس تک سر رشتہ فقر کا جاری رکھا اور ایک خلق کو گرویدہ کیا ، پھر بیکنٹھ کا رستہ لیا ۔ اگرچہ اولاد اُس کے تھی ، لیکن آخری وقت اُس نے بھی اپنے داماد رام داس[2] کو اپنی جاگہ پر بٹھلایا ۔ اس نے سات برس تلک زندگی کی اور وھی راہ چلی ۔ آخر ھستی کی

۱۔ لکھمی چند ۔ تاریخ ھندوستان ذکاء اللہ (ج ۹ ، ص ۳۸) ۔
۲۔ ''عرف سودھی'' (خلاصۃ التواریخ ، ص ٦٩) ۔

بستی تھی ۔ بعد اُس کے گورو ارجن اُس کا بیٹا اُس کے مقام پر بیٹھا ، آخر پچیس برس کے بعد اُس کا بھی انتقال ہوا ۔ پھر گورو ہرگوبند اُس کا خلیفہ ہوا ، اٹھائیس برس تک جیا اور اسی چلن پر چلا ۔ اُس کے بعد گورو ہر رائے[1] اُس کا پوتا جانشین ٹھہرا کیوں کہ بیٹا اس کا اُس کے آگے ہی مر چکا تھا ۔ قصہ کوتاہ وہ بھی اپنے گھرانے کے مریدوں معتقدوں کو سترہ[2] برس راہ بتاتا رہا ۔ اُس کے پیچھے گورو ہرکشن اس کا بیٹا خورد سال تھا ، تین برس تلک جوگ کی مسند پر بیٹھا رہا لیکن اس کے بعد ایک چھوٹا بیٹا گورو ہرگوبند ہی کا تیغ بہادر نام پھر جانشیں ہوا اور گیارہ برس تک اپنے جد و آبا کے طریقے کو بہ دستور اُس نے جاری رکھا ۔ آخرالامر بادشاہی امیروں کی قید میں پھنسا ۔ قصہ کوتاہ سن ایک ہزار اکاسی ہجری میں کہ مطابق اُس کے سترہ[3] سن عالم گیری تھے ، حسب الحکم بادشاہ کے جہان آباد میں مارا گیا ۔ لیکن ”خلاصة الہند“ کی تصنیف کے وقت گورو ہرگوبند[4] رائے گورو تیغ بہادر ہی کا بیٹا اپنے باپ کا جانشین تھا اور بائیس برس اس کی سجادہ نشینی کو گزرے تھے ۔ القصہ مرید بابا نانک کے اکثر صاحب حال قال ہوتے ہیں اور اُن کی خاص

۱۔ گورو ہر رائے کہ گورو دتہ نام پدرش در ایام حیات گورو ہرگوبند پیمانۂ عنصری پُر کردہ بود بجائے جد بزرگوار نشستہ (خلاصہ التواریخ ، ص ۷۰) ۔

۲۔ نسخۂ انجمن (ص ۲۰۲) میں ”ستر“ غلط ہے ، صحیح ”سترہ“ ہے ۔

۳۔ سترہ سن عالم گیری غلط ہے ۔ تیرہ سن عالم گیری (۱۰۶۸ھ تا ۱۰۸۱ھ) صحیح ہوگا (فائق) ۔

۴۔ ”گورو گوبند رائے“ (خلاصة ، ص ۷۰) ۔

عبادت یہ ہے کہ اپنے مرشدوں کے دوہرے راگ میں گائیں اور لوگوں کے دلوں کو لبھائیں، دوست و دشمن کو ایک سا جانیں، سوائے اپنے ہادیوں کے کسی سے علاقہ نہ رکھیں ۔ فی الواقع جو نانک پنتھیوں کا فرقہ اپنے مرشدوں سے اعتقاد رکھتا ہے، ایسا کوئی اور کم ہی رکھتا ہوگا ۔ چنانچہ وارد صادر کی خدمت اپنے مرشد کے نام پر عبادت عظیم جانتے ہیں، ہر چند کہ کیسا ہی اجنبی ہو، بلکہ چور اور رہ زن تلک جب بابا نانک کا نام اس نے لیا، پھر یے (یہ) اس کو اپنا بھائی ہی سمجھیں گے اور موافق مقدور کے خدمت بھی کریں گے ۔ بٹالے سے دو کوس:

اچل

نام ایک مکان ہے، سیام[۱] کارتک مہا دیو کے بیٹے سے منسوب قدیم پرستش گاہ، وہاں ایک بڑا گڑھا[۲] ہے آگ سے معمور، لیکن آگ اس کی تاثیر آب سرد کی رکھتی ہے ۔ موسم بہار میں ہزاروں اتیت جوگی اور بڑے بڑے تپشی ریاضتی آکر وہاں اترتے ہیں؛ سوائے ان کے اور بھی ہندو چھوٹے بڑے زن و مرد اطراف و اکناف سے آتے ہیں، کثرت خلائق کوسوں چھ دن تلک رہتی ہے ۔

۱۔ ''منسوب بہ سوام کارتک خلف مہا دیو'' (خلاصہ، ص ۷۰) ۔

۲۔ ''دریں جا غدیریست بزرگ کہ آبش از لطافت و گوارائی بہ آب کوثر دم مساوات می زند'' (خلاصة التواریخ، ص ۷۰) ۔

افسوس نے اس عبارت کے ترجمے میں نہایت ہی عمدہ لطیفہ پیدا کر دیا ہے ۔ غدیر کا ترجمہ گڑھا کیا اور ''آبش'' کو آتش سمجھ کر اس نے آگ کا گڑھا بنایا اور اس میں تاثیر آب سرد کی مجبوراً پیدا کرنی پڑی، اس لیے کہ ''خلاصة التواریخ'' کے مصنف نے آب کوثر سے تشبیہ دی تھی ۔ افسوس کی اس غلطی سے لطیفہ ہو گیا، صحیح ترجمہ یہ ہے:

''یہاں ایک بڑا تالاب ہے جس کا پانی لطافت اور عمدگی میں آب کوثر کے پانی کا مقابلہ کرتا ہے''۔ (فائق) ۔

ایک جماعت کو فقط فقرا ہی کی جماعت سے سرور ، ایک گروہ دوستوں آشناؤں کی ملاقات سے مسرور ۔ کتنے اشخاص قسم قسم کے لوگوں کا انبوہ دیکھ کر خالق کی قدرت کی ندرت کے حیراں ، بہتیرے پری وشوں اور خوب رؤں[۱] (رویوں) کے حسن جمال پر نظارہ کناں ۔ بعضے مہماں دوست لوگوں کی ضیافتوں سے شاد و خرسند ، بہت سے مریض فقراء کی دوا دارو سے سودمند ۔ ایک طرف دو رستہ بازار لگا ہوا ، رستا زن و مرد کی کثرت سے جہاں تہاں بھرا ہوا ۔ دکانوں میں انواع و اقسام کی جنس ، رنگ بہ رنگ کے پھول طرح بہ طرح کے میوے ، بھانت بھانت کی مٹھائی جس وقت چاہو مہیا ، جدھر تدھر دید کرو ایک عالم نظر آئے نیا ۔ کسی دکان[۲] کی دیوار رنگ بہ رنگ کی تصویروں سے لپی ہوئی ، کسی جاگہ مٹی کی مورتوں کی ایک قطار لگی ہوئی ۔ لینے دینے والوں کا ازدحام ، خرید و فروخت کی جا بہ جا دھوم دھام ۔ کسی مجلس میں قصہ خوانوں کی للکار ، کسی مجمع میں نقلیوں کی پکار ۔ کسی سمت چار گویتے طنبورے لیے گاتے ہیں ، کہیں دس پانچ فقیر نقارے ہی بجاتے ہیں ۔ کسی رستے پر تین چار بھنگی زنگی جھگڑ رہے ہیں ، ایک دنگل میں پہلوان کشتی ہی لڑ رہے ہیں ۔

۱۔ ’’خوب رؤں‘‘ نسخۂ اول ، (ص ۱۷۹) ، نسخۂ دوم (ص ۱۲۷) ۔
’’خوب روؤں‘‘ نسخۂ انجمن (ص ۲۰۴) ۔
’’خوب رویوں‘‘ نسخۂ چہارم (ص ۱۶۵) ۔

۲۔ ’’دوکان‘‘ نسخۂ اول (ص ۱۸۰) ، نسخۂ دوم (ص ۱۲۷) ، نسخۂ سوم (ص ۱۳۹) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۶۶) ۔
’’دکان‘‘ نسخۂ انجمن (ص ۲۰۴) ۔

ابیات

کہیں ناچتے ہیں بھولیے کئی
کہیں نٹوے[1] لیتے ہیں اک گت نئی
دکھاویں کسب بھان متیاں آدھر
ادھر کو چڑھیں نٹنیاں بانس پر

غرض چپے چپے پر ایک نیا تماشا اور قدم قدم پر ایک اچنبھے کا رولا رات دن رہتا ہے ۔ کان پڑی[2] آواز سنی نہیں جاتی ، خلق کو کھانے کی بھی سُرت نہیں آتی ۔ اگر عالم علوی بھی وہاں آتا تو ایک نظارے میں عجائب سماوی کو بھول جاتا ۔ القصہ ربع مسکوں کے سیاحوں نے اور بحر و بر کے مسافروں نے اس طرح کا میلا کسی سر زمین میں نہیں دیکھا ۔ اگر بٹالے کے باشندے سیکڑوں کوس کی مسافت پر کیسی ہی جمعیت و حکومت و دولت سے ہوں پر اس کی دید کی خواہش ان کو کیا معنی جو نہ ہو۔ ناظرین کو معلوم ہو راقم نے بٹالے کا احوال اتنا طول و طویل جو لکھا ، وجہ اس کی محض ''خلاصة الہند'' کی مطابقت تھی اور اُس کے مؤلف نے جو اس قدر بڑھایا ، بجا کیا۔ مقام مذکور اس کا مولد تھا ۔ اور پچاس کوس بٹالے سے اُسی دوآبے میں اُتر طرف کے پہاڑوں کے بیچ :

گڑھ کانگڑہ

ایک قلعہ ہے حصانت و متانت اُس کی شہرت رکھتی ہے ۔

۱- ''نٹوئے'' نسخۂ اول (ص ۱۸۰) ، نسخۂ دوم (ص ۱۲۷) -
''نٹوے'' نسخۂ سوم (ص ۱۳۹) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۶۶) -
''سونٹیے'' نسخۂ انجمن ترقی اردو ہند (ص ۲۰۴) -
۲- ''پری'' نسخۂ اول (ص ۱۸۰) ، نسخۂ دوم (ص ۱۲۸) -
''پڑی'' نسخۂ سوم (ص ۱۴۰) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۶۶) -

نگر کوٹ[1]

اور نیچے اُس کے نگر کوٹ ایک قدیم معبد ہے ۔ ٹھکراین وہاں کی بھوانی ۔ برس میں دو مرتبہ وہاں بھی خلائق کا ہجوم ہوتا ہے ۔ لوگ ایک برس کی راہ سے بھی پوجا کو آتے ہیں اور اپنی مرادیں پاتے ہیں ۔ بعضے اپنی حاجت روائی کے لیے زبان کاٹ ڈالتے ہیں ؛ کسی کی تو کئی ساعت کے بعد جوں کی توں ہو جاتی ہے اور کسی کی دو تین دن کے پیچھے ۔ عجیب تر اس سے یہ ہے کہ بعضے اشخاص اپنے سر تن سے جدا کر دیتے ہیں اور رفیق اُن کے اٹھا کر دھڑ پر دھر دیتے ہیں ، رام کی دیا سے بہ دستور لگ جاتے ہیں اور وہی پھر کر جی اٹھتے ہیں ۔ نگر کوٹ سے دو کوس پر :

جوالا مکھی

ایک مکان ہے ۔ وہاں کئی جاگہ آگ کے شعلے بھڑکتے ہیں ۔ اکثر ہنود پوجا کو اس مقام میں بھی آتے ہیں اور طرح بہ طرح کی اشیاء ان شعلوں میں ڈال کر جلاتے ہیں اور راکھ ہونا

۱۔ ''نگر کوٹ شہریست بر کوہ ، قلعۂ آں را کانگڑہ گویند ، فراز بلند کوہ نزدیک شہر زیارت‌گاہ مہامائی و آں را نمودار ایزدی دانند ، از دور دست بہ زیارت آیند و کام دل برگیرند ۔ شگفت آں کہ بہ خواہش روائی زبان را ببرند ۔ ۔ ۔ ۔ ۔'' (آئین اکبری ، ص ۵۳۸) ۔

مصنف ''خلاصۃ التواریخ'' نے پہلے قلعۂ کانگڑہ کا ذکر کیا ، پھر نگر کوٹ کا ۔ ابوالفضل کے بیان کی نقل ''خلاصۃ التواریخ'' میں ہے ملاحظہ ہو ۔

کانگڑہ قلعہ ایست در حصانت و متانت مشہور و پایان قلعہ نگر کوٹ مکانے است منسوب بہ بھوانی ، زیارت‌گاہ متقدمین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شگفتہ تر آں کہ بعضے بہ خواہش روائی زبان ببرند'' (خلاصہ ، ص ۷۱ و ۷۲) ۔

اس کا اپنے حق میں اکسیر[1] جانتے ھیں ۔

سیال کوٹ[2]

بھی رچناؤ دوآبے میں قدیم شہر ھے۔ راجا شل نے اسے آباد کیا تھا ؛ چناں چہ کتاب مہا بھارت میں کہ اس کی تصنیف کو پانچ ہزار برس سے کچھ اوپر ھوئے ، یوں لکھا ھے اور سیال کوٹ بھی اسے کہتے ھیں ، اس وجہ سے کہ بعضے اس کو راجہ سالباھن سے منسوب کرتے ھیں۔ چناں چہ ایک پکا قلعہ اس کا اب تک یادگار ھے۔ ایک زمانے میں دارالحکومت پنجاب کا بھی تھا ۔ تین کوس کے عرصے میں اس کی آبادی تھی ۔ غرض عالم گیر کے وقت سے سیال کوٹ

۱۔ '' اکثیر '' نسخۂ اول ، (ص ۱۸۱) میں غلط ھے ۔ صحیح '' اکسیر '' ھے ۔ نسخۂ دوم (ص ۱۲۸ ، نسخۂ سوم (ص ۱۴۰) نسخۂ چہارم (ص ۱۶۸) ، نسخۂ انجمن (ص ۲۰۶) میں '' اکسیر '' ھی ھے ۔

۲۔ افسوس نے ''رچناؤ'' نام لکھ کر ایک لطیفہ بنا دیا ۔ (خلاصہ التواریخ ، ص ۲۷) میں ھے :

''در دوآبہ رچنا شہر متقدمین سیال کوت است و آں را شلکوت (سالکوت) گفتہ اند، آبادی آں بہ راجہ شل طغائی پاندواں نسبت می‌دھند ۔ چنانچہ در کتاب مہا بھارت کہ از تصنیف آں قریب پنج ہزار سال می‌گزرد، و ذکر معمورہ و راجہ مسطور داخل است ۔ و نیز آں را سالکوت گفتہ بہ راجہ سالباھن منسوب می سازند''۔

اس کا ترجمہ یہ ھوگا :

رچنا دوآبے میں قدیم شہر سیال کوٹ ھے اور اسی کو شلکوت (سالکوت) کہا گیا ھے ------ آئین اکبری میں ''دوآبہ رچناؤ'' (ص ۲۷۷ و ۵۴۳) کا املا ھے ، لیکن ابوالفضل نے رچنا کے نام سے ذکر کیا ھے ۔

''رچناؤ'' کسی بستی کا نام نہیں ، اسی لیے رچناؤ کو قلم زد کر کے ''سیال کوٹ'' وضاحتاً عنوان لکھ دیا گیا ھے (فائق)

مشہور ہوا ، جمیع قصبات سے یہ صوبہ زیادہ آباد تھا ۔ جب سلطان شہاب‌الدین غوری نے پانچویں مرتبہ سن پان سو اسی ہجری[1] میں آ کرلاہور کو گھیرا اور فتح یاب اُس پر نہ ہوا ، تب سیال‌کوٹ کی طرف آیا اور وہاں کے پرانے قلعے کی پھر تعمیر و مرمت کی ، بلکہ کچھ فوج بھی اپنی وہاں چھوڑی ۔ بعد ایک مدت کے راجا مان سنگھ اکبر شاہی جموں کا فوج دار اور سیال‌کوٹ کا جاگیردار قلعے کی مرمت اور شہر کی آبادی پر متوجہ ہوا ۔ من بعد اس کے صفدر خاں جہاں‌گیری جب‌کہ فوج داری قصبۂ مذکور کی اس کو ہوئی اور پرگنہ مسطور اُس کی بھی جاگیر ہوا ، خان موصوف نے تو قلعے اور برجوں کو نئے سر سے بنایا ، بعد اس کے بھی اکثر حاکم مرمت کرتے رہے ۔ غرض یہ شہر فیض بنیاد دن بہ دن آراستہ و آباد ہوتا رہا ؛ چناں چہ وے قانون‌گو جو قوم بدھرہ (بدھیرہ) سے تھے ، انھوں نے بھی عمارتیں نہایت مطبوع و دل‌چسپ بنائیں ، بلکہ بعضے اور بھی اشخاص اکثر اوقات تعمیر میں مشغول رہے ۔ اس سبب[2] رونق مدام بڑھتی گئی اور آراستگی اُس کی مرتبۂ اعلیٰ کو پہنچی ۔ کاغذ بھی شہر مذکور میں خوب بنتا ہے ، خصوصاً مان سنگی اور حریری ایک کاغذ کہ جہاں گیر

۱۔ ”مرتبہ پنجم در سنہ پان صد و ہشتاد ہجری (در سنہ یک ہزار پانصد و ہشتاد بکرماجیت) بہ قصد تسخیر لاہور آمدہ محاصرہ کرد“ ۔ (خلاصہ ، ص ۲۷) ۔

۲۔ ”اس سبب رونق“ نسخۂ اول (ص ۱۸۲) ، نسخۂ دوم (ص ۱۲۹) ، نسخۂ سوم (ص ۱۴۱) ۔

” اس سبب سے “ نسخۂ چہارم (ص ۱۶۹) ، نسخۂ انجمن (ص ۲۰۷) ۔ ”سے“ زائد ۔

نے فرمائشی بنوایا تھا ، وہ بھی نہایت سفید اور صاف و خوش قماش و پائے دار ہوتا ہے ۔ چناں چہ اس کو بھی بعض اطراف و نواح میں بہ طریق تحائف بھیجتے ہیں ۔ اگرچہ دستکاری کے طریقے وہاں کے اہل حرفہ اکثر طرح کے رکھتے ہیں ، خصوصاً ریشم و کلابتون کی چکن کے تھان ، پٹکے ، چیرے ، سوزنیاں دستر خان[1] ، اوقچے ، خوان پوش وغیرہ نہایت صفائی و خوبی کے ساتھ بناتے ہیں ۔ فائدے بھی اُس کی بیع و شرا میں اٹھاتے ہیں ۔ چناں چہ اورنگ زیب کے وقت تلک ہر سال میں چکن دوزوں کو لاکھ روپے کا انتفاع ہوتا تھا ۔ اور ہتیاروں میں وہاں کٹاری ، برچھی نہایت آب دار و خوش قطع بنتی ہے ۔ باغ بھی اس شہر کی اطراف میں بہت سے ہیں ، خصوصاً نذر محمد بھونے (بھوتہ) کا باغ نہایت پُر بہار و میوہ دار ہے ۔ رنگ بہ رنگ کے پھول اُس میں بہتایت سے پھولتے ہیں ؛ ایک خلق وہاں سیر کو جاتی ہے اور حظ اٹھاتی ہے ۔ متصل اس کے ''ایک'' نالہ بہتا ہے کہ سرچشمہ اُس کا جموں کے پہاڑ میں ہے ۔ غرض وہ نالہ شہر سے آگے بڑھ کر دس دس کوس کے عرصے میں پھیلا ہوا ہے اور اطراف میں متفرق ہوا ہے ، لیکن جب موسم برسات میں خوب چڑھتا ہے تب شہر کے باشندے لنگیاں باندھ باندھ مشکیں لے لے وہاں آتے ہیں اور آب بازی کی کیفیتیں اٹھاتے ہیں ، اور اس خطۂ

۱۔ ''دستر خان'' نسخۂ اول (ص ۱۸۲) ، نسخۂ دوم (ص ۱۶۹) ، نسخۂ سوم (ص ۱۳۱) ۔

''دستر خوان'' نسخۂ چہارم (ص ۱۶۹) ، نسخۂ انجمن (ص ۲۰۷) ۔

برکت افزا میں امام[1] زین‌العابدین کے کسی فرزند کا مزار ہے۔ چھوٹے بڑے وہاں بھی اکثر زیارت کو آیا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ سید بزرگ بہت سے مسلمانوں کو ہم راہ لے کر بہ قصد جہاد ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ اتفاقاً ایک رو داد در پیش ہوئی کہ سیال کوٹ کی طرف آ نکلا۔ قصہ مختصر وہاں ہنود سے لڑ کر درجۂ شہادت کو پہنچا۔ علما فضلا بھی اکثر شہر میں وارد صادر ہوا کیے، بلکہ بعضوں نے توطن بھی وہیں اختیار کیا۔ چناں چہ اکبر کے وقت مولانا کمال[2] بڑ صاحبِ کمال زبدۂ فضلا و خلاصۂ علما کشمیر کے حاکم سے رنجیدہ ہو کر نو سو اکہتر ہجری میں آیا اور علم کا اُس نے وہاں رواج دیا۔ طالب علموں کو سال ہائے سال پڑھایا۔ بعد اس کے شاہ جہاں کی سلطنت میں خلاصۂ فضلائے جدید و قدیم مولوی عبدالحکیم کہ ایک بحر موّاج تھا، وہ مدرس ہوا؛ چناں چہ اکثر کتابوں پر اس کے حاشیے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ اُس کی مدرسی میں دور دور سے طالب علم آئے اور فراغ حاصل کر گئے۔ بعد اس کی رحلت کے مولوی عبداللہ اُس کا دوسرا بیٹا کہ فی‌الواقع خلف‌الصدق تھا، وہ اُس کام میں مشغول ہوا، طالب علموں کو درس دینے لگا۔ ایک عالَم اُس سے فیض کو پہنچا کیوں کہ صاحب علم ظاہری و باطنی تھا۔ فضیلت اس

۱- ''خواب‌گاہ امام علی‌الحق خلف امام زین‌العابدین است'' (خلاصہ ص ۷۳)۔

۲- ''اگرچہ در زمان محمد اکبر بادشاہ زبدۂ ارباب حال و قال مولانائے کمال‌الدین حسین خان مرزبان کشمیر رنجیدہ در سنہ نہ صد و ہفتاد و یک ہجری بہ سیال‌کوٹ رسیدہ بہ تدریس طلبۂ علم اشتغال ورزیدہ'' (خلاصہ ص ۷۳)۔

کی درویشی سے ہم‌آغوش تھی اوو علمیت معرفت کے ساتھ ہم‌دوش۔ آخر قضائے الٰہی سے عالم‌گیر کے چھتیسویں سن میں اس نے وفات پائی اور جنت میں آرام گاہ بنائی ۔ سیال‌کوٹ سے بارہ کوس پر :

دھونکل

ایک مکان ہے کہ اس کو سلطان سرور سے منسوب کرتے ہیں ۔ اگرچہ وہ ہمیشہ زیارت‌گاہ خلائق ہے لیکن گرمیوں کے موسم میں اکثر ملکوں سے زن و مرد کے غول کے غٹ وہاں زیارت کے لیے آتے ہیں ۔ بہتیری نذریں چڑھاتے ہیں ، دو مہینے تلک خلق کا وہاں انبوہ رہتا ہے ۔ اور پندرہ کوس شہر مذکور سے :

پور منڈل

ایک مکان جموں کے پہاڑوں میں ۔ ٹھاکر اس کا مہا دیو، بیساکھی میں وہاں ایک دنیا دھاتی ہے اور بہت سی خلقت آتی ہے ، یہاں تلک کہ ایک بڑا انبوہ ہو جاتا ہے ۔ پھر پہاڑ کا راجا بھی ایک دھوم دھڑکے[۱] سے آتا ہے اور اپنی تیر اندازی کے کرتب اور کمال اس دنگل کو دکھاتا ہے ۔ اور مقام مذکور سے ایک دریاؤ بھی نکل کر ظفر وال[۲] وغیرہ کے دیہات و حدود میں ہوتا

۱۔ ''دھڑلے'' نسخۂ اول (ص ۱۸۴) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۷۱) ۔
''دھڑکے'' نسخۂ دوم (ص ۱۳۰) ، نسخۂ سوم (ص ۱۴۳) ، نسخۂ انجمن (ص ۲۰۹) ۔

۲۔ ''ظفر ڈال'' نسخۂ اول (ص ۱۸۴) ، نسخۂ دوم (ص ۱۳۰) ۔ نسخۂ سوم (ص ۱۴۳) ۔
''ظفر وال'' نسخۂ چہارم (ص ۱۷۱) ، نسخۂ انجمن (ص ۲۰۹) ۔

ہوا شاہ دولا کے پل تلے جا پہنچا ۔ پھر دولت آباد[1] و فیروز آباد وغیرہ سے گزرتا ہوا راوی سے جا ملا ۔ اور جموں میں قلعی کی کھان بھی ہے ۔ پتھریاں توھی ندی سے لا کر ونہیں (وھیں) آنچ دیتے ھیں ۔ ایسی قلعی سفید و پاکیزہ و صاف و پائےدار بنتی ھے کہ ویسی کہیں نہیں ملتی ۔

ساڈھورا (سودھرہ[2])

ایک بڑا قصبہ چناب کے کنارے پر ھے ۔ شاہ جہاں کے وقت میں نواب علی مردان خاں نے متصل اس کے ابراہیم آباد ایک بڑا شہر اپنے بیٹے کے نام پر بسایا اور ایک بڑا باغ پُر فضا رشک شالامار بنایا ۔ سوائے اس کے اور بھی عمارات و مکانات عالی شان تعمیر کیے اور ایک نہر بھی دریائے لوھی (توھی) سے اس باغ کے واسطے لایا ۔ غرض چھ (چھے) لاکھ روپے ان کی تعمیر و ساخت میں خرچ ہوئے، اور ساڈھورے (سودھرہ) کے دیہات میں سے ایک گاؤں سرکار اعلا سے باغ و شہر مذکور کی مرمت و تعمیر کے واسطے بہ طریق انعام آل تمغا نواب موصوف کے نام پر مقرر ہوا۔ اور دوآبے میں :

چھوٹی گجرات

ایک قصبہ ھے کہ اکبر بادشاہ کی سلطنت میں بسا اور

۱- و از پرگنہ دولت آباد و سہرآباد و سہیش و فرید آباد وغیرہ گزشتہ در دریائے راوی واصل می شود (خلاصۃ التواریخ ص ، ۷۳ و ۷۴) ۔

۲- سودھرہ قصبہ ایست متقدمین بر لب دریا چناب در عہد حضرت شاہ جہان بادشاہ امیرالامراء علی مردان خان پیوست قصبہ مسطور شہرائے موسوم بہ ابراہیم آباد بنام خلف خود احداث نمودہ (خلاصہ ، ص ۷۴)

سیال کوٹ کے علاقے سے کچھ گاؤں نکال کر اُس سے متعلق کیے اور ایک پرگنہ جدا قرار دیا ، لیکن ابتداء میں یہ قصبہ چنداں رونق نہ رکھتا تھا ۔ جب سے خلاصۂ عرفا شاہ دولا نے اُس میں رہنا اختیار کیا اور تالاب کوئے (کنویں) مسجدیں بنائیں ، بلکہ دریا پر بھی پُل بندھوایا ، تب سے آبادی اُس کی زیادہ ہوئی اور رونق بڑھی ۔ کہتے ہیں کہ شاہ صاحب مذکور اوائل میں کہایندھر[1] سیال کوٹی کا غلام تھا ، لیکن محبت فقراء سے بہ دل رکھتا ، خصوصاً سید نادر[2] (باہ) کی خدمت اکثر بجا لاتا رہا اور بیش‌تر اُن کے حضور حاضر رہتا ۔ جب سید موصوف کی رحلت کا وقت پہنچا ، اُن کی نظر توجہ اُس پر پڑ گئی ، فی‌الفور ایک حالت طاری[3] ہوئی اور چشم باطن نے روشنی پکڑی ۔ پھر سیال کوٹ سے گجرات میں جا کر مقیم ہوا اور بہت سے مکان بنوائے ، پل بندھوائے؛ خصوصاً امن آباد سے پانچ کوس دریائے ڈیک پر لاهور کی سمت شاہ راہ میں ایک پل بڑا محکم بندھوایا ، ایک خلق کو آرام پہنچایا ۔ سخاوت بھی اُس میں اس قدر تھی کہ حاتم کا اگر معاصر ہوتا تو کوئی اس کا نام بھی نہ لیتا ۔ جس قدر خلائق دور نزدیک کی اُس کے حضور نقد و جنس وغیرہ بہ طریق نذر لے جاتی ، اُس سے دگنا چوگنا انعام پاتی ۔ آخر وہ بزرگ وار عالم گیر کے سترھویں سن جلوسی میں جاں بحق ہوا ۔ قریب شہر اُس کی درگاہ آج تک زیارت گاہ ایک عالم کی ہے ۔ قصہ مختصر ہر طرح کے آدمی وہاں رہتے اور ہر دیار کی اجناس

۱۔ ''کہا بدھرہ ساکن سیال کوٹ بود'' (خلاصہ ، ص ۴۷) ۔

۲۔ حضرت میاں سیدنا سید باہ (باہو؟) خدمت بسیار بجا می آورد ۔ (خلاصہ التواریخ ، ص ۴۷) ۔

۳۔ ''تاری'' نسخۂ اول (ص ۱۸۵) املا غلط ہے ۔

ہم پہنچتی ہے، بلکہ تحائف روزگار اگر درکار ہوں تو میسر ہوویں[1]۔ چناں چہ تلوار جم دھر وہاں بہتر سے بہتر بنتے ہیں اور کام چکن کا بھی وہاں کے کاری گر سیال کوٹ والوں سے بہ وجہ احسن کرتے ہیں۔ سوائے اس کے ملک مذکور میں گھوڑا عراق کی مانند پیدا ہوتا ہے، بعضا تو دس ہزار رُپے قیمت پر بکتا ہے۔ اور سندھ[2] کے دوآبے میں متصل :

شمس آباد

پہاڑ کے دامن سے نمک سنگ ایسا لطیف لگتا (نکلتا) ہے کہ روئے زمین میں اس کی لطافت کا شور ہے۔ قدرت الٰہی سے سارا پہاڑ کا پہاڑ لون کا خلق ہوا ہے۔ طول اس کا سو کوس سے کچھ زیادہ بتاتے ہیں۔ نام اکبر نامے میں کوہ جودھہ لکھا ہے، اس واسطے کہ جودھہ نام ایک رئیس چھچھواہے[3] کی قوم کا تھا، یہ پہاڑ اس کے نام پر مشہور ہوا، اورنگ زیب کے وقت تلک کرچھاک و نندانہ و مکھالے[4] (مکھیالے) وغیرہ پرگنوں میں سکونت و ریاست رکھتی تھی، اور وہ جماعت کہ لون وہاں سے نکالتی ہے، نام اس کا لاشہ کش ہے۔ الغرض پہاڑ کے دامنے میں کتنے

۱- '' ہوں ویں'' نسخۂ اول (ص ۱۸۶)، نسخۂ دوم (ص ۱۳۱)، نسخۂ سوم (ص ۱۴۴)۔
'' ہوویں '' نسخۂ چہارم (ص ۱۷۳)، نسخۂ انجمن (ص ۲۱۱)۔

۲- ''و در دوآبہ سند ساگر نمک سنگ متصل شمس آباد از دامن کوہ می بر آرند'' (خلاصۃ التواریخ، ص ۷۵)۔

۳- ''رئیس قوم جنجوھہ بود'' (خلاصہ، ص ۵۷)۔

۴- ''در پرگنہ کرچھاک و نندنہ و مکھیالہ (مکھتالہ) وغیرہ کہ در دامن کوہ واقع است''۔ (خلاصۃ التواریخ، ص ۷۵)۔

لاشہ کش ایک نقب تین سو گز کی گہری کھود کر ننگے مادر زاد ایک کدال کندھے پر رکھ کر چراغ ھاتھ میں لے اس اندھیری سرنگ میں جاتے ھیں اور دو تین من کا ایک لون کا ڈلا کھود کر نکال لاتے ھیں ۔ ناظموں سے مزدوری بھی منہ مانگی پاتے ھیں ۔ از بس کہ مشّاق ھوتے ھیں ، اُس اندھیری سرنگ کی آمد و رفت سے اور لون کے کھودنے اور لانے کے رنج و صعوبت سے خوف و تکاھل نہیں کرتے ، لیکن ھوا اس نقب میں ھر ایک موسم کے بیچ معتدل رھتی ھے ۔ ھر چند کہ لون نکالنے کے اور بھی مقام ھیں پرکھوھرہ اور کھیوہ دونوں بڑی سرنگیں شمشاد آباد (شمس آباد) کے متصل واقع ھوئیں ھیں ۔ ھر سال کئی لاکھ من نمک وھاں سے نکلتا ھے اور محصول پرگنوں کے حاصل سمیت سرکار اعلا میں ضبط ھوتا ھے ۔ اکثر کاری گر وھاں لون کے طباق رکابیاں سرپوش چراغ دان بنا بنا بیچتے ھیں اور نفع اٹھاتے ھیں ۔ قریب اُس کے دودھیا پتھر کی کھان ھے ۔ بڑے بڑے آدمیوں کے مکانات میں چونا وھیں کے پتھروں کا بنا کر پھیرتے ھیں یا رکابی پیالے آب خورے نفیس نفیس اُن کے بنا کر بیچتے[1] ھیں ۔ اور متصل اُس کے مکھیالے کی حدوں میں :

کتاچھہ

ایک تالاب ھے کہ اُس کی تھاہ کسی کے ھاتھ نہیں لگی ۔ ھندوؤں کا قدیم تیرتھ ھے ۔ جب سورج ''مین'' کا ھوتا ھے ، یعنی آفتاب برج حوت میں آتا ھے ، ھر ایک چھوٹا بڑا ان کا وھاں نہانے کو جاتا ھے ، یہاں تک کہ چند روز ایک مجمع رھتا ھے ۔ غرض اعتقاد اس

۱- '' بینچتے ھیں '' نسخۂ اول (ص ۱۸۷) ، نسخۂ دوم (ص ۱۳۲) نسخۂ سوم (ص ۱۴۵) ۔

'' بیچتے ھیں '' نسخۂ چھارم (ص ۱۷۳) موجودہ املا ۔

قوم کا یہ ہے کہ زمین کی دو آنکھیں ہیں ، داہنی آنکھ تالاب بھکر، اجمیر کے متصل اور بائیں آنکھ یہ تالاب ۔ اور آسی پہاڑ پر سات کوس پرے :

دھتاس گڑھ[1] (رھتاس گڑھ)

ایک قلعہ ہے ۔ بالا ناتھ جوگی اس میں تپشیا کیا کرتا تھا (اس کو تلہ[2] کہتے ہیں) چڑھائی اس کی چار کوس کی ، لیکن ایام معہود[3] میں خصوصاً شیو برت کے دن وہاں بڑی بھیڑ ہوتی ہے ۔ بہت سے جوگی اتیت بھی جمع ہوتے ہیں اور پوجا کرتے ہیں ۔ القصہ تھوڑا سا احوال اماکن مشہورہ میں سے پانچ دوآبے کا لکھنے میں آیا ۔ اب احوال چھ دریاؤں کا بھی کچھ کچھ لکھنا ضرور ہوا کیوں کہ وے بھی اسی صوبے سے علاقہ رکھتے ہیں :

پہلا ستلج[4]

کوہ بھونت (بھونٹ ، نسخہ ۲) سے نکلا اور کلود (کُلو) کی حدوں میں پہنچ کر شہر (بشہر) میں آیا ، بعد اس کے

۱۔ ''دھتاس گڈھ'' نسخۂ اول (ص ۱۸۷) نسخۂ دوم (ص ۱۳۳) ، نسخۂ سوم (ص ۱۴۵) ، نسخۂ انجمن (ص ۲۱۳) ۔
'' رھتاس گڈھ '' نسخۂ چہارم (ص ۱۷۵) ۔

۲۔ ''کہ آں را تلہ‌گویند ، و چہار کروہ بلند واقع شدہ'' ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۷۵) ۔

۳۔ ''ایام معہود'' نسخۂ اول (ص ۱۸۷) ، نسخۂ سوم (ص ۱۴۵) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۷۵) ۔
'' ایا معہودم '' نسخۂ دوم (ص ۱۳۳) غلط ۔
'' ایام معہودہ '' نسخۂ انجمن (ص ۲۱۳) ۔ ہائے ہوز زائد ہے ۔

۴۔ ''ستلج از کوہ بھونیت بر جوشد و از حدود ولایت کلو بشہر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۷ پر)

شیر گڑھ کے پہاڑ میں ہوتا کھلور کی حدود میں گزرا اور ملک مذکور کو تین طرف سے احاطہ کیا ۔ بنا بر اس کے اور پہاڑوں کے قرب کے باعث باشندے اس ولایت کے بادشاهی امیروں سے بغی رہتے ہیں ۔ پھر دریاے مذکور پہاڑ سے نکل دوگنگ ہوما کورال و کیرت پور کے تلے آیا اور قصبۂ روپر تلک پہنچتے پہنچتے پھر ایک ہوگیا اور اسی ہیئت سے ماچھی واڑے کے قریب ہو کر لودھیانے میں پہنچا بلکہ شاہ راہ میں واقع ہوا ۔ پھر وہاں سے قصبہ :

تلونْ و تھاره[1]

کے قریب گزر متصل موضع پور کہ متعلق پرگنہ ہیبت پور

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

می گذرد ، و بعد آں بہ کوہ سیر کند (سیر کہند) حدود کھلور رسیدہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بعد برآمدن از کوہ دو شعبہ شدہ از پایان ماکوال کہ مسکن گورو گوبند راے است و کیرت پور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ گزشتہ ۔ ۔ ۔ ۔ قصبہ روپر یکی می شود ستلج با ستانی نام شتدرو سر چشمۂ آں کوہ کاھلور (کاھور) روپر و ماچھی وارہ '' (خلاصة التواریخ ، ص ۷۶) ۔

''و لودھیانہ بر کنار این و درگزر بوہ (بو پور ؟) بہ بیاہ پیوندد''۔ آئین اکبری ، ص ۵۳۷) ۔

''دریائے ستلج پہلا شرقی دریا پنجاب کے دریاؤں میں سے ہے جس کا اخراج کوہ برفانی سرحد ملک چینی تاتار او رجھیل مان سرور سے ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس دریا کو مختلف مقامات ، مختلف ناموں لنک ، زھنگ و کھمیا و مکبنگ و سانپور و زیتو نکتی و سمیدرنگ سے پکارتے ہیں ۔ بسھر کے علاقے میں اس کا نام شتڈر مشہور (تاریخ مخزن پنجاب ، جلد دوم ، ص ۱۶۳) از مفتی غلام سرور ۔

۱ ۔ '' تھارہ '' نسخۂ اول (ص ۱۸۸) و نسخۂ دوم (ص ۱۳۳) ، نسخۂ سوم (ص ۱۴۶) و نسخۂ چہارم (ص ۱۷۵) ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۸ پر)

پھتی (پٹی) کا ہے ، دریاے بیاہ سے جا ملا اور دوآبا (دوآبہ) جو ان دو دریاؤں کے درمیان ہے اس کو جالندھر و سہروال[1] (نہروال) کہتے ہیں ۔

دوسرا بیاہ[1]

وہ بھی بھونٹ کے پہاڑ کے ایک تالاب سے نکلا اور قصبہ کلود (کلو) کے تلے بہتا ہوا منڈی میں جا پہنچا ۔ پھر سوکھیت اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

''و ازاں جا نزدیک قصبہ تلون و تھارہ گزشتہ متصل موضع بوہ از اعمال پرگنہ ہیبت پور پتی بدریاۓ '' بیاہ '' می پیوندد ۔ و ما بین ایں ہر دو دریاے دوآبہ بست جالندھر و نہروال گویند''۔ (خلاصۃ التواریخ (ص ۷۶) ۔

۱- ''بیاہ پیشیں نام ''بپاشا'' سر آغاز آں را بیاہ کند نامند نزدیک کوہ گلو ، سلطان پرر نزدیک ایں دریا بار'' (آئین اکبری ، ص ۵۳۷) ۔

''دویمیں دریاے بیاہ نیز در کوہستان بھوتبت از میان تالاب بر جوشد از پایان قصبہ کلو گذشتہ در قصبہ منڈی می رسد و از حدود ولایت سو کھیت سجن و مچل موڑی (محل موری) جاری شدہ پایان شہر ہندون کہ مکان بودن فوجدار کوہستان است ، می رسد ۔ پس ازاں حدود دھوال و مبنہ و گوالیار می گزرد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ و آں دریا ازاں جا از دیہات نور پور گذشتہ از کوہ بر می آید ، و بر زمین مسطح رسیدہ از پایان کانواھن ! کہ شکار گاہ مقرری بادشاہیست و قصبہ روھیلہ گذشتہ پایان شہر گوندوال می رسد و در ایں مکان شاہ گذر مقرر است و ازاں جا گزشتہ نزدیک موضع بوہ بہ دریاۓ ستلج اتصال یابد'' ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۷۶) ۔

نیز دیکھیے تاریخ مخزن پنجاب (ص ۱۶۵ و ۱۶۶ طبع نول کشور) دریاۓ بیاس پنجاب کے دریاؤں سے یہ دوسرا دریا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

محل موری[1] کی حدوں میں گزرتا شہر نندون (هندوں) میں کہ کوهستان کے فوج دار کی بود و باش کا مکان ہے ، جا نکلا۔ پھر وهاں سے اطراف دهوال و سنیه (سنبه) وگوالیار میں آیا ۔ گوکہ گوالیار کچھ بڑا ملک نہیں لیکن راجا وهاں کا اس دریا کے هائل (حائل) ہونے سے اور پہاڑ کے اتصال کے سبب اُمراے بادشاهی سے اکثر اوقات بگڑا رہتا ہے ۔ بعد اس کے دریاے مذکور نور پور کے دیہات سے گزرتا ہوا ایک پہاڑ پر گیا ؛ پھر وهاں سے زمین پر اُتر گانواهن (کانوواں) کہ ایک شکارگاہ بادشاهی ہے ، اُس کے پائیں آ نکلا۔ پھر قصبہ رهلہ (روهیلہ) کے تلے ہوتا ہوا شہر گوبند وال میں پہنچا اور وهاں سے لوہ (بوہ) کے قریب ستلج سے ملا ۔ پھر دونوں اکٹھے ہو فیروز پور اور ممدوت میں جا نکلے اور وهاں سے سرکار دیپال پور کے محالوں میں پہنچ کر دو ٹکڑے ہوئے ؛ ایک سوتا تو دکھن کی طرف گیا ، نام اُس کا ستلج ہوا ، دوسرا اُتر کی سمت گیا ، نام اُس کا بیاہ ٹھہرا ۔ بعد کئی فرسخ کے پھر دونوں مل کر فتح پور کھرور وغیرہ کی اطراف میں جا پہنچے ۔ نام اس مجموعے کا اس مقام میں کھلو کھارا ہوا ، پر بلوچوں کی حد میں پہنچ کر سندھ و راوی و چناب سے ملے ۔ اُس مقام میں هیئت مجموعی کا نام سندھ ٹھہرا ۔

تیسرا راوی[2]

اس میں اور بیاہ میں ایک دوآبہ باڑی (باری) مانجھا مشہور

۱- '' مملوری '' نسخۂ چہارم (ص ۱۷۵) میں ہے لیکن بقیہ نسخوں میں '' محل موری '' ہے ۔

۲- راوی نام آں ایراوتی از کوہ بھدرال بر جوشد ، دارالملک لاهور بر ساحل او''- آئین اکبری ، ص ۵۳۷) ۔

(بقیه حاشیه صفحه ۲۹۰ پر)

ہے - دریائے مذکور من مہس[1] پہاڑ سے نکلا - مکان مذکور قدیم تیرتھ ہے ، ٹھاکر وہاں کا مہا دیو اور وہاں سے شہر چھٹ[2] (چینہ) کہ دارالحکومت وہاں کے حاکم کا ہے، اس کے نیچے گزرا - ملک مسطور کی ہوا برف کے پڑنے سے کابل و کشمیر کی سی ہے - میوے بھی اکثر لطیف و شیریں وہاں پیدا ہوتے ہیں - حاکم وہاں کا مملکت کی وسعت سے ، جمیعت کی کثرت سے اور پہاڑوں کی بہتایت سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

''راوی - یہ تیسرا پنجاب کے دریاؤں میں سے ہے، اصلی چشمہ اس کا کاو کے پہاڑ کے پاس ہے جس کو کوہ بنگال بھی کہتے ہیں جو کوہ رو تانگ سے تھوڑے سے فاصلے پر واقع ہے - چشمہ اپنے سے بہ سمت مغرب جب یہ دریا چالیس میل کا فاصلہ طے کر لیتا ہے تو دریائے نی ، اور بدھل دو دریا اور پہاڑوں کے اندر ہوتے ہوئے شامل ہو جاتے ہیں - ان میں سے دریائے بدھل بڑا دریا ہے ، جو کوہ بھدرال و من مہیش کی جھیل سے جس کا نام مہا دیو کی جھیل ہے ، نکلتا ہے - - - - وہاں سے چل کر چینہ کے نیچے - - - - وہاں سے چل کر بہ مقام بسولی - - - - - اور اسی مقام سے - - - - - شاہ پور و نور پور کے نیچے ہوتا ہوا - - - - - میدان میں آ جاتا ہے مادھو پور و پٹھان کوٹ و کلانور و بٹالہ و ڈیرہ نانک و پر سرور (پسرور) سے گزر کر لاہور کے متصل شاہ جہاں گیر کے مقبرے کے نیچے پہنچ جاتا ہے'' - (تاریخ مخزن پنجاب ، ص ۱٦۷) -

۱- '' من مہیس '' نسخۂ چہارم (ص ۱۷٦) ، بقیہ نسخوں میں '' من مہس'' ہے -

۲- '' چھت '' نسخۂ اول (ص ۱۸۹) ، نسخۂ دوم (ص ۱۳۴) ، نسخۂ سوم (ص ۱۳۷) -

''چھٹ'' نسخۂ انجمن (ص ۲۱۵) -

'' چنبہ '' نسخۂ چہارم (ص ۱۷٦) - تاریخ مخزن پنجاب ، (ص ۱٦٦) میں '' چینہ '' ہے -

بے پروا ہے ، بادشاہوں کو کچھ نہیں جانتا اور مطلقاً اُن کا حکم نہیں مانتا ۔ الغرض بسوھلی (بسولی) کی حدوں سے بھی گزر شاہ پور کے تلے جا نکلا اور وہاں سے چار نہریں اُس سے نکلیں : ایک تو لاھور میں شالامار کے بیچ آئی ، دوسری پرگنہ پتھان میں ، تیسری بٹالے میں ، چوتھی پرگنہ ھیبت پور میں ۔ اکثر محالوں کی زراعت کو اُن سے فیض پہنچتا ہے ۔ پھر دریائے موصوف قصبۂ مذکور سے بہتا ھوا پرگنہ پتھان و کانہو و کلانور و بٹالہ و امن آباد وغیرہ کی اطراف میں جا پہنچا اور وہاں سے لاھور میں آ بادشاھی عمارات کے پائیں بہنے لگا ۔ پھر وہاں سے سندھوان و فرید آباد و ڈیک و راوی میں ھوتا ھوا سدھو سرائے کے قریب ملتان سے بیس کوس پرے چناب سے جا ملا ۔

چوتھا چناب[1]

اس میں اور راوی میں رچناؤ (رچنا) ایک دوآبہ مشہور ہے

۱۔ '' چناب ۔ نام پیشین چندر بھاگا ، فراز کوہ کھتوار ، دو چشمۂ خوش گوار بر زند ۔ یکے را چندر ، دوم را بھاگا خوانند و نزد کھتوار باھم آمیختہ بداں نام زبان زد گردد ، و بر بہلول پور و سودھرہ و ھزارہ گزر کند'' ۔ (آئین اکبری ، ص ۵۳۷ طبع کلکتہ) ۔

''دریائے چناب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قدیم زمانہ میں یونانیوں نے اس کا نام ایس میسی تیز رکھا ھوا تھا ۔ بعد ازاں اھل ھند نے اس کو چندر بھاگا مشہور کیا ، اب تیسرا نام اس کا چناب ہے جو چین اور آب دو الفاظ سے مرکب ہے یعنی دریائے چین ، اور یہ نام صرف اس واسطے مقرر ھوا کہ نکاس اس کا کوہ سرحد چینی تاتار سے ہے ۔ پنجابی زبان میں اب چناب کا لفظ بھی بگڑ کر نام اس کا '' چھناؤ '' مقرر ھو گیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ درہ کوہ رتنگ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے نیچے کی طرف ایک بڑی جھیل ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۲ پر)

لیکن ہندی کتابوں میں نام اس دریاؤ کا چندر بھاگا (بھاگا) لکھا ہے ۔ ماجرا اس کا یوں ہے کہ دریاے چندر چین کی طرف سے آ کر خیبر سے گزرتا ہوا کشت وار میں کہ زعفران جہاں کی مشہور ہے ، پہنچا اور دریاے بھاگا تبت کی طرف سے آ کر اس سے ملا ، اس لیے نام اس کا چندر بھاگا ٹھہرا ۔ پھر وہاں سے نیپال و بھونپال[1] میں ہوتا ہوا نرکٹا کہ تابع جموں اور بھوانی سے منسوب ہے ، اس کے قریب آ نکلا اور وہاں سے انبار آبان و اکھنور کے تلے پہنچا ۔ پھر ایک پہاڑ میں جا کر نہایت آب و تاب سے بہنے لگا ۔ چناں چہ مکان مذکور طرفہ سیرگاہ و نادر تماشا گاہ ہے ، پانی بھی وہاں کا بہتر از شربت نبات و پیاسوں کے حق میں آب حیات ہے ۔ القصہ دریائے مذکور وہاں سے کچھ آگے بڑھ کر اٹھارہ ٹکڑے ہوا لیکن بہلول پور پہنچتے پہنچتے بارہ کوس کی مسافت پر پھر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جس کو چندر بھاگ بولتے ہیں ۔ اس سے نکل کر یہ دریا '' چندر '' نام سے موسوم ہوتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ چالیس میل راستہ طے کر لیتا ہے تو بمقام ٹانڈے ایک اور دریا '' سراج بھاگا '' ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شامل ہو جاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہاں سے یہ دونوں ملے ہوے دریا '' چندر بھاگا '' نام پا کر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک سو بیس میل کا راستہ طے کر کے کشٹوار کے ملک میں پہنچ جاتے ہیں ۔ (تاریخ مخزن پنجاب ، صفحات ۱۶۹ و ۱۷۰) ۔

۱- '' بھونبال '' نسخۂ اول (ص ۱۹۰) ، نسخۂ دوم (ص ۱۳۴) ۔ '' بھونپال '' نسخۂ سوم (ص ۱۴۷) یہی صحیح ہے ، نسخۂ اول کے غلط نامے میں صحت کر دی ہے ۔

'' بھوسال '' نسخۂ چہارم (ص ۱۷۷) ۔

''بھونبال '' نسخۂ انجمن (ص ۲۱۶) ۔

اکٹھا ہو گیا ۔ بعد اس کے سیال کوت[1] (سیال کوٹ) کے دیہات سے گزر ساڈھورے کے تلے ہوتا ہوا وزیر آباد میں جا پہنچا ۔ سال کی لکڑی سوداگر کوہستان ختنہ وغیرہ سے اسی دریا کی راہ سے وزیر آباد میں لاتے ہیں اور بہت سے انتفاع اٹھاتے ہیں ۔ پھر اس کی کشتیاں بنا کر بہ طور تجارت دریا کی راہ سے ٹھٹھے بھکر کی طرف لے جاتے ہیں ۔ بعد اس کے وہ دریا جا کوتار و لودھیانہ و بھونہ منزل اور ہزارے میں آ پہنچا ۔ چار کوس پرے ہزارے سے قبر ہیر رانجھا کی اسی دریاؤ کے کنارے پر ہے ۔ عشق اُن کا مشہور ، پنجابیوں نے اُن کی محبت و بے قراری کے بیان میں سیکڑوں سدیں کہیں[2] ہیں ؛ چناں چہ گویے وہاں کے ان کو اکثر گاتے ہیں اور اہل درد کو رلاتے ہیں ۔ پھر وہاں سے چند لوت[3] (چنیوٹ ؟) کے نزدیک دو چھوٹے پہاڑوں میں سے ہو نکلا ۔ شہر مذکور میں مزار شاہ برہان کا ہے ، اکثر لوگ اس بزرگ سے بھی اعتقاد رکھتے تھے ۔ پھر وہاں سے بہتا ہوا جنگ[4] (جھنگ) سیالے میں آ کر دریائے بہت سے مل گیا ۔

۱۔ ”سیالکوت“ نسخۂ اول (ص ۱۹۰) ۔
”سیالکوٹ“ نسخۂ دوم (ص ۱۳۵) ۔

۲۔ ”کہیں ہیں“ نسخۂ اول (ص ۱۹۱) موجودہ روز مرہ کہی ہیں ۔

۳۔ ”چند نیوت“ نسخۂ چہارم (ص ۱۰۸) ۔

۴۔ ”جنگ سیالے“نسخۂ اول (ص۱۹۱) ، نسخۂ دوم (ص ۱۳۵) ، نسخۂ سوم (ص ۱۴۸) ۔

”جنگ سیالے“ نسخۂ چہارم (ص ۱۰۸) ۔ موجودہ املا ”جھنگ“ ہے ۔

پانچواں دریاؤ بہٹ[1] (جہلم)

مابین اس کے اور چناب کے جونٹھ[2] (چج) ایک دوآبہ مشہور ہے ۔ غرض دریائے مذکور کوہستان تبت میں ایک حوض سے نکلا اور کشمیر میں آ کر کوچہ و بازار میں بہنے لگا؛ چناں چہ شہر مذکور میں جا بہ جا پل بندھے ہیں ۔ اکثر باغات

۱۔ ''بہت ۔ پیشینیاں بدستا گفتے ، سر آغاز آں حوضے است از پرگنہ دیر در کشمیر ، از میان سری نگر دارالملک کشمیر گزشتہ بہ ہندوستان در آید ، بھیرہ برکنار او''۔ (آئین اکبری ، ص ۵۳۷ طبع، کلکتہ)

اکبر نے چناب اور بہٹ (جہلم) کے دوآبے کا نام ''جنہت'' رکھا تھا ۔ ملاحظہ ہو (آئین اکبری ، ص ۵۳۸)

''دریائے جہلم'' کشمیر کی پرانی تاریخوں میں نام اس کا بدستا اور فارسی کتابوں میں ''بہت'' لکھا ہے اور یونانی لوگوں نے اس کا نام ''ہداس پس'' رکھا تھا ۔ پنجاب میں اس کو دریائے جہلم پکارتے ہیں ، مگر یہ نام اس کا قدیمی نہیں ہے بلکہ تھوڑے عرصے سے نام اس کا جہلم صرف اسی واسطے مقرر ہوگیا ہے کہ پہاڑ سے نکل کر یہ قصبہ جہلم کے نیچے بہتا ہے ۔ مخرج اس کا کوہ کشمیر ہے ۔۔۔۔۔۔ پہلے یہ چشمہ ویر ناگ یا کشا ناگ کی جھیل کوہ پیر پنچال سے نکل کر بارہ کے درہ کے راستے پنجاب کے میدان میں آتا ہے ۔ بڑا مددگار اس کا دریائے لدر ہے ۔۔۔۔۔۔ ان ندیوں میں سے وشاؤ ندی دریائے لدر کی مددگار بہت بڑی ہے ۔ چشمہ اس کا اور دریائے جہلم کا ایک ہی شمار کیا جاتا ہے ۔۔۔۔۔۔ اور کشا ناگ سے دریائے جہلم اپنی مددگار ندیوں کا پانی لیتا ہوا ۔۔۔۔۔۔ سری نگر کے اندر داخل ہو جاتا ہے ،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۵ پر)

۲۔ ''جونٹھ'' افسوس کا املا ہے ۔ آئین اکبری کے بعض نسخوں میں جنہت کا املا جہت اور چہت بھی پایا گیا ہے ۔ اب چناب اور جہلم کے مابین علاقے کو دوآبۂ چج کہتے ہیں ۔ (فائق)

و عمارات و سیر گاهیں اور مکانات اس کے کنارے پر ساتھ ایک قرینے کے واقع ہیں۔ پھر کشمیر سے نکل کر کشن گنگ سے پکھلی میں ملا۔ پھر وہاں سے دانکلی کے تلے آ نکلا۔ قصبۂ مذکور کھکروں (گھکڑوں) کے سرگروہ کا دارالکحوست ہے۔ پھر اس کے حدوں سے اور میرپور سے گزرتا ہوا جھیلم (جہلم) کے تلے پہنچا اور شاہ راہ میں واقع ہوا، نام اس کا موضع مذکور کا ٹھہرا۔ پھر وہاں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
وہاں سے نکل کر ایک بڑی جھیل کے اندر جس کا نام ''ولر'' ہے، داخل ہوتا ہے ---------- پھر ولر جھیل کے دوسری طرف سے نکل کر بارہ مولہ کی طرف آتا ہے ------ بارہ مولہ کے مقام پر جہلم کے اوپر سات محراب کا قدیمی پل بنا ہوا ہے -------- وہاں سے چل کر پھر یہ دریا قصبۂ جہلم کے بیچ آتا ہے جہاں شاہ گزر ہے ------ جہلم سے آگے چل کر رخ اس دریا کا جنوب کی سمت سے بدل کر جنوب مغرب کے گوشے کو ہو جاتا ہے ------ جلال پور سے پھر جنوب کی سمت چل کر رھتاس وگرجاک و بھیرہ و خوشاب ہوتا ہوا جھنگ میال و چوترہ کے نزدیک بعد طے کرنے راستے چار سو نوے میل کے چشمہ کے مقام سے دریائے چناب سے مل جاتا ہے -------- اور اسی دریا کے کنارے پر قصبہ جہلم و جلال پور کے درمیان سکندراعظم و راجہ پورس کی لڑائی ہوئی تھی جس میں سکندر فتح یاب ہوا تھا''۔ (تاریخ مخزن پنجاب، صفحات ۱۷۳ تا ۱۷۵)

''سندھ۔ سر آغاز اولیان کشمیر و کاشغر نشان دھند و برخے در ''ختا'' از حدود سواد و اٹک بنارس و چوپارہ بہ بلوچستان گذرد، گیتی خداوند میان ستلج و بیاہ را بیتہ جالندھر نامید۔ و میان بیاہ و راوی را باری و میان راوی و چناب را رچنا و میان چناب و بہت را جنہت (جہت۔ چھت ۔ تھارنٹن گزیٹیر جچ؟) و میان بہت و سندہ را سندہ ساگر، از ستلج تا بیاہ پنجاہ کروہ و از بیاہ تا راوی ہفدہ و از راوی تا چناب سی و از و تا بہت بیست و ازو تا سندہ شصت و ہشت''۔ (آئین اکبری، ص ۵۳۷ و ۵۳۸)

کرچھاک و نندنے وغیرہ سے گزرتا ہوا جنگ (جھنگ) سیال میں جا کر چناب کے ساتھ ملا ، ہم نام اس کا ہوا۔

چھٹا دریاؤ سندھ

مابین اُس کے اور دریاؤ بھٹ کے ولایت بونھوھار اور سندھ ساگر کا دوآبا[1] مشہور ہے اور یہی ہندوستان و کابلستان کے بیچ حائل ، لیکن سرچشمہ اس کا ظاہر نہیں ۔ وھاں بعضے سیاح کہتے ھیں کہ قلماق کے کسی مقام سے نکل کر حدود کاشغر و کافرستان و تبت و کشمیر و بگلی[2] و دمتور[3] میں پہنچا ۔ پھر وھاں سے یوسف زئی کے اولکے میں جا نکلا اور دریائے نیلاب کئی ندیوں سمیت قلعہ اٹک بنارس کے تلے دریائے مذکور سے ملا ۔ از بس کہ پاٹ اس کا وھاں چھوٹا ھے ، نہایت زور شور سے بہتا ھے یہاں تک کہ دیکھنے والوں کی نگاہ خیرگی کرتی ھے ، مطلقاً و اصلا نہیں ٹھہرتی ۔ تموّج کی شدّت سے نہنگوں کا جگر آب ھو جاتا ھے اور پہاڑوں کا سینہ موجوں کے صدمے سے ٹکڑے ٹکڑے ، مگر دریائے مذکور اُس جگہ شاہ راہ میں واقع ھے ، گزارے کی ناویں پانی کی تیز روی کے سبب اس کنارے سے اُس کنارے طرفۃالعین میں پہنچتیں ھیں ۔ مغرب کی طرف وھاں جلالیہ نام ایک سیاہ پتھر ھے ، کبھو کبھو ناؤ اُس سے ٹکر کھا کر پھٹ جاتی ھے ؛ بنا بر

۱- ''دوآبا'' نسخۂ اول (ص ۱۹۱) ، نسخۂ دوم (ص ۱۳۵) ، نسخۂ سوم (ص ۱۴۸) ؛
''دوآبہ'' نسخۂ چہارم (ص ۱۷۸) ، نسخۂ انجمن (ص ۲۱۷) ۔

۲- ''بکھلی'' نسخۂ چہارم (ص ۱۷۹) ۔ بقیہ نسخوں میں ''بگلی'' ھے، ''پکلی'' غلط نامہ نسخۂ اول ۔

۳- ''دھمتور'' نسخۂ چہارم (ص ۱۷۹) ۔ بقیہ نسخوں میں ''دمتور'' ھے ۔

اس کے ملاّح ہمیشہ اُس سے کشتی کو بچاتے ہیں اور حتی المقدور اس کی طرف نہیں لاتے ۔ وجہ تسمیہ اس کی بہ قول عوام یہ ہے کہ اُس کے اوپر ایک بزرگ کی قبر ہے ، نام اس کا جلالیہ تھا ، لیکن خواص اس امر میں یوں کہتے ہیں کہ اکبر کے وقت میں ایک پٹھان جلالیہ نام نہایت مفسد و شور پشت تھا ۔ اتفاقاً بادشاہ سیر شکار کے واسطے اُس دریاؤ سے پار اُترتے تھے ، یک بہ یک جواہر خانے کی ناؤ اُس سے ٹکر کھا کر ٹوٹ گئی ، فی الفور حضرت کی زبان مبارک سے نکلا کہ یہ پتھر بھی جلالیہ ہوا ، تب ہی سے یہ نام اس کا ٹھہرا ۔ نزدیک اس کے راجہ ہودی کی عمارات ہیں نہایت سنگیں و رنگین ۔ اگلے زمانےمیں وہی وہاں کا راج کرتا تھا اور اسی کے کنارے شرق کی طرف قلعۂ اٹک ہے ۔ ہر وارد و صادر اُس میں ہو کر آتا جاتا ہے کیوں کہ سوائے اس کے اور رستہ نہیں ۔ عمارات بھی اس میں نہایت پر فضا و دل کشا ، لب دریا ؛ خصوصاً مقامِ حاکم نشین کہ بہ مرتبہ فرحت افزا و نہایت اعلا ہے ۔ آب و ہوا بھی نہایت اعتدال کے ساتھ ، گویا ہندوستان و کابلستان میں یہ ایک برزخ واقع ہے ۔ اس طرف اُس کے روپے اور چلن ہندوستان کے اور بولی بھی وہیں کی ، اور اُس طرف طور و آئین پٹھانوں کے اور زبان بھی اُن کی ۔ القصہ یہ دریاؤ کوہستان افغان ختک (خٹک) وغیرہ سے نکل کر سنبھل (سنبل) کے پٹھانوں کی حد میں پہنچا اور وہاں سے بلوچستان و ملتان میں جا نکلا ۔ غرض پانچ دریا پنجاب کی اُتر طرف کے پہاڑ سے نکلے[1] اور اُس طرف

۱- ''و پنج دریائے پنجاب کہ ہمہ بہ قلم در آمدہ از کوہ شمالی بر می آید و آں طرف ملتان بہ تفاوت یک دیگر در حدود بلوچان بایں دریا می پیوندد و ہر ہمہ سند نام می یابد و بحر زخار می گردد ۔ و ازاں جا پایان قلعہ بھکر دولخت شدہ قلعہ را درمیان می گیرد ،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۸ پر)

ملتان کے ایک دوسرے سے جدا بلوچوں کی حد میں اس دریاؤ سے ملے ، نام مجموعے کا سندھ ٹھہرا ۔ پھر وهاں سے ایک دریائے کلاں ہوا اور قلعہ بھکر کو ووگنگ کے بیچ میں لے لیا ، بنا بر اسی کے وہ قلعہ بے لگاؤ اور محفوظ ہے ۔ بعد اس کے دریاے مذکور ولایت سیوستان سے ہوتا ہوا ٹھٹھے میں آیا ۔ پھر بندر لاہری کے قریب دریاے شور سے جا ملا ۔ بندر مذکور شہر مسطور سے تیس کوس پر ہے ۔

حاصل یہ ہے کہ صوبہ لاہور نہایت خوش آب و ہوا و بہ مرتبہ فرحت افزا ۔ گرمیوں میں وہاں گرمی اور سردی میں

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

و بدیں سبب بہ استحکام و صعوبت مشہور است و ازاں جا براہ ولایت سیوستان بہ محال تھتہ می در آید"۔ (خلاصۃالتواریخ ، ص ۷۹)۔

اس عبارت کا لفظی ترجمہ یہ ہے :

"پنجاب کے یہ پانچوں دریا جن کا ذکر کیا گیا ہے ، شمالی پہاڑ سے نکلتے ہیں اور ملتان کی جانب بلوچوں کی حدود میں کچھ فرق سے دریاے سندھ سے مل جاتے ہیں اور سب کا نام سندھ ہو جاتا ہے اور یہ جوش زن دریا بن جاتا ہے اور وہاں سے قلعہ بھکر کے متصل دو ٹکڑے ہو کر قلعے کو درمیان میں لے لیتا ہے اور بھکر کا قلعہ اسی وجہ سے پائداری اور مضبوطی میں مشہور ہے ، پھر سندھ سیوستان کی ولایت کے راستے ٹھٹہ کی محال میں داخل ہو جاتا ہے"۔

افسوس نے لفظی ترجمہ نہیں کیا ہے اور اس نے عبارت کے معنی بھی بدل دیے ہیں ۔ "خلاصۃ التواریخ" کے مصنف نے بھکر کے قلعے کے استحکام اور پائداری کا ذکر کیا ہے ، مگر افسوس نے ترجمہ کیا ہے کہ : "قلعہ بے لگاؤ اور محفوظ ہے"۔

سردی ہندوستان سے زیادہ ۔ خربوزہ انگور وہاں مانند ایران و توران اور آم مثل ہندوستان ۔ چاول وہاں کا بنگالے سے بہتر اور گنّے دکھن سے اعلا تر ، اکثر مدار زراعت آب چاہ پر ؛ چناں‌چہ تین سو ساٹھ چھوٹی بڑی لکڑیاں اور سو سے کچھ اوپر لوٹے رسوں میں باندھ کر ایک بڑا چرخ بناتے ہیں اور اس کو جرثقیل کی صنعت سے جوڑی بیلوں کی ایک گردش میں کوئے (کنویں) سے پانی بھر نکالتی ہے ، دفعتاً کئی سو من پانی کھیتی کو پہنچ جاتا ہے اور زراعت کو سرسبز کر لاتا ہے ، لیکن مدار فصل خریف کا بارش پر ہے ۔ اور بعضے مکانوں میں خصوصاً دریاے بیاہ (بیاس) اور بھٹ (جہلم) کے کنارے پر اگر ریگ شوی کریں تو سونا ہاتھ لگے اور شمالی پہاڑوں پر بعضے مقاموں میں روپے ، تانبے ، جست کی کھان بھی ہے ؛ نکالنے والوں کو بعد محصول دینے کے بھی نفع مل رہتا ہے ۔ طول اس صوبے کا دریاے ستلج سے تا دریاے سندھ ایک سو اسی کوس ، عرض بھتر (بھیرہ) سے چوگھنڈی[1] تلک ستاسی کوس ۔ پورب طرف اس کے سرھند ، پچھم طرف ملتان ، اُتر رخ کشمیر ، جنوب رو دیپال پور ۔ متعلق اس سے پانچ دوآبے یعنی پانچ سرکاریں ، تابع ان کے تین سو سولہ محال ، آمدنی نواسی کروڑ تینتیس لاکھ ستر ہزار دام ۔

صوبوں میں بے نظیر :

۱- ''چوگھنڈی'' نسخۂ اول (ص ۱۹۳) ، نسخۂ دوم (ص ۱۳۷) ، نسخۂ سوم (ص ۱۵۰) ۔
''چوگھنڈے'' نسخۂ چہارم (ص ۱۸۱) ۔
''پہ کھنڈی'' نسخۂ انجمن (ص ۲۲۰) ۔ ''چوگھنڈی'' درست ہے ۔

صوبۂ کشمیر

دارالملک اس ولایت کا مدت سے سری نگر ہے ۔ آبادی اس کی چار فرسخ کی ۔ دریاے بھٹ (جہلم) وغیرہ تین دریاؤ شہر کے اندر بہتے ہیں ۔ علما و فضلا بھی یہاں بہ کثرت رہتے ہیں ، بلکہ برہمنوں ، پنڈتوں کا بھی شہر میں نہایت وفور اور یہاں کے کاری گر ہنرمند جہان میں مشہور ۔ چناں چہ پشمینہ طرح بہ طرح کا نہایت نفاست کے ساتھ بُنا جاتا ہے ، بیل بوٹا اُس کا عالم باغ کا دکھاتا ہے ؛ خصوصاً شال تو بے مثال ہوتی ہے ، بناوٹ اس کی دیکھنے والوں کے ہوش کھوتی ہے ۔ ملک بہ ملک اس کو بہ طریق تحائف لے جاتے ہیں اور فائدے اٹھاتے ہیں ۔ بانات شہرِ مذکور کی بھی نپٹ ملائم خوش نما ، پٹو وغیرہ بھی نفاست و لطافت سیں مانند ہوا ۔ بازار سیں خرید و فروخت کی رسم کم‌تر اور گھروں میں اکثر، اور گھر سب چھوٹے بڑے چوبی بناتے ہیں ، درجے اُن کے چار یا چار سے زیادہ رکھتے ہیں ۔ نیچے کا چار پاؤں (پایوں) اور کچھ اسباب کے لیے ، دوسرا آسائش کی خاطر ، تیسرا چوتھا اسباب خانگی کے واسطے ، لیکن بھونچال کی شدت کے سبب حویلیاں خشتی اور سنگین نہیں بناتے بلکہ چار دیواری بھی ۔ چھتوں پر لالہ بوتے ہیں ؛ چنانچہ بہار کے دنوں میں ہر شخص کا بام خانہ رشک گل زار و بہتر از لالہ زار ہو جاتا ہے ۔ غرض شہر مذکور میں باوجود اس لطافت کے ایک یہ خوبی ہے کہ وہاں سانپ

بچھو وغیرہ گزندے جانور کمتر ھیں ، لیکن مچھر مکھی اور جوئیں اکثر ۔ نزدیک شہر کے ایک تالاب بہت بڑا کئی فرسخ لنبا (لمبا) ؛ ایک جانب اس کی پرگنہ بھاک سے متصل ۔ وھاں کے لوگ آس کو دل[1] (ڈل) کہتے ھیں ۔ سال و ماہ لبریز رھتا ھے اور پانی اس کا نہایت لطیف و شیریں ، مزا یہ ھے کہ برسوں نہیں بگڑتا ۔ اگرچہ لوگ بار گراں کو پشتارے باندھ کر گھاٹیوں سے چڑھتے آترتے ھیں پر بار برداری کے واسطے اکثر وھاں کشتیاں ھیں ۔ اس سبب سے بڑھیوں اور ملاحوں کی خواھش بیش تر رھتی ھے ۔ اور زبان وھاں کے باشندوں کی خاص بھی ھے لیکن ھندی کتابیں بیش تر سنسکرت کی بولی میں تصنیف کرتے ھیں اور ناگری میں لکھتے ھیں ۔ بلکہ بیش تر پوتھیاں ایک درخت خاص کے پوست پر؛ چناں چہ اکثر پرانی پوتھیاں اسی پر ثبت ھیں ، نام اس کا توز ۔ اورسیاھی بھی ایسی بناتے ھیں ، کتنا ھی دھوئیے پر نہیں چھٹتی ۔ ھر چند کہ اھل ھند اس ولایت کے عجیب و غریب قصے کہتے سنتے ھیں اور سب کے سب تیرتھ جانتے ھیں لیکن بعضے مکانوں کو بہت مانتے ھیں؛

۱۔ ” دل “ نسخۂ اول (ص ۱۹۵) ، نسخۂ دوم (ص ۱۳۸) ، نسخۂ سوم (ص ۱۵۱) ، نسخۂ انجمن (ص ۲۲۱) ۔

” ڈل “ نسخۂ چہارم (ص ۱۸۳) ۔

”جھیل ” ڈل “ جس میں سے سہاسرت ندی نکلتی ھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ڈل کی لمبائی ۴ میل کے قریب اور وسیع ترین مقام پر اس کی چوڑائی ۲½ کے لگ بھگ ھے ۔ اس کی گہرائی کہیں بھی ۳۰ فٹ سے زیادہ نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ “ ۔ (”کشمیر کا جغرافیہ قدیم“ مؤلفہ ٹھاکر اچھرچند شاھپوریہ ۔ (ص ۱۴۶ و ۱۴۷) ۔

چناں چه سندھ یا براری کے قریب ایک چشمه ہے ، چھے مہینے تک خشک پڑا رہتا ہے ۔ روزِ معہود کسان اُس سر زمین کے جا کر عجز و الحاح کرتے ہیں بلکه بھیڑیں بکریاں چڑھاتے ہیں ۔ ندان پانی اُس میں جوش مارنے لگتا ہے اور پانچ موضع کی زراعت کو سیراب کر دیتا ہے ۔ احیاناً جو کبھو زیادتی اس کی دیکھتے ہیں ، اُسی طرح پھر گڑگڑانے لگتے ہیں ، فی الفور پانی ٹھکانے پر آ جاتا ہے ۔ متصل اس کے :

کوکر ناک[1] (کوکر ناگ)

نام ایک چشمه ہے ۔ پانی اس کا نپٹ خنک و شیریں و سبک ۔ اگر بھوکا پیے سیر ہو جائے اور اگھانا (اکھانا[2]) پیے بھوک لگ آئے ۔

۱۔ ''و نزدیک آں آب چشمه ایست ''گوگرناگ'' نام ، آب آں بس سرد و سبک و گوارا۔ اگر گرسنه بنوشد سیرگردد و از سیری اشتہا آورد ۔ (خلاصة التواریخ ، ص ۸۰)۔

''دیگر دراں جا چشمه ایست کوکرناگ نامند - آب بس سبک و سرد و گواره ۔ ۔ ۔ ۔'' (آئین اکبری ، ص ۵۶۵) ۔

'' کوکر ناگ ۔ کوہ کشمیر میں یه ایک مشہور چشمه پیر پنجال کے شمالی بنیاد میں واقع ہے ۔ وہاں سے پانی اس کا نکل کر چونے اور کلی کے پتھروں کے پہاڑ کے اندر بذریعه چھے سوراخوں کے چلتا ہوا دریاے برنگ میں جا پڑتا ہے'' ۔ (تاریخ مخزن پنجاب ، ص ۳۰۶) ۔

۲۔ ''اکھانا'' ان کھانا (کم خوراک) نسخۂ انجمنِ وغیرہ میں ''اگھانا'' غلط ہے ۔ (فائق)

مین پور (پن پور[۱])

میں بارہ ہزار بیگھے زمین زعفران کے کھیتوں کی ہے - فی الواقع قابلِ دید و لائقِ سیر - غرض بیساکھ کے آخر سے لے سارا مہینہ جیٹھ کا کشت کار ھل چلا ، زمین کو نرم کر ، کدالوں سے ھر ایک قطعہ آس کا قابل بونے کے بنا ، زعفران کے گٹھے بو دیتے ھیں ؛ ایک مہینے کے بعد لہلہا اٹھتی ھے اور کاتک کے آخر مرتبہ نمو کا تمام ھو چکتا ھے لیکن ایک بالشت سے زیادہ نہیں بڑھتی اور جب پوری ھو چکتی ھے ، تب پھولتی ھے لیکن ھر پودے میں آٹھ پھول بہ تدریج پھولتے ھیں - پنکھڑیاں ھر ایک میں چھے ، رنگت اُن میں سوسنی ، درمیان اُن کے چھے تار ، بیش تر تین زرد اور

۱- ''و در موضع ''تین پور'' ده دوازده هزار بیگه زمین زعفران زار نظر فریب دشوار پسندان است آخر ماه فروردی و همگی اردی بهشت ایام کشت کاران قلبه رانده زمین را نرم گردانند - - - - (خلاصة التواریخ ، ص ۸۱) -

و در موضع '' پن پور '' از مضافات دیہے ده دوازده هزار بیگه زمین زعفران‌زار و نظر فریب دشوار پسندان ، آخر ماه فروردی و همگی اردی بهشت هنگام کشت و کار آں زمین را قلبه رانده نرم گردانند - - - - - (آئین اکبری ، ص ۵۶۵) -

'' پان پور - کشمیر کے ملک میں یہ ایک قصبہ شہر سری نگر سے پانچ میل جنوب مغرب کو دریاے جہلم کے شمالی کنارے پر آباد ھے - زمین ھموار اور زرخیز میدان میں واقع ھے - - - - - قصبہ میں آباد ھیں ، اور بازار بہت بڑا با رونق و پُر تجارت ھے - - - - پیداوار غلہ کی خصوصاً شالی قسم عمدہ کی یہاں اس قدر ھوتی ھے کہ کشمیر کے علاقے میں کہیں نہیں ھوتی - زعفران جو ایک عمدہ پیدایش کشمیر کی ھے ، وہ بھی اسی قصبہ کی زمین میں ھوتا ھے''- (تاریخ مخزن پنجاب ، ص ۳۱۰) -

تین لال ، زعفران انھیں کی ھوتی ھے، جب کہ پھول نبڑ چکتے ھیں ، تب تنہ آن کا سبز ھو جاتا ھے ، پر پھولنے سے پہلے سفید رھتا ھے اور ایک مرتبہ کا بویا کھیت چھے برس پھولتا ھے ؛ پہلے برس کم کم ، دوسرے برس بہتایت سے ، تیسرے برس کمال کو پہنچتا ھے ۔ اگر چھے برس کے بعد اُس کے گٹھے وھاں سے اکھاڑ کر اور جاگہ نہ بوئیں تو پھولنا کم ھو جائے؛ اسی واسطے اکھاڑ کر اور جاگہ لگاتے ھیں ۔

ریون[1]

میں ایک چشمہ ھے ، اُسے بڑا تیرتھ جانتے ھیں ۔ اُن کے گمان میں یہ ھے کہ زعفران کے بیج[2] اسی سے نکلے ھیں ؛ چناں چہ اس کے شروع میں کشت کار میں اس چشمے کے پاس جا کر بہت منت و زاری کرتے ھیں ، گائے کا دودھ اُس میں ڈالتے ھیں ۔ اگر وہ پانی تلے بیٹھ جاتا ھے تو فال نیک لیتے ھیں اور زعفران بھی خاطر خواہ ھوتی ھے اور جو پانی پر ترتا رھے بد شگنی[3] (بد شگونی) جانتے ھیں ۔

۱۔ و در موضع ''ریون'' چشمۂ و حوضے است ۔ آں را معبد شمرند ، چناں چہ پندارند کہ تخم زعفران ازاں چشمہ پدید آمدہ'' (آئین اکبری ، ص ۵٦۵) ۔

''و در موضع '' زیون'' چشمہ و حوضے است ۔ آں را معبد شمرند ۔ چناں پندارند کہ تخم زعفران ازاں پدید آید ۔ ۔ ۔ ۔ ۔'' (خلاصۃ التواریخ ، ص ۸۱) ۔

۲۔ '' بیچ '' نسخۂ اول (ص ۱۹٦) ، نسخۂ دوم (ص ۱۳۹) ۔
'' بیج '' نسخۂ سوم (ض ۱۵۲) ۔ نسخۂ چہارم (ص ۱۸۵) ۔

۳۔ '' بد شگنی '' چاروں نسخوں میں ھے ۔ نسخۂ انجمن (ض ۲۲۳) میں ''بد شگونی '' ھے ۔

تبت میں ایک بڑا غار ہے ۔ اس کے اندر برف کا ایک جسم ہے نام اُس کا ۔

امر ناتھ[1]

اس مقام کو بھی معبدِ بزرگ جانتے ہیں ۔ جب ماہ تحت الشعاع سے نکلتا ہے ، اس غار میں ایک برف کی لاٹ نمود ہوتی ہے اور تھوڑی تھوڑی روز بڑھتی ہے ، یہاں تک کہ پندرھویں دن دس گز کی ہو جاتی ہے ؛ جب چاند گھٹنے لگتا ہے ، وہ بھی گھٹنے لگتی ہے ،

۱۔ ''امر ناتھ ۔ درمیان تبت کلاں غاریست و درون آں از یخ پیکریست امرنات نام ، بزرگ پرستش گاہ انگارند ۔ چوں ماہ از تحت الشعاع بر آید ، دراں غار حباب وارے از یخ پدیدار گردد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ و آں را پیکر مہا دیو دانند و بر آمد کارھا را دست مایہ دانند'' ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۸۱) ۔

''و درمیان تبت کلاں و پرگنہ مذکور (قصبۂ دچھن پار) غاریست و دراں از یخ پیکر یست ''امرنات'' نام ۔ بزرگ پرستش جا انگارند۔ چوں ماہ از تحت الشعاع ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (آئین اکبری ، ص ۵۶۶) ۔

''سری امر ناتھ ۔ یہ عبادت گاہ ہندوؤں کی بڑی بلند برفانی پہاڑ شمالی مشرق حد ملک کشمیر کے اوپر واقع ہے ۔ وہاں ایک قدرتی غار پہاڑ کے اندر بطور ایک کوٹھ کے بنا ہوئی ہے ، جس میں سو ڈیڑھ سو آدمی بیٹھ سکے ۔ پہاڑ وہاں کا بے سبزہ برنگ سرخ اور خاکستری جلی ہوئی مٹی کی طرح نظر آتا ہے ۔ دس مہینے تک برابر برف اُس پر پڑی رہتی ہے ، ہر سال ساون سدی پورنما کو جس روز رکھیا بندن ہوتا ہے ، ہندو لوگ خصوصاً سنیاسی فقیر دور دور سے وہاں زیارت کے واسطے حاضر ہوتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔'' (تاریخ مخزن پنجاب ، ص ۵۳۵) ۔

ما وس تلک آس کا نشان بھی نہیں رہتا ۔ ہندو اس کو مہا دیو کا پیکر قیاس کرتے ہیں اور حاجت برار اس کو جانتے ہیں ۔

شنکر ناک[1] (شنکر ناگ)

ایک چشمہ ہے ۔ تمام سال آب آس میں نایاب، لیکن جس مہینے میں نویں تاریخ جمعے کے دن ہو ، صبح سے شام تلک پانی اس میں بہتا ہے اور دن بھر ایک عالم وہاں جمع رہتا ہے ۔

پانہال[2] (بانہال)

ایک بت خانہ ، ٹھاکر وہاں کا بدر کا ، جو کوئی اپنا احوال اور دشمن کا جانا چاہے ، دو ہانڈیوں میں چانول بھر کر ایک اپنے نام پر اور دوسری دشمن کے نام اس بت خانے میں رکھ دے اور دروازہ آس کا بند کرے ۔ دوسرے دن عاجزی سے احوال کی تجسس کرے ۔ جس کے نام کی ہانڈی زعفران اور پھولوں سے بھری نکلے ، اس کا احوال نہایت رونق پکڑے اور جس کے نام کی خس و خاشاک سے بھری نکلے ، اس کا احوال تباہ ہو جاوے ۔ عجب تر یہ ہے کہ

۱۔ '' شنکر ناگ ۔ چشمہ ایست ، همه سال خشک باشد ۔ ماہے کہ تاریخ نہم آن بروز جمعه افتد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۸۱) ۔

نسخۂ اول ، دوم ، سوم میں '' پانہال '' ہے اور نسخۂ چہارم (ص ۱۸۵) میں '' بانہال '' ۔

۲۔ '' پاتہال '' (نہال ۔ باتہال) بتخانه ایست منسوب به درگا هر کس که از حال خود و دشمن آگہی طلبد ۔ ۔ ۔ '' (خلاصۃ التواریخ ، ص ۸۱) ۔

''در بانہال درگہ نام ، هر که از حال خود و دشمن آگہی طلبد به برنج پختہ دو آوند پر سازد ۔ ۔ ۔ '' (آئین اکبری ، ص ۵۶۷) ۔

جو کوئی پہچانا چاہے کہ خصوصت میں حق کس کی طرف ہے اور ناحق پر کون ہے تو دونوں کو دو مرغ یا دو بکرے دے کر اس معبد میں بھیجے اور ان کو زہر کھلا کر ہر ایک شخص اپنا ہاتھ پھیرے ۔ جو شخص کہ حق پر ہوگا اس کا جانور جیتا رہے گا اور دوسرے کا مر جائے گا ۔

دیو سر[۱]

ایک حوض ہے چار سو گز کے طول و عرض و عمق میں ۔ پانی اس کے اندر ہی اندر کھولا کرتا ہے ۔ جو کوئی اپنے سال کا احوال نیک یا بد دریافت کیا چاہے ، ایک ہانڈی سفالی کی چانولوں سے بھر کر نام اپنا اس کے کنارے پر لکھ کر منہ بند کرے اور اس میں ڈال دے ۔ کتنی دیر کے بعد خود بہ خود پانی کے اوپر تر آوے گی ۔ اس کو کھول کر دیکھے : اگر چانول اس میں سے گرم اور خوش بو نکلیں ، وہ برس اس کو خیر و خوبی سے گزرے اور جو اس سے کوڑا کرکٹ نکلے تو وہ شخص خراب احوال رہے ۔

گونہار[۲] (کوٹھار)

میں ایک چشمہ ہے ۔ گیارہ مہینے (سال) سوکھا پڑا

۱- دیوسر حوضے است ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۸۱) ۔
و در دیوسر بدہ پالو (بدہ باتو) پہلو ناگ تام ، بیست گز در بیست آب از درونۂ او بر جوشد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (آئین اکبری ، ص ۵۶۸) ۔
۲- ''گونہار'' نسخۂ اول (ص ۱۹۸) ، نسخۂ دوم (ص ۱۴۰) ، نسخۂ سوم (ص ۱۵۳) ، نسخۂ انجمن (ص ۲۲۵) ۔
''کوٹھار'' نسخۂ چہارم (ص ۱۸۶) ۔
''کوتھار چشمہ ایست یازدہ سال خشک باشد و ہر گاہ مشتری
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۸ پر)

رہتا ہے۔ جب مشتری برج اسد میں آتی ہے پنج شنبہ کے دن پانی اس میں جوش مارنے لگتا ہے۔ پھر سات روز تلک خشک رہتا ہے۔ جب پھر روز مذکور آتا ہے، پُر آب ہو جاتا ہے۔ سال بھر یہی طور چلا جاتا ہے۔

سلہانی

میں ایک مقام ہے کہ وہاں بہت سے درخت ہیں۔ عقاب اُن پر بیٹھی رہتی ہے۔ کلگی[1] (کلغی) کے واسطے پَر وہیں سے لیتے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)
به اسد آید روز پنج شنبه بر جوشد و در هفت روز خشک گردد، و در پنج شنبۂ دیگر باز پر آب ماند، تا یک سال چنیں باشد۔ (آئین اکبری، ص ۵۶۸)۔

''کوتهار چشمه ایست یازده سال خشک باشد، هر گه مشتری به اسد رسد روز پنج شنبه بجوشد، در هفت روز خشک گردد۔ و در پنج شنبۂ دیگر باز آماید، تا یک سال چنیں باشد۔ (خلاصة التواریخ، ص ۸۱)

یہ ترجمہ غلط ہے۔ گیارہ سال کی جگہ گیارہ مہینے لکھ گیا۔ چوں کہ ایک سال متواتر جمعرات کے دن یہ حالت جوش و خروش ظاہر کی گئی ہے، یا سہو کتابت ہے۔

۱- ''کلگی'' نسخۂ اول (ص ۱۹۸)، نسخۂ دوم (ص ۱۴۰)، نسخۂ سوم (ص ۱۵۴)، نسخۂ چہارم (ص ۱۸۶)۔

''کلغی'' نسخۂ انجمن (ص ۲۲۵)۔

''در موضع سلهانه (سیلهانه ۔ ملهانه) درخت زاریست، عقاب بران بر نشیند و ہر کلگی ازاں جا بر گیرند و خورش بداں جانور مقرر''۔ (خلاصه، ص ۸۱ و ۸۲)۔

''در موضع متلهانه درخت زاریست، عقاب بران نشیند و ہر کلگی ازیں جا بر گیرند و هموار خورش بداں جانوران مقرر''۔ (آئین اکبری، ص ۵۶۸)۔

ھیں اور خورش بھی اس کو دیتے ھیں ۔

تاکامو[1] (ناکامو)

میں ایک چشمہ چالیس بیگھے کے عرصے میں ھے نیلہ ناگ نام ۔ پانی اُس کا نہایت صاف نیل گوں ۔ وہ بھی ایک تیرتھ ھے ۔ گرد اُس کے اکثر ہنود جا کر اپنے تئیں جلاتے ھیں اور جسم کو راکھ بناتے ھیں ۔ سوائے اس کے شگن بھی اس سے لیتے ھیں ؛ اس طرح کہ جوز کے چار حصے کر کے اُس میں ڈالتے ھیں ۔ اگر طاق اُس کے پانی پر ترتا رھے تو نیک ، نہیں تو بد ۔ اگلے زمانے میں ایک کتاب وھیں سے نکلی ھے ۔ نام اُس کا ''تیل منہ'' (نیل متھہ) ۔ کشمیر کے حالات اور خواص پرستش گاھوں[2] کے اُس میں تفصیل وار لکھے ھیں ۔ کہتے ھیں کہ پانی کے تلے وھاں ایک شہر ھے نہایت آباد و معمور ۔ مدو شاہ کی سلطنت میں ایک برھمن اس میں گر کر غائب ھو جاتا اور بعد دو تین دن کے پھر نکلتا ، بہت سے تحائف لاتا ، خبریں بھی اکثر دیتا ۔

۱۔ ''تاکامومیں'' نسخۂ اول تا چہارم اسی طرح املا ھے ، لیکن نسخۂ انجمن (ص ۲۲۵) میں عنوان '' تاکامو'' ھے ، متن میں لفظ ''میں'' جدا لکھا ھے ۔ یہی صحیح ھے ۔

و در '' ناکامو'' چشمہ ایست نیلہ ناگ نام ، حوض او چہل بیگہ ، آب بہ غایت صاف کبود می نماید و آں را نیالش گاہ انگارند ـ ـ ـ ـ ـ ـ (آئین اکبری ، ص ۵۶۸) ۔

در '' ناکامو'' چشمۂ ایست نیلہ ناگ نام بر گیرند ـ ـ ـ ـ ـ ـ آں را نیل مہتہ خوانند ـ ـ ـ ـ ـ ـ (خلاصۃالتواریخ ، ص ۸۲) ۔

۲۔ نسخۂ اول (ص ۱۹۹) میں ''گاہ ھوں'' املا غلط ھے ۔ بقیہ میں صحیح ، یعنی ''گاھوں'' ۔

لار[1]

کی اُتّر طرف ایک پہاڑ ہے نہایت بلند ۔ دامنے میں اس کے دو چشمے ہیں ۔ ایک گرم حد سے زیادہ اور دوسرا سرد اسی مرتبے ، لیکن تفاوت ان میں دو گز کا ۔ اُن کو بھی تیرتھ جانتے ہیں ۔ چناں چہ استخواں اپنے جسم کے وہاں بھی ایسے جلاتے ہیں کہ راکھ ہو جاتے ہیں اور وہیں پہاڑ میں ایک اور بڑا تالاب ہے ۔ ہڈیاں راکھ مُردوں کی اُس میں بھی ڈالتے ہیں اور وسیلہ تقریب (تقرب)

۱۔ ''لار بہ کہسار تبت کلاں پیوستۂ شمال او کوہے است ۔ بس بلند بر ہمگی ملک مشرف ، فراز آں آساں نہ تواں شد ، و در دامنۂ آں دو چشمہ ، دو گز از یک دیگر دور ، آب یکے فراواں سرد ، و دیگرے بس گرم ، آں را پرستش جا شمرند ۔ و استخوانی کالبد را دراں جا خاکستر گردانند ۔۔۔۔۔۔ (آئین اکبری ص ۵۶۹)

''و در دامن آں دو چشمۂ دو گز از یک دگر جدا رود ، یکے فراواں سرد و دیگرے بس گرم ۔ از پرستش گاہ شمرند ، و استخوانی کاخ کالبد را دراں جا خاکستر گردانند ۔ میان کوہ کولابے است بزرگ ، استخواں و خاکستر مُردگاں اندازند ، و آں را وسیلۂ تقریب الٰہی پندارند ، وگر درو گوشت جانوراں افتد ، برف و باراں سخت در گردد''۔ (خلاصہ ، ص ۸۲)

''خلاصۃ التواریخ'' میں ''لار'' سے متصل دو چشموں کا ذکر ہے ، مگر ''لار'' کا حوالہ نہیں ۔ نسخۂ اول میں ''لارکی'' نام لکھا ہے اور ''آئین اکبری'' میں صرف ''لار'' کا حوالہ ہے ۔ اس لیے ''لارکی'' غلط ہے ۔ (فائق)

جدید نام ''لار'' سنسکرت ''لہر'' (راج ترنگنی ، ص ۳۱۹) ۔ کشمیر کا جغرافیہ قدیم ۔

کا جانتے ہیں ۔ احیاناً اگر اس میں کسی جانور کا گوشت پڑ جاوے تو برف شدت سے پڑے اور مینہ بہت برسے ۔

ناردا[1]

میں ایک چشمہ[2] ہے ۔ اگر کوڑھی اتوار کے دن صبح کے وقت اس کے پانی سے اپنا بدن دھونویں (دھوویں) اچھے ہو جاویں ۔

کوثر ناگ[3]

ایک بت خانہ ہے ۔ ٹھاکر وہاں کا مہا دیو ۔ جو کوئی وہاں پوجا کو جاوے ، تمام باجوں کی آواز سنے اور کوئی نہ جانے کہ یہ آواز کہاں سے آتی ہے ۔

۱- ''ناردا'' نسخۂ اول (ص ۱۹۹) ، نسخۂ دوم (ص ۱۳۱) ، نسخۂ سوم (ص ۱۵۴) لیکن نسخۂ چہارم (ص ۱۸۷) میں ''پاردا'' ہے ۔

۲- و در موضع ''پاروا'' چشمۂ ایست کہ مبروصان روز یک شنبہ سحرگاہ بہ آب آں تن شویند ، و تندرستی یابند ۔ (خلاصۃ التواریخ ص ۸۲) ۔

و در موضع باروا چشمہ ایست کہ مبروصان روز یک شنبہ سحرگاہ بہ آب آں تن شویند ۔ و تن درستی یابند ۔ (آئین اکبری ، ص ۵٦۹)

۳- ''کوثر ناگ'' نسخۂ اول (ص ۱۹۹) ۔

''کوسر ناگ'' نسخۂ دوم (ص ۱۳۱) ، نسخۂ سوم (ص ۱۵۴) ۔

''بھوتیسر'' نسخۂ چہارم (ص ۱۸۸) ۔ اس نسخے میں نام ہی بدل دیا گیا ہے ۔

خلاصۃالتواریخ (ص ۸۲) میں ''لوسر'' ہے ۔

آئین اکبری (ص ۵٦۹) میں ''بھوتیسر'' ہے ۔

''نوسر'' نام معبدے ست منسوب بہ مہا دیو ، ہر کہ بہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۲ پر)

اولر[1]

چھوٹی تبت میں ایک بڑا تالاب (اولر) ہے۔ اٹھائیس کوس کے گرد میں۔ دریائے بھٹ جب اس میں آتا ہے ایک لحظہ ناپید ہو جاتا ہے، میں ایک (کرگانو) درہ ہے:

سویم[2]

نام، وہاں دس جریب کی مقدار ایک زمین ہے۔ جب مشتری

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ

زیارت گری رود، آواز آلات پرستش گری بہ گوشش آید، و کس نہ داند کہ از کجاست۔ (خلاصۃالتواریخ، ص ۸۲)

دیگر ''بھوتیسر'' نام معبدیست منسوب بہ مہا دیو، ہر کہ بہ زیارت گری رود، آواز آلات پرستش بہ گوش رسد، و کس نداند کہ از کجاست۔ (آئین اکبری، ص ۵۶۹)

۱- بہ تبت خورد کولابے است بزرگ ''اولر'' نام۔ دورہ بست و ہشت کروہ، دریائے بہت درو ریزد، و لختے نا پدید گردد۔ (خلاصہ ص ۸۲)۔

و در ''کھویہ ہامویہ'' (کھوہامو۔ و در گلزار کشمیر کوبہامہ) کہ پیوستہ بر تبت خرد است کولابے است بزرگ ''اولر'' نام، دورہ بیست و ہشت کروہ، دریائے بہت درو بہ ریزد، و لختے نا پدید گردد۔ (آئین اکبری، ص ۵۶۹)

''اولر'' کا لفظ ''تالاب'' کے بعد ترجمے میں رہ گیا ہے۔ صحت کی گئی۔ (فائق)

۲- و نزدیک ''کرگانو'' درہ ایست ''سوبم'' نام، دراں جا دہ جریب زمینے است، چوں مشتری بہ اسد رسد، تا یک ماہ چناں گرم شود، کہ درخت بسوزد۔ دیگ پر کردہ بہ زمین گذارند، پزد۔ خلاصہ (ص ۸۳)

اس عبارت کے ترجمے میں فروگزاشت ہوئی ہے۔ ''میں ایک کرگانو درہ ہے'' مہمل عبارت ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہے:- ''کرگانوں کے قریب ایک درہ ہے سوبم نام۔۔۔۔۔'' (فائق)

اسد میں آتی ہے ، مہینے بھر وہ ایسی گرم رہتی ہے کہ درخت وہاں ہووے تو جل جائے اور دیگ بھری ہوئی جو اس پر رکھ دیویں ، کھانا پک آئے ۔ قریب اس کے :

کام راج[1]

ایک آباد قصبہ ہے ۔ درہ اس کا ایک کاشغر سے ملا ہوا ،

۱- پیوست آں قصبچہ ایست آباد ''کمراج'' درہ او یک سو به کاشغر پیوندد و غرب رویه پکلی است ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (خلاصة التواریخ ، ص ۸۲)

آئین اکبری میں مسلسل عبارت یہ ہے :

''و نیز درو قصبچه ایست آباد ۔ از کمراج درۂ او یک سو به کاشغر پیوندد ۔ و باختر رویه پکلی ۔ دراں جا طلا یابند ، در گذرہائے آب پوست بز بلند مو بگسترند و در اطراف آن سنگ نہند تا آب نه برد ، پس از سه روز برداشته به آفتاب گذارند ، چوں خشک شود ، بر فشانند ، تاسه تولچگی بر آید ، و درۂ دیگر بدو پیوسته گلگت نام ۔ ایں نیز به کاشغر پیوندد ، در آں جا طلا به خاک شوئی بدست آورند ۔

و دو روزه راه از ہاے ہاموں دریاے است که از ولایت داردو (داورد) می آید ، پدمتی (بدمتی) نام ازو طلا بر ستانند ، و بر کنار آں سنگین بت خانه ایست ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (آئین اکبری ، ص ۵۷۰)

اس عبارت کا بھی یہی مفہوم ہے کہ قصبہ کامراج (کمراج) کا ایک درہ کاشغر سے ملتا ہے ۔ اس کے مغرب میں پکھلی ہے ، وہاں سونا ملتا ہے ، پانی کی گزر گاہوں میں بڑے بالوں والی بکری کی کھال بچھا دیتے ہیں اور اسی کے آس پاس پتھر رکھ دیتے ہیں کہ پانی بہا نہ لے جائے ، دو تین دن بعد اٹھا کر دھوپ میں سکھاتے ہیں اور جھاڑتے ہیں ۔ تین تولے تک سونا نکل آتا ہے ۔ دوسرے درے سے متصل گلگت ۔ یہ بھی کاشغر سے مل جاتا ہے ۔ وہاں مٹی دھو کر سونا حاصل

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۴ پر)

غرب رو اُس کے بگلی[1] ، وہاں پانی کی گزرگاہوں میں درخت کے بگّل ڈال کر اُن کے سروں پر پتھر رکھ دیتے ہیں ، اس واسطے کہ بہہ نہ جائیں ؛ بعد دو تین دن کے اُٹھا کر دھوپ میں دھرتے ہیں اور خشک ہونے پر جب جھاڑتے ہیں ، دو تین تولے سونا جھڑ پڑتا ہے ۔

گلگت[2]

نام ایک اور درہ ہے ۔ وہ بھی کاشغر سے متصل ۔ وہاں کے پہاڑوں سے دو دن کی راہ ولایت داردو ہے ۔

دریائے : مدمنی (پدمنی) نام ایک دریاؤ وہیں سے آدھر آیا ہے ۔ اگر نیاریے ریگ شوی وہاں بیٹھ کر کریں ، اپنی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

کرتے ہیں اور دو روزہ راہ پر پدمنی دریا ہے (جو ولایت داردو سے آتا ہے) اُس سے سونا نکالتے ہیں اور اس کے کنارے پتھر کی پرستش گاہ ہے ۔ (فائق)

۱۔ ''بگّلی'' نسخۂ اول (ص ۲۰۰) ، نسخۂ دوم (ص ۱۴۱) ۔
''بگلی'' نسخۂ سوم (ص ۱۵۵) ۔
''بکھلی'' نسخۂ چہارم (ص ۱۸۸) ۔

۲۔ ''کلکت'' نسخۂ اول (ص ۲۰۰) ، نسخۂ دوم (ص ۱۴۱) ، نسخۂ سوم (ص ۱۵۵) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۸۸) ۔

درہ دیگر بدو پیوستہ کلکت آں نیز بہ کاشغر پیوندد ، و دراں جا طلا بہ خاک شویٔ بہ دست آورند ۔ (خلاصۃ التواریخ ص ، ۸۲) ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۵ پر)

مٹھیاں سونے سے بھریں ۔ کنارے پر اُس کے ایک سنگین بت خانہ ہے ، نام اُس کا :

سارداؔ[1]

درگا سے منسوب ۔ ہنود کا وہ بھی بڑا معبد ہے اور وہاں کی پرستش کا ثواب اُن کے نزدیک بے حد ۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

اس کا ترجمہ افسوس نے یہ لکھا ہے :

''گلگت نام ایک اور درہ ہے ، وہ بھی کاشغر سے متصل ، وہاں کے پہاڑوں سے دو دن کی راہ ولایت داردو ہے ، مدمتی نام ایک دریاؤ وہیں سے اُدھر آیا ہے ۔ اگر نیارے ریگ شوئی وہاں بیٹھ کر کریں ، اپنی مٹھیاں سونے سے بھریں ، کنارے پر اُس کے ایک سنگین بت خانہ ہے ۔۔۔۔۔۔'' (آرائش محفل)

یہ ترجمہ فارسی کی اصل عبارت سے زائد ہے ۔ فارسی کی عبارت جو اوپر والی عبارت کے بعد ہے ، اُسے بھی پیش کیا جاتا ہے تاکہ دونوں عبارتوں سے مطلب واضح ہو جائے :

''دو روزہ راہ از ہاموں دریاے است از ولایت دلدود (داردو) می آید ، پدمتی نام ازو طلا بر ستانند و بر کنار آن سنگین معبدیست''۔ (خلاصہ ص ۸۲) ۔

ان دونوں عبارتوں کا مفہوم واضح نہ ہو سکا ، اس لیے ترجمہ لفظی لکھا جاتا ہے :

''دوسرا درہ اُس سے ملا ہوا گلگت ، وہ بھی کاشغر سے مل جاتا ہے اور وہاں سونا مٹی کو دھو کر حاصل کرتے ہیں ۔

صحرا سے دو دن کی راہ پر پدمتی نام دریا (جو داردو کی ولایت سے نکلتا ہے) ، اُس سے سونا نکالتے ہیں اور اُس کے کنارے پتھر کی ایک پرستش گاہ ہے ۔ (فائق)

۱۔ شاردا (آئین اکبری ، ص ۵۷۰) سادرا خلاصۃالتواریخ ، ص ۸۲ ۔

پکھلی:

سرکار بگلی (پگھلی) بھی اسی صوبے میں داخل ہے۔ لنبان (لمبان) اس کا پینتیس کوس کا اور چوڑان پچیس کوس۔ توران کی طرح وھاں بھی برف پڑتی ہے، جاڑا بیش تر رھتا ہے، لیکن برسات ہندوستان کی مانند، اور کھیتوں کی شادابی کا سبب تین دریا کشن گنگ، بھٹ، سندھ۔ زبان ملک مذکور کی کشمیر سے ملتی ہوئی ہندوستان و زابلستان سے باھر۔ غلے کی اقسام میں چنا اور جو بہت، میوؤں میں زردالو، شفتالو، اخروٹ، لیکن خود رو، بر میوہ توڑنے کی رسم کم۔ اسپ و شترگاؤ، گاؤ میش و جانور شکاری نہ تھوڑے نہ بہت، بکری اور خرگوش کی کثرت۔

القصہ کشمیر ایک ملک دل‌کشہ اور باغ پُر فضا۔ ہر موسم میں وھاں بہار رھتی ہے اور ھوا باغ رضواں کی سی بہتی ہے۔ پانی وھاں کا خوش‌گوار ہر گل زار میں جاری، انہار و آب شار، گل رنگ بہ رنگ کے ہزار ھا، خصوصاً گلاب و بنفشہ و نرگس خود رو صحرا صحرا۔ غرض اُس ملک کی طرفہ بہار و عجائب خزاں ہے۔ فی‌الحقیقت وہ سرزمین باغ بوستاں و لائق دوستاں ہے۔ سوائے شاہ آلو و شہ توت میوے بہت ھوتے ھیں۔ خربوزہ، تربوز، سیب، شفتالو، زردالو نہایت لذیذ و لطیف۔ انگور اگرچہ کثرت سے ھوتا ہے، لیکن اکثر بےمزہ وکثیف؛ باوجودکہ شہ توت کے درختوں کی بہتایت ہے، پر ثمر اُن کا کم کھاتے ھیں، مگر اُن کے پتے ریشم کے کیڑوں کو کھلاتے ھیں۔ خورش وھاں کے باشندوں کی مچھلی خشکہ بلکہ باسی بیش تر، اور ساگ پات اقسام کے؛ چناں چہ اس کو سکھا بھی رکھتے ھیں۔ ہر چندکہ دھان کی بہتایت ہے پر اچھا کم ھوتا ہے۔ گیہوں بھی نپٹ چھوٹا، سیاہ، تس پر قلیل، اور مونگ

وہاں کے باشندے کم کھاتے ہیں ، جَو تو نظر ہی نہیں آتے ۔ زمین وہاں کی سیلابی اور مرطوب ، جُوتنے کے لیے نہایت خوب ۔ باوجود خلقت کی بہتایت کے اور وجہ معیشت کی قلت کے چوری اور گدائی وہاں نہیں ۔ ساکن وہاں کے بیش تر کثیف الاوقات ؛ چناں چہ ایک جامہ شالی ہمیشہ پہنے رہتے ہیں لیکن قابل ، دین داری و دنیا داری میں کامل ۔ یہ غلط ہے کہ سب کے سب نیک ظاہر و بد باطن ہوتے ہیں مگر اچھے کم اور برے بہت ۔ پر اونٹ اور ہاتھی وہاں نہیں ہوتا ، ہاں ٹانگن کثرت سے اور نہایت زور آور چالاک ، رہوار گریوہ[1] (کریوہ) گزار، لیکن گائیں سیاہ رنگ ، پر دودھ اُن کا نپٹ گاڑھا ، چکنا ، اور ایک قسم کی بھیڑ وہاں ہوتی ہے ، لوگ اس شہر کے اس کو ہنڈو کہتے ہیں ، گوشت اس کا نہایت لذید و خوش ذائقہ ۔ اور داد و ستد نقد کی بہت کم، راہیں آمد و شد کی ہندوستان میں اور اس میں چھبیس لیکن بھنبر و بگلی (پکھلی) ہو کر جانا بہتر ، ہاں اتنا تفاوت ہے کہ پہلی نزدیک تر اور کئی شعبے رکھتی ہے ، مگر آمد و رفت لشکر کی پر پنجال[2] (پیر پنچال)

۱۔ ''کریوہ گزار'' نسخۂ اول (ص ۲۰۱) ، نسخۂ دوم (ص ۱۳۲) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۹۰) ۔

''کریوہ'' نسخۂ سوم (ص ۱۵٦) ۔

۲۔ ''پر پنجال'' نسخہ اول (ص ۲۰۲) ، نسخۂ دوم (ص ۱۳۲) ، نسخۂ سوم (ص ۱۵٦) ۔

''پیر پنجال'' نسخۂ چہارم (ص ۱۹۰) ۔

''کشمیر کے گرد جو کوہی حلقہ موجود ہے اسے تین مختلف سلسلوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے، ان میں سے ایک حصہ سلسلۂ کوہ کو ''پیر پنجال'' کہتے ہیں''۔ (''کشمیر کا جغرافیہ قدیم'' ص ۹۵ - مترجم ٹھاکر اچھر چند شاہ پوریہ) ۔

کی طرف سے ۔ احیاناً اگر وہاں کے پہاڑ پر کوئی بیل گھوڑا ذبح کرے وونہیں (ووں ہی) آندھی اور بدلی بکثرت نمود ہو ، پھر برف بہت سی بڑے یا مینہ برسے ۔ طول اس صوبے کا قبر (قنبر دیر) سے لے کر کشن گنگ تلک ایک سو بیس کوس اور عرض اسّی کوس لیکن آئین اکبری میں پچیس کوس لکھا ہے ۔ شرق اس کے تبرستان[1] و چناب ، شرقی و جنوبی پانہال (بانہال) اور جـمّو (جموں) کا پہاڑ ، شرقی تبت کلاں ، غربی بگلی (پکھلی) و دریائے کشن گنگ ، غربی و جنوبی ولایت گھکر ، غربی و شمالی تبت خورد ، چوگرد پہاڑ ۔ متعلق اس کے چالیس محال ، آمدنی بارہ کروڑ باسٹھ لاکھ پچاسی ہزار دام ؛ علاوہ اس کے دو ہزار چار سو کلگی کے پتّر بھی اس صوبے کے مداخل میں ہیں ۔

۱۔ ''تبرستان'' نسخہ نمبر ۱ تا نمبر ۳ ۔
''پیرستان'' نسخۂ چہارم (ص ۱۹۱) ۔
''ہرستان'' (آئین اکبری ، ص ۵۰۲) ۔
''سرستان'' خلاصہ (ص ۸۳) ۔

صوبۂ کابل

قدیم شہر ہے۔ نہایت خوب و خوش آب و ہوا۔ پشنگ بن تور بن فریدوں نے اسے آباد کیا اور اس کو آباد ہوئے عالم‌گیر کے سن چہلم جلوسی تک دو ہزار اور ایک سو برس کچھ اوپر گزرے۔ قلعہ اس کا نپٹ استوار پائے دار، اور اندر کا قلعہ ایک چھوٹے سے پہاڑ پر۔ اس پر مشرف ایک اور پہاڑ، نام اس کا حصار عقابین اور بعضے کوہ صفا بھی اس کو کہتے ہیں، لیکن بلدۂ مذکور کے بعضے سیاحوں کی زبانی یوں سنا ہے کہ وہ پہاڑ قلعۂ اول کی عمارت پر مشرف ہے۔ غرض دامنے میں اس کے باغ و گل زار اکثر، خصوصاً[1] باغ شہ لالہ کہ بابر بادشاہ نے نو سو پچیس ہجری میں بنایا تھا۔ پھر قریب اس کے جہاں‌گیر نے باغ جہاں آرا ایک ہزار سولہ ہجری میں بنیاد کیا، اور لبِ دریا گزرگاہ میں مقبرہ بابر کا اور ہندال مرزا اس کے خلف کا؛ سوائے اس کے محمد حکیم مرزا ابن ہمایوں کا بھی تعمیر ہوا ہے۔ اور اس شہر کی نواح میں

۱۔ ''خاصہ باغ شہر آرا کہ بہ شاہ لالاں شہرت دارد''۔ (خلاصہ ص ۸۳)۔

افسوس نے صرف باغ شہ لالہ کہا ہے حالاں‌کہ خلاصۃ التواریخ کے مصنف نے باغ کا نام ''باغ شہر آرا'' یا ''باغ شاہ لالاں'' ظاہر کیا ہے۔ آگے عبارت میں باغ شہر آرا کا ذکر کیا ہے جس سے اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ دو باغ ہیں حالاں‌کہ ایک ہی باغ کے دو نام ہیں۔ (فائق)

دو دریا ھیں ، ایک جلندر[1] (الندر) سے آ کر باغ شہرآرا اور جہان آرا و شہر کے گلی کوچوں سے گزرتا ھے ، نام اُس کا جوے خطبان اور دوسرا[2] غزنین و لوہ گڑھ سے آ کر ۔ وہ یعقوب کے پاس ھوتا ھوا لاھوری دروازے کے آگے جا نکلا ، نام اُس کا جوے پل مستان ۔ پانی اس کا شفاف و خوش ذائقہ بلکہ بعضی بیماریوں کے واسطے شربت شفا ۔

تومان دامنہ[3] کوہ

خورد کابل بھی اس کو کہتے ھیں ۔ بھول پھل اس میں

۱۔ ''جلندر'' نسخہ نمبر ۱ تا نمبر ۳ لیکن نسخۂ چہارم (ص ۱۹۲) میں ''الندر'' ھے ۔

''یکے از الندر می‌آید و از میان باغ شہر آرا و جہان آرا و کوچہائے شہر می‌گزرد ۔ و آں را جوئے خطیباں خوانند ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۸۴) یکے از للندر'' ۔ (آئین اکبری ، ص ۵۹۲)

۲۔ ''و دیگرے از جانب غزنیں و لوہ گدہ آمدہ از تنگی دہ یعقوب گزشتہ از پیش دروازہ لاھوری می رود و آں را جوے پل مستاں گویند''۔ (خلاصہ ، ص ۸۴)

لیکن آئین اکبری کی عبارت مختلف ھے ملاحظہ ھو :

''دیگر از تنگی دیہ یعقوب از پیش دروازۂ دھلی بہ دیہ معمورہ شتابد آں را جوے پل مستاں خوانند''۔ (آئین اکبری ، ص ۵۹۲) ۔

ایک لاھوری دروازے کے سامنے سے گزر بتاتا ھے ، دوسرا دھلی دروازے کے رو برو سے ۔ (فائق)

۳۔ ''تومان دامنۂ کوہ کہ آں را پنجاب کابل گویند''۔ (خلاصہ ، ص ۸۴)

اس کا ترجمہ افسوس نے یہ لکھا ھے :

''تومان دامنہ کوہ خورد کابل بھی اس کو کہتے ھیں'' ۔

خلاصۃ التواریخ کے مصنف نے ''پنجاب کابل'' لکھا ھے ۔ (فائق)

رنگ به رنگ کے خوش بو و خوش رنگ ، خوش مزہ کثرت سے ہیں ؛ خصوصاً پیمغان[1] (لمغان) و کاھدرہ و فرزہ (غررہ) و استرغچ و استالف (استانف) وغیرہ قابل دید و لائق سیر : چناں چہ سلاطین اکثر اوقات وھاں سیر کیا کرتے تھے اور دیر دیر رھا کرتے تھے ۔

تومان غوربند

بلخ کی طرف ایک قریہ ھے ۔ وھاں کے لالہ کی رنگت کو لعل نہیں پہنچتا اور ریاحین کی بوباس کو عطر نہیں لگتا ۔ غرض لالہ وھاں تینتیس قسم کا ھوتا ھے ؛ چناں چہ ایک قسم تو گلاب کی باس رکھتا ھے ، بنا بر اس کے لالۂ بویا اس کو کہتے ھیں اور کان لاجورد و نقرہ بھی وھاں سے قریب ھے ۔ سوائے اس کے ایک ریگ زار ھے ، نام اُس کا خواجہ ریگ رواں ، گرمیوں میں وھاں سے ڈھول اور نقارے کی آواز آتی ھے اور لم اس کی جانی نہیں جاتی ۔ یہی مقام لشکر توران کے رو بہ رو اور حدودِ بلخ کے سامنے گویا ایک دیوار مستحکم ھے ۔

تومان ضحاک ــــــ تومان بامیان

یے (یہ) دونوں مقام قدما کے آثار و نشان سے ھیں ، اور اس نواح کے پہاڑوں میں کھود کر بارہ ھزار سردابے بنا کر گچ و نقاشی اُن پر کی ھے ۔ سابق اس سے جاڑوں میں وھاں کے لوگ اپنا مال و اسباب ان میں رکھ کر دل جمعی سے اوقات بسر کرتے تھے ۔ لطف یہ ھے کہ ایک سردابے کے بیچ تابوت میں

۱- ''پمغان'' نسخۂ اول (ص ۲۰۳) ۔
''پیمغان'' نسخۂ دوم (ص ۱۴۳) ، نسخۂ سوم (ص ۱۵۷) ، نسخۂ انجمن (ص ۲۳۱) ۔
''لمغان'' نسخۂ چہارم (ص ۱۹۲) ۔

ایک شخص مانند خفتگان آرام سے سوتا ہے - کہتے ہیں کہ چار سو برس سے کچھ اوپر ہوئے کہ چنگیز خاں کے عہد میں یہ بزرگ شہید ہؤا تھا - اب اعضا اس کے جوں کے توں ہیں اور مقام اس کا زیارت گاہ - راقم[1] نے بھی سوائے اس کے ایک عجیب و غریب نقل آغا محمد تاجر اصفہانی سے اس تومان کی سنی ہے - اتفاقاً وہ بزرگ ایک ہزار دو سو بیس ہجری میں کلکتے کے بیچ وارد ہوا ، تھا احیاناً حقیر سے اور اُس سے ایک دن ملاقات ہوگئی، بعضے بلاد کا بھی مذکور درمیان آیا - جب کابل کا ذکر نکلا، تاجر موصوف کہنے لگا کہ سابق اس سے ہم کئی شخص شہر مذکور کی طرف جاتے تھے ، ناگاہ تومان ضحاک کی سمت جا نکلے ، جب قلعے کے متصل پہنچے ، اندر گئے ، جا بہ جا سے مکانات اُس کے ٹوٹے پائے بلکہ کتنی دیواریں بھی ، لیکن ایک پتھر کا اندارا نہایت کلاں ، پر خشک ، بے آب ، جوں کا توں اُس پر دیکھا ، جا کھڑے رہے - اتنے میں نگاہ ہر ایک کی جو اپنے اپنے کپڑوں پر پڑی ان کو زمرد سے بھی زیادہ سبز دیکھا حالاں کہ سفید تھے- جب قلعے سے باہر نکلے پھر جیسے کے تیسے ہو گئے - اگر یہ آثار طلسم سے ہوں تو کچھ بعید نہیں ، الغیب عند اللہ -

تومان غزنیں

ایک قریہ ہے - زابل بھی اُسے کہتے ہیں - اگلے زمانے میں سلاطینِ خراسان کی تخت گاہ تھا ؛ خصوصاً سلطان ناصرالدین سبکتگی[2]

۱- مراد مترجم، یعنی (شیر علی افسوس) -

۲- ''سبتگی'' نسخۂ اول (ص ۲۰۳) ، نسخۂ دوم (ص ۱۴۴) ، نسخۂ سوم (ص ۱۵۸) -

''سبکتگیں'' نسخۂ چہارم (ص ۱۹۴) ، نسخۂ انجمن (ص ۲۳۳) - خلاصۃ التواریخ میں سبکتگین ہے - (ص ۸۴)

و سلطان محمود غزنوی و سلطان شہاب الدین غوری کی اور حکیم سنائی بھی وھیں مدفون ھے بلکہ اکثر اولیا اسی طبقے میں آسودہ ھیں۔ جاڑے کی شدت اور برف کی کثرت کے سبب اس کو برابر تبریز و ثمرقند[1] (سمرقند) کے جانتے ھیں۔ اژدھات بھی اس کی اطراف میں بہت پیدا ھوتا ھے؛ چناں چہ ھندوستان میں بھی وھیں سے جاتا ھے۔ نزدیک اس کے ایک چشمہ ھے، اگر بول اس میں پڑے تو ابر و برف کے آثار نمودار ھوویں۔ غرض یہ مقام قندھار کی حد سے قرب رکھتا ھے۔ اسی کو دروازہ ایران کا کہتے ھیں۔

تومان لوہ گرہ[2]

افغان نشین ھے۔ نزدیک اس کے بادہ خواب شجینہ ایک چشمہ ھے کہ گنگا اس کو کہتے ھیں لیکن کتب ھندی میں نام اس کا لوھار گل لکھا ھے۔ ھندو اس کو بڑا تیرتھ جانتے ھیں۔ روز معین وھاں بھی بڑی بھیڑ بھاڑ ھوتی ھے۔ پانی اس کا بھی گنگا کی مانند۔ اگر مدتوں باسنوں میں رکھیے، بدبو نہیں ھوتا۔

۱۔ ''ثمرقند'' نسخۂ اول (ص ۲۰۳)، نسخۂ دوم (ص ۱۳۵)، نسخۂ سوم (ص ۱۵۹)، نسخۂ انجمن (ص ۲۳۳)۔
''سمرقند'' نسخۂ چہارم (ص ۱۹۳)۔ خلاصۃ التواریخ، (ص ۸۳) میں بھی سمرقند ھے۔

۲۔ تومان لوہ گرہ اکثر افغان نشین است (؟) و نزدیک آں در موضع ''بادہ خواب سجنہ'' چشمہ ایست کہ آں را گنگا گویند و در کتب ھند ''لوھار کل'' نویسند ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (خلاصۃ التواریخ، ص ۸۳)

تومان مندراور و علی شنگ[1]

ایک قریہ ہے ۔ وہاں کے زمیں داروں کو کافر کہتے ہیں ۔ اُس جگہ قبر حضرت نوح علیہ‌السلام کے باپ کی ہے ۔ نام اس بزرگ کا 'لام' اور بعضے 'الک' بھی لکھ گئے ہیں ۔ از بس کہ وہاں کے باشندے گاف کو غین سے بدلا کرتے ہیں اس لیے المغ اکثر کی زبان زد ہے ۔

تومان بخراد[2]

ایک مقام ہے ۔ چلغوزہ وہاں کا مشہور ۔ لطف یہ ہے کہ اس کو وہاں بجائے چراغ کے جلاتے ہیں ۔ چناں چہ روشنی اس کی نہایت نورانی ہوتی ہے ، اور اس کے اطراف میں ایک جانور

۱۔ ''تومان مندراور و علی شنگ بر روے کافرستان است و بومیان آں را کافر گویند ، دراں جا مزار حضرت ازلام پدر حضرت نوح است ۔ و آں بزرگ وار را لمک هم نویسند ۔ چوں مردم آں دیار کاف را غین هم گویند ، ازیں جہت آں نواحی را لمغاں خوانند'' ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۸۵) ۔

''تومان مندراور میموں فراواں رُود علی‌شنگ و رود النگار یکجا شدہ بہ آب باراں پیوندد ۔ و آب چغاں سرائے ، میاں شرق و شمال گزشتہ بہ کتور در آید ۔

در گرد تومان علی شنگ کوہ ہاے بزرگ برف آمود ، و درو سرچشمۂ رودِ علی شنگ ، بومی آں را کافر گویند ۔ دراں نزدیکی قبرے است ، مردم بر آں کہ ازلام پدر نوح است و لمک نیز گویند ، و بیشتر مردم ایں جا کافر را غین بر خوانند ، و لمغان ازیں جہت گزارش یابد ۔ (آئین اکبری ، ص ۵۹۲ و ۵۹۳)۔

۲۔ ''تومان بحراو پُر از کافران است چیلغورۂ آں جا مشہور ، دراں حدود جانوریست آں را روبہ پرّاں گویند ، از مسکن خود یک دو درعہ پرواز کند ، و نیز موشے است کہ بوئے مشک ازو آید''۔ (خلاصہ ، ص ۸۵) ۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۵ پر)

ہے ۔ اس کو روباہِ پرّان کہتے ہیں لیکن اپنے مسکن سے ایک دو اڑان سے زیادہ نہیں اڑتا اور چوہا بھی وہاں مشک بو ہوتا ہے ۔

تومان نیک نہار[1] (ننگنہار یا ننگھرہار)

ایک مقام ہے داروغہ نشین ۔ اگلے زمانے میں آدینہ پور

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

''کہستان تومان نجر او ، نیز پر از کافران است مردم بہ جائے چراغ چوب چلغوزہ سوزند ، و روشنی افزاید ، جانوریست آں را روبہ پرّاں گویند ، از نشیب گاہ یک گز اندازہ پرواز کند ، و نیز موشے باشد کہ بوئے مشک ازو آید''۔ (آئین اکبری ، ص ۵۹۳) ۔

۱۔ ''ننگنہار یا ننگھرہار'' خیبر سے مغرب ، دریائے کابل سے جنوب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ علاقہ واقع ہے ۔ (تاریخ مخزن پنجاب ، ص ۳٦۷) ۔

''تومان نیک بہار در زمانہ سلف جوے شاہی مشہور بود و داروغہ نشین ''آدینہ پور'' درعہد حضرت محمد اکبر بادشاہ بر کنار دریائے نیلاب شہر جلال آباد احداث نمودہ ، اگرچہ میوہ فراوان شود ، اما انار آں جا مشہور است دو کرو (؟ه) آں باغ صفا کہ بہ چہار باغ شہرت دارد ، و ''باغ وفا'' از آثار حضرت محمد اکبر بادشاہ است ، انار بیدانہ آں جا مشہور ، دریں حدود برف نہ بارد ، و سرما چنداں نہ شود ، و کافر درہ و کوہ مسکن کافراں ازاں جا نزدیک است ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۸۵) ۔

''تومان نیک نہال (ننگ نہار) از لمعانات ، داروغہ نشین ، در زمان پیشیں آدینہ پور بود و امروز جلال آباد ، برف نہ بارد ، سرما بداں مایہ نبود ۔ و ' نہ رود کشت و کار را سرسبز و شاداب دارد ۔ انار بیدانہ شود ۔ و نزد جلال آباد باغ صفا یادگار فردوس مکانی ۔ نزدیک آدینہ پور باغ وفا نیز از آثار آں خدیو آگاہ ، جنوب کوہ سفید حیرت افزاید ، و برف ہیچ گاہ کم نشود ، ازیں جہت بداں نام روشناس و دریں حدود کوہچہ ایست ہرگاہ در کابل برف بارد ، بران نیز ریزش شود ۔ (آئین اکبری ، ص ۵۹۲)

مشہور تھا ۔ اکبر کے وقت میں جلال آباد کہلایا ۔ آبادی اس کی دریائے نیلاب کے کنارے ۔ میوے اس میں اکثر ہوتے ہیں لیکن انار وہاں کا لاثانی ہے ، اور دو کوس وہاں سے باغ صفا کہ چار باغ کر مشہور ہے ، اور اسی نواح میں باغ وفا بھی یادگار بابر بادشاہ نہایت پُر فضا و دل کشا ہے ۔ بیدانہ انار وہاں کا بے نظیر ہے ۔ غرض اس مقام میں برف نہیں پڑتی اور ٹھنڈ بھی چنداں نہیں ہوتی ۔ وہاں سے کافر درہ بھی قریب ہے ۔ از بس کہ وہاں کافر رہتے ہیں اس لیے یہی نام اس کا ٹھہر گیا ۔

تومان بجور[1]

جانب کاشغر ۔ قلعہ وہاں کا حاکم نشین قدیم سے ہے اور ہوا گرمی میں زیادہ گرم اور سردی میں بیش‌تر سرد ، لیکن تمام

۱۔ ”باجوڑ ۔ یہ علاقہ ایک عمدہ موقع پر اونچے پہاڑوں میں واقع ہے ۔ شمال کی طرف اس کے کوہ کافرستان ، مغرب علاقے کونر ، جنوب مہمند ، شرق مہمند و آتمان خیل ، یہ ملک تین حصوں میں منقسم ہے ۔ ایک خاص پرگنہ باجوڑ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔“ ۔ (تاریخ مخزن پنجاب ، ص ۳٦۴) ۔

”تومان بجور (بجور) جانب کاشغر گل قلعہ حاکم نشین از قدیم است ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ “ (خلاصہ ، ص ۸۵)

”سرکار سواد——دروسہ ولایت بنبر ۔ سواد ۔ بجور“ (آئین اکبری ، ص ۵۸۵)

”کوہ سواتھ ۔ اس علاقے کے حدود اربعہ اس طرح پر ہیں کہ شمال میں کوھستان لرم جس کے آتر کی طرف علاقہ دیر ہے ۔ مشرق کی طرف وہ پہاڑ جس کا سلسلہ دریائے سندھ تک پہنچتا ہے ۔ جنوب کی طرف ملک بنھیرو تحصیل یوسف زئی مغرب میں علاقہ اڑنگ بڑنگہ و اتمان خیل و باجوڑ“ ۔ (تاریخ مخزن پنجاب ، ص ۳٦۲)

نواح میں کیا جنگل کیا پہاڑ افغان ہی بستے ہیں، مگر قلعے کی اطراف میں سکونت مغلوں کی ہے، لیکن (وے) اپنے تئیں عرب جانتے ہیں اس طرح سے کہ سلطان سکندر رومی جب اُدھر سے گزرا تو کتنے اپنے خویش و اقربا وہاں چھوڑ گیا تھا۔ چناں چہ عالم‌گیر کے عہد سلطنت تک اُن کی اولاد وہاں رہتی تھی اور افغانوں پر بھی اس کا غلبہ تھا، اب خدا جانے ہے کہ نہیں۔ غرض یہ مقام پچیس کوس طول میں اور دس کوس عرض میں ہے۔

تومان سواد[1]

یہ بھی کاشغر کی طرف ہے۔ بہت سے درے اس سے علاقہ رکھتے ہیں۔ جاڑا گرمی وہاں بہت نہیں لیکن برف بہت پڑتی ہے، بر صحرا میں دو تین دن سے زیادہ نہیں رہتی مگر پہاڑوں پر سال کے سال جاڑا۔ بہار کا موسم برسات کی رُت ہندوستان کی سی۔ پھول توران و ہند کے وہاں اکثر۔ بنفشہ و نرگس خود رو صحرا صحرا، میوۂ خود رستہ بھی علا ھذا القیاس، لیکن شفتالو و ناشپاتی وہاں کی مشہور بلکہ باز و جرّہ شاہین بھی وہاں اچھے سے اچھا بہم پہنچتا ہے۔ اور کان آہن بھی اس کی اطراف میں ہے۔

قصبہ منگلور[2]

حاکم نشین ہے ساتھ اس کے۔ اس تومان کا طول چالیس کوس

۱۔ تومان سواد نیز جانب کاشغر است فراوان دره دارد (خلاصه، ص ۸۵)

۲۔ قصبه منگل پور حاکم نشین و این تومان چهل کروه طول و پانزده کروه عرض دارد، و همگی بنگاه یوسف زئی است ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (خلاصه ص ۸۵)

''و نزدیک درۂ دمغار که به کاشغر پیوندد، قصبۂ منگلور حاکم نشین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔'' (آئین اکبری، ص ۵۸۵)

کا اور عرض پندرہ کوس لیکن فقط یوسف زئی اس میں رہتے ہیں -

تومان بکرم[۱] (بگرام)[۲]

مشہور بہ پیشاور[۳] (پشاور) ہندوستان کی سمت ہے - انگور، شفتالو، خربوزہ وہاں کا توران کا سا اور گرمی جاڑا، بسنت رُت، برسات ہندوستان کی سی- چاول وہاں کا مشہور ہے، فی‌الواقع ہندوستان میں ایسا کہیں نہیں ہوتا ؛ خصوصاً سکھ داس، بلکہ اقسام کے غلے کی بہتایت اور زراعت کی کثرت وہاں رہتی ہے - غرض یہ تومان سب کا سب مسکن افغانوں کا ہے ؛ خصوصاً مہمند وغیرہ لیکن مال‌گزار ہیں بغی نہیں -

---

۱- ''بکرام'' نسخۂ چہارم (ص ۱۹۶) - بقیہ نسخوں میں بکرم ہے جو صحیح ہے -

۲- تومان بگرام - آن مشہور بہ پشاور جانب ہندوستان است انگور و شفتالو و خربوزہ بہ توران ماند، و گرمی و سردی و بہار و خزان و بارش بسان ہندوستان - - - - - - (خلاصہ، ص ۸۵) -

تومان بگرام را پرشاور خوانند ، بہارش نشاط انگیز (آئین اکبری، ص ۵۹۲) -

۳- ''پیشاور'' نسخۂ اول (ص ۲۰۷) - نسخۂ دوم (ص ۱۳۶)، نسخۂ سوم (ص ۱۶۰)، نسخۂ چہارم (ص ۱۹۶) -

پشاور شہر قدیم است کہ در کتب متقدمین پرشاور و فرشاور نیز نویسند -

پشاور شہر لاہور سے دو سو پچیس میل شمال غرب کو - - - - - پہلے نام پرساور تھا اور پرس رام اوتار نے اس کو آباد کیا - چھاؤنی کا نام پیش آور قرار پایا - تخفیف ہو کر پشاور مشہور ہے - (تاریخ مخزن پنجاب، ص ۳۵۵) -

پیشاور (پشاور)

قدیم شہر ہے کتب قدیم میں اس کو پرشاور اور فرشاور بھی لکھا ہے ۔ نزدیک اس کے :

کور کھتری[1]

ایک پرستش گاہ جوگیوں کی مشہور تھی ۔ شاہ جہاں کے وقت میں مسمار ہوئی لیکن پانچ تیرتھ (پنچ تیرتھ) اور نپٹ دل کشا وہاں عالم گیر کے عہد تک تھے ۔ بیش تر جوگی ، سناسی ، بیراگی سوائے ان کے اور بھی اتیت وہاں ایک تالاب کے گرد حویلیاں بیٹھکیں بنا بنا رہتے تھے ۔

تومان بنگش[2]

ملتان کی سمت واقع ہے ۔ آبادی اس کی وسعت کے ساتھ

۱۔ در نزدیکی آن کور کھتری معبد جوگیان مشہور بود ، در عہد شاہ جہان بادشاہ منہدم شدہ ۔ امروز تیج تیرتھ بس دل کشای است کہ جوگی و سنیاسی و بیراگی و دیگر درویشان در حواشی تالاب کہ چشمہ سار است عمارات دلفریب و اماکن دل آویز احداث نمودہ اقامت دارند ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۸۶) ۔

و دریں جا معبدیست بزرگ کورکھتری نام ، مردم خاصہ جوگیان از دور دست بہ نیایش آیند ۔ (آئین اکبری ، ص ۵۹۲)

۲۔ تومان نیکشاب (بنگش) بہ جانب ملتان واقع است مساکن بسیارے از قوم افغانان وسعت بسیار دارد ، مزروعات فراوان ، خاصہ شالی آن قدر پیدائی یابد ، کہ بہ ولایت دیگر ہم می رود ، و کان آہن و نمک دران حدود ۔

''تومان بنگش'' ہفت ہزار سوار و ہشتاد و ہفت ہزار و ہشت صد پیادہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (آئین اکبری ، ص ۵۹۳) ۔

لیکن پٹھانوں کی قومیں اس دیار میں اکثر ہیں ۔ زراعت بھی کثرت سے ہوتی ہے ؛ خصوصاً دھان اس قدر کہ اور اطراف میں بھی جاتا ہے ۔ سوائے اس کے کان نمک و آہن بھی اس کی نواح میں ہے ۔

القصہ جاڑا اس صوبے میں بہت پڑتا ہے لیکن بے گزند اور گرمی ایسی کم کہ بدون اوڑھے سو نہ سکے ۔ برف توران[1] کی مانند افراط سے پڑتی ہے لیکن میدانوں میں چار مہینے اور پہاڑوں میں ہمیشہ رہتی ہے ۔ غرض موسم بہار نہایت طراوت و شادابی کے ساتھ ، پھول رنگ بہ رنگ کے بے شمار ، میوے گوناگوں خوش گوار ؛ اگرچہ انگور کی بہت اقسام ہیں پر صاحبی و حسینی و قندھاری و کرنکالی ۔ اور ہی لطف و مزہ رکھتا ہے ، اور زردالو کی اقسام میں محمودی و قیسی و مرزائی ، خربوزوں میں کوکہ نبات و ماہ تابی و ناشپاتی و علی شیری و دود چراغ نہایت لذید و خوش ذائقہ ، اور غلے کی اقسام میں جو ، گیہوں زیادہ لیکن جو زراعت کہ ندی نالوں سے متعلق ہے اس کا تیسرا حصہ سرکار میں داخل کرتے ہیں اور کاریزی سے دسواں ، انگور و بادام سے بھی کچھ نقد بہ طریق تحفہ ، لیکن سر درختی کا حاصل معاف ، اور کسم کے پھولوں کے حاصل سے قدرے قلیل بھی نہیں دیتے مگر اس کے بیجوں سے تیسرا حصہ ۔ باشندے اس ملک کے ثمرقند (سمرقند) و بخارا کے ساکنوں کی مانند پرگنے کو پنجاب اور قریے کو تومان کہتے ہیں ۔ باوجود اس کے ساکن اس صوبے کے گیارہ

۱- ''توران'' نسخۂ اول (ص ۲۰۷) ، نسخۂ سوم (ص ۱۶۱) ، نسخۂ چہارم (ص ۱۹۷) ۔
''توروان'' نسخۂ دوم (ص ۱۴۷) ۔

زبان جانتے هیں۔ هندی و فارسی و مغلی[1] و ترکی و افغانی[2] و نسائی[3] و تیراحی[4] و لمغانی و عربی وغیرہ ۔ اور مغل خاص نواح کابل میں رهتے هیں لیکن حاکمؔ کے آگے دست بستہ ، حاضر اور مال‌گزاری میں بے عذر ۔ طرفہ تر یہ ہے کہ عورتیں ان کی مردوں پر غالب ؛ چناں چہ نکاح کے وقت من جملہ مہر ایک امر محال لکھوا لیتی هیں کہ مرد اُس کے عہدے سے کبھو نہ نکلے ۔ یہ شیوہ صاحب عصمت بی‌بیوں اور پردہ نشینوں کا هرگز نہیں ۔ سوائے اس کے اپنے طور پر باغوں کی سیر کو اور حمام میں نہانے کے لیے جاتیاں هیں ۔ خاوند کو اصلا و مطلقاً خاطر میں نہیں لاتیاں ۔ صاحب ''خلاصۃالتواریخ'' لکھتا ہے کہ میں نے بعضی رنڈیوں کو دیکھا

۱۔ ''مغلولی'' نسخۂ چہارم (ص ۱۹۸) غلط ہے ۔

۲۔ ''افغانی'' کے بعد نسخۂ چہارم (ص ۱۹۸) یہ حسب ذیل نام هیں :

''و پشتوی و پراچی و گبری و برکی و لمغانی و عربی اور مغل''۔ لیکن اصل میں ترتیب الفاظ اس طرح ہے :

''و نسائی و وتیراحی و لمغانی و عربی وغیرہ اور مغل'' ۔

۳۔ پشائی و پراچی ۔ گبری و برکی و لمغانی و عربی ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۸٦) ۔

۴۔ '' و وتیراحی'' نسخہٗ اول (ص ۲۰۸) ، نسخۂ دوم (ص ۱۳۷) ، نسخۂ انجمن (ص ۲۳۷) ۔

''و تیراحی'' نسخہٗ سوم (ص ۱٦۱) ۔

دوسرا واو نسخہ اول و دوم میں غلط ہے نسخہ سوم صحیح ہے مگر تیراہ هائے هوز سے مشہور قصبہ ہے اور اُس علاقے کی زبان تیراهی کہلاتی هوگی ؟

نسخۂ چہارم میں ''تیراحی'' نہیں ہے ۔

ہے کہ ایک خصم کو چھوڑا اور وہیں دوسرا کر لیا ۔ غرض اپنی مدت عمر میں پندرہ بیس خصم تک کر لینا آن سے دور نہیں ۔

قصہ کوتاہ[1] اس صوبے میں کثرت ہزارا[2] اور افغان کی بہت ہے لیکن ہزارا مغل اپنے تئیں اولاد چغتائی خان بن چنگیز خان

۱۔ ''و دریں صوبہ قوم بزرگ و جماعہ کثیر ہزارہ و افغان است ، ہزارہ خود را مغول از نژاد چغتائی خاں بن چنگیز خاں قرار دھند ، از غزنیں تا قندھار و از تومان میدان تا حدود بلخ در محال مشکلہ و جبالی مزلقہ سکونت دارند اکثر اماکن و مساکن آں جماعہ غیر عملی است ۔ و افغاناں خویشتن را اولاد بنی اسرائیل برادران مہتر یوسف علیہ‌السلام می شمارند ، افغان نام بزرگ ایشاں بود ، او سہ پسر داشت ، یکے سربن ، دوم غرغشت ، سوم بٹن و ازیں ہر سہ شاخہا پدید آمد ، و ہر قبیلہ بنام یکے از نیاگاں روشناس گردید ۔ الوس ترین و بریچ و میانہ و خرشین و شیرانی و اورمر (اوڑمڑ) ۔ و کاسی و جمند و خویشگی ، و کتانی و خلیل و مہمند و صافی و محمد زئی ، و یوسف زئی ، و داؤد زئی ، و کانیانی و ترکلانی بہ سر بن (سڑ بن) پیوندد ۔ و الوس سورانی و جیلم و اورک زئی و آفریدی و جکتانی و ختکی و عبدالرحمانی و کررانی ، و کاکر و عربانی ، مسوانی و پنبی و تارن بہ غرغشت گراید ۔ و الوس شیرزاد و خضر خیلی ولزی و لودی و نیازی و لوحانی و سوری و سروانی و کھکوری بہ بٹن نسبت دھند ۔ و ھندو اقوام دیگر از اولاد آنہاست کہ بہ قلم در آمد ۔ و ایں ہمہ اقوام از دریائے سندھ تا کابل صد کروہ و از حدود قندھار و ملتان تا سواد کہ بہ حدود کافرستان و کاشغر پیوندد و زیادہ از سیصد کروہ
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۳ پر)

۲۔ ''ہزارا'' کے بعد 'مغل' کا لفظ اس مقام پر کسی نسخے میں نہیں ، صرف نسخۂ انجمن (ص ۲۳۸) میں ہے اس لیے متن میں داخل نہیں کیا ۔ ویسے بے معنی نہیں ہے ۔

کی جانتے ھیں ۔ اور غزنین سے تا قندھار تومان منڈان[1] سے تا حدود بلخ محال دشوار گزار و جبال پیچ دار میں رھتے ھیں ۔ اکثر مکان آن کے بادشاھوں کے عمل سے خارج اور حاکموں کے احاطۂ حکومت سے باھر ۔ اور افغان اپنے تئیں بنی اسرائیل کی اولاد کہتے ھیں ۔ ان کے جد بزرگ کا نام افغان تھا ، اس کے تین بیٹے ، ایک کا نام ترین[۲] ، دوسرے کا غرغشت ، تیسرے کا یمین ۔ ان تین کی اولاد بہ کثرت ھوئی اور ھر ایک اپنے جد و آبا کے نام سے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

مساکن دارند ۔ بہ تقویت کہسار دشوار گزار بہ امراے بادشاھی نیایش نہ کنند ، چوں شاھراہ بہ اختیار آنہاست مبلغے بہ طریق انعام از صوبہ دار و کوشی بہ طریق راہ داری از مسافران بر راس اسپ و شتر و گؤ می گیرند ، و بعضے اوقات دست تطاول بہ مال و اثقل کاروانیان و دیگر رہ نوردان درازی کنند ، و مسافران را بہ زبردستی و دزدی بہ دست آوردہ ، غلام می سازند ، و می فروشند آدم دزد در ممالک دیگر کم خواھد بود و افغاناں تمام آدم دزد ھستند و جمیع ممالک کابل باین قوم تعلق دارد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

افغان مورث اعلی ھے ، قیس عبدالرشید کے تین بیٹے تھے ۔ بیٹوں کے نام سڑبن ، غرغشت اور بیٹن تھے ۔ (فائق)

سڑبن کی اولاد میں خرشبون اور اسی کے اخلاف ترین ، شیرانی ، میانہ ، بڑیچ ، اوڑمڑ تھے ۔ (اگلے صفحے کا حاشیہ نمبر ۱ دیکھئے)

''حیات لودی'' حصہ دوم (ص ۱۳) ۔

۱۔ ''تومان منڈان'' نسخۂ نمبر ۱ تا نمبر ۳ صحیح ۔

''تومان میدان'' نسخۂ چہارم (ص ۱۹۹) ۔

۲۔ ''ترین دوسرے کا غرغشت تیسرے کا یمین'' نسخۂ اول (ص ۲۰۹) ، نسخۂ دوم (ص ۱۴۸) ، نسخۂ سوم (ص ۱۶۲) ۔

''سربن دوسرے کا غرغشت تیسرے کا بٹنی'' نسخۂ چہارم (ص ۱۹۹) ۔

مشہور ہوا ۔ السؔ[1] ترینی ، برنجؔ[2] (بڑیچ) میانہ ، خرسین ، اوڑمڑ (اوڑمڑ) کاسی ، جمند ، شیرانی ، خویشگی ، داؤد زئی ، یوسف زئی ، خلیل مہمند اپنے نسب کا سلسلہ ترین کو پہنچاتے ہیں ؛ اور سورانی ، جیلم ، اورک زئی ، آفریدی ، ختکی ، کرانی ، کاکری ، عبدالرحانی ، غرمانی ، تارن ، غرغشت کو ؛ اور شیرزاد ، خضر خیل ، غلزئی ، لودی ، لوھانی ، سوری ، شروانی ، کھکوری ، یمین (بیٹن) کو اور قومیں انھیں کی اولاد ہیں ۔ الغرض یہ سب قومیں دریائے سندھ سے کابل تلک سو کوس کے عرصے میں اور قندھار و ملتان کی حدوں سے تا سواد کہ حدود کافرستان و کاشغر سے ملا ہوا ہے ، تین سَے کوس تلک بستی ہیں ، اور اشخاص ان کے کوہ سار دشوار گزار کے اڑتلے سے بادشاہی امراء کے آگے سر نہیں جھکاتے بلکہ کچھ رُپے صوبے دار سے بہ طریق انعام اور مسافروں سے گھوڑے اونٹ پیچھے بہ طور راہ داری کے لیتے ہیں ۔ باوجود اس کے کبھی کبھی مال و اسباب کارواں وغیرہ کا لوٹ

۱۔ ''الوس ، ترینی ، بربچ ، میانہ ، خرسین ، شیرانی ، اوڑمر ، کاسی ، جمند ، خویشگی ، کنانی ، محمد زئی ، یوسف زئی ، خلیل ، مہمند ، داؤد زئی ، ککیانی ، برکلانی اپنے نسب کا سلسلہ سربن (سڑبن) کو پہنچاتے ہیں ؛ اور سورانی ، جیلم ، ورک زئی ، آفریدی ، چگتانی ، ختکی ، کرانی ، کاکری ، عبدالرحانی ، عربانی ، تارن ، غرغشت کو ؛ اور شیر زاد ، خضر خیل ، غلزی ، لودی ، نیازی ، لوھانی ، سوری ، سروانی ، اکوزئی بٹن کو''۔ نسخۂ چہارم (ص ۱۹۹) ۔

۲۔ ''بربخ'' نسخۂ اول و دوم و سوم متفق ہیں لیکن نسخۂ چہارم میں نام بدلے ہوئے ہیں ، متن مطابق اصل ہے ۔ نسخۂ چہارم میں تبدیلی مرتبین نے کی ہوگی ۔ ''بریچ'' نسخۂ چہارم (ص ۲۰۹) صحیح ''بڑیچ'' ہے ۔

بھی لاتے ھیں ، اور ایسے ویسے مسافروں کو پکڑ کر غلام بناتے ھیں بلکه بعضی اوقات بیچ[1] بھی ڈالتے ھیں ۔ غرض اور اقوام میں چور کم تر ھوتے ھیں اور افغان سب کے سب چور مٹھ مرد ۔ لطف یه ھے که تمام شہر کابل انھیں سے متعلق ھے ۔ اور پیشاور سے تین راھیں کابل کو جاتی ھیں ۔ ایک راہ بنگش کی ، پر دور و دراز ، سوائے اس کے رستے بھی اوبھٹ ۔ لشکر آدھر سے بہت رنج کھینچ کر منزل مقصود کو پہنچتا ھے ۔ دوسری کھرپے کی مگر جلال آباد پہنچ کر شاہ راہ ملتی ھے ۔ یه بھی دروں کی تنگی ، نشیب و فراز کی صعوبت ، پانی کی قلت ، افغانوں کی لٹس سے خالی نہیں ۔ تیسری راہ علی مسجد[2] و خیبر کی ۔ چشمۂ جمرود سے

۱۔ ''بینچ'' نسخۂ اول (ص ۲۰۹) ، نسخۂ دوم (ص ۱۴۸) ، نسخۂ (سوم ص ۱۶۳) ۔

''بیچ'' نسخۂ چہارم (ص ۲۰۰) ۔

۲۔ سویم راہ علی مسجد است و خیبر از چشمۂ جمشید که به جمرود مشہور است تا دھیکه کنار نیلاب به مسافت ہزدہ کروہ واقع است و کریوہ خیبر تا دو کروہ به دشواری گزشته می شود ، اما ایں راہ به مسالک دیگر سہولیت دارد ، و آمد و شد عساکر و کاروانان ہمیں راہ است ۔ از دھکه تا نمله سی کروہ ، کوہ و کریوہ اصلانیست ۔ (خلاصه ، ص ۸۸) ۔

ترجمے میں افسوس نے ''دو کروہ'' کا ترجمه دو کوس کی جگه دو سو کوس کیا ھے ۔ اسی طرح '' از دھکه تا نمله'' کا ترجمه ''دیکھے سے تا نمله'' غالباً افسوس کے زمانے میں تا کا ترجمه تک ضرور نه ھو لیکن موجودہ زمانے میں مفہوم سمجھ میں نہیں آئے گا ۔ دھیکه یا (دیکه) سے نملے تک ''تیس کوس'' ترجمه درست ھوگا ۔ خلاصة التواریخ میں ''سی'' ھے اس لیے ترجمه تیس صحیح ھے ۔ اگر افسوس کے پیش نظر کوئی اور نسخه ھے جس میں ''سی و دو کروہ'' ھو تو بتیس کوس ترجمه درست رھے گا ۔ (فائق)

دیکھے[1] تلک نیلاب کے کنارے درے سے اٹھارہ کوس ، لیکن درۂ خیبر سے دو سو کوس تک بہ سبب نشیب و فراز کے بہ دشوار طے ہوتی ہے ، پر بہ نسبت اور راہوں کے سہل ؛ چناں چہ آمد و شد لشکروں کی اور کاروانوں کی اسی راہ سے ہے ؛ خصوصاً دیکھے (دھکہ) سے تا نملہ بتیس کوس تک نہایت ہموار اور نملے سے تا کابل چالیس کوس بھی چنداں دشوار نہیں ۔ ہر چند ٹیلے رستے میں پڑتے ہیں پر مسافر بہت تصدیع نہیں کھینچتا ۔

قصہ مختصر کابل کے چار طرف گھاٹیاں ہیں ۔ بنا بر اس کے فوج غنیم کی ایکا ایکی آ نہیں سکتی اور دفعتاً ملک مذکور کو قبضے میں لا نہیں سکتی ۔ اگرچہ یہ صوبہ چنداں حاصل نہیں رکھتا لیکن عقل مندوں کے نزدیک دروازہ ہند کا ہے ۔ اسی سبب سرکار والا سے وہاں کی سپاہ کے لیے مبلغ خطیر پہنچتے تھے کہ ہر ایک سپاہی و سردار گزران اپنی بہ خوبی کرے اور کسی وجہ سے تصدیع نہ کھینچے کیوں کہ بہ سبب اس کے ایران توران کی فوجیں مملکت مذکور پر آ نہ سکتی تھیں ۔ سنا ہے کہ اگلے زمانے میں کابل جو ایک بادشاہ کے قبضے میں آ گئی تھی تو پنجاب بہت آباد ہوئی تھی اور ہندوستان مامون ۔ طول اس صوبے کا اٹک بنارس سے ہندو کوہ تلک ڈیڑھ سو کوس ، عرض قرا باغ قندھار سے تا (تک) چغان سرا[2] سو کوس ۔ شرق رو اس کے دریائے سندھ ، مغرب رخ غور ، شمالی اندراب و بدخشاں و ہندو کوہ ، جنوبی قرمل و نقیر[3] اور گردا گرد پہاڑ زمین مسطح و ہم وار

۱- ''دیکھے'' نسخہ نمبر ۱ تا نمبر ۳ میں اسی طرح ہے ، لیکن نسخۂ چہارم (ص ۲۰۰) میں ''دھکے'' ہے ۔

۲- ''چغتاں سرا'' (خلاصہ ، ص ۸۸) ۔

۳- کوہ جنوبی قرمل و نقر و کردیکر و ہر چہار طرف ۔ ۔ ۔ ۔ (خلاصہ ، ص ۸۸) ۔

بہت کم لیکن کھیتیاں سب جگہ ، سرکاریں آٹھ اور چھتیس تومان۔
آمدنی بارہ کڑوڑ پینسٹھ لاکھ اور بیس ہزار دام بالجملہ ۔

لیکن[1] ایک مدت سے کابل کشمیر میں شاہ درانی کا عمل ہے اور لاہور میں سکھوں کا ۔ چناں چہ بالفعل کہ سن بارہ سے بائیس ہجری ہیں ، صوبۂ مذکور کا حاکم :

رنجیت سنگھ ہے اور سن بارہ سے اٹھارہ ہجری سے صوبۂ اکبر آباد و شاہ جہاں آباد میں بہ موجب مرضی ظل اللہ شاہ عالم بادشاہ صاحبان عالی شان نے عمل کر لیا ۔ سابق اس سے مہا راجا دولت رام سیندھیا بہادر کا تھا ۔ چناں چہ جرنیل لیک بہادر دام اقبالہ نے اس کے سرداران فوج کی لڑائیاں ماریں بلکہ قلعے بھی اُن سے چھین لیے اور اسی سن سے صوبہ اڑیسہ بھی موالیانِ کمپنی بہادر دام ظلہم کے قبضے میں آیا ۔ آگے اس کے رگھوجی بھونسلے کا اس میں عمل تھا ۔ وہاں کا بندوبست کرنیل ہاکٹ بہادر نے کیا ۔ قصہ مختصر ولایت ہندوستان ایک مدت سے طوائف الملوک ہے ۔ جس شخص کے جو ملک ہاتھ لگا اُس پر اُس نے قبضہ کر لیا ۔ بادشاہ کا کسی نے پاس نہ کیا ۔ ہاں ایک صاحبانِ عالی شان نے اطاعت و خدمت ترک نہیں کی ۔ چناں چہ اب بھی کہ سن بارہ سے بائیس ہجری ہیں اور اکبر شاہ ابن شاہ عالم بادشاہ ہے ، فی الجملہ اس کی بندگی بجا لاتے ہیں اور اطاعت سے ہاتھ نہیں اٹھاتے ۔ القصہ تھوڑی سی کیفیت جب ہندوستان کی اور صوبہ جات کی لکھنے میں آئی، اب تھوڑا سا احوال اس دیار کے بادشاہوں کا بھی ابتدائے پانڈوں سے لکھنا ضرور ہوا کہ ناظرین کے واسطے ایک تحفۂ معقول ہو ۔

۱- یہاں سے اضافہ شیر علی افسوس نے کیا ہے اور یہ اضافہ تاریخی لحاظ سے اہم ہے ۔ (فائق)

آرائش اول

هندوستان کے راجاؤں کے احوال میں

راجا جدشٹر[1] (جدشتر) سے لے کر راجا پتھورا تلک

هندی تاریخوں کی کتابوں سے خصوصاً ''مہا بھارت'' سے کہ بڑی تاریخ اور بہت معتبر ہے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت ہندوستان کی آغازِ آفرینش سے پانڈوں اور کوروں کے خاندان میں ہوتی آئی ہے۔ اُن کے ہی آبا و اجداد نے ملک لیے ہیں اور جابجا عمل کیے ہیں۔ جب نوبت سلطنت کی راجا بیچتر[2] بیرج کہ پانڈوں کا دادا تھا، پہنچی؛ اس نے بھی موافق دستور اپنے اجداد کے عدل و انصاف میں اوقات گزاری۔ آخر بیکنٹھ باسی ہوا

۱- ''جدشتر لے کر'' نسخۂ اول (ص ۲۱۲)، نسخۂ دوم (ص ۱۵۰)، نسخۂ چہارم (ص ۲۰۲)۔

''جدشتر سے لے کر'' نسخۂ سوم (ص ۱۶۳)، نسخۂ انجمن (ص ۲۳۱) میں ''سے'' کا اضافہ کیا۔

''جدشٹر'' نسخۂ چہارم ہے اور نسخۂ انجمن، لیکن بعد میں نسخۂ اول میں جدشٹر ہی ہے۔

''ید هشٹر'' (مہا بھارت از شیو لعل و رمن، ص ۲۹)۔

از ابتدائے راجه جد هشتر پا ندواں۔ (خلاصة التواریخ، ص ۸۹)

۲- به راجه بچھتر برج که جد پاندواں بود (خلاصة التواریخ، ص ۸۹)

بچتر بیرج نام، ازو دو پسر یکے دھرت راشتر ـ ـ ـ ـ ـ ـ دیگر پنڈو (آئین اکبری، ص ۵۱۵)۔

اور کوئی اس کی اولاد سے نہ رہا کہ کاربار سلطنت کے جاری کرے
اور بادشاھت کو رونق بخشے ۔ تب ارکانِ دولت نے آپس میں
مشورت کی کہ سوامی بیاس دیو سے التجا کیجیے اور راجا کی
عورت کو اس کی خدمت میں دیجیے تا کہ لڑکے پیدا ھوں اور
سلسلہ سلطنت کا اس خاندان میں باقی رہے ۔ القصہ پہلی عورت
اُس کے پیکرِ مہیب کے دیکھنے کی جو تاب نہ لائی ، اُس نے
اپنی آنکھیں بند کر رکھیں ۔ اس جہت سے اس کے لڑکا اندھا
پیدا ھوا ، نام اُس کا دھر تراشٹ رکھا اور دوسری اس کے جمال کی
چمک دیکھ سہم کر زرد ھو گئی تھی ؛ وہ لڑکا ایسا جنی
کہ تمام بدن اُس کا زرد تھا ، نام اُس کا پانڈ ھوا ۔ تیسرا حرم
کے بیٹ سے پیدا ھوا نام اس کا بدر ٹھہرا لیکن سب سے بڑا
اندھا تھا اور چھوٹا کنیزک زادہ ، اس سبب سے سلطنت منجھلے
کو ملی ۔ بجھا ھوا چراغ اُس گھر کا بھر روشن ھوا اور مرجھایا
پھول باغِ سلطنت کا دوبارہ کھلا ۔ غرض راجا پانڈ تلوار کے زور
سے اور شجاعت کی قوت سے سب دشمنوں پر غالب ھوا اور
ملکوں پر اُس نے قبضہ کیا ۔ بزرگوں کے نام کو جِلا دی اور
بڑوں کی بات رکھ لی ، لیکن بس کہ شکار دوست تھا ، روز جنگلوں
میں شکار کھیلنے جایا کرتا ؛ ناگہاں کیا دیکھتا ھے کہ ایک ھرن
اور ھرنی جفت ھو رہے ھیں ، ووں ھیں (ووں ھی) تاک کر ایک
ایسا تیر مارا کہ ھرن اپنی مادہ سے جدا ھو کر زمین پر گر پڑا ،
اور وہ ھرن نہ تھا بلکہ ایک منی تپشی تھا کہ اُس کے قالب
میں آ کر اپنی جورو سے جماع کرتا تھا ۔ القصہ حالتِ نزع میں
اُس نے یہ کہا کہ خدا سے امید رکھتا ھوں کہ تجھ کو بھی
اسی حالت میں موت آوے اور عین لذت میں تیری جان نکل

جاوے - راجا اس سانحے سے بہت مغموم ہوا کیوں کہ تیر شست جستہ کا اور کار دست رفتہ کا چارہ نہیں - اپنے مرنے کی حالت مباشرت میں اُس کو یقین ہو گئی ، بنا بر اس کے سلطنت کو چھوڑ جنگل میں جا کر ریاضت و عبادت میں مشغول ہوا لیکن بے اولادی سے کمال غم گین رہتا - دونوں جوروئیں بھی اس کی اس حالت میں ساتھ تھیں - ایک روز پہلی جورو سے جس کا نام کنتی تھا ، کہا کہ جو کوئی لاولد مرتا ہے ، دوزخ میں جاتا ہے - ہمارے دین میں جائز ہے کہ جو کوئی فرزند نہ رکھتا ہو یا قادر جنانے پر نہ ہو سکے تو برہمن سے اس بات کی درخواست کرے اور فرزند بہم پہنچائے - چناں چہ میرا باپ جو بے اولاد مُوا ، تب ارکانِ دولت نے اس بات کی درخواست بیاس[1] (ویاس) دیو سے کی ، بنا بر اس کے میرا تولد اور میرے بھائیوں کا بیاس دیو سے ہے - یہ سن کر اُس کی عورت نے جواب دیا ''اگر میں آتش تیز میں جلوں گی تو بھی بے گانے مرد سے ہم صحبت نہ ہوں گی مگر ایک بڑے ریاضتی سے میں نے ایک منتر سیکھا ہے کہ عالم ملکوت میں سے جس فرشتے کو چاہوں بلا کر پیٹ رکھوا لوں اور لڑکا جنوں''- راجا اس بات کو سن کر بہت خوش ہوا اور اجازت دی ؛ ووں ہیں (ووں ہی) وہ عورت خلوت میں گئی اور راجا دروازے پر آ بیٹھا کہ کوئی انسان وہاں پھٹکنے نہ پاوے بلکہ کوئی ذی حیات بھی نہ آوے - ندان وہ عورت وہاں سے حاملہ نکلی اور راجا کو یہ خوش خبری دی - جب نو مہینے گزرے تو ایک لڑکا خوب صورت توانا جنی -

۱- ''مہابھارت'' از شیو برت لعل ورمن (مطبوعہ پنجابی پریس لاہور) -

کرشن دو پیائن ویاس (بھارت ص ۲۴) -

نام اس کا جدشٹر[1] رکھا - دوسری بار اس کو پھر اسی طرح پیٹ رہا اور ایک لڑکا زبردست قوی ہیکل پیدا ہوا - نام اس کا بھیم سین رکھا لیکن اس کی پیدائش کے دن طُرفہ ایک سانحہ در پیش آیا کہ ایک شیر مہیب اس جنگل میں نمود ہوا - لوگ اُسے دیکھ کر مارے خوف کے چلائے ، کنتی ڈر کر بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی ، بھیم سین اس کی گود سے ایک بڑے پتھر پر گر پڑا ؛ ووں ہیں (ووں ہی) اس کے صدمے سے پتھر پاش پاش ہو گیا ، دیکھنے والے متعجب ہوئے - راجا نے جانا کہ یہ لڑکا بڑا شہ زور ہوگا - تیسری مرتبہ اسی طرح ارجن کو جنا - اس وقت آسمان سے یہ آواز آئی کہ جیسے عالم علوی کا راجا اِندر حکم راں ہے عالم سفلی میں ویسا ہی یہ لڑکا ہوگا اور لڑائی میں کوئی اس کا سامنا نہ کر سکے گا - بعد اس کے دوسری جورو بھی 'نکل' اور 'سہدیو' کو توام جنی - الغرض یہ پانچوں بھائی حسن و خوبی و بہادری میں بے نظیر تھے - راجا پانڈ ان سمیت جنگل میں رہتا تھا اور سلطنت ہستناپور کی . دھر تراشٹ اس کا بڑا بھائی کرتا تھا - القصہ اس کی بھی جورو کو پیٹ رہا ، پر دو برس کے بعد ایک مضغۂ گوشت اُس کے پیٹ سے نکلا لیکن فولاد سے بھی سخت تر تھا ، وہ بھیچک[2] رہ گئی - چاہتی تھی کہ اس لوتھڑے کو پھینک دیوے کہ اسی وقت بیاس دیو آ حاضر ہوا اور کہنے لگا

۱- ''جدشٹر'' نسخۂ اول (ص ۲۱۴) - ''جدھشتر'' (خلاصہ ، ص ۹۰) -

۲- ''بھیچک'' نسخۂ اول (ص ۲۱۴) ، نسخۂ دوم (ص ۱۵۱) ، نسخۂ سوم (ص ۱۶۶) -

''بھیچک'' نسخۂ چہارم (ص ۲۰۵) -

''بھوچک'' نسخۂ انجمن (ص ، ۲۴۴) -

"زنہار اس کو ضائع نہ کیجئو کہ اس سے کتنے بیٹے زور آور نام ور پیدا ہوں گے - تم اس پر ٹھنڈا پانی چھڑکو"- جوں ہیں چھڑکا ووں ہیں اُس کے سو ٹکڑے ہو گئے ؛ پھر ہر ایک کو ایک ایک کوزے میں تیل ڈال کر احتیاط سے رکھ چھوڑا - جب دو برس گزرے اُن کوزوں کو کھولا ، ہر کوزے سے ایک لڑکا نکلا - سب سے بڑا جرجودھن[1] تھا - جس وقت کہ وہ کوزے سے نکلا ، گدھے کی مانند زمین کھود کر رینگنے لگا - اس کی آواز سن کر گدھے اور گیدڑ زمین پر ، کرگس اور کوّے ہوا میں فریاد کرنے لگے اور ہوا غبار آلود ہو گئی - یہ حالت عجیب دیکھ کر نظارگی حیران رہ گئے - سوائے اُن سو لڑکوں کے دوسری جورو سے ایک اور لڑکا جنجش[2] نام پیدا ہوا لیکن جرجودھن کہ اُن سب سے بڑا تھا ، اس کے بدن پر تلوار ، تیر ، گولی بلکہ کوئی حربہ اثر نہ کرتا تھا کیوں کہ روئیں تن تھا اور شجاعت اور قوت میں یکتا - آخر راجا پانڈ شہوت کو نہ تھام سکا ، مقاربت کر بیٹھا اور اس مُنی کی دعاے بد کے اثر سے ہلاک ہوا - دوسری جورو اُس کے ساتھ ستی ہوئی - بعد اس کے جو مُنی اور تپشی اُس کے ہمسائے تھے ، اُنھوں نے اُس کی پہلی جورو کو پانچ بیٹوں سمیت ہستنا پور

۱- "جرجو دھن" نسخۂ اول (ص ۲۱۵) ، نسخۂ دوم (ص ۱۵۲)، نسخۂ سوم (ص ۱۶۷) ، نسخۂ چہارم (ص ۲۰۶) -

"درجو دھن" (جرجودھن) (خلاصہ ص ۹۰) -

"درجودھن" (آئین اکبری ، ص ۵۱۵) -

"در یودھن" (مہا بھارت ص ۷۰) -

۲- سوائے صد پسر مذکور ججھہ (جیجس ، ججیس ، ججر) نامی از زوجہ دیگر ولادت یافت (خلاصۃ التواریخ ، ص ۹۱) -

میں پہنچا دیا ۔ اکثر اشخاص نے تو اُن کو راجا پانڈ کا بیٹا جانا اور بعضوں نے اس بات کو نہ مانا ، خصوصاً جرجودھن دھرتراشٹ کے بڑے بیٹے نے ، بلکہ یہ کہا کہ راجا پانڈ مُنی کی دعائے بد کے خوف سے صحبت نہ کرتا تھا ، کیوں کر ان کو اُس کے فرزند جانیے، وونہیں (ووں ہی) غیب سے آواز آئی کہ یے (یہ) راجا پانڈ کے بیٹے ہیں کہ بہ قُدرت مَلک کے وسیلے سے پیدا ہوئے ۔ پھر ہوا سے اُن کے سروں پر کیچڑ برسا ؛ ساتھ اس کے آواز نقارے اور قرنائے کی بھی آنے لگی ، ایک غوغائے عظیم آسمان سے اُٹھا ۔ پھر تو تمام ہستنا پور قائل ہوا کہ یہ راجا پانڈ کے مقرر فرزند ہیں اور بھیکم پتامہ کہ ان کے باپ کا چچا تھا ، وہی شفقت سے اُن کی پرورش و تربیت پر متوجہ ہوا ۔ چناں چہ بڑے بڑے پنڈت اور گُنی ان کی تعلیم کے واسطے مقرر کیے، مشاہرے بھی اُن کے ٹھہرا دیے ۔ از بس کہ پانڈوں کی طبیعت قابلِ تربیت تھی ، تھوڑے دنوں میں بہت سے علم سیکھ لیے ، بید پڑھے ، بلکہ فنون سپہ گری کے بھی اکثر حاصل کیے ؛ یہاں تک کہ نیزہ بازی و تیر اندازی ، شمشیر زنی میں کامل ہوئے ۔ پر جدشٹر کہ سب سے بڑا تھا ، نپٹ خوش خو اور راست گو بلکہ نیک صفات و خوش اوقات مشہور ہوا ۔

نظم [1]

به سیرت فرشته، به صورت قمر
کسی نے بھی دیکھا ہے ایسا بشر

۱۔ افسوس کی یہ نظم طبع زاد کہی جائے گی "خلاصۃ التواریخ" میں جو شعر ہیں اُن کا ترجمہ نہیں ہے ۔ وہ شعر حسب ذیل ہیں :

نکو روی و نیک اختر و نیک خو
به دل راست باز و به لب راست گو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۴ پر)

تھے اوصاف نیک اس میں سر تا بہ پا
بلا شبہ پُتلا تھا اخلاق کا

شب و روز رھتا تھا مصروفِ خیر
نہ تھا اُس کی تدبیر میں دخلِ غیر

فقط اس کی طینت میں تھی راستی
کجی اس کے سائے سے تھی بھاگتی

نہ پہنچا کسی کو ذرا اُس سے رنج
وہ تھا چین آرام کا ایک گنج

اور منجھلا جس کا نام بھیم سین تھا، فنون کُشتی و گُرز بازی میں طاق اور زور و قوت میں یگانۂ آفاق ھوا۔ بڑے بڑے درختوں کو جڑ سے آ کھاڑتا، کنجل ھاتھیوں کو دے دے پٹکتا، دلاوری و زور آوری میں نظیر نہ رکھتا تھا۔

نظم[1]

کھڑا ھو کے جس جا پہ مارے وہ خم
تہمتن کا واں ڈر سے ھو بند دم

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

نہ رایش بہ تدبیر محتاج غیر
نہ امضائے رایش، بجز محض خیر

بہ گیتی نہ دیدہ کسے رنج ازو
دلِ راستان راستی سنج ازو

بہ ایں دانش (و) رائے و تمکین و فر
گمانم نہ آید، کہ باشد بشر

۱۔ خلاصۃ التواریخ میں چار فارسی شعر ھیں۔ اُن کا صرف مفہوم افسوس نے لیا ھے اور پانچ شعروں کی یہ نظم اصل سے زیادہ اثر رکھتی ھے۔ خلاصۃ التواریخ میں یہ شعر ھیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۵ پر)

کہاں تاب جو اُس کے سُن مکھ ہوگیو
که بھاگے ہی دیکھ اس کی صورت کو دیو

گر اُس دم چڑھے ھاتھ اُس کے پہاڑ
تو اک حملے سے اس کو ڈالے اُکھاڑ

جو میداں میں نکلے وہ گھوڑے کو داب
تو یک لخت شیروں کا زہرہ ہو آب

اگر مارے وہ آتشیں گرز کو
تو سرمہ ھی کر دیوے البرز کو

اور ارجن که ان دونوں سے چھوٹا تھا ، علمِ تیر اندازی میں بڑے بڑے اُستادوں پر فوقیت لے گیا اور فن کماں داری کے نام وروں میں نامی ہوا ۔ آخرش ھفت اقلیم میں اس کا چرچا پھیلا اور ملک ملک شہرہ پڑا ، یہاں تلک که اُس کی مشق کی کتنی طرزوں کا آپ موجد ہوا ۔ چناں ایک تیر پھینک کر اس سے کتنے تیر نکالتا اور دشمنوں کو مارتا ۔ اگر چاھتا تو ان تیروں سے ایک

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

بران زور ھرگز نه باشد هزبر
دو پایش به خاک اندروں سر به ابر

چو او خشم گیرد به روز نبرد
به پیشش چه پیل و چه شیر و چه مرد

چو آوردے آھنگ بر کار زار
نه کردے برو تیغ فولاد کار

نبود آدمی بود شیر غرین
که بادا بر آں شیر مرد آفرین

(خلاصة التواریخ ، ص ۹۲)

پردہ سا بناتا ، دو ''باران'' کا سدِ راہ کر دیتا اور جب ارادہ کرتا (تب) ایک تیر سے اس قدر آگ نکالتا کہ ہر تر و خشک کو جلا دیتا ۔ کسی وقت مینہ آندھی سمیت تیروں سے برساتا اور دشمنوں کو خاک میں ملاتا ۔ احیاناً اگر اعدا کی طرف سے تیر آتے تو اُنھیں ہوا ھی پر اپنے تیروں سے کاٹ دیتا ۔ سوائے ان باتوں کے لڑائی کے میدان میں منتر کے زور سے کبھو بلند، کبھی پست ، گاھے فربہ گاھے لاغر دشمنوں کو نظر آتا ؛ کسی وقت ڈراؤنی صورت بنا کر نمودار ھوتا ، کسی ساعت نظروں سے چُھپ جاتا ۔ قصہ کوتاہ یہ علم ملائک سے خصوصیت رکھتا ھے کہ تیر پھینک کر منتروں کی قوت سے ایسے ایسے عجیب کار نمایاں دکھاویں اور ایک عالَم کو دریائے حیرت میں ڈباویں ۔ و اِلاّ بشر کا یہ حوصلہ کہاں کہ اس[1] عجائبات کا مظہر ھو لیکن ارجن سے بعید نہ جانا چاھیے کہ وہ قدسی نژاد تھا ۔

نظم

وہ جو ھاتھ میں لیوے تیر و کماں
تو کر دے پہاڑوں کو غربال ساں

اگر اُس کے اک تیر کی کھائے چوٹ
تو سیمرغ ھو جائے بس لوٹ پوٹ

کبھو خالی پڑتا نہیں اُس کا وار
ھے تیرِ قضا کا سا اُس کا شعار

بجا ھے اُسے بان سے ھم سری
کہ پیکاں میں اس کے ھے آتش بھری

۱- چاروں نسخوں میں ''اس'' ھے ۔ نسخۂ انجمن میں (ص، ۲۳۷) ''ان'' ھے ۔

نکل اور سہدیو بھی اس کے سوتیلے بھائی فیل و اسپ وغیرہ کی سواری میں اُستاد تھے؛ ساتھ اُس کے طریقے نیزہ بازی اور تیغ زنی کے بھی اُن کو یاد۔

ابیات

تھے شہ زور ایسے وہ دونوں جواں
کہ کانپیں تھے دیکھ اُن کی صورت یلاں

جو رستم سنے اُن کی للکار کو
وونھیں پھینک دے ڈھال تلوار کو

غرض یے (یہ) پانچوں بھائی کسب و کمال میں کامل تر اور علم و فضل میں فاضل تر تھے۔ باوجودے کہ اس کے آپس میں یگانگی و یک جہتی اس مرتبہ رکھتے تھے، گویا خالق نے ایک جان کو پانچ ٹکڑے کر پانچ قالب میں ڈالا ھے اور ایک روح کو پانچ جسم سے علاقہ بخشا ھے، لیکن جدشٹر جو سب سے بڑا تھا، چاروں اسی کو اپنا سردار و مختار کار جانتے تھے اور حکم اُس کا ہر ایک وقت مانتے تھے۔

نظم

رکھا جس نے بزرگوں کو رضا مند
اُسی کے کھائیے بختوں کی سوگند

بڑوں کی اپنے جو کرتے ھیں خدمت
وھی پاویں گے دونوں جگ میں عزت

جھکا ھے جن کا سر پیشِ بزرگاں
بلند اُن کی کرے گا شان یزداں

اور جرجودھن بڑا بٹیا دھرتراشٹ کا اوصافِ حمیدہ پانڈوں کے دیکھ دیکھ اور من من آتشِ خصومت میں جلتا تھا۔ خصوصاً بھیم سین کے زور و قوت کے معائنے سے تو دھواں (دھنواں) اُس کے

هر بنِ مو سے نکلتا تھا ۔ از بس کہ دشمن کشی سلطنت کا ایک طریقہ ہے ، پانڈوں کے قتل کی تدبیر میں لگا ۔ چناں چہ بھیم سین کو سیر و شکار میں اُس نے کئی بار زہر کھلایا اور کئی مرتبے اُس کو سوتے پا کر ہاتھ پاؤں باندھ گنگا میں گرایا لیکن فضل الٰہی جو اُس کے شامل حال تھا ، دشمن کا کچھ چل نہ سکا اور وہ جوں کا توں صحیح و سلامت رہا ۔ دھرتراشٹ نے سب لڑکوں میں جدشٹر کو جو قابل پایا تھا ، بنا بر اس کے اپنا ولی عہد کر کے امور سلطنت پر مختار کیا تھا ۔ اس سبب سے جرجودھن کے دل میں آتش رشک زیادہ بھڑکی آخر باپ کو کہلا بھیجا کہ میں جدشٹر کی اطاعت کسی طرح نہیں کرنے کا ۔ اور جو یہ عرض پزیرا نہ ہوگی تو اپنے تئیں ضائع کروں گا ۔ دھرتراشٹ نے بیٹے کی خاطر سے آدھی سلطنت حوالے کی اور جدشٹر کو فرمایا کہ اپنے بھائیوں سمیت برناوے میں جاوے ۔ جرجودھن کر جو دشمنی دلی تھی ، جدشٹر کے جانے سے پہلے اپنے رفیقوں کو بھیجا کہ وہاں گوند رال چکٹ اور رسیوں سے گھر بناویں ۔ جب کہ[1] پانڈوں اُس ملک میں پہنچیں اور رہنے لگیں ، تب قابو پا کر کسی وقت آگ لگا دیویں ، تا وے سب کے سب جل کر راکھ ہو جاویں ۔ اُنھوں نے موافق اُس کے حکم کے عمل کیا لیکن پانڈوں وہاں پہنچتے ہی اُن کے مکر و فریب سے جو واقف ہو گئے ، ایک سرنگ اس گھر میں کھود رکھی اور کسی رات اُس گھر کو آگ لگا کر

۱- ''جب کے'' نسخۂ اول (ص ۲۱۹) ، نسخۂ دوم (ص ۱۵۵) ، نسخۂ سوم (ص ۱۷۰) ۔ لیکن نسخۂ چہارم (ص ۲۰۹) نسخۂ انجمن (ص ۲۴۹) میں ''جب کہ'' ہے ۔

نقب کی راہ سے نکل گئے - پر ایک عورت[1] کہ نام اُس کا بھیل تھا ، اتفاقاً وھاں آ نکلی تھی - وہ اپنے پانچوں بیٹوں سمیت جل کر راکھ ھو گئی - جرجودھن کے رفیقوں نے جانا کہ وے ھی پانچوں اپنی ماں سمیت جل بجھے- یہ خوش خبری اُسے پہنچائی ؛ سنتے ھی اس کے بشاشت اُس کو آ گئی اور افسردگی جاتی رھی - جب پانڈوں نے اس مہلکے سے نجات پائی ، ایک جنگل میں پہنچ کر لباس ریاضت کا پہنا اور سیاحت اختیار کی - جس تیرتھ میں پہنچتے ، پوجا کرتے ، جس جگہ دیو دد[2] کو پاتے ، جان سے مارتے ، جہاں گینڈے ، ارنے نظر آتے وھاں شکار کھیلتے - آخر کنپلے میں پہنچے ، راجا درپد وھاں کا راجا تھا ، بیٹی اس کی نہایت جمیلہ و شکیلہ انھیں دنوں جوان ھوئی تھی اور جوبن پر چڑھی تھی - بنا بر اس کے راجا نے اپنے

۱- افسوس نے لکھا ھے :

''ایک عورت کہ نام اُس کا بھیل تھا'' - لیکن خلاصة التواریخ سے یہ مفہوم نہیں نکلتا - اُس سے یہ معلوم ھوتا ھے کہ ''ایک بھیل عورت'' مراد ھے - عورت کا نام بھیل نہیں ھے ملاحظہ ھو :

''و بھیل زنے با پنج پسر خود کہ در آں جا آمدہ''- (خلاصة ص ۹۳) -

اردو مہا بھارت میں (ص ۵۰) شیوبرت لعل ورمن نے اس عورت کی قوم نشاد لکھی ھے :

''ایک دن خیرات بانٹنے کے وقت کوئی نشاد قوم کی عورت اپنے پانچ بچوں کے ساتھ اس مکان میں فروکش ھوئی''۔

۲- خلاصة التواریخ کے متن میں '' دد '' کا لفظ البتہ عفریت ھے اور عفریث کا ترجمہ جن ھو سکتا تھا -

''و دیو عفریت را می کشتند'' - خلاصة التواریخ ، (ص ۹۳) -

بزرگوں کے وتیرے پر اکثر راؤ راجے بلوا کر ایک مجلس نشاط[1] کی ترتیب دی ۔ جس کو وہ لڑکی پسند کرے اسی کے ساتھ اس کو بیاہ دیویں ۔ ہندوؤں میں اس طور کو سینبر[2] (سوئمبر) کہتے ہیں ۔ الغرض راجا نے ایک لمبی لکڑی پر سونے کی مچھلی باندھ کر میدان میں اس کو کھڑا کیا اور ایک بڑی دیگ تیل سے بھری ہوئی نیچے اس کے چولھے پر دھروا دی ۔ ساتھ اس کے ایک کمان بھی نہایت کڑی تیر سمیت پاس اس کے رکھوا دی اور یہ شرط کی کہ جو کوئی اس کمان کو کھینچ کر ایسا تیر مارے کہ مچھلی اس لکڑی پر سے دیگ میں آن پڑے ، اسی کے ساتھ اس لڑکی کو بیاہ دوں اور اپنی دامادی میں لوں ۔ جتنے راؤ راجا کہ اس ارادے پر آئے تھے ، اس میدان میں خفیف ہوئے ، یہ شرط بجا نہ لا سکے ۔ یے (یہ) پانچوں بھائی بھی فقیروں کی مانند ایک کونے میں بیٹھے تماشہ دیکھ رہے تھے ۔ ارجن کے جی میں جو کچھ آیا تیر و کمان اٹھا کر ایسا ہی ایک تیر مارا کہ وہ مچھلی لکڑی پر سے جدی ہو کر اس دیگ میں آ پڑی ۔ وونہیں (ووں ہی) راجا درپد کی بیٹی دروپدی کو اس دنگل سے لے گیا اور داغ حسرت کا اس کے طالبوں کے دل پر دے گیا ۔ تماشائی

۱- جشن عالی ترتیب دادہ بود ، تا ہر کس را کہ آن دختر پسند کند ، در عقد زوجیت او در آید و آن را در زبان ہندی سوینبر گویند ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۹۳) ۔

۲- ''سینبر'' نسخہ اول (ص ۲۲۰) ''میانبرد'' نسخۂ دوم (ص ۱۵۵) ''سوئمبر'' نسخہ سوم (ص ۱۷۰) ، نسخہ چہارم (ص ۲۱۰) ۔ ''سوئمبر'' مہا بھارت اردو (ص ٦۳) ۔

اُس کی زور آوری اور پھرتی دیکھ کر ہیچک رہ گئے۔ کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ اُس سے مقابلہ کرے۔ القصہ اُس لڑکی کے نصیبوں میں بدا تھا کہ پانچ مردوں سے اس کا عقد ہو۔ بنا بر اس کے پانچوں بھائیوں نے اپنی ما (ماں) کے حکم کے بہ موجب بیاہ کیا اور ستّر ستّر دن کی باری مقرر کی۔ یہ خبر جو ہستنا پور میں پہنچی کہ راجا پانڈ کے بیٹے جیتے جاگتے ہیں اور راجا درپد کی بیٹی ان کے ساتھ بیاہی گئی ہے، دھرتراشٹ نے اپنے ارکان دولت کی صلاح سے کچھ لوگ بھیج کر اُن کو بلا بھیجا اور بہ دستور سابق آدھا ملک جرجودھن (درجودھن) پر بحال رکھا اور آدھا ان کے حوالے کیا لیکن طرفین سے قول و قسم لیے کہ آپس میں ربط و اخلاص رکھیں اور ملے جلے رہیں۔ پھر اُن کو رخصت کیا اور فرمایا کہ شہر اندر پرست میں جمنا کے کنارے جا کر رہیں۔ یہ وہیں جا کر مقیم ہوئے۔ وہی ثانیاً حال دلی کر مشہور ہوا۔ قصہ کوتاہ راجا جدشٹر کاروبار ملکی و مالی میں لگا، سوائے اس کے بہ قوتِ تدبیر و بہ زورِ شمشیر اکثر ملک لیے اور بہتیرے سر شخ[1] زیر کیے۔ جب سلطنت نے اس کی بہت رونق پکڑی اور دولت ات گت ہوئی، راجسو جگ کہ اُس کے آبا و اجداد کو بھی میسر نہ ہوا تھا، اُس نے بہ خوبی اُس کو اتمام کو پہنچایا، اور راجسو جگ ہندوؤں کی اصطلاح میں ایک بڑی تپشا ہے۔ بیان اُس کا یوں ہے کہ انواع و اقسام کے کھانے پکوا کر کئی ہزار

۱۔ ''سرشخ'' نسخۂ اول (ص ۲۲۱) نسخۂ دوم (ص ۱۵۶)، نسخۂ انجمن (ص ۲۵۱)۔ ''سرکش'' نسخۂ سوم (ص ۱۷۱) لیکن نسخۂ چہارم (ص ۲۱۱) میں سرشخ اور سرکش دونوں لفظ نہیں بلکہ ایک اور فقرہ ہے:

''بہتیرے فرماں روایان کو زیر کیے''۔

برھمنوں کو سونے روپے کے باسنوں سمیت بخشے اور پڑھنتیں پڑھ، طرح بہ طرح کی غذائیں اور خوش بوئیں؛ سوائے اس کے اجناس نفیس و بیش قیمت آگ میں جلائے۔ پر عمدہ ترین اس جگ کی شرطوں میں یہ شرط ہے کہ تمام روئے زمین کے راجا وھاں جمع ہوویں بلکہ سارے کام کاج اپنے ذمے لیویں، یہاں تلک کہ پانی بھریں، باسن دھوویں، کھانے پکاویں؛ پھر ایسا سامان اُسی کو مہیا ہو جو حاکمِ ہفت اقلیم ہو، سو راجا جدشٹر کو خدا نے کیا تھا کہ تمام جہان کے حاکم اُس کے محکوم تھے۔ اس سبب یہ جگ اُس سے خاطر خواہ سر انجام ہوا اور اُس کا تمام روئے زمین میں نام ہوا۔ جرجودھن بھی اس جگ کے کاروبار میں آکر اُس کا شریک ہوا تھا۔ جب اُس کی سلطنت کی یہ کچھ ترقی اور دولت میں اس قدر زیادتی دیکھی، آتشِ حسرت اُس کے سینے میں بھڑکی اور عداوتِ کہنہ گئی ھوئی نئے سرے سے آئی۔ اس وقت تو رخصت ہو کر ھستنا پور میں آیا اور رفیقوں سے اپنے دل پر جو وھاں گزری تھی، اسے بیان کیا؛ آخر جدشٹر کی بنیاد سلطنت اُکھاڑنے کے لیے اور خانۂ دولت اُجاڑنے کے واسطے مشورت کرنے لگا۔ یہ ٹھہری کہ مجلس قمار کی مقرر کیجیے اور دغا بازی کی چوپڑ بچھائیے تا ملک و مال اُس کا اس حیلے سے ھاتھ لگے۔ قصہ کوتاہ اُس کو لطائفِ حیَل سے بلوا بھیجا۔ بعد ملاقات کے دیر تلک اختلاط رہا، پھر جوئے کا چرچا پھیلا اور ھار جیت کا بازار گرم ھوا۔ جدشٹر کی قسمت میں سرگردانی اور بھائیوں سمیت پریشانی جو بدی تھی، اُس کے دیدۂ عقل کے آگے پردہ پڑ گیا اور بھلا برا سوجھنے سے رہ گیا۔ باوجود اس عقل و دانش کے آن کے دم میں آ گیا اور اپنے تئیں دامِ تزویر میں پھنسایا۔ آخر الامر تمام نقد و جنس و جواھر و خزائن و دفائن ھار دیے بلکہ جتنا اسباب سلطنت اور تجمل بادشاھت

تھا ، ایک مشت دشمن نے جیت لیا اور یہ ہاتھ جھاڑ بیٹھا ۔

ابیات[1]

جی سے وہ ہوا جوئے پہ مائل
بالکل ہوئی عقل اُس کی زائل

ٹک پاس رہا نہ آبرو کا
دانائی میں ایک تھا پہ چوکا

۱۔ خلاصۃ التواریخ (ص ۹۰) میں فارسی کے گیارہ شعر ہیں ۔ افسوس نے ان کا مفہوم نو شعروں میں ادا کر دیا ہے ۔ چوں کہ لفظی ترجمہ نہیں ہے اس لیے سلاست اور روانی پائی جاتی ہے ۔ فارسی اشعار کو پڑھ کر افسوس کے اشعار کی اہمیت کا اندازہ بخوبی ہو سکے گا :

طبع بہ قمار یافت مائل
افتاد بہ ورطہاے ہائل

وانکہ ز پئے قمار بازی
گسترده بساط فتنہ سازی

بنشست در خزینہ بکشود
راہے بہ قمارخانہ پیمود

شد گرم مقامر فسوں ساز
زد نقش دغل ، حریف کج باز

ہر دم بہ فریب جاودانہ
می باخت قمار را بہانہ

او سادہ دل و حریف پرکار
او خفتہ دماغ فتنہ بیدار

آشفتہ فروشد و نظر باخت
تامال و منال خویش در باخت

چوں کرد ز مال و گنج دربار
بر مُلک فتاد ، نوبت کار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۴ پر)

دشمن نے دغا کا جال مارا
یک دست وہ سلطنت کو ہارا[1]

دولت تھی جہاں تلک گنوائی
دی ہاتھ سے مفت پادشائی

یہ مے سے قمار کی ہوا مست
ہار اٹھا وہ گھر کا گھر در و بست

ٹک بھی نہ ریاست اپنی تھامی
ماٹی میں ملائی نیک نامی

بختوں کی تھی صرف اس کے شامت
یک مرتبہ جو بگڑ گئی مت

اقبال نے چھوڑا اس کا داماں
ادبار نے آ لیا گریباں

گھر پر پڑی دفعۃً تباہی
جاتی رہی صاحبی و شاہی

اس پر بھی اکتفا نہ کیا، کھیلنے سے باز نہ رہا۔ اس قدر مبہوت ہوا کہ چاروں بھائیوں کو، بعد اس کے اپنے تئیں، پھر

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

شد ہر دو ز دست فتنہ پامال
نے ملک بہ او بماند و نے مال

بر باخت بہ او سپہر ناساز
کج باخت بہ او، حریف کج باز

بنشست بلا بخانہ روبی
برخاست عدو بہ پائے کوبی

۱۔ قافیہ ''پادشاہی'' ''گنوائی'' کے محل نظر ہے۔ افسوس نے ''پادشائی'' عوام کا تلفظ جائز مان کر استعمال کیا ہے۔

دروپدی کو نوبت به نوبت هار گیا ۔ فی الواقع کارِ بد کا انجام بھی بد ہے :

یکے نقصانِ مایه ۔دگر شماتت ہم سایه

حیف ہے که ایسا نیک نام یوں بدنام ہووے اور اپنا مال و منال ناحق کھووے ۔

بیت

تماشائی جتنے تھے چھوٹے بڑے
وہ گردابِ حیرت میں یک سر پڑے

اس وقت وساسن[1] جرجودھن کا بھائی بد طینتی و سنگ دلی سے دروپدی کو جھونٹوں سے گھسیٹتا اور اول فول بکتا اس مجلس میں لایا ۔ حسب‌الامر جرجودھن کے چاھتا تھا که ننگا کرے اور وہ حیض سے تھی ۔ خدا کی درگاہ میں اُس نے اپنے ستر پردے کے لیے دعا کی ، وونھیں (ووں ہی) مستجاب ہوئی ۔ چناں چه اُس بے حیا نے جو کپڑا اُس کے بدن سے اتارا ، دوسرا فی‌الفور اُس کے تن پر غیب سے موجود ہوا ؛ اسی عنوان دیر تلک وہ چھینا کیا اور داتا اُس کو دیا کیا ۔ آخر اس اینچا کھینچ سے ہاتھ اُس نے کھینچا ، شرمندگی سے گریبان میں منه ڈال لیا ۔ اس سے حاضرینِ مجلس پر عجب حالت طاری[2] ہوئی ۔ سبھوں نے مارے شرم کے اپنی آنکھیں موند لیں اور جرجودھن وساسن کو ان کے رفیقوں سمیت سیکڑوں

۱۔ دو شاسن (دو ساسن) خلاصه ۹۵ ۔
''دو شاسن'' (مہابھارت، پنجابی پریس، لاہور، طبع دوم، ص ۷۰) ۔
۲۔ تاری نسخهٔ اول (ص ۲۲۳) ، نسخهٔ دوم (ص ، ۱۵۸) ، نسخهٔ سوم (ص ۱۷۳) لیکن نسخهٔ چہارم (ص ۲۱۴) میں ظاری ہے ۔

باتیں کہیں لیکن وہ بے غیرت کچھ خاطر میں نہ لایا اور افعال بد سے ہاتھ نہ اٹھایا ، بلکہ یہ بات ٹھہرائی کہ ایک بازی اور کھیلیں ؛ اگر جدشٹر جیتے تو اپنا سارا مال و دولت سلطنت بلکہ جو کچھ ہارا ہے ، سب کا سب پھیر لیوے ، نہیں تو بھائیوں سمیت بارہ برس تلک جنگلے میں گزران کرے ، تیرھویں برس بستی میں آوے لیکن چھپا رہے ۔ احیاناً اگر سال معہود میں نمود ہووے تو پھر بارہ برس تلک بہ دستور بادیہ نشین رہے ۔ جدشٹر کا تو شعور جا ھی چکا تھا ، بوکھلا رہا تھا ، اس شرط پر بھی کھیلا اور پھر ہارا ۔ بعد اس کے اپنے وعدے پر بھائیوں سمیت دروپدی کو لیے مستعد بادیہ پیمائی کا ہوا ۔ اس وقت کرن نام ایک شخص پانڈوں کا بڑا بدخواہ ہنسی سے بولا کہ اے دروپدی ان کے ساتھ کیوں جاتی ہے ، راجا جرجودھن کی خدمت میں رہ ۔ وہ تجھے ایسے شخص سے بیاہ دے گا کہ جوئے میں تیرے تئیں نہ ہارے گا ۔ پھر وساسن بھی تمسخر سے کہنے لگا کہ راجا پانڈ کے بیٹے خواجہ سراؤں کے حکم میں ہیں ، ساتھ ان کے مت جا اور ہم میں سے جس کو چاہے قبول کر کہ آسودگی سے تیری اوقات کٹے ۔ الغرض بے (یہ) کم ظرف ایسی ایسی سبک باتیں کہہ کر آپس میں ہنستے تھے اور وے بچارے خجالت سے اپنے سر نیچے کیے تھے ، مگر بھیم سین نے چاہا تھا کہ انتقام لے اور ان ہرزہ گوؤں کو خوب سی سزا دے ، راجہ جدشٹر نے اجازت نہ دی ۔ آخر ہستنا پور سے نکلے اور جنگل کی راہ لی ۔ کہتے ہیں کہ اس وقت بھونچال آیا اور رعد و برق بدون ابر کے نمایاں ہوئے اور ایک تارا کمال ہیبت سے آسمان پر سے ٹوٹ کر ہستناپور کی اطراف میں پھرا ، صحرائی جانور بستی میں آئے ، گیدڑ بازاروں میں دن دیے

آکر[1] چلّائے ، کرگس گھروں کے دروازے پر بولے ، گلِ نیلوفر[2] درختوں پر پھولے ، درخت بے موسم پھلے ، گائے گدھی کا بچہ جنی بلکہ اکثر حیوانوں سے بچے غیر جنس پیدا ہوئے ۔ یہ حالات[3] دیکھ کر اکثر شگنیوں اور نجومیوں نے کہا ''ان حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑے دنوں میں دھر تراشٹ کے بیٹوں پر ایک بڑا صدمہ پڑے گا بلکہ نام و نشان اُن کا نہ رہے گا''۔ قصہ کوتاہ پانڈوں نے بہت سے جنگل طے کیے، ندان کامک[4] بن میں اپنا رہنا مقرر کیا ۔ کئی برس کے بعد ارجن تپشا کے زور سے اندر لوک میں گیا اور راجا جدشٹر باقی بھائیوں سمیت تمام مندروں اور تیرتھوں میں پوجا تپشا کرتا پھرا ۔ ساتھ اس کے ایک جہان کو دید کیا ۔ ارجن بھی ان سے پانچ برس کے بعد ، تیر اندازی کے فنون رہے سہے اور بھی فرشتوں سے سیکھ کر، اسباب تجمل و حشم ساتھ لے آن ملا ۔ الغرض پانڈوں نے بارہ برس بیابان میں بڑی محنت اور مشقت سے گزران کی ، عجیب و غریب صدمے اُن کو پہنچے اور طرفہ طرفہ سانحے انھوں نے دیکھے ۔

۱۔ ''اگر چلائے'' نسخہ اول (ص ۲۲۴) ہے اور ''آکر'' تینوں نسخوں میں ۔

۲۔ و گل نیلوفر بر درختانِ بیاباں بشگفت و آب دریا بالا رو بہ‌رفت (خلاصہ ص ۹۶) ۔

ان فقروں کا مکمل ترجمہ نہیں کیا ہے ۔ ترجمہ یہ ہے :
''اور صحرائی درختوں پر نیلوفر کے پھول کھلے اور دریا کا پانی الٹا بہنے لگا'' ۔ (فائق)

۳۔ ''حالات'' نسخۂ اول (ص ۲۲۴) ، نسخۂ دوم (ص ۱۵۹)، نسخۂ سوم (ص ۱۷۴) لیکن نسخۂ چہارم، (ص ۲۱۵) اور نسخۂ انجمن (۲۵۶) ۔ میں ''حالت'' ہے ۔

۴۔ کامیک بن مَیں پہنچے (مہا بھارت ص ۱۲۸) ۔

آخرکار تیرھویں برس شہر بیراٹ[1] میں آئے اور اپنے نام تبدیل کر کے راجا بیراٹ کی سرکار میں نوکر ھوئے۔ جرجودھن کے رفیقوں نے ھر چند اُن کو ڈھونڈھا پر کھوج بھی نہ پایا ۔ جب تیرھواں برس تمام ھوا ، تب انھوں نے اپنے تئیں ظاھر کیا اور جرجودھن کو کہلا بھیجا کہ مہربانی کیجیے اور ھمارے حصے کا ملک ھم کو دیجیے ۔ اُس نے غرور و نخوت سے قبول نہ کیا ۔ پھر انھوں نے پیغام بھیجا کہ ھم پانچ بھائیوں کی گزران کے لیے پانچ محال یعنی کیتھل[2] کرنال ، اندری ، برناوہ ، اندر پرست ملیں تو اسی پر قناعت کر رھیں ، پرخاش کا ارادہ نہ کریں ۔ جرجودھن نے نہایت جہالت و رعونت سے اس مقدمۂ سہل پر بھی صلح نہ مانی اور لڑائی ٹھانی ۔ جن جن راؤ راجاؤں سے ارتباط و اتحاد تھا ، اطراف و اکناف سے اُن کو بلایا اور راجا جدشٹر نے بھی اپنے خویش و اقربا ، یار و مددگار کہ فرماں روائے ممالک تھے، طلب کیے ۔ تھوڑے دنوں میں سردارانِ نام دار بے شمار ، کروڑوں پیادے ، لاکھوں سوار بلکہ بڑے بڑے دیودت ، راوت ، مہنت ، سور ، ساونت ، اسباب جنگی و تجمّلاتِ حربی ساتھ لیے دونوں طرف آ کر جمع ھوئے۔ مشہور ھے کہ اس قدر سپاہ کی کثرت اور فوج کی بہتایت کسی لڑائی میں نہیں ھوئی اور نہ ھوگی ، نہ اگلوں نے دیکھی نہ پچھلے دیکھیں گے ۔

۱- در شہر بیراتھہ رسیدہ نام خود ھا تبدیل نمودہ نوکر راجہ بیراتھہ شدند (خلاصہ ۹۷) ۔

۲- ’’ پنج موضع کہ کتھل و کرنال و اندری و برناوہ و اندرپت بودہ باشد عنایت نمائید تا بران قانع باشم‘‘۔ (خلاصہ ص ۹۷) ۔

نظم[1]

یہ فوجوں[2] کا انبوہ آخر ہوا
نہ خالی رہی تل برابر بھی جا

بھرے سر بہ سر سارے دشت و جبل
کہے تو کہ امڈا تھا اک ٹیڑی دل

۳۔ ''افسوس نے آزاد ترجمہ کیا ہے ۔ یہ رزمیہ نظم اردو شاعری میں اہم اضافہ ہے ۔ فارسی نظم میں وہ زور نہیں جو اس میں پایا جاتا ہے ۔ موازنے کے لیے خلاصۃ التواریخ (ص ۹۷ و ۹۸) سے فارسی نظم پیش کی جاتی ہے :

فراواں سپہ جمع شد پیش ازیں
نہ دیدہ کسے لشکرے پیش ازیں

نمودار شد ، لشکر نیک بخت
چو ریگِ بیاباں و برگِ درخت

سپاہے بہ کثرت فزوں از شمار
سپاہے ز مور و ملخ بے شمار

ہمہ تیغ داران و خنجر گذار
ظفر پیشگان و تسلط شعار

سپاہے ز ریگ بیاباں فزوں
وز اندیشۂ ہر محاسب بروں

سپاہے چو آشفتہ پیلانِ مست
ہمہ نیزہ و گرز و خنجر بدست

نہ بُد بر زمیں پشّہ را جاے گاہ
نہ اندر ہوا باد ، را ماند راہ

ز بس جوش لشکر بہ بے راہ و راہ
بسیط زمیں ، تنگ شد بر سپاہ

زمین پر یہ کچھ بوجھ اس دم پڑا
کہ گاوِ زمیں کا بھی سر جھک گیا

بیاں کیجے[1] کیا بھیڑ کے روپ کو
کہ جاگہ زمیں پر نہ تھی دھوپ کو

سوار اور پیادے گنیں جائیں کب
کسے ہے شمارِ کواکب کا ڈھب

یہ انبوہ حیوان و انسان کا
جو دیکھا شط و دشت نے یوں کہا

اناج اک[2] طرف، خوف ہے یہ بڑا
نہ پڑ جائے قحط آب اور کاہ کا

قصہ کوتاہ کورکھیت[3] کا میدان کہ اب وہ تھانیسر کر کے مشہور ہے، ہندوؤں کے نزدیک قدیم تیرتھ اور بڑا معبد ہے بلکہ علما ان کے کہتے ہیں کہ برمہا اسی جاگہ محض خدا کی قدرت سے بے واسطہ گلِ نیلوفر سے پیدا ہوا اور خالقِ حقیقی کے حکم سے اس عالمِ کون و فساد کو اس نے خلق کیا ۔ بنا بر اس کے اس گروہ کا اعتقاد یہ ہے کہ جو کوئی بشر اپنی جان اس مکان میں دیوے، وہ اس جہان میں دوبارہ نہ جنم لیوے اور عاقبت میں بہشت کے بیچ عمدہ ترین مکان پاوے ۔ انھوں نے بھی (یہی) سمجھ

۱- ''کیجیے'' نسخۂ اول (ص ۲۲٦)، نسخۂ دوم (ص ۱٦۰)، نسخۂ سوم (ص ۱۷۵) ''کیجے'' بلحاظ تقطیع ۔

۲- ''ایک'' اصل میں ہے لیکن پڑھنے میں ''اک'' آتا ہے وہی لکھا گیا ۔

۳- ''کرکھیت'' (آئین اکبری، ص ٥۱٦) ۔

کر رزم گاہ وتھیں (وھیں) چالیس کوس[1] کے عرصے تلک مقرر کی ۔ پھر طرفین سے سوار و پیادے کے غول کے غول اور غٹ کے غٹ، پرے کے پرے نمود ہوئے ۔ گرد و غبار اس قدر آڑا کہ زمین و آسمان نظر آنے سے رہ گیا ۔ کوس حربی کی آواز بلند ہوئی اور طبلِ جنگی کی صدا پیہم آنے لگی ۔ نقیب پکارنے لگے اور کڑکھیت للکارنے، سور ساونت ھتھیار سجنے لگے اور مارو ہر طرف بجنے لگے ۔ بوق صور دم کی صدا سے رعد تھرّا اٹھا اور بہادروں کے نعرے سن کر جلّاد فلک کانپ[2] گیا ۔

نظم[3]

اکٹھی ہوئی تھی یہ کچھ واں سپاہ
عطارد جو گنتا اسے سال و ماہ

چہارم بھی اس کا نہ ھوتا تمام
وہ رکھ دیتا کلکِ قلم لا کلام

بیاباں میں جیدھر کو جاوے نظر
سپاھی سوا کچھ نہ آوے نظر

زرہ پوشوں کا اس طرح تھا ھجوم
کہ جیسے گھٹا آئے ساون کی جھوم

۱- ''عرصۂ پیکار و چہل ھشت کروہ مقرر گردید ۔ (خلاصۃ التواریخ، ص ۹۸) افسوس نے آرائش محفل میں چالیس کوس میدان جنگ کا عرض اور طول لکھا ھے ۔ خلاصۃ التواریخ میں اڑتالیس کوس ھے ۔ اس اختلاف کی وجہ نہیں معلوم ۔ صحیح اڑتالیس کوس ھے ۔ (فائق)

۲- ''کاتپ'' نسخۂ اول (ص ۲۲۷) میں غلط ۔ بقیہ نسخوں میں ''کانپ'' صحیح ۔

۳- فارسی نظم کا آزاد ترجمہ ھے ۔ فارسی شعر دس ھیں اور افسوس نے نو شعروں میں بڑی صفائی سے اس مفہوم کو ادا کیا ھے ۔ (فائق)

کریں آن کی تعداد کس پر قیاس
که دیکھی نہیں اتنی جنگل میں گھاس

لگی پھکنے قرنائے اس زور سے
که ارض و سما بھر گئے شور سے

ہؤا اس قدر کوسِ جنگی کا شور
صدا پہنچی ڈنکے کی گردوں سے دور

جو ناله فلک پر گیا بوق کا
جگر ہو گیا آبه عیّوق کا

جوانوں کی ڈھالیں کھڑکنے لگیں
شجاعوں کی تیغیں چمکنے لگیں

الغرض پانڈوں نے اپنے لشکر کے سات حصے کیے۔ ایک فوج آگے رکھی، ایک پیچھے، ایک داھنے، ایک بائیں، ایک بیچ میں۔ ایک غول داھنی طرف کی سپاه کا کمکی اور ایک بائیں طرف کی سپاه کا۔ پھر لڑائی شروع کی۔ پہلے بھیم سین نے رزم گاہ میں آ کر ایک ایسا نعره مارا که جگر یلانِ فیل تن کا تڑک گیا اور دل بہادرانِ شیر افگن کا دھڑک گیا۔ ھاتھی اکثر چنگھاڑ مار بھاگے اور گھوڑے سواروں سمیت بے شمار بھاگے۔ پھر اس دیو پیکر نے اپنا گرز گراں پھرا پھرا کر ایسا مارا که ایک ضرب سے کتنے عرابه سوار عرابوں سمیت خاک برابر کر دیے اور کتنے ھیں (ھی) شه زور جوان باھم ٹکرا کر مار لیے۔ پھر جو لپکا تو بہت سے ھاتھی گھوڑے سواروں سمیت قوتِ بازو سے اٹھا اٹھا اس زور سے زمین پر پٹکے که آن کی ایک هڈی بھی ثابت[1] نه رهی، بلکه یه بھی

۱۔ ''سابوت'' نسخۂ اول (ص ۲۲۸)، نسخۂ دوم (ص ۱۶۱)، نسخۂ چہارم (ص ۲۱۷)۔
''ثابوت'' نسخۂ انجمن (ص ۲۵۹)۔ ''ثابت'' نسخۂ سوم (ص ۱۷۷)۔

دریافت نہ ہوا کہ انہیں آسمان کھا گیا یا زمین کھا گئی ۔

نظم[1]

وہ میداں میں یوں آیا نعرہ کناں
کہ جوں دونکتا آئے شیرِ ژیاں

جسے تھا وہ لڑنے کو للکارتا
وہ اپنے تئیں آپ ھی مارتا

یہ صدمہ تھا اس دیو کے گرز کا
جسد چُور کرتا فرامرز کا

حضور اُس کے حیوان و انسان سے
جو آیا وہ جاتا رہا جان سے

یہ مارے سوار اُس نے گھوڑوں سمیت
کہ یک سر بھرا کشتگاں سے وہ کھیت

پھر ارجن بھی جیسے بھوکا شیر بکریوں کے گلّے میں گھستا ھے ، اس طرح سے فوج مخالف میں بینٹھا[2] ۔ ھزاروں کو اپنے عقاب تیر کا طعمہ کیا اور سیکڑوں کو شمشیر آب دار سے خاک میں سلا دیا ۔ ندان کُشتوں کے انبار لگا دیے اور لاشوں سے پہاڑ بنا دیے ۔

۱- فارسی کے چھ شعروں کا پانچ شعروں میں مفہوم ادا کیا ھے ۔ (فائق)

۲- ''بینٹھا'' نسخۂ اول (ص ۲۲۸) ، نسخۂ دوم (ص ۱۶۱) ۔
''پیٹھا'' نسخۂ سوم (ص ۱۷۷) نسخۂ چہارم (ص ۲۱۷) ۔
''بیٹھا'' نسخۂ انجمن ترقی اردو (ص ۲۵۹) ۔

نظم[1]

لگا تیر مستک پہ اس کا اگر
تو نکلا وہ ہاتھی کی دُم سے اُدھر

جدھر کھینچ تلوار حملہ کیا
اُدھر کی صفوں کو اُلٹ ہی دیا

لگا جس کے تلوار کا اُس کی وار
نہ لی سانس بھی اُس نے پھر ایک بار

لگی کانپنے پھر تو ساری کٹک
گری لاش پر لاش کوسوں تلک

نہ تھی اتنی جاگہ کہ رکھیے قدم
کہ کشتوں کے تھے جا بہ جا واں اٹم

غرض اسی طرح ہر ایک دلاور نے ترک تازی و جاں بازی کی ، شجاعت و سپہ گری کی داد دی اور جرجودھن نے بھی اپنے لشکر

۱- خلاصۃالتواریخ (ص ۹۹) میں چار شعر ہیں - افسوس کے طبع زاد پانچ شعر ہیں اور اصل سے بدرجہا بہتر ہیں- فارسی شعر اردو کے مقابلے میں سست نظر آئیں گے - ملاحظہ ہوں :

چو رعد خروشاں در آمد بجوش
ز ایوان کیواں گزشتہ خروش

خروشے بر آمد کہ کیواں شنید
تو گوئی کہ صور قیامت دمید

نہ استاد کس پیش ارجن بجنگ
بجستند با او کسے نام و ننگ

گریزاں شدند آں دلیراں همه
چو از شیر غرّیدہ ، آهو همه

کی صفوں کو آراستہ کر کے کئی حلقے فیلانِ جنگی کے طلب کیے اور ٹھہرایا کہ ہر ہاتھی کے پیچھے پچاس سوار مسلّح و مکمل اور ان کے عقب ہزار پیادے تلوریے بے بدل مستعد رہیں۔ جب کہ ہاتھی فوج مخالف پر پیلے جائیں، یے (یہ) ان سے لگے چلے آئیں، جس وقت متصل پہنچیں، یک بار ہلّا کریں اور تلواروں تلے دھر لیں۔ لیکن سردار و مختار سپاہ کا بھیکم پتامہ[1] و درون (درونا) اچارج و کرن وساسن و شکس کو کیا اور انھیں (انھی) کی صلاح سے پانچ غول بنا کر چڑھ کھڑا ہوا۔ اُس کے ساتھ بھی بڑے بڑے یل دلاور، کوہ پیکر، قوت میں فیل مست سے زور آور، شجاعت میں شیر شرزہ سے بالا تر۔ تلوار جن کی عرش میں جھولتی تھی، دیکھے سے اُن کے روئیں تنوں کی سُرت بھولتی تھی۔ میدانِ کار زار میں آتے ھی پہلے تو انھوں نے تیر اندازی و نیزہ بازی جیسی چاھیے ویسی کی کہ ہر دشمن و دوست کے منہ سے بے اختیار واہ واہ کی صدا نکلی، پھر سونت سونت تلواریں پل پڑے، بہتیرے نامی جوان لہو میں نہلا دیے اور کتنے ھیں (ھی) پہلوان مارے تلواروں کے بچھا دیے۔ پانڈوں کی سپاہ گھونگھٹ کھا چلی بلکہ بعضی بعضی صف کائی سی پھٹ گئی۔

نظم

اُدھر کے بھی جب حملہ آور ہوئے
تہِ تیغ ادھر کے بھی اکثر ہوئے

۱۔ و عساکر خود را بہ پاس داری بھیکھم پتامہ درونا اچارج و کرن و دو شاسین و شکن پنج بخش گردانید۔ (خلاصۃ التواریخ، ص ۹۹ و ۱۰۰)۔

یہ نزدیک تھا پانڈؤں[1] کی سپاہ
تزلزل میں آ جائے اور ہو تباہ

جدشٹر کے اقبال سے تھم گئی
جہاں کے تہاں بارے پھر جم گئی

ولے کورؤں کے رفیقوں نے بھی
نہ کی اک ذرا رستمی میں کمی

خصوصاً بھیکم پتامہ ایسا لڑا کہ کوئی اُس کا سامنا نہ کر سکا۔ ہر روز اُس کے ہاتھ سے ہزاروں جوان نامی کامی مارے جاتے تھے اور زخم تو اس کے ہاتھ کا لاکھوں ہیں (ہی) کھاتے تھے ۔ غرض دس دن کے عرصے میں اُس نے لاکھوں سوار پیادے خاک و خون میں سلا دیے اور لہو کے دریا میدانِ وغا میں بہا دیے ۔

نظم

لڑا اس قدر وہ بہادر دلیر
لگا ہی دیے رن میں کشتوں کے ڈھیر

کہاں تک نہ ہو زور کا اُس کے غل
کہ باندھے شطِ خوں پہ لاشوں کے پُل

وہ شیرِ وفا جس طرف پل گیا
اگر کوہ تھا اُس طرف ہل گیا

جو ہاتھی پہ اک ہاتھ اُس کا لگا
تو وہ کوہِ پیکر بھی دو ہی ہوا

پیادے ہزاروں ، ہزاروں سوار
لیے اُن نے بس ایک حملے میں مار

۱۔ پانڈووں ۔ نسخۂ سوم (ص ۱۷۸) ۔

پھر تو آتشِ جدال و قتال نہایت بھڑکی ، دھنواں اس کا ایسا گُھٹ گیا کہ اپنا بے گانہ سوجھنے سے رہ گیا ۔ بیٹا باپ کے سامنے ہوا اور بھتیجے نے چچا سے مقابلہ کیا ۔ بھانجا ماموں سے لڑنے لگا ، بھائی بھائی کا قاتل بن گیا ، شاگرد استاد پر دوڑ پڑا ، چیلا گُرو کے منہ چڑھا ۔ آخرکار نزدیک کا ہتھیار باہم چلنے لگا ۔ ملک الموت کا بازار گرم ہؤا ، لاش پر لاش پڑ گئی اور تمام رزم گاہ کشتوں سے بھر گئی ۔ لہو کا دریا زور شور سے بہنے لگا ، گرد و غبار نام کو کہیں نہ رہا ۔ غازیانِ طرفین کی بہادری و دلاوری دیکھ کر شیرِ آسمان کا زہرہ پانی ہو کر بہہ گیا اور جلادِ فلک ہکا بکا سا رہ گیا ۔ جہاں تک پیکِ نظر جاتے تھے ، اجسام پارہ پارہ ہی نظر آتے تھے اور جس جگہ رزم گاہ میں پاؤں رکھتے تھے ، اعضائے کشتگاں کچلے جاتے تھے ۔ ہتھیار مقتولوں کے اس کثرت سے گرے کہ رَن میں کتنے آہنی پہاڑ بن گئے اور زیور کی بھی یہ بہتایت ہوئی کہ قطعے وہاں کی زمین کے گنگا جمنی ہوگئے ۔ بس کہ کُشتوں کے گوشت و خون کی باس ہوا کے سبب جو دور دور تک پہنچی ، طائرِ مُردہ خوار بے شمار کھیت میں آتر کر خوب سیر ہوئے اور چنگل و منقار اپنے من مانتے بھر لیے اور جانورانِ صحرائی بھی مانند کفتار و شغال مُردوں کا گوشت کھا کھا تن گئے ۔ بڑے بڑے پنڈت اور بید خواں کہتے ہیں کہ جہاں دس ہزار جوان کھیت آتے ہیں ، وہاں ایک دھڑ بِن سر کا اور ایک سر بِن دھڑ کا رقص کناں و نعرہ زناں پھرتا ہے ۔ پھر اس لڑائی میں تو ہزاروں لاکھوں مارے گئے تھے ؛ کتنے ہی تن ہائے بے سر اور سرہائے بے پیکر رقصاں و دواں پھرتے تھے ۔ ساتھ اس کے آواز ''بہ زن بہ کش'' کی ہر طرف سے آتی تھی اور اس کی ہیبت سے سننے والوں کی جان چلی جاتی تھی ۔

نظم

لڑائی کی سب کو پھر آئی امنگ
ہوا خوب ہی گرم بازارِ جنگ

صفوں سے بہم تیر چلنے لگے
لہو کے فوارے اچھلنے لگے

لگا ایک کو ایک للکارنے
پدر بھی پسر کو لگا مارنے

ندان ان میں تلوار ایسی چلی
کہ افلاک میں بھی پڑی کھل بلی

جہاں تک تھے آپس میں لڑ لڑ موے
ہر اک سمت کشتوں کے پشتے ہوے

ہؤا بحرِ خوں دشت میں موج زن
اور اُس میں لگے ترنے کشتوں کے تن

چلی آتی تھی وہ ''بہ زن'' کی صدا
شب و روز رن بولتا تھا پڑا

قصہ کوتا اٹھارہ دن تلک بازار قتال علی‌الاتصال گرم رہا؛ اور ہتھیار آپس میں چلا کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ طرفین کے بہادروں کی دلاوری و بہادری کی تعریف و توصیف احاطۂ تحریر و تقریر سے باہر ہے۔ گوینده کی کیا طاقت جو بیان کرے اور لکھنے والے کی کیا قدرت کہ لکھ سکے، لیکن فتح نامہ دبیرانِ[1] قضا و قدر نے جو راجا جدشٹر کے نام پر لکھا تھا، بنا بر اس کے اپنے اقبال کی یاوری و کد سے اور طالع کی یاری و مدد سے

۱۔ ''دپیران'' نسخۂ اول (ص ۲۳۱) غلط۔ بقیہ نسخوں میں ''دبیران'' صحیح ہے۔

لڑائی مار چلائی - جرجودھن[1] ، بھیم سین کے ھاتھ بری طرح سے مارا گیا اور اپنے اعمالِ بد کی سزا کو پہنچا اور اُس کے بھائی بندوں کے بھی بند بند جدے ھوئے اور کتے کی موت موئے - قصہ مختصر طرفین کے لشکر میں اٹھانوے لاکھ اٹھتالیس (اڑتالیس) هزار ایک سو ساٹھ سوار و پیادے کی بھیڑ کہ سوائے ھاتھی ، گھوڑے ، اونٹ کے تھی ، اس میں سے همه جهت گیارہ آدمی جیتے بچے- پانچ تو یہ بھائی اور چھے شخص اور ؛ سوائے ان کے سب کے سب حیوان و انسان کھیت رھے - واقعی تو یہ ھے کہ اتنی فوج کی کثرت اور کشت و خون کی شدّت کسی لڑائی میں جب سے کہ خلقتِ آدم ھے ، آج تک نہیں ھوئی اور کسی مؤرخ نے اس طرح کی جنگ و جدل دوسری کسی تاریخ میں ثبت نہیں کی - حقّا کہ نوعِ انسان میں عجیب حادثہ ھوا اور اکثر اطراف میں ماتم پڑا - ھزاروں مائیں اپنے بیٹوں کو رو بیٹھیں اور لاکھوں عورتیں اپنے خاوندوں سے ھاتھ دھو بیٹھیں - اُن کے رونے پیٹنے کا شور و غوغا یہ بلند ھوا کہ فلک ھفتمیں تلک پہنچا اور اس قدر خونِ جگر آنکھوں سے جاری ھوا کہ ایک دریائے عظیم بہہ چلا ، بلکہ کتنی رنڈیاں شدّتِ غم سے ھلاک ھو گئیں اور بہتیری جل کر خاک ھو گئیں - اکثروں نے کھانے پینے سے ھاتھ اٹھایا ، ھزاروں نے اپنے تئیں کوٹھوں کے تلے گرایا -

رباعی

یہ شور و فغاں جہان کے بیچ ھوا
تھی صبح و مسا گریہ و زاری کی صدا

۱- روز هزدهم درجودهن از ضرب گرز کوه شکن بهیم سین با قبیح ترین حال ، قالب تهی کرده و مکافات اعمال شنیعه خود که نسبت بحال پاندوان بنی عم نموده بود ، به سزا رسید - (خلاصه ، ص ۱۰۱)

آواز سنی جاتی نہ تھی کان پڑی
بن روزِ نشور حشر اک برپا تھا

جب فتح کے بعد راجا جدشٹر نے یہ احوال دیکھا ، نہایت متأسف ہوا ؛ خصوصاً خویش و اقربا کے مارے جانے سے اور دوستوں کے سر کٹانے سے ، مربیوں اور مرشدوں ، اُستادوں کے جی کھپانے سے بہ مرتبہ نادم تھا ۔ بلکہ حیاتِ مستعار کی بے بقائی اور دنیا کی بے وفائی ، باقی ماندوں کی کم ثَباتی کا دھیان کر کے چاہتا تھا کہ ملک و مال سے ہاتھ اٹھاوے اور ریاست چھوڑ کر گوشۂ ریاضت پکڑے کہ اس گناہِ عظم کی مکافات عاقبت میں نہ ہو لیکن بھیکم پتامہ نے حالتِ نزع میں نصیحت کی کہ زنہار سلطنت کو ہاتھ سے نہ کھونا اور بادشاہت سے کنارہ کش نہ ہونا ؛ ہاں مردم آزاری نہ کرنا اور رعیت پروری پر دھیان دھرنا کہ بادشاہوں کو اس کے ترک میں عذاب ہے اور بجا لانے میں ثواب ۔ بعد اس کے کئی وضع کی خیرات اور کئی قسم کے تصدقات بتلا دیے۔ تفصیل ان کی اس فن کی پوتھیوں میں لکھی ہے ۔ راجا جدشٹر نے بھی اس بزرگ کے کہنے پر عمل کیا اور انتظام امور سلطنت پر دھیان دھرا ۔ پہلے تو راجا دھرتراشٹ کی خدمت میں ہستناپور کے بیچ آیا اور جرجودھن کا اس کے بھائیوں سمیت پرسہ (پرسا) دیا ، بہت سی معذرت کی ؛ بعد اس کے چچا کی اجازت سے راج پر بیٹھا ، ملکی مالی مقدمات کو انتظام دینے لگا اور چاروں بھائیوں کے اتفاق و معاونت سے چند روز میں ہفت اقلیم پر قبضہ کیا اور روئے زمین کے سلاطین پر غالب ہوا ۔

رباعی

سرکش جو تھے اُن کا سر جھکایا اُس نے
شیروں کو شغال کر دکھایا اُس نے

آباد نہ ہو، تمام عالم کیوں کر
ہر ایک خرابے کو بسایا اس نے

لیکن بیاس دیو نے جو کہا تھا کہ جگ اسمید (اسومید[1]) کے بجا لانے سے بھائیوں کے مارے جانے کا قلق و تکدر دل پر ہے، بالکل رفع ہو جائے گا اور گناہوں کے کفارے کو بھی یہی کفایت کرے گا۔ جگ اسمید ہندوؤں کے نزدیک ایک عبادت خاص کو کہتے ہیں۔ طریقہ اُس کا یہ ہے کہ رُبع مسکون کے عمل کرنے کے ارادے پر گھوڑا کہ کتنے اوصاف رکھتا ہو، اس کو مطلق العنان کر چھوڑ دیتے ہیں اور ایک لشکرِ عظیم و فوجِ سنگین اُس کے عقب تعیّن کرتے ہیں۔ گھوڑا جدھر چاہے بڑا پھرے۔ ہر شہر کا حاکم رئیس کہ اُس کے آنے سے مطلع ہو، چاہیے کہ استقبال کو نکلے اور کچھ پیش کش دے؛ احیاناً اگر کہیں کا حاکم یہ امر بجا نہ لاوے اور پھر جاوے تو سردار فوج کو لازم ہے کہ گھوڑا وہیں باندھ کر اس کو تنبیہ قرار واقعی کرے۔ حاصل یہ ہے کہ حکام روئے زمین سے نال بندی[2]

۱۔ چوں بیاس دیو بہ راجہ جدھشتر فرمودہ بود کہ اگر جگ اسومید بہ تقدیم رساند، رافع خدوک خاطر۔۔۔۔۔می تواند شد۔ (خلاصۃ التواریخ، ص ۱۰۳)۔

چہارم در جگ اشمید۔ (آئین اکبری، ص ۵۱۷)۔

اسومیدہ یگیہ کرنے سے راجوں کا پاپ دور ہوتا ہے۔ (مہا بھارت ص، ۴۴۸)۔

۲۔ ''نعل بندی'' نسخۂ اول (ص ۲۳۴)، نسخۂ چہارم (ص ۲۲۲) ''نال بندی'' نسخۂ دوم (ص ۱۶۶)، نسخہ سوم (ص ۱۸۱) نسخۂ انجمن (ص ۲۶۵)۔

لیتا ہوا اپنے مکان میں پہنچے ، لیکن یہ جگ اس سے ادا ہو جو حکم راں ہفت اقلیم کا ہو ؛ سو راجا جدشٹر تھا ۔ بنا بر اس کے بے دغدغہ جگ اسمید کے بجا لانے پر مستعد ہو کر تیاری کی اور ایک گھوڑا بھی اُسی رنگ کا بہم پہنچایا اور اُسی روپے پر چھوڑ دیا ۔ عقب اس کے ارجن کو ایک فوج قاہرہ دے کر متعین کیا ۔ اسپ مذکور جس ملک میں کہ پہنچتا ، وہاں کا حاکم پیشوا لینے کو آتا اور اطاعت قبول کرتا ۔ کسی کو مقدور نہ ہوا کہ سرتابی کر سکے اور نذرِ معیّن میں کمی کرے ۔

ابیات

جس جگہ جاتا وہ اسپِ خوش خرام
چومتا اُس کے قدم ہر خاص و عام

واں کا حاکم پیش کش گزرانتا
اُس کا آنا فخر اپنا جانتا

ملک اُس کے گو کہ تھا زیر نگیں
پر وہ بن جاتا غلامِ کم تریں

القصہ ایک برس کے بعد ارجن مع اسپ و فوج سیر رُبع مسکوں سے فراغت پا اور شاہانِ ہفت کشور کو اپنا فرماں بردار بنا نقد و جنس بے انتہا ساتھ لیے جدشٹر کی خدمت میں مشرف ہوا اور روئے زمین کے سلاطین کے مطیع ہونے کی خبر پہنچائی ۔ راجا نہایت خوش وقت ہوا اور مال دولت برہمنوں ، محتاجوں کو ایسا بخشا کہ ہر ایک تونگری کے مرتبے کو پہنچا اور بے نیاز ہوا ۔

رباعی

مال و زر و سیم اُس نے یہاں تک بخشا
کرنے لگا راج ہر برہمن بھوکا

قاروں سا ہوا جہان میں ہر ایک گدا
کیا دان کرے کوئی کہ منگتا نہ رہا

بعد اس کے امور سلطنت و حکومت کو خاطر خواہ انتظام دیا اور نورِ عدل و انصاف سے جہان کو روشن کیا ۔ سوادِ ظلم ہفت اقلیم میں کہیں باقی نہ رکھا ۔ خاص و عام ، سپاہ و رعیت کمال آسودہ ہوئے اور چین کرنے لگے ۔ اہل حرفہ و صناع اپنے کسب و اکتساب کی بہ دولت مرفہ احوال ہوئے ، سوداگر مہاجن اپنی تجارت و سود کے نفعے سے مالا مال ۔ اس کے وقت میں مینہ اپنے وقت پر برسا کیا ، کال کبھی نہ پڑا ۔ زراعت افراط سے ہوا کی ، زمین اناج سے بوجھوں موا کی ۔ درخت میوہ دار بہ خوبی پھلا کیے ، پھول اقسام کے کثرت سے پھولا کیے ۔ وحش و طیر بھی دشت و باغ میں کلانچے بھرتے کلولیں کرتے تھے ، گزندے درندے سے مطلق نہ ڈرتے تھے - جوگی ، جتی ، تپشی ، مُنی ہر ایک اپنی اپنی تپشا اور جوگ میں فراغت سے لگا ہوا ، پنڈت ، کبیشر ، جوتکی بلکہ ہر ایک گُنی ، طالب علم مشغول اپنے کام میں سدا ۔

بیت

کسی کو نہ تھا عہد میں اس کے دکھ
ہر اک شخص کرتا تھا دن رات سکھ

چوری اور رہ زنی ، فساد ، عناد ، جھگڑا ، قضیہ جہان سے اٹھ گیا تھا ؛ محبت ، شفقت ، اختلاط ، ارتباط آپس میں دن بہ دن بڑھتا جاتا تھا ۔ شہری ، بیابانی ، بحری ، بری ، مدام چین کرتے تھے ، ضعیف ، ناتواں کسی شہ زور و پہلوان سے نہ ڈرتے تھے ۔

بیت

کسی کے نہ تھا دل میں خوف و خطر
ہر اک شاد رہتا تھا شام و سحر

سخی ایسا تھا کہ اسّی ہزار برہمن اُس کے رسوئی خانے میں کھاتے تھے ، عادل ایسا کہ اُس کے وقت میں دادی فریادی تلاش سے بھی ھاتھ نہ آتے تھے ۔

ابیات

نہ فریادی آتا نہ واں داد خواہ
فقط ایک کہنے کو تھی عدل گاہ

سخاوت کا بھی اُس کی پایاں نہ تھا
کہ گوہر فشاں ایسا نیساں نہ تھا

ہر اک عہد میں اُس کے تھا سودمند
درِ بخل رھتا تھا دن رات بند

راست گو اس قدر تھا کہ کبھی بھول کر بھی جھوٹ نہیں بولا اور سوائے سخنِ حق کے اُس نے لب نہیں کھولا ۔

بیت

نہ منہ سے نکال اپنے حرفِ دروغ
کہ دونوں جہاں میں ہو تیرا فروغ

حق رسیدہ و حق شناس اس مرتبے کہ آج تلک ہندوؤں کا فرقہ اُس کے طریقے پر مائل ھے اور اُسی کا چلن عمل کے قائل ۔ خرقِ عادات اُس کے چھوٹے بڑے بکھانتے ھیں اور اُس کے اوصاف کا بیان عبادت جانتے ھیں ۔

بیت

سمجھتے ھیں سعادت اُس کی توصیف
اسی خاطر کیا کرتے ھیں تعریف

بعد اس کے الی الآن کہ چار ہزار نو سَے اکاون اس کے راج کو گزرے ھیں ، ویسا والی مملکت کا دوسرا دنیا میں پیدا نہیں ہوا اور اس اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ پسندیدہ کے ساتھ کوئی صاحبِ تاج و تخت

کسی بشر نے نہیں دیکھا ۔

ابیات

تھی اس کی ذات صفاتِ کریمہ کی منشا
بجا ہے جتنی کرے کوئی اُس کی مدح و ثنا
جب اُس زمانے میں اس کا نظیر کوئی نہ تھا
تو کس طرح سے ہو اِس دور میں عدیل اس کا

باوجود اس قوت و قدرت کے دھرتراشٹ کی خدمت سعادت جانتا تھا اور اس کی رضامندی سب امور پر مقدم رکھتا ؛ ساتھ اس کے سارے کاربارِ مالی ملکی موافق اس کے حکم اور صلاح کے سر انجام دیتا اور اهل کاروں سے مطابق اُس کے امر کے کام لیتا ۔ اس مرتبہ اس کی خدمت گزاری و فرماں برداری کی کہ اپنے بیٹوں کی سلطنت اس کو بھول گئی ، کیوں کہ اتنی حکومت اُس کی ان کے دور میں کبھو نہ ہوئی تھی اور ایسی طاعت اُس کی کسی نے نہ کی تھی ۔ جب سولہ برس اسی طرح گزرے ، ایک دن بھیم سین کہ دھرتراشٹ کو ہرگز دوست نہ رکھتا تھا ، خم ٹھونک کر بولا ''یے بازو وے ہیں جن کے زور سے سو بیٹے دھرتراشٹ کے مع فوج میں نے مارے اور تیغِ تیز سے اُن کے سر اُتارے''۔ یہ سن کر وہ نہایت آزردہ ہوا اور وہاں کے رہنے سے در گزرا ۔

بیت[1]

یہ ہو سکے تلوار کئی مرتبہ کھاوے
پر مرد کڑی بات کسی کی نہ اٹھاوے

۱۔ ''خلاصة التواریخ '' میں اصل فارسی شعر یہ ہے :

بُرّندہ تر است گاہ بیداد شمشیرِ زبان ز تیغِ فولاد

آخر[1] دنیا سے دست بردار ہوکر اپنی زوجہ اور پانڈوں کی ما (ماں) کنتی کو ساتھ لے چچا سمیت جنگل کی طرف چلا گیا ۔ عبادت اور ریاضت میں مشغول ہوا ۔ بعد تین برس کے تھانیسر کے تالاب کے کنارے یا ہردوار میں لبِ گنگ اس جہان سے راہی ہوا ۔ چناں چہ بیاس دیو نے یہ احوال تمام و کمال اور کوروں پانڈوں کا سارا ماجرا بلکہ آن کے اجداد کی بھی روداد ، سوائے اس کے اور بھی قصے نادر و عجائب بہ تفصیل لکھے ہیں اور اس مجموعے کا نام ''مہابھارت'' رکھا ہے ۔ وہ متضمن لاکھ اشلوک اور اٹھارہ باب کو

۱۔ ''خلاصة التواریخ '' میں دھرت زوشٹ کا بھیم سین کی گفتگو سے ناراض ہوکر صحرا نوردی کرنے کے ذیل میں مع بدر شہر سے نکلنا لکھا ہے، افسوس نے بھائی کی جگہ چچا لکھا ہے ۔ ''خلاصة التواریخ'' کی عبارت یہ ہے :

''ازیں جہت ترک تعلقات نموده مع زوجہ خود و کنتی مادر پاندوان و بدر و برادر (بدر برادر) خویش در صحرا رفتہ بہ عبادت و ریاضت اشتغال ورزید بعد سہ سال بر کنار تالاب تھانیسر و بقولے در ہردوار گنگ جہاں گزوان را پدرود نمود ۔ (خلاصہ ، ص ۱۰۶) ۔

مہا بھارت (اردو) مؤلفہ شیو برت لعل ورمن ۔ (مطبوعہ پنجابی پریس لاہور، ص ۳۷۴ تا ۳۸۲) میں جانے والوں کے نام یہ لکھے ہیں :

''و در (بدر) کی ہدایت کے بموجب دھرت راشٹ نے گنگا کے کنارے قیام کیا کیوں کہ وہاں اور بھی برھمن ، کشتری ، ویش ، شودر رہتے تھے اور پھر سب نے نہا دھو کر روزانہ فرائض سے فراغت حاصل کی ۔ کنتی دونوں کا ہاتھ پکڑ کر نہلایا کرتی تھی ۔ دھرت راشٹ گندھاری ، بدر اور کنتی وہاں رہ کر تپ کرنے لگے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ و در یا بدر ، دھرت راشٹ کا بھائی تھا جو دھرت راشٹ کے ساتھ رہا ، بھیم چچا مہا بھارت کی لڑائی میں مارا گیا'' ۔

ہے ۔ اس میں سے چھیاسی[1] هزار اشلوک بیان میں ان امور کے ، یعنی حقیقت و طریقت و حق جوئی و خدا طلبی اور ، بعضے عدل و جود کی نصائح میں ۔ کتنے متضمن مذهب و ملّت کے رویّوں کو اور کہنگئی عالم کی کیفیتوں کو ۔ باقی رہے[2] چوبیس (چوده) هزار ، سو دلاوروں بہادروں کے جدال و قتال میں ۔ اور اس کتاب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ 'مہا' بزرگ کو کہتے ہیں اور 'بھارت' بہ‌معنی جنگ ۔ چناں‌چہ اس میں جنگِ عظیم کے مذکور مسطور ہیں ، اسی جہت سے ''مہا بھارت'' اس کا نام ہوا ، اور دوسری تقریر اس کی وجہ تسمیہ کی یوں کر ہے کہ پانڈوں[3] اور کوروں[4] راجا بھرت کی اولاد ہیں ۔ چناں چہ پندرھویں پشت آن کے اجداد کی اس کو پہنچتی ہے ؛ اور وہ راجا عظیم الشان تھا ، هفت اقلیم آس کے تصرف میں تھی ، اس لیے یہ کتاب اس اسم سے موسوم ہوئی ۔ اسی میں بیاس دیو نے اپنی ما (ماں) کی پیدائش کی حقیقت اور اپنے پیدا ہونے کی کیفیت بھی اس طرح

۱۔ ''چھیاسی'' نسخۂ سوم (ص ۱۸۳) ، نسخۂ چہارم (ص ۲۲۵) نسخۂ انجمن (ص ۲۷۰) لیکن ''چھاسی'' نسخۂ اول و دوم میں ہے ۔

۲۔ ''چوده'' نسخۂ سوم ۔ ''چوبیس'' نسخۂ اول (ص ۲۳۷) نسخۂ چہارم (ص ۲۲۵) ۔ ''چوبیس'' نسخۂ دوم (ص ۱۲۸) و بست و چہار ''هزار اشکوک مشتمل بر محاربات دلاوران جان فشان ۔ ۔ ۔ ۔''

افسوس نے ترجمہ ''چوبیس هزار'' صحیح کیا ہے مگر خلاصۃالتواریخ (ص ۱۰۶) میں ایک لاکھ اشکوک کی تقسیم دو حصوں میں کی گئی ہے ۔ ''چھیاسی هزار'' اشکوک خدا طلبی وغیرہ کے بارے میں ہیں ، ''چوده هزار'' باقی رہتے ہیں ، اس لیے ''چوده هزار'' صحیح ہوتے ہیں ۔ مؤلف ''خلاصۃ التواریخ'' نے ''چوبیس هزار'' ہی لکھے ہیں ۔ (فائق)

۳۔ نسخۂ دوم ، سوم میں ''پانڈوں'' اور نسخۂ اول اور چہارم میں ''پانڈو'' ہے ۔

۴۔ نسخۂ دوم و سوم میں ''کوروں'' ہے ۔

لکھی ہے کہ چندیری میں ایک بہت بڑا راجا تھا۔ کسی دن جنگل میں حالتِ شکار کے بیچ اس کو اپنی ایک چاہیتی جورو کا یہاں تک دھیان بندھا کہ مارے شہوت کے منـزل ہوگیا۔ پھر اپنی منی کو ایک پتے میں اُس نے لپیٹ کر شاہین شکاری کے حوالے کیا، تا محل میں جا کر اُس محبوبہ کو پہنچاوے۔ وہ اس کو چونچ میں لے کر اُڑی، جب جمنا پر پہنچی کہ ایک اور شاہین اُس سے دو چار ہوئی، جانا اس نے کہ اس کی چونچ میں طعمہ ہے، اس سے گتھ گئی؛ ندان اُن دونوں میں ایسی لڑائی ہوئی کہ وہ پتّا منقار سے چھوٹ گیا۔ منی ایک مچھلی کے منہ میں جا پڑی؛ قدرتِ خالق سے اُسے پیٹ رہ گیا۔ بعد دس مہینے کے ایک دھینور کے جال میں وہ پھنسی۔ اُس نے پیٹ اسْ کا جو چاک کیا، ایک لڑکا ایک لڑکی دوگانہ پیدا ہوئے۔ نہایت متعجب ہوا اور دونوں کو راجا کے رو بہ رو لے گیا، ماجرا بھی سارا کہہ سنایا۔ راجا نے لڑکا تو اپنی فرزندی میں لیا اور متھن اس کا نام رکھا۔ جب وہ بڑا ہوا، ولایت دریائے ستلج کی اُس کی جاگیر کر دی۔ چناں چہ وہ اسی سبب ماچھی واڑا کہلائی، اور لڑکی اس کو پھیر دی۔ ماھی گیر نے اُس کو پالا پرورش کیا۔ از بس کہ اس کے بدن سے مچھلی کی باس آتی تھی، بنا بر اس کے مچھودری اس کا نام ٹھہرا۔ دریا پر اکثر اوقات رہتی اور ایک ڈونگی پر وارد و صادر کو للہ پار اُتارا کرتی۔ ایک مدت اسی طرح گزر گئی کہ ایک دن پراسر[۱] بن سکیت بن بششٹ[۲] برہما کہ بڑا عابدتی ریاضتی تھا، اس دریا سے پار اُترنے لگا۔

۱- روزے پارا سر بن سکنت ؟ بن بشسٹ بن برہما کہ از باریافتگان درگاہ ایزدی بود۔ (خلاصة التواریخ ص ۱۰۷)

۲- نسخۂ اول (ص ۲۳۸) میں ''بشت'' لکھا ہے لیکن نسخۂ دوم اور سوم میں ''بششٹ'' ہے۔

یک بہ یک آنکھ اس کی اس لڑکی کے جمال بے مثال پر جا پڑی ، زمام اختیار کی ہاتھ سے چھٹ گئی ۔ اس قدر خواہش مند ہوا کہ اس سے ارادہ مباشرت کا کیا ۔ وہ لڑکی اس کی عظمت و جلالت سے ڈر کے بولی کہ میں تو حاضر ہوں پر نظارگیوں کی شرم دامن گیر ہے ۔ اُس مرتاض نے ایک افسوں بڑھا ، وونہیں ابر سیاہ اٹھا ، آنکھوں کے آگے ایک پردا سا پڑ گیا ، ہاتھ کو ہاتھ سوجھنے سے رہا ؛ تب اُس نے اس نازنین کے ساتھ مقاربت کی ، فی الفور وہ حاملہ ہوئی اور ایک لڑکا جنی بلکہ اُسی وقت وہ چودہ برس کے لڑکوں کی مانند ہوگیا اور اپنے ماں[1] باپ کی تعظیم و تکریم بجا لا کر رخصت لے جنگل میں جا جپ تپ میں مشغول ہوا ۔ القصہ پراسر کی کرامت کے سبب کسی نے اس دختر کو آ کر حالتِ مجامعت میں نہ دیکھا اور بیاس دیو کی ولادت سے بھی کوئی واقف نہ ہوا ۔ سوا اس کے وہ کواری کی کواری رھی مگر مچھلی کی بو جو اس کے بدن میں تھی ، وہ خوش بو سے بدل گئی ۔ لطف یہ ہے کہ ان امور کو پہر بھر کے عرصے سے زیادہ نہ لگا ۔ بعد اس کے وہ عورت راجا سانتن[2] کی زوجہ ہوئی ، اور راجا بچتر بیرج (بچھتر برج) کوروں پانڈوں کا دادا اُس سے پیدا ہوا ۔ قصہ مختصر جب کہ بیاس دیو کو کثرتِ اشتغال و اعمال سے حالت کشف کی حاصل ہوئی اور آنکھ

۱۔ ''ما'' قدیم املا ہے ، موجودہ املا ''ماں''۔

۲۔ ''سانتن'' نسخۂ اول (ص ۲۳۹) نسخۂ دوم (ص ۱۷۰) ''سنتنو'' نسخۂ سوم (ص ۱۸۷) ۔

و ثانی الحال آں دختر در عقد زوجیت راجہ سنتن در آمد و راجہ بچھتر برج ۔ (خلاصہ ، ص ۱۰۷) ۔

اس کے دل کی کھل گئی ، تب طبیعی و ریاضی و منطق و مناظرہ بلکہ سارے علوم متعارف و غیر متعارف اس کو بدونِ تحصیل حاصل ہوئے ۔ آخر الامر اسرار سماوی و ارضی بھی اس پر کُھل گئے ۔ فی الواقع بید ابتدائے خلقت میں الہام سے برہما کی زبان پر جاری ہوا لیکن بیاس دیو نے اس کے چار حصے کر کے ہر ایک کا ایک نام جدا رکھا ، یعنی سیام بید و رگ بید و ججر بید و اتھر بن بید ۔ پھر چاروں کو کائنات میں مشہور کیا؛ سوائے اس کے وے کتابیں کہ برہما کے بیٹے پوتوں نے بید سے استنباط کی تھیں ، بعضی اُن میں سے صحیفۂ عالم سے نا پید ہوگئی تھیں ؛ بیاس دیو نے از سر نو ان کو لکھا اور ترتیب دیا ۔ کتاب مہا بھارت کہ جمیع علوم کی جامع ہے ، اس کی تصنیفات کا ایک جز ہے ۔ بیدانت شاستر کہ علم الٰہی و مناظرے میں اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ، وہ بھی اسی کی تصانیف سے ہے ۔ سوائے اس کے وحدتِ وجود کا مقام ایسی دلائل روشن و واضح سے لکھا کہ تامّل و تردد اکثر مدققوں کے دلوں سے جاتا رہا ۔ القصہ اعتقاد اس گروہ کے دانش مندوں کا یہ ہے کہ فقہ کے رسالوں میں سمرت اور نسخے تواریخ کے جو پران کر مشہور ہیں اور کتبِ حقیقت اور اکثر صحائفِ نجوم و حکمت ، سوائے ان کے بہت سی قدیم کتابیں کہ منسوب بیاس دیو سے ہیں ، منظور و معتبر اور عمل اُن پر کرنا نہایت بہتر کہ نتیجہ اُس کا خیریت دنیا و خوبیٔ عقبٰی ہے ۔ سوائے اُن کے جو کتابیں کہ اور پنڈتوں داناؤں نے اپنی جودتِ طبع و حدتِ ذہن[1] سے تصنیف و تالیف کی ہیں ، محل اعتبار نہیں اور عمل کرنا اُن پر سزاوار نہیں ، اس واسطے کہ آخرت میں وہ نتیجۂ نیک نہیں

۱۔ ''حدت ذہن'' نسخۂ اول (ص ۲۴۰) نسخۂ دوم (ص ۱۷۰) نسخۂ سوم (ص ۱۸۷) ۔ ''جدت ذہن'' نسخۂ انجمن (ص ۲۷۳) ۔

بخشتا ، انسان اُس سے سود مند نہیں ہوتا ۔ اور اس جماعت کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ بیاس دیو حیاتِ ابدی رکھتا ہے ، اب تلک نہیں موا بلکہ عالمِ علوی و سفلی میں سیر کرتا پھرتا ہے ۔ سبحان اللہ اُس زمانے کے لوگوں کو فیضان و عنایتِ الٰہی سے کس قدر قدرت تھی کہ بہتیرے عجائب و نوادر اُن سے ظہور میں آتے تھے اور مشکل مشکل کام ان کے ہاتھ سے بہ آسانی ہو جاتے تھے ۔ بیاس دیو بھی انھیں میں سے ایک مخلوق ہے کہ بارہا اس نے گزشتہ و آیندہ سے خبر دی اور جس بات کی کہ اُس نے خواہش کی ، وہ فوراً صورت پذیر ہوئی ؛ چناں چہ حالات و خرقِ عادات اُس کے ہندی کتابوں میں مسطور ہیں ؛ سوائے اس کے اکثر اشیائے نادر و کارہائے مشکل سری کشن و بھیم و ارجن و جرجودھن وغیرہ کے ہاتھ سے بھی بارہا ہوئے ، اکثر کتابوں میں منقول ہیں اور بہت سے ثقات کے نزدیک مقبول ۔ پر اس زمانے کے لوگ اپنی کم قدرتی و بے ہمتی پر قیاس کر کے غیر معقول جانتے ہیں اور طاقت بشری سے باہر سمجھ کر نہیں مانتے ، لیکن وے بھی اس امر میں ناچار ہیں کہ ہر ایک دور میں خلقت بہ طرزِ دیگر پیدا ہوتی ہے اور قوت و قدرت بھی علاحدہ رکھتی ہے ۔ غرض مدار گردشِ روزگار کا علماء و حکمائے ہند کے نزدیک چار جگ پر ہے ۔

پہلا ست جگ : وہ سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار برس کا ہے ۔ لوگ اس میں چھوٹے بڑے غنی غریب سب کے سب راستی و درستی سے موصوف و تقویٰ و طہارت سے مالوف ۔ عمر طبیعی ان کی لاکھ برس ۔

دوسرا ترتیا[1] : وہ بارہ لاکھ چھانوے (چھیانوے) ہزار برس کا ۔

۱۔ ''تیریتا'' نسخۂ چہارم (ص ۲۲۶) ۔ ''ترتیا'' نسخۂ اول و دوم (ص ۲۰۱) و (ص ۱۷۱) ۔ ''تریتا جگ'' (خلاصہ ص ۱۰۹) ۔

اثر اس کا اس سے قریب قریب ۔ آدمی اس میں بھی نیک ذات و خوش صفات ہوتے ہیں لیکن عمر طبیعی ان کی دس ہزار برس ۔

تیسرا دواپر : وہ آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار برس کا لیکن اس میں قوت اور نیکیاں لوگوں سے بہ نسبت دوسرے جگ کے نو حصے گھٹ جاتی ہیں اور عمر طبیعی ہزار برس ۔

چوتھا کل جگ : یہ چار لاکھ بتیس ہزار برس کا ۔ پر اس دور میں اخلاقِ پسندیدہ اور اوصافِ حمیدہ لوگوں میں تیسرے جگ کی نسبت دسواں حصہ رہتے ہیں اور عمر طبیعی سو برس کی ۔ حاصل یہ ہے کہ یہ جگ سب سے بُرا ہے ۔ لوگ اس میں بیش تر بد چلن ، بد اطوار و دروغ گو و دغا باز ہوتے ہیں اور اپنے میں جو اگلوں کی سی طاقت و قدرت نہیں دیکھتے ، اُن کے واقعات و حالات کو مافوق طاقت بشری ٹھہرا من جملہ محالات سمجھتے ہیں اور قائلین کو یاوہ‌گو ۔ قصہ کوتاہ یے دور جب تلک کہ استداد اس عالمِ بے پایاں کا برقرار ہے ، آیا جایا کریں گے اور لوگوں کے اطوار و اوضاع بھی موافق ان کے تبدیل پایا کریں گے ۔ کہتے ہیں کہ پانڈؤں کا راج ”دواپر“ کے آخر میں ہوا تھا ۔ چناں چہ وہ چند روز ہی میں نبڑ گیا ؛ پھر کل جگ نے اپنا عمل دخل کیا ، خلق کے اطوار و اوضاع اور ڈھنگ کے نظر آنے لگے ، آثار و علامات فساد کے ہویدا ہوئے ۔ چناں چہ یہ قصہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ کل جگ کے آنے سے پہلے ہستنا پور میں ایک شخص نے کسی سے ایک حویلی مول لی اور اس کی تعمیر پھر کر شروع کی ۔ وہاں کی زمین کو جو کھدوایا ، اتفاقاً ایک دفینہ رُوپے اشرفیوں کا نکل آیا ۔ اس وقت تلک زمانہ حق شناسی کا باق تھا ۔ خریدار نے فروشندے سے جا کر ظاہر کیا کہ اس مکان کی زمین سے ایک گنج نکلا ہے ، چل کر اُسے لے ، اس واسطے کہ میں

سوائے عملے اور زمین کے کسی چیز کا مالک نہیں، بلا شبہ وہ تیرا مال ہے ۔ اُس مرد نے کہا "میں نے جب کہ اس گھر کو تمام و کمال تیرے ھاتھ بیچا ، پھر اس کے دفینے سے مجھے کیا ۔ اگر میری قسمت کا ھوتا تو اس سے پہلے نکلتا "۔ غرض کسی نے قبضہ اس پر نہ کیا ۔ آخر اسی وضع سے رد و بدل کرتے ہوئے راجا جدشٹر (جدھشٹر) کی عدالت گاہ میں آئے اور اس ماجرے کو اُس کے حضور بیان کیا ۔ راجا دانائے وقت تھا ، جی میں سمجھا کہ عن قریب کل‌جگ آتا ھے ، لوگوں کی یہ نیتیں نہیں رھنے کی ۔ بولا "بالفعل اس نقد کو بہ طریق امانت رھنے دو ، چند روز کے بعد اس پر حکم ھوگا اور یہ قضیہ چک جائے گا"۔ بعد تھوڑے دنوں کے کل جگ آ پہنچا ، اشخاص کا احوال دگرگوں ھو گیا ۔ ایک دن وے ھی دونوں اس کے برعکس جھگڑتے ھوئے وھاں آئے ۔ بیچنے والے کی گفت‌گو یہ تھی کہ میں نے عملہ و زمین بیچی ھے ، نقد و دفینے کو بیع سے کیا علاقہ ، وہ میرا ھے ، میں لوں گا ۔ اور لینے والا یوں کہتا تھا کہ میں نے جب گھر کو عملے وغیرہ سمیت لیا ، پھر جو کچھ اس میں ھے ، اس کا مالک میں ھوں ، تو کون ھوتا ھے ۔ اس تقریر کو سن کر مہاراج کو یقین ھوا کہ یہ آثار کل جگ کے ھیں ۔ دنیا سے برداشتہ خاطر ھوا ۔ اتنے میں سری کشن اور بھلبھدر[1] کے مرنے کی خبر اور جادوگروں کے ھلاک ھونے کی سرگزشت جس شرح و بسط[2]

۱- "بھلبھدر" نسخۂ اول (ص ۲۶۳) ۔ "بل بھدر" نسخۂ دوم (ص ۱۷۲) نسخۂ سوم (ص ۱۸۹) نسخۂ چہارم (ص ۲۲۷) ۔ "بل بدھر" (خلاصہ ، ص ۱۱۰) ۔

۲- "بست" نسخۂ اول (ص ۲۶۳) ۔ "بسط" نسخۂ دوم (ص۱۷۲) نسخۂ سوم (ص ۱۸۹) نسخۂ چہارم (ص ۲۲۷) ۔

سے کہ مہا بھارت میں ہے، اُس کے کان میں پڑی ۔ زندگی سے تنگ آیا اور جہانِ روشن اس کی نظروں میں تاریک ہوا ۔ سلطنت سے ہاتھ اُٹھایا ؛ پھر پریجھت بن ابھمن بن ارجن کو کہ پانچوں بھائیوں کی اولاد میں تھا، ملک حوالے کیا، ماتھے پر اس کے راج کا[1] ٹیکا دیا اور خجش[2] بن دھرتراشٹ کو وزارت کا کام سونپا ۔ پھر لباس ملوکانہ جواہر سمیت گلے سے اُتار کر پوست درخت سے پوشش بدن پرکی اور چاروں بھائیوں نے بھی یہی صورت اپنی بنائی ۔ آخر دروپدی سمیت شہر سے چلے، زن و مرد بھی وہاں کے اُن کے پیچھے بے اختیار روتے ہوئے نکلے ۔ راجا نے اُن سب کو دلاسا دے کر رخصت کیا اور شرق رُو جنگل کی طرف روانہ ہوا ۔ پھر بنگالے کے تمام ملک کو دیکھتا بھالتا دکھن میں آیا ۔ وہاں کی سیر کر کے گجرات میں پہنچا ۔ پھر وہاں سے دوارکا میں آ کر سری کشن اور بھابھدر کو یاد کر کے بہت روا[3] (رویا) ۔ آخر وہاں بھی استقامت نہ کی اور ملتان[4] و

۱- ''کیا'' نسخۂ اول (ص ۲۴۳) نسخۂ دوم (ص ۱۷۳) ۔ ''کا'' نسخۂ سوم (ص ۱۸۹) نسخۂ چہارم (ص ۲۲۷) ۔

۲- ''خجش بن دھر تراشٹ'' نسخۂ اول (ص ۲۴۳) نسخۂ دوم (ص ۱۷۳) نسخۂ سوم (ص ۱۸۹) ۔

''جو جو تسو بن دھر تراشٹ'' نسخۂ چہارم (ص ۲۲۷) ۔

''چچھہ بن دھرت راشٹ'' (خلاصہ ۱۱۰) ۔

۳- ''روا'' نسخۂ اول (ص ۲۴۳) نسخۂ دوم (ص ۱۷۳) ۔

''رویا'' نسخۂ سوم (ص ۱۸۹) نسخۂ چہارم (ص ۲۲۷) نسخۂ انجمن (ص ۲۷۷) ۔

۴- و ازاں جا سیر ولایت تہتہ (ٹھٹھہ) و ملتان و پنجاب نمودہ در کوہ بدری ناتھ رفتہ ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۱۱۰)

افسوس نے ٹھٹھ کا نام نظر انداز کر دیا ہے ۔ شاید افسوس کے پیش نظر نسخے میں نہ ہو ۔ بدری ناتھ پہاڑ کی چوٹی کا نام صرف بدری لکھا ہے جو صحیح نہیں ، پورا نام بدری ناتھ ہے ۔ (فائق)

پنجاب میں ہوتا ہوا کوہ بدری (ناتھ) میں جا کر بڑی بڑی عبادتیں اور کڑی کڑی ریاضتیں گناہوں کے کفارے کے لیے کرنے لگا۔ آخر کار سب کے سب ہماں چل میں جا لٹکے اور اپنے اجسام بہ خوشی برف میں گلا دیے ، دنیا میں نیک نامی حاصل کی اور عقبیٰ میں سر بلندی پائی ۔

بیت

معزز وہ دونوں جہاں میں ہوئے
بہ خوبی جیے ۔ اور بہ خوبی موے

رہے یاں ہمیشہ وہ با احترام
لیا ۔واں بھی اعلیٰ سے اعلیٰ مقام

پر راجا جدشٹر کا بدن برف میں جوں کا توں رہا اور وہ مجسم بیکنٹھ میں پہنچا ۔ قصہ مختصر کوروں اور پانڈوں کی سلطنت سوا سو برس رہی، بہ اتفاق ایک دیگر چھہتر برس ، لیکن پانڈوں کے نکلنے کے بعد جرجودھن کی تیرہ برس حکومت رہی اور جنگ مہا بھارت کے بعد راجا جدشٹر (جدھشٹر) نے چھتیس برس بادشاہت کی ۔

احوال راجا پریچھت بن ابھمن بن ارجن

جس وقت کہ پانڈؤں[1] اور کورؤں[2] میں لڑائی ہوئی ، پانچوں بھائیوں کے بیٹے مارے گئے ، ایک بھی آن میں جیتا نہ بچا ؛ بنا بر اس کے پانڈؤں کے دل کثرتِ غم سے مکدّر اور ہجومِ الم سے مضطر ہو رہے تھے مگر خدا سے امید رکھتے تھے اور تقدیر میں تھا کہ ایک مدتِ مدید بادشاہت پانڈوں کی نسل میں رہے ۔ اس

۱- ''پانڈؤں'' نسخۂ اول (ص ۲۴۴) صرف نسخۂ اول کی مطابقت کی گئی ہے ورنہ ''پانڈوں'' صحیح ہے جو موجودہ تلفظ ہے ۔

۲- ''کورؤں'' مطابق نسخۂ اول (ص ۲۴۴) ۔

سبب چکابو کی لڑائی میں جو ابھمن بن ارجن مارا گیا ، اس کی جورو پیٹ سے تھی ؛ چناں چہ نو مہینے کے بعد ایک بیٹا سعادت مند اس نے جنا ، اندھیرا گھر آن کا آجالا ھوا اور سر رشتہ سلطنت کا باقی رہا ۔

ابیات

نہ دے یاس کو دل میں جا زینہار
ہر اک وقت میں رہ تو امیدوار

نہ جان اس کی قدرت سے ہرگز یہ دور
کہ ظلمات میں گر چمک جائے نور

القصہ وہ لڑکا سیرت صورت میں لاثانی تھا اور بڑا شہ زور۔ بعد پانڈوں کے جانے کے تخت سلطنت پر بیٹھا ، عدل و انصاف سے جہان کو انتظام دیا اور داد و دہش سے محتاجوں کو نوازا ، نام اپنے جد و آبا کا روشن کیا ۔

ابیات

گھر کی آبادی جو ہے اولاد ہے
لاولد کی زیست بے بنیاد ہے

اے خوشا احوال گر ہو نیک ذات
پھر تو ہے وہ باقیات الصالحات

اس کے ہوتے غیر کب ہو جانشیں
واقعی بیٹے سے بہتر کچھ نہیں

لیکن وہ بھی راجا پانڈ اپنے جد کی مانند شکار سے شوق رکھتا تھا ؛ اسی سبب اکثر اوقات صحرا نوردی کرتا تھا ۔ باوجود اس کے رعایا کی خبر گیری و سپاہ کی سر پرستی ، تپشیوں کی نگہ بانی سے بھی غافل نہ تھا ۔ ایک مدت اسی وتیرے پر اسے گزری ۔ ایک دن اپنی عادت پر شکار کو سوار ہو کر کسی جنگل میں گیا اور جانور

شکاری پرندوں چرندوں پر چھڑوائے - چیتا گوزن پر لپکا ، سیاہ گوش ہرن پر دوڑا ، کتا خرگوش پر جا لگا ، باز قاز پر آڑا ، جرے نے تیتر پکڑا ، باشا سبزک پڑ جھپٹا ، بحری برے سے جا لپٹی ، شاہین نے کلنگ کو جا مارا - حاصل یہ ہے کہ درندوں نے ہزاروں چرندے مار لیے اور چنگل گیروں نے سینکڑوں پرندے سطح ہوا سے زمین پر اتار لیے -

ابیات

ہوئے شیر بیشہ بھی یاں تک شکار
کہ باہر برے[1] تھے ز حدِ شمار

پھراس دشت میں جتنے کچھ تھے درند
کمندِ اجل سے کیے پائے بند

زمیں سے فلک تک جو پہنچا یہ ذکر
پڑی اپنی برج اسد کو بھی فکر

نہ تھا صیدِ برّی ہی پر عرصہ تنگ
نہ ماہی بچی بحر میں نے نہنگ

نہ چھوڑا ہوا جب پرندوں سے سیر
پرندوں میں لے تا تدور اور بٹیر

اتنے میں ایک ہرن کو راجا نے تیر مارا اور وہ زخمی ہو کر بھاگا اور راجا اس کے پیچھے لا گا ؛ یہاں تلک اس کا پیچھا کیا کہ فوج سے دور جا پڑا - ماندگی بہ مرتبہ ہوئی ، پیاس شدت سے لگی - چاروں طرف پانی ڈھونڈنے لگا - قضا را ایک درویش ریاضت کیش

۱- ''بڑّے'' نسخۂ اول (ص ۲۲۵) -
''برے'' نسخۂ دوم (ص ۱۷۳) نسخۂ انجمن ترقی اردو (ص ۲۷۹) -
''بڑے'' نسخۂ سوم (ص ۱۹۱) -

کے آستانے پر جا نکلا ۔ وہ اپنے آسن پر عبادت میں مشغول تھا بلکہ اوقات عزیز اپنی مدام یادِ الٰہی میں بسر کرتا اور شام اپنی قیام و قعود میں سحر کرتا ۔ پیشانی اُس کی نورِ ریاضت سے انور اور صورت اس کی ضیائے عبادت کی مظہر ۔

نظم[۱]

جنگل میں تھا کشور کلاں وہ
ویرانے میں بلکہ تھا جہاں وہ

اوصاف حمیدہ سے بھرا تھا
تھا گنج ولے چھپا ہوا تھا

جا بن میں لیا تھا اس نے گوشہ
رکھتا تھا بس عاقبت کا توشہ

دھیان اس کا لگا ہوا اُدھر تھا
وہ بے خبر اور با خبر تھا

تھی اس کی فقط نظر خدا پر
پھر دیکھتا غیر کو وہ کیوں کر

راجا اس کو دیکھتے ہی گھوڑے سے اتر پڑا اور پانی مانگنے لگا ۔ وہ جو اپنے معبود سے رجوع کیے اور خالق سے لو لگائے بیٹھا تھا ، نہ جانا اس نے کہ یہ کون ہے اور کیا کہتا ہے ۔ راجا اس کی بے اعتنائی پر نہایت غضب ہوا اور شعلہ اس کے غصے کا بھڑک اٹھا ۔ آخر ایک موئے سانپ کو کہان کے گوشے

۱- (خلاصۃ التواریخ ، ص ۱۱۳) میں دو شعر فارسی کے ہیں ۔ افسوس نے پانچ شعروں میں یہ مفہوم ادا کیا ہے ۔

در خاک شگفتہ بوستانے — در گرد نہفتہ آسمانے
از خلق نشستہ بر کنارے — در دلق گسستہ ہم چو تارے

سے اٹھا کر اس کے گلے میں ڈال دیا اور اپنے محل کا رستا لیا ۔ اس عابد کو اس کی بھی خبر نہ ہوئی ۔ جس طرح وہ یاد الٰہی میں مشغول تھا رہا ۔ چند روز کے بعد اس کا ایک بیٹا کہ ہرنی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا ، سر گزشت اس کی پیدائش کی مشہور ہے ۔ چناں چہ سر پر اس کے ہرن کے سے سینگ تھے ، اسی واسطے اس کو سرنگی رکھہ (و سنگی رکھ) کہتے تھے ۔ کسی جنگل میں تپشا کر رہا تھا ، اُس دن اس سے فارغ ہو کر خوشی خوشی اپنے باپ کی ملاقات کو آتا تھا ، راہ میں اُس کو کسی دوست نے کہا کہ تو جو ایسا شاد شاد آتا ہے ، شاید تو نے نہیں سنا کہ راجا پریچھت نے ایک موا سانپ تیرے باپ کے گلے میں ڈالا ہے ۔ یہ سن کر وہ تپشی نہایت غضب ناک ہوا اور تالاب کے کنارے پر جا کر نہایا ۔ بعد اس کے یہ دعا کی کہ جس نے میرے باپ کے گلے میں سانپ ڈالا ہے ، سات دن کے بعد اس کو تچھک[1] سانپ کاٹے اور وہ مر جاوے ؛ وونہیں اس سانپ کو حکم الٰہی پہنچا اور تیرِ دعا اُس کا کارگر ہوا ۔ جب مناجات سے فارغ ہوا ، باپ کی خدمت میں گیا ۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ عبادت میں مشغول ہے اور گردن میں سانپ پڑا لٹکتا ہے ؛ بے اختیا پکار پکار رونے لگا ۔ آخر باپ اس کا متوجہ ہوا ؛ تب سرنگی رکھ بولا ”اے بابا ! جس نے تیری گردن میں سانپ ڈالا ، میں نے اس کے حق میں بد دعا کی“۔ وہ بزرگ نہایت غصے ہو کر کہنے لگا کہ ”بہت برا کیا تو نے کہ ایسے راجا رعیت پرور کرم گستر کے حق میں بد دعا کی“۔ سوائے اس کے

۱۔ ”تچھک“ نسخۂ اول (ص ۲۴۷) نسخۂ دوم (ص ۱۷۵) نسخۂ سوم (ص ۱۹۲) نسخۂ چہارم (ص ۲۳۰) ۔
”نچھک“ نسخۂ انجمن (ص ۲۸۰) غلط ۔
” نہجنگ “ (تچھک) (خلاصہ ، ۱۱۳) ۔

اور بھی سخن ناشائستہ اس کے حق میں کہے اور ایک اپنے خادم کے ہاتھ راجا کو سارا یہ احوال کہلا بھیجا ۔ کہا حقہ اس کو اس حقیقت سے آگاہ کیا ۔ راجا اپنے کیے سے نہایت پشیماں اور فقیر زادے کی دعائے بد سے ترساں ہوا کیوں کہ اس پر حالی ہوگیا کہ سات دن کے بعد یہ امر مقرر ہوگا ۔ پیغام مرگ بالجزم پہنچا ۔ خادم کو اُس کے رخصت کیا اور ارکان دولت کے مشورے سے ایک بڑا ستون طویل و عریض گنگا میں استاد کروا کے ایک چھوٹی سی عمارت اس پر بنوائی اور اپنی بود و باش چند مصاحبوں سمیت تا انقضائے مدت دعائے بد وہیں ٹھہرائی اور اُس کی اطراف میں بھی بہت سے افسوں خواں اور مارگیر واسطے حفظ کے رکھے؛ تریاق دوائیں بھی مجرب مجرب اپنے پاس جمع کیں ۔ باوجود اس کے قدغن کیا کہ بدونِ حکم ایک مکھی اور مچھر بھی اس مکان میں نہ جانے پائے ۔ سارے کاروبار دنیا کے ترک کیے، جب تپ میں دھیان لگایا ، چھے دن تلک کچھ نہ کھایا ۔ جب ساتواں دن پہنچا، تچھک سانپ آدمی کی صورت پکڑ راجا کے ڈسنے کے لیے اپنے مکان سے چلا ۔ اتفاقاً راہ میں اُس کو کشب[1] حکیم مل گیا ۔ وہ فنِ طبابت میں ایسا کامل تھا کہ اکثر بیمار زندگانی سے مایوس اُس کے ہاتھ سے شفا پاتے تھے اور ہزاروں مرض مضمن[2] (مزمن) اُس کی تدبیر سے فوراً اچھے ہو جاتے تھے ۔ خصوصاً سانپ کے ڈسے ہوؤں کے حق میں دوا اس نیک صفات کی تریاقِ حیات تھی اور اُن کی لہر اتارنی اُس کے آگے ایک بات تھی ۔ قصہ مختصر

۱- در اثنائے راہ کنت (کشب) دھنتر نام حکیم ۔ ۔ ۔ ۔ با بھجنگ ملاقی شد ۔ (خلاصہ ، ص ۱۱۳) ۔

۲- ''مضمن'' نسخۂ اول (ص ۲۳۸) نسخۂ دوم (ص ۱۷۶) نسخۂ سوم (ص ۱۹۳) غلط ۔

''مزمن'' نسخۂ چہارم (ص ۲۳۱) صحیح ہے ۔

تچھک نے اُس سے پوچھا ''تو کون ہے اور کہاں جاتا ہے؟'' حکیم نے کہا ''میں نے سنا ہے کہ ایک درویش نے راجا کے حق میں بد دعا کی ہے ۔ چاہیے کہ راجا کو ایک سانپ کاٹے ! اور وہ ایسا عادل ہے کہ زیر دست اس کی حمایت سے زبردستوں سے نہیں ڈرتے اور مفلس اُس کے دست کرم سے محتاج نہیں رہتے ، اس لیے میں جاتا ہوں کہ بعد اُس کے ڈسنے کے دوا کی قوت اور افسوں کی قدرت سے اُسے پھر کر جلاؤں اور اُس کا زہر منتروں کے زور سے اترواؤں''۔ وہ بولا کہ ''جو راجا کو کاٹے گا ، وہ سانپ میں ہوں ۔ اگر تو یہ قدرت رکھتا ہے تو ابھی میں اس درخت کو کاٹ کر راکھ کر دیتا ہوں ۔

ابیات[۱]

گو کہ ہے یہ درخت سر بہ فلک
شاخ پہنچے ہے اس کی طوبیٰ تلک (تک)

اس کی پاتوں کو روز چرتا ہے
گاؤ چرخ اپنا پیٹ بھرتا ہے

۱۔ افسوس نے لفظی ترجمہ نہیں بلکہ مفہوم کو اپنے الفاظ میں ادا کر دیا ، فارسی اشعار سے زور دار اردو شعر ہیں ، ملاحظہ ہو : (خلاصۃ التواریخ ، ص ۱۱۴)۔

گزشتہ شاخ ازیں فیروز کاخش
ملایک گشتہ کنجشکانِ شاخش

چو سکّانِ صوامع سبز پوشے
ز جنبش تیز وجدے پر خروشے

ستادہ در مقام استقامت
فگندہ بر زمیں ظلِّ کرامت

پئے تسبیح ہر برگش زبانے
بنام ایزد عجب تسبیح خوانے

دور اس کا نپٹ کلاں ہے گا
سایہ اس کا جہاں تہاں ہے گا

بھاپ سے منہ کی پر جلا دوں گا
اوج یہ خاک میں ملا دوں گا

دیکھوں تو تُو اپنے منتر سے اُسے بھر کر سبز کرتا ہے یا نہیں۔ بارے اپنا افسوں آزما اور مجھ کو اس کا اثر دکھا''۔ یہ کہہ کر اس درختِ سبز سایہ دار کو کاٹا اور اپنے زہر کی آگ سے جلا کر راکھ کر دیا ۔ حکیم کامل نے بھی بلا تامّل و تعلّل اپنے افسوں کے اعجاز سے اس راکھ کو ویسا ہی درخت کر دیا بلکہ جتنے آدمی کہ اس کی ڈالیاں کاٹ رہے تھے اور وے پرندے کہ جن کے آشیانے اُس پر تھے بلکہ مور و مگس و حشرات الارض سے کہ اُس کی شاخوں پر بھرتے تھے، جی اٹھے اور اسی وضع سے بہ دستور اپنی اپنی حرکات کرنے لگے ۔ تچھک سانپ اس کی کار پردازی و فسوں سازی دیکھ کر سر مارنے لگا اور یوں کہنے کہ راجا کو حکم الٰہی سے مارنا ضرور ہے، پر یہ حکیم مسیحا دم (اگر) وہاں پہنچا تو ممکن نہیں کہ وہ ہلاک ہو اور اُس کا جسم میرے زہر سے جل کر خاک ہو۔ یہ سوچ[1] کر کشب حکیم کی تعریف کرنے لگا اور یوں کہنے ''تو راجا کے پاس اس واسطے جاتا ہے کہ میرے زہر سے اُس کو نجات دے کر بہت سا مال و متاع لیوے۔ اگر یہ ہی تجھے درکار ہے تو یہیں مجھ سے لے، رنجِ سفر مت کھینچ''۔ کشب نے اپنے دل میں دھیان کیا، جو راجا کی اجل ہی آئی ہے تو اغلب کہ میرا منتر اثر نہ کرے یا وہ اچھا

۱- ''سوچ'' نسخۂ اول (ص ۲۴۸) -

هو جائے اور نفع مجھے نہ پہنچے ۔ پس یہ نقد کہ تچھک اپنی خواہش سے دیتا ہے ، اسے چھوڑ کر ایک نسیہ کے واسطے محنت کھینچنی نپٹ نادانی ہے ۔ غرض طمع نے اُس کا گریبان کھینچا اور راجا کے پاس جانے سے باز رکھا ۔ تچھک سے کہنے لگا "جو کچھ دیا چاہتا ہے ، مجھے دے کہ میں اپنے گھر چلا جاؤں ۔ سچ کہ راجا سے مجھے کیا کام" ۔ تچھک نہایت شاد ہو اور ایک نپٹ[1] چوکھا جواہر اس کو مرحمت کیا اور یہ کہا کہ اس کی خاصیت یہ ہے کہ جو کچھ تو اس سے مانگے گا ، بلا تاخیر پائے گا ۔ سوائے اس کے عہد کرتا ہوں کہ جس وقت تو مجھے طلب کرے گا ۔ تیرے پاس پہنچوں گا اور جو کام فرمائے گا ، اُس کو بجا لاؤں گا ، آخر اس جواہر کو وہ لے کر اپنے گھر گیا ۔ تچھک بہ دل جمعئی تمام وہاں سے روانہ ہوا ۔ جب ہستنا پور میں پہنچا ، راجا کو دیکھا ایک مکان محفوظ میں رہتا ہے ۔ سنپیرے اور فسوں ساز ، حکیم طبیب اس کے گرد و پیش بیٹھے ہیں ۔ محال ہے کہ کوئی درندہ گزندہ چھوٹے سے چھوٹا اس تلک پہنچے ۔ متفکر ہوا کہ کیوں کر اس تلک پہنچوں اور کاٹوں ۔ جب کہ دیکھا کہ بامنھ بیدخواں راجا کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں ، تچھک نے بھی اپنے فرزندوں کو بلا کر ہر ایک کو برہمن کی صورت بنایا اور ہاتھ میں اُس (آن) کے میوہ دے کر دربانوں سے اجازت لے کر اندر بھیجا اور آپ بھی کرمک[2] کی شکل بن کر کسی میوے میں پوشیدہ ہو گیا ۔ بیٹوں نے راجا کو اسیس دے میوے

۱۔ نسخۂ اول (ص ۲۵۰) میں 'پ' کے نقطے رہ گئے ہیں ۔

۲۔ کرمک خورد برآمدہ درمیان یکے از میوہا کہ بدست فرزنداں دادہ بود نشستہ پنہاں گشت ۔ (خلاصہ ، ۱۱۵) (کرمک خورد یعنی چھوٹا کیڑا) ۔

گزرانے ۔ راجا نے اپنے مصاحبوں کو عنایت کیے ۔ قضارا وہ میوہ
کہ جس میں تچھک چھپا تھا ، اپنے واسطے اٹھایا کہ ایک کرمک
صغیر اُس سے نکلی ۔ راجا نے اس کو دیکھ کر حاضرین مجلس
سے کہا کہ درویش زادے کے بہ موجب کہے کے آج ساتواں
دن ہے ۔ اب آفتاب غروب ہوتا ہے ۔ شاید اُس کا کہا جھوٹ نہ ہو
اور یہی کرمک تچھک ہو اور مجھ کو ڈسے ۔ غرض ٹھٹھے سے
اُس کرمک کو اٹھا اپنی گردن پر رکھ لیا ؛ وونہیں (ووں ہی) تچھک
اپنی صورت اصلی پر آ گیا اور ایک بڑا اجگر بن راجا سے لپٹ گیا
اور گردن اپنی بلند کی ؛ ندان راجا کی گردن میں کاٹ کر آسمان کی
(طرف) ہوا ہوا ۔ سبھوں نے یہ سانحہ دیکھا ، پھر اُس کے زہر کی
تاثیر سے وہ مکان سمیت جلنے لگا ۔ باسنھ وغیرہ جتنے کہ وہاں تھے ،
جلدی سے بھاگے اور مکان راجا سمیت بھسم ہو گیا ۔ بعد اس کے
ستون اس زور سے گرا کہ اس کی آواز نے صاعقے کو مات کیا
تمام رات اُس کی صدائے مہیب کی دہشت سے ہستناپور کے باشندے
نہ سوئے ۔ دوسرے دن راجا کا جسمِ سوختہ نکال کر گنگا میں
ڈال دیا اور ہر ایک رونے پیٹنے میں مشغول ہوا ۔ ہر چند راجا نے
اپنی رکھیا کے لیے بود و باش ایسے مکان میں اختیار کی کہ عنقائے
وہم کی بھی پہنچ وہاں نہ تھی لیکن اجل آئی ہوئی نہیں ٹلتی ،
یہاں مسیحا کی بھی نہیں چلتی ۔ اگر لوہے کی کوٹھڑی میں بند
کیوں نہ ہو ، اس کے ہاتھ سے نہ بچو گے ۔ دیکھ لو آخر راجا کی
تدبیر کچھ پیش رفت نہ ہوئی اور جان کسی طرح نہ بچی ۔

ابیات[1]

ہر ایک درد کا ملتا ہے ہر کہیں تعویذ
ولے اجل کا بغیر از اجل نہیں تعویذ

۱۔ فارسی کے چار شعر ہیں ۔ افسوس نے تین شعروں میں مفہوم ادا کیا ہے ۔ (فائق)

یہ ہو سکے کہ ہوا کو کہیں نہ آنے دے
ولیک موت کا رستہ کوئی نہ روک سکے

بلا ہو کیسی ہی لیکن دعا سے ہے ٹلتی
پہ آگے موت کے تدبیر کچھ نہیں چلتی

مدت اس کے راج کی ساٹھ برس لیکن جب سے راجا اس مکان میں گوشہ گیر ہوا تھا، اپنے جد و آبا کے ذکر و اذکار سنا کرتا یا بیدانت[1] شاستر کی سماعت کیا کرتا، کیوں کہ اس کا نتیجہ دل کی صفائی اور عقبیٰ میں عذابوں سے رہائی ہے۔ اور کتاب بھاگوت اسی جلسے میں سیامی[2] سکھ دیو، بیاس دیو کے بیٹے نے راجا کے نجات پانے کے لیے بلکہ ایک عالم کے فیض اٹھانے کے لیے ترتیب دی۔ وہ حقیقت و طریقت کی کیفیات کو متضمن اور سری کشن کے حالات کو مشتمل ہے۔ بے شک و شبہ انسان اس کے حقائق کی دریافت سے قیدِ علائق سے رہائی پاتا ہے اور خانۂ دل اس کا نورِ معرفت سے منور ہو جاتا ہے۔ چناں چہ اسی وقت سے اس جہان میں اس کی شہرت ہوئی اور ایک جمِ غفیر کو اس کی طرف رغبت ہوئی۔

۱۔ ''پیدانت'' نسخۂ اول (ص ۲۵۱) نسخۂ دوم (ص ۱۷۸)۔
''بیدانت'' نسخۂ سوم (ص ۱۹۵) نسخۂ چہارم (ص ۲۳۴) نسخۂ انجمن (ص ۲۸۵)۔

۲۔ ''سیامی'' نسخۂ اول (ص ۲۵۱) نسخۂ دوم (ص ۱۷۹) نسخۂ انجمن (ص ۲۸۵)۔
''سوامی'' نسخۂ سوم (ص ۱۹۵) نسخۂ چہارم (ص ۲۳۴)۔
''سوامی سکھ دیوبن بیاس دیو۔ (خلاصہ، ص ۱۱۶)۔

احوال راجا جنمی جی[1] بن راجا پریچھت

جب راجا پریچھت نے اس جہانِ فانی کو تجا اور بیکنٹھ میں جا بسا ، تب امیروں وزیروں نے متفق ہو کر اُس کے بڑے بیٹے کو راج پر بیٹھایا ، اطاعت اُس کی قبول کی ، کمر خدمت کی باندھی ۔ اگرچہ یہ راجا خورد سال تھا ، پر بندوبست مملکت کا اور انتظام سلطنت کا اس خوبی کے ساتھ کیا کہ کوئی پیرِ جہاں دیدہ اس کا اس امر میں خلاف و انحراف نہ کر سکا ۔ ملک آباد ہوگئے ، مفسد برباد ہوگئے ۔ رعیت خوش حال ہوئی ، سپاہ مرفہ احوال ہوئی ۔ راجا اس دیار کے بعضے حکام کہ اسے نہ مانتے تھے اور باغی تھے ، اُن پر چڑھ گیا ، قرار واقعی ان کو تنبیہ کی ، ملک پر ان کے قبضہ کر لیا ۔ بعد اس کے ھستنا پور میں داخل ھوا ۔ اس وقت اُتنگ نام ایک مُنی اپنے عصر میں بڑا صاحب کمال و صاحبِ حال و قال تھا ، راجا کی مجلس میں وارد ھوا ۔ راجا نے آنا اس کا مغتنم جانا ، کمال فروتنی و خوش خلقی سے پیش آیا ۔ مُنی نے کہا ”اے راجا! کیا طریقہ ھے کہ جن راجاؤں نے تجھ سے کچھ بدی برائی نہیں کی ، ان کو نا حق رنج پہنچاتا ھے ، ملک چھینتا ھے ، اس سبب سے بازارِ جنگ گرم ھوتا ھے ۔ بندے خدا کے مارے جاتے ھیں ، رعیت پامال ھوتی ھے ، اپنی گردن پر مظلمہ لیتا ھے اور جس کام سے

۱۔ ”جمیجی“ نسخۂ دوم (ص ۱۷۹) ۔ ”جمجحی“ نسخۂ اول (ص ۲۷۲) ۔ ”جنمیجی“ نسخۂ سوم (ص ۱۹۵) ۔ ”جنمجی“ نسخۂ چہارم (ص ۲۳۵) ۔

صحیح لفظ جنمی جی ھے ۔ نسخۂ اول میں (ص ۲۵۵ پر) اس کا صحیح املا جنمی جی لکھا ھے لیکن خلاصۃ التواریخ ، (ص ۱۱۶) میں جنمجہ املا ھے ۔

کہ دنیا میں نیک نامی اور عقبیٰ میں خوش حالی ہو ، اس کی طرف دھیان بھی نہیں کرتا''۔ راجا اس بات کو سن کر بھیچک سا رہ گیا ۔ بعد تامل کے بولا کہ وہ کون سا کام ہے کہ جس کو خواہ مخواہ کیا چاہیے۔ عابد نے کہا کہ تیرا باپ نہایت عادل ، نیک شعار، رعیت نواز، سپاہ پرور تھا ۔ تچھک سانپ نے اس کو مارا اور تو باوجود اس قدرت و قوت کے اپنے باپ کا اس سے انتقام نہیں لیتا اور اس کو اس عمل بد کی سزا نہیں دیتا کہ تا قیامت تیرا نام دنیا میں رہے اور عقبیٰ میں کچھ ضرر تجھے نہ پہنچے ۔ از بس کہ کلام درویش کا با اثر تھا ، راجا کے آنسو بے اختیارگر پڑے : دیگِ حمیت نے جوش مارا ، شعلہ غیرت کا بلند ہوا ۔ ندان ارادہ کیا کہ تچھک سانپ کو اس کی قوم سمیت جلا کر راکھ کر دیجیے بلکہ ایک تخم اژدہے اور سانپ کا دنیا میں باقی نہ رکھیے ۔

ابیات

یہ سن کر اُسے سخت غیرت ہوئی
جلانے پہ سانپوں کے رغبت ہوئی

جو ہے مرد تو شیر سے منہ نہ موڑ
اٹھا جان سے ہاتھ غیرتؔ نہ چھوڑ

غرض یوں لگا کہنے ہو کر غضب
کہ تچّھک ؔسے بدلا میں لیتا ہوں اب

نہ رکھوں گا سانپوں کا دنیا میں ناؤں
جلاؤں گا میں سب کے سب ایک ٹھاؤں

بنا بر اس کے بڑے بڑے جادو گر ، ساحر ، افسوں داں ، بید خواں بلائے ۔ اُن میں ایک ایک ایسا تھا کہ عالمِ علوی کو حاضر کرے ، آفتاب و مہتاب کو آسمان سے اتارے ۔ اور جو کچھ اسباب و لوازم سانپوں کے مارنے جلانے کے لیے چاہیے تھا ، موجود کر دیا ۔

ساحروں نے ایک محوطہ آتش کا درست کیا۔ بعد اس کے منتر پڑھنے شروع کیے۔ ان کی تاثیر سے سانپوں اژدھوں کے دلوں میں عجب طرح کی وحشت مستولی و دهشت غالب ہوئی کہ ہزاروں سینکڑوں اپنی اپنی بانبیوں غاروں سے گھبرا گھبرا نکلے اور اُس آگ میں گر گر کر جلنے لگے، یہاں تلک کہ تحت الثرا[1] اور عالم بالا میں بھی جو سکونت رکھتے تھے، وے بھی آن پہنچے اور اس جلدی سے آتے تھے کہ آپس میں لپٹ لپٹ جاتے تھے۔ مرتبہ اول بیس ہزار سانپ آن کر جلے، پھر ایک لاکھ اس آگ میں راکھ ہوئے، بعد[2] اس کے گیارہ لاکھ، پھر دس کروڑ؛ بعد اس کے اَن گنت آئے اور جلتے گیے۔ کتنے ان میں گھوڑ منہے تھے اور کتنوں کی ہاتھی کی سی سونڈیں تھیں اور بہتوں کے ناک اور کان میں منہ تھا۔ اکثروں کے دو سر، بہتوں کے چار چار تھے؛ بعضے ایک کوس کی لمبائی میں، بعضے دو کوس کے عرصے میں، بعضے ایسے کہ جو شکل چاہیں بن جائیں اور جس جگہ ارادہ کریں، اپنے تئیں وہیں پہنچائیں۔ غرض اس قدر جلے کہ ان کے بدن کی چربی سے جوئیں بہیں اور

۱- ''تحت السرا'' نسخۂ اول، دوم، سوم میں ''سین'' سے غلط ہے۔ نسخۂ چہارم اورنسخۂ انجمن میں ''ث'' سے صحیح ہے۔ خلاصۃ التواریخ، (ص ۱۱۸) میں املا ''تحت الثریٰ'' صحیح ہے۔

۲- پس ازاں یازدہ لک و سپس آں کرور، پس آں مرتبہ بہ مرتبہ دہ کرور و بعد آں بے شمار مار رسیدہ خاکستر شدند۔ (خلاصۃ التواریخ، ص ۱۱۸)۔

افسوس نے لفظی ترجمہ کرتے ہوئے آزاد ترجمہ کیا یا اُس سے چھوٹ گیا ہے۔ ترجمہ یہ ہوتا:

''اس کے بعد گیارہ لاکھ، پھر ایک کروڑ اور ازاں بعد درجہ بہ درجہ دس کروڑ ۔ ۔ ۔ ۔ (فائق)

آتش ایسی مشتعل ہوئی کہ اس کے دھوئیں سے ایک طبقہ دُخانی فلک پر اور پیدا ہوا ۔ ندان منتروں نے یہ اثر کیا کہ بشیش ناگ (سیس یا سیکھ ناگ) مضطرب ہو کر چاہتا تھا کہ زمین کو اپنے دوش سے رکھ دے اور اس آگ میں آ پڑے لیکن حکم الٰہی نہ تھا کہ تختۂ زمین یک بارگی پاش پاش ہووے اور سانپوں کا بیج دنیا میں نہ رہے ؛ اس باعث سے وہ بہ ہزار جد و کد ٹھہرا رہا ۔ اس ہنگام میں استیک (استنک) نام اتیت ، بڑا تپشی جوگی راجا کی مجلس میں وارد ہوا اور راجا کو اسیس دے کر سانپوں کی شفاعت کی ۔ پھر تقصیر ان کی معاف کروائی ۔ جن[1] کی قضا آئی تھی جلے ، مابقیہ سانپ اس آتشِ جاں گداز سے بچے ۔ سچ ہے جسے خدا بچاوے اس پر کبھی نہ آفت آوے ۔ تچھک سانپ کہ جس کے واسطے آتش کدہ مشتعل ہوا تھا ، وہ بھی جان سلامت لے گیا ، درویش کے طفیل سے اس نارِ سوزاں میں نہ جلا ۔

ابیات

ہوئی اس کی شفاعت آبِ رحمت
کہ باقی لے گئے جانیں سلامت

موئے جل کر وہی جن کی قضا تھی
بچے جتنے وہ سب جن کی بقا تھی

کہا درویش کا راجا نے مانا
کیا موقوف سانپوں کا جلانا

صفت بخشش کی اس کو بھی خوش آئی
انھیں آتش کدے سے دی رہائی

۱۔ ” جس کی “ نسخۂ اول (ص ۲۵۴) میں ہے ، کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ۔ نسخۂ دوم سوم میں ” جن کی “ ہے ۔

غرض جس نے مزا بخشش کا پایا
عوض لینے سے اُس نے ہاتھ اٹھایا

پھر راجا نے بڑا جشن کیا اور کئی ہزار باھمنوں کو نفیس نفیس کھانے کھلائے، ظروف نقرئی و طلائی بھی بخش دیے اور بھاری بھاری جوڑے پہنائے، نقد و جنس بھی بہت سا بانٹا، روپے سونے کے باسن بھی ہزاروں دیے۔ غربا فقرا پر احسان بہت سے کیے اور اسی جشن میں راجے بابو کہ مہمان آئے تھے، اُن کے رو بہ رو کشتیاں پوشاک و جواہر وغیرہ کی رکھیں بلکہ ہاتھی گھوڑے بھی ساز و عراق سمیت لطف فرمائے اور تحفے بھی ہر شہر دیار کے عطا کیے۔ پھر سب کو خوش و خرم رخصت کیا۔ چار ہزار آٹھ سو برس کچھ اوپر گزرے ہیں (بیان سجان رائے)۔ سوائے اس راجا کے کسی سے یہ جگ ادا نہیں ہوا، بلکہ اس کے جدّ و آبا باوجود اس قدرت کے کہ آسمان پر جاتے تھے اور قعرِ زمین کی خبر لاتے تھے لیکن مرتکب اس امر کے نہ ہوئے، اور کس طرح سے ہوتے کہ منشئی قضا و قدر نے اتمام اس کا راجا جنمی جی کے ہاتھ لکھا تھا؛ چناں چہ پیش از وقوع اس واقعے کے ماضی و مستقبل کے خبر دھندے کتب تواریخ میں اس امر کا انصرام پانا راجا مذکور (کے ہاتھ) سے تحریر کر گئے تھے۔

بیت

یہ سر نوشت میں تھا وہ کرے اسے اتمام
کسی کے ہاتھ سے پھر کس طرح یہ ہوتا کام

جب راجا اس کام سے فراغت پا چکا، انتظامِ امورِ سلطنت میں مشغول ہوا، عدل و انصاف کرنے لگا۔ بعد مدت کے اتفاقاً بیاس دیو راجا کی صحبت میں آ نکلا۔ راجا نے اُس آگاہِ اسرارِ غیب سے سوال کیا کہ میرے بزرگ اس قدر دانا و بینا تھے کہ اسرارِ غیب

آن پر کھل رہے تھے اور یہ ایک لڑکا بھی جانتا ہے کہ حیات مستعار ہے ؛ ہمیشہ کوئی نہیں جیا ، دنیا میں سدا کوئی نہ رہے گا ۔ تس پر ایسی ایسی لڑائیاں لڑے کہ ہزاروں بھائی بند خویش و اقربا تہ تیغ ہوئے بلکہ بے شمار ذی‌حیات حیوان و انسان سے موئے ۔ وجہ اس کی کیا ہے ؟ بیاس دیو نے کہا کہ ارادۂ الٰہی یوں ھی تھا کہ یے امور ان کے ہاتھ سے ظہور میں آئیں ۔ پھر راجا نے کہا ''باوجود اس آگاھی کے تدارک اس کے دفعیے کا کیوں نہ کیا ۔'' بیاس دیو بولا ''کس کی قدرت ہے کہ تقدیر الٰہی کو پھیرے ۔'' جب کہ حکم بادشاہِ مجازی کا کم پھرتا ہے تو بادشاہ حقیقی کی قضاے مبرم کس طرح ٹلے اور کس کی مجال ہے کہ اُس سے بچے ۔

نظم[1]

تقدیرِ الٰہی نہ فرشتے سے ٹلے گی
تدبیر کوئی سامنے اُس کے نہ چلے گی
خالی نہ گیا تیر کا اُس کے تو کبھو وار
چوکا نہ نشانے کے تئیں[2] اپنے وہ اک بار
ممکن نہیں جو اپنے تئیں اس سے بچاوے
فرصت نہ ہو اتنی جو سپر روکنے پاوے

بالفعل ایک امر پردۂ غیب سے تیرے لیے وقوع میں آتا ہے ۔ تو ایک گناہِ عظیم میں گرفتار ہوگا اور میں علاج بھی اس کا بتا دیتا

۱- چو از کمان قضا و قدر رسد تیرے
یقیں کہ باز نہ گردد بہ ہیچ تدبیرے

خلاصۃ التواریخ (ص ۱۱۹) میں یہی شعر ہے ۔ افسوس نے تین شعروں میں مفہوم ادا کیا ہے ۔ (فائق)

۲- ''کتئیں'' نسخۂ اول (ص ۲۵۶) میں ملا کر لکھا ہے اور نسخۂ دوم ، سوم میں بھی اسی طرح ہے ۔

هوں ۔ اگر تجھ سے ہو سکتا ہے تو کر ، اس سے بچ رہ ''۔ راجا یہ بات سن کر حیران رہ گیا ۔ بعد تامل کے سائل ہوا کہ وہ کون سی بلا ہے کہ میرے واسطے مقدّر ہوئی ہے اور میری سر نوشت میں لکھی گئی ہے ۔ خدا کے واسطے مجھ پر رحم کرو اور اس کی مدافعت کی تدبیر بتا دو کہ پیش از وقوع اس کا تدارک کروں تا اس کے شر سے بچ رہوں ۔

ابیات

برائے خدا مجھ کو جلدی بتا
کہ میرے لیے کیا مقدر ہوا

پھر اس سے بچوں کس طرح یہ بھی کہہ
خموشی کا موقع نہیں چپ نہ رہ

کہ پہلے ہی میں اس کا چارہ کروں
ابھی سے میں اس سے کنارا کروں

یہ ممکن ہے آفت سے بچ جاؤں میں
جو تیرے کرم سے اماں پاؤں میں

وہ آگاہِ دل تو اس کی ماہیت سے کما حقہٗ آگاہ تھا ۔ بیان کرنے لگا کہ فلانی تاریخ ایک سوداگر خوب صورت گھوڑا بہت چالاک تیرے حضور لائے گا ۔ چاہیے کہ تو اس کو نہ لیوے بلکہ نگاہ بھی اس پر نہ کرے ؛ احیاناً اگر لیوے بھی تو زنہار سوار نہ ہو جو ، کیوں کہ اگر تو سوار ہوا تو وہ بلا توقف جنگل میں لے جائے گا اور وہاں ایک عورت نہایت حسین مہ جبین تجھے نظر آئے گی ، ہرگز تو اس پر مبتلا نہ ہونا اور اس کے ساتھ سنجوگ نہ کرنا ؛ اور جو یوں بھی ہوا تو اس کا محکوم نہ ہو جائیو۔ درصورتے کہ وہ عورت تیرے گھر میں آوے ، تو اس کی متابعت

نہ کیجو و الاّ تجھ سے ایک گناہ عظیم ہوگا۔ یہ کہہ کر بیاس دیو نظروں سے غائب ہوگیا۔ جب روز معہود پہنچا ، سوداگر ایک گھوڑا پری پیکر ، نیکو منظر ، نپٹ خوش اسلوب و خوش رنگ ، بڑا دوڑاک اڑان سنک۔۔

قطعہ[1]

خندق و قلعہ نہ ہو اس کی ڈپٹ[2] کے حائل
جوں ہوا اس کو مساوی تھا نشیب اور فراز

کڑک اس کی تھی جو سرپٹ میں اسے کہیے کیا
باج دہ جس کے تئیں صاعقے کی تھی آواز

اڑ کے رہ جاتی جہاں اس کے تگاپو کی گرد
طائر وہم کو پہنچاتی نہ واں تک پرواز

راجا کے درِ دولت پر لایا ، خاص و عام کا اژدحام ہوگیا۔ رفتہ رفتہ راجا کو بھی خبر پہنچی ، اس کے دیدۂ بصیرت کے آگے پردہ پڑ گیا۔ سچ ہے کہ ہونے والی بات بِن ہوئے نہیں رہتی۔ بے اختیار اس کے دیکھنے کو محل سے باہر نکل آیا۔ اس کی رعنائی و زیبائی

۱۔ فارسی اشعار سے اردو کے ان تین شعروں کا موازنہ کیجیے۔ افسوس کی قادر الکلامی کا اندازہ ہو سکے گا۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۱۲۰)

چو وحشی گور در صحرا تگاور
چو مرغِ آب در دریا شناور

بوقت حملہ برق آسا جہندہ
بہ گاہ پویہ چوں صر صر دوندہ

اگر سایہ فگندے تازیانہ
بروں جستے ز میدانِ زمانہ

۲۔ ” دبٹ “ نسخۂ اول (ص ۲۵۷) ، نسخۂ دوم (ص ۱۸۳)۔ ” ڈپٹ “ نسخۂ سوم (ص ۲۰۰)۔

دیکھتے ہی زمام اختیار کی ہاتھ سے چھٹ گئی ۔ جھٹ سے اس کی پیٹھ لاگا اور وہ باد پا فوراً اُسے لے بھاگا ۔ ندان ایسے بیابان ہول ناک میں پہنچا کہ اجگروں کے جگرے وہاں کے درختوں کی عظمت و ہیبت سے تڑکے جاتے تھے اور اُس کے درندوں وحشیوں کی آوازوں سے شیروں کے دل دھڑکے جاتے تھے ۔ راجا ھکّا بکّا سا رہ گیا ۔ یہاں تک ڈرا کہ تھر تھر کانپنے لگا اور ادھر اُدھر تکنے کہ وہاں ایک پری زاد چودہ برس کی ، چودھویں رات کے چاند سے رنگ روپ میں اعلا بلکہ سورج کی چمک بھی اس کی رنگت کے رو بہ رو زرد اور اندر کی اپچھرا اس کے حسن کے آگے گرد ۔

نظم[1]

کرے قتل عالم کو اک آن میں
یہ عالم کہاں نوعِ انسان میں
نہ پھول اس کے مکھڑے کے آگے پھلے
نہ کبک اس سے ھوکر مقابل چلے
نہ نرگس کو آنکھوں سے دعوا ذری
نہ سنبل کو بالوں سے ٹک ھم سری
اگر حسن کا اس کے دیکھے سماں
تو مشّاطہ بن جائے حورِ جناں

۱۔ یہ نظم افسوس کی طبع زاد ھے ، خلاصۃالتواریخ میں صرف نثر کی عبارت ھے اور اُس کے بعد فارسی کے یہ دو مشہور شعر دیے ھیں جن کا ترجمہ افسوس نے ابیات کے عنوان سے کیا ھے : (خلاصۃ التواریخ ، ص ۱۲۱) ۔

آفاق را گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام ، لیکن تو چیزے دیگری

تو از پری چابک تری ، و ز برگ گل نازک تری
از ہر چہ گویم برتری ، حقا عجائب دل بری

قضا را مہاراج کو نظر آئی ۔ فی الفور ہوش سے جاتا رہا ، حواس نے کنارہ کیا ، عشق گریباں گیر ہوا ، دامنِ تحمّل ہاتھ سے چھٹ گیا ، کشورِ صبر و سکون یک لخت لٹ گیا ۔ بے اختیار گھوڑے سے اترا ، اس کے پاس جا بیٹھا اور یوں پوچھا کہ اے پری پیکر ، رشکِ قمر ! تو یاسمن کس گلشن کی ہے اور نسترن کون سے چمن کی ۔ کیا بجوگ پڑا کہ تیرا آنا اس جنگل و بر میں ہوا ؟

ابیات

ایک ایک بستی میں گیا ہر باغ و صحرا میں پھرا
پر گل بدن تجھ سا کہیں دیکھا نہ میں اور نے سنا
والہ ہے تیرا سب جہاں پھر تو کہاں جنگل کہاں
ہے چشم و دل تیرا مکاں تو شوق سے اب اس میں آ

اس غنچہ دہن نے مسکرا کر عشوہ و ناز سے اپنا حسب و نسب اور سبب بیابان میں آنے کا بیان کیا ۔ راجا اس کی گفتار شیریں اور کلام نمکیں سن کر اور بھی مبتلا ہوا ؛ ندان موافق اپنے آئین کے اس مہ جبین سے بیاہ کیا اور وہیں آغوش میں اسے لیا ۔ ہونٹوں سے ہونٹ ملا دیے اور بوسے ہزاروں لیے ۔ پھر شراب وصل اس کے ساتھ پی[1] ۔

نظم

ہر اک[2] نے لب سے لب باہم ملائے
مزے آپس میں کیا کیا کچھ اڑائے

۱۔ یہاں سے کچھ عبارت کثافت کی وجہ سے حذف کر دی گئی ہے ۔

۲۔ خلاصۃ التواریخ میں پانچ شعر دیے ہیں ۔ افسوس نے ترجمہ نہیں کیا بلکہ مفہوم ادا کیا ہے ۔ فارسی اشعار کے مقابلے میں افسوس کی طبع آزمائی دیکھیے :

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۶ پر)

وہ زہرہ ماہ کے پھر -بز میں آئی
جو لذت تھی اٹھانی سو اٹھائی[1]

بعد اس کے راجا اپنے دارالسلطنت میں اُس کو لایا اور سارے محل کی عورات کا اُس کو سردار بنایا۔ یہاں تک اس کا محکوم ہوا کہ اُس کے بِن کہے ہِل کر پانی بھی نہ پیتا۔ سچ ہے کہ جو کام نیک یا بد کسی کے ہاتھ سے ہوا چاہتا ہے، اسباب اس کے پہلے مہیا ہوتے ہیں، خواہ مخواہ وہ اُس امر کا مرتکب ہوتا ہے، ہر چند بچاوے بچ نہیں سکتا۔ راجا کی سر نوشت میں ثبت تھا کہ وہ عورت باعث ایک گناہ عظیم کا پڑے گی؛ باوجود آگاهی کے باز نہ رہا۔ اتفاقاً ایک دن بہت سے برہمن اُس کے گھر میں انواع و اقسام کی نعمتیں کھانے شیریں و نمکین کھا رہے تھے اور اپنے کام و زبان پر لذتیں اٹھا رہے تھے۔ راجا بھی ثواب کے لیے وہاں حاضر تھا۔

بیت

ہر اک سمت تھے خوانچے زر نگار
وہ اقسام کی نعمتیں بے شمار

جو کھاوے اُنھیں عمر میں ایک بار
نہ بھولے مزا تا بہ روزِ شمار

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

یک چند دراں کرشمہ سازی
کردند دو غنچہ بوسہ بازی

گشتند بجلوہ ہائے گستاخ
پیچید دو نخل شاخ در شاخ

افتاد بہ حجلۂ نگاریں
اندر شفق از شہاب پرویں

۱- یہاں سے ایک شعر کثافت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔

کہ وہ نازنین ، غارت گر دین ، قیامت قامت ، سیمیں بر ، پری پیکر ، خرابئ ایمان ، غارت کن ِ گبر و مسلمان نہایت بنا ؤ سنگار سے گہنے میں لدی ہوئی پوشاک بھاری پہنے ہوئے کنگھی چوٹی کیے ہوئے دولت سرا سے باہر نکل اس مجمع میں چلی آئی ۔ اُس کو دیکھتے ہی وہ بے چارے سکتے کے عالم میں آ گئے ، بھیچک سے رہ گئے ۔ تیر ِ غمزہ اس کا کھایا اور کھانے سے ہاتھ اٹھایا ۔

بیت

غضب میں ٹک اپنے تئیں تو سنبھال
گنہ گار پر تیغ کو مت نکال
بہت جلد تلوار جس کی چلے
وہی ہاتھ حسرت سے اکثر ملے

راجا اس احوال کو دیکھتے ہی آگ ہوگیا ، شعلہ غیرت اُس کا بلند ہوا ۔ پلک مارتے میں برہمنوں کی جماعت خاک ِ ہلاکت میں سلا دی ، دنیا میں بد نامی لی اور عقبیٰ میں عذاب کی سختی ۔

ابیات

جوں ہوئی وہ رشک زہرہ جلوہ گر
ہو گئے یک مرتبہ سب بے خبر
گر پڑے بے ہوش ہو بر روے خاک
ہوگئی سب کی قباے صبر چاک
گرچہ دل ہر ایک کا جوں سنگ تھا
لیک اُس دم موم کا سا رنگ تھا
شعلۂ رُو پر گئے اُس کے پگھل
آئے بند ِ صبر سے باہر نکل
آپ سے آخر وہ بے چارے گئے
مر چکے تھے لیک پھر مارے گئے

بعد اس کے نہایت پچتایا ۔ افسوس سے ہاتھ ملنے لگا اور زار زار رونے کہ مجھ سے ایسا برا کام ہوا ۔ تمام عمر کی نیک نامی جاتی رہی، بد نامی حاصل ہوئی ؛ ساتھ اس کے مکافات آخرت میں اس کی نہایت بد ہوگی ۔ ہر چند غم و غصہ کھاتا تھا اور ندامت کھینچتا تھا ، پر کچھ فائدہ نہ ہوتا تھا ۔ اتنے میں بیاس دیو پھر حاضر ہوا اور کہنے لگا ''اے راجا ! باوجود اس کے کہ میں نے تجھ کو اس بات سے آگاہ کیا تھا ، پھر اس شدنی کو تو نے کیوں نہ روکا اور دفع نہ کیا ؟'' راجا (بہت سا) نادم ہوا اور بہت سی منت و معذرت کی ۔ بعد اس کے التماس کیا کہ اس گناہ عظیم کا تدارک و تلافی مجھے بتا کہ عاقبت میں اس کے عذاب سے رہائی پاؤں اور گرفتار نہ ہوں ۔ بیاس دیو نے کہا ''بہت سی خیرات و تصدقات کے بعد کتاب '' مہا بھارت'' کو پڑھوا کر گوشِ دل سے سن اور اس کے معانی پر دھیان دھر ؛ البتہ نجات پائے گا اور یہ گناہ تیرا بخشا جائے گا ''۔ چناں چہ راجا نے تمام خزانے و دفینے جتنے تھے ، بلکہ سارا اسباب فقرا و مساکین کو بخش دیا اور کتاب مذکور کو سُنا تن کہ شاگرد رشید بیاس دیو کا تھا ، اُس سے پڑھوا کر رجوع قلب سے سنا ۔ گناہوں سے پاک ہوا ، عذاب آخرت سے بچا ۔ اُسی وقت سے یہ کتاب تمام عالم میں مشہور و معروف ہوئی ۔ جب اُس سے فراغت حاصل کی ، بہ دستور امورِ مملکت میں مشغول ہوا ، عدل و انصاف کرنے لگا ۔ بعد مدت کوکبِ بقا اس کا مغربِ فنا میں غروب ہوا ، جہاں رعیت و سپاہ کی نظروں میں تاریک ہوگیا ۔ اس کی سلطنت کی مدت چوراسی برس تھی۔

راجا رسمید[1] بن راجا جنمی جی

۱۔ راجا رسمید بن راجا جنمی جی ۔ نسخۂ اول (ص ۲۶۱) نسخۂ دوم (ص ۱۸۶) نسخہ سوم (ص ۲۰۳) ۔

''راجا اسمند بن جنمجی'' ۔ نسخۂ چہارم (ص ۲۴۲) ۔

''راجہ اسمند بن راجہ جنمجہ'' (خلاصہ ص ۱۲۴) ۔

سب میں بڑا تھا۔ بعد اپنے باپ کے راج پر بیٹھا عدل و انصاف سے جہان کو روشن کیا، مانند اپنے جد و آبا کے امور مملکت کو انتظام دیا ۔ مدت اس کے راج کی بیاسی برس اور دو مہینے ۔

راجا ادھن بن[1] راجا رسمید

نے اٹھاسی برس دو مہینے راج کیا اور رعیت و سپاہ کو بہت سا آرام دیا ۔

راجا مہاجی[2] بن ادھن

نے اکاسی برس اور گیارہ مہینے ریاست کی اور تختِ سلطنت کو زینت بخشی ۔

راجا جسرت بن مہاجی[3]

نے فرماں روائی اور مملکت پیرائی دو مہینے پچھتر برس کی ۔

راجا دشٹ[4] دان بن جسرت

نے چھہتّر برس تین مہینے راج کیا اور ایک جہان آباد کیا ۔

راجا اگرسین[5] بن راجا دشٹ دان

بعد اس کے راجا ھوا ۔ رعیت پروری و ملک ستانی کا نقارا اُس نے بجایا ،

۱- ''بن'' ۔ نسخۂ اول (ص ۲٦۱) نسخۂ سوم (ص ۲۰۳)
(''بن'' ۔ نسخۂ دوم (ص ۲۸٦) ۔

۲- ''راجہ مہاجسی بن راجہ ادھن''۔ (خلاصۃ التواریخ ص ۱۲۴)۔

۳- راجہ جسرتھ بن راجہ مہاجسی ۔ (خلاصۃ التواریخ ص ۱۲۴) ۔

۴- ''دشٹ'' ۔ نسخۂ اول (ص ۲٦۱) ۔
''دشت'' ۔ نسخۂ دوم ، سوم ، چہارم میں ۔
راجہ دشت دان بن راجہ جسرتھ (خلاصۃ التواریخ ص ۱۲۴) ۔

۵- راجہ اوگرسین بن راجہ دشت دان ۔ (خلاصۃ التواریخ ص ۱۲۴)

آخر اٹھہتر برس اور آٹھ مہینے کے بعد اس جہان سے گزر گیا۔ پھر :

راجا سورسین بن راجا اگرسین

اسّی برس تلک راج کی مسند پر رونق افزا رہا۔ مالی ملکی کاربار کو بہ خوبی انتظام دیا گیا۔ اس کے بعد :

راجا سوست سین بن راجا سورسین

نے پینسٹھ برس دو مہینے[1] راج کیا، رعیت اور سپاہ کو چین سے رکھا۔ اس کے بعد :

راجا رسمی بن راجا سوست (سین)

نے انہتر (٦٩) برس پانچ مہینے راج کی مسند کو رونق بخشی اور جہان میں بہ خوبی حکومت کی۔ بعد اس کے :

راجا برجھل[2] بن راجا رسمی

تخت حکومت پر بیٹھا اور چونسٹھ برس سات مہینے تلک مملکت کو آباد رکھا۔ اس کے بعد :

راجا سونھ[3] پال بن راجا برجھل

باسٹھ برس اور ایک مہینے راجا رہا، جہاں کو فتنہ و فساد سے پاک کیا۔ پھر:

راجا نرھر دیو بن راجا سونھ پال

۱- ''دہ ماہ'' - (خلاصہ ص ۱۲۵) -

۲- ''برچھل'' - نسخۂ چہارم (ص ۲۴۳) (خلاصہ ص ۱۲۵) -

۳- ''سونیتھ'' - نسخۂ چہارم (ص ۲۴۳) بقیہ اسخوں میں سونھ پال -

سون پال (ست بال) خلاصہ (ص ۱۲۵) -

اکاون برس گیارہ مہینے حکم رانی و ملک ستانی میں مشغول رہا۔ بعد اس کے :

راجا سوجرتھ بن راجا نرہردیو

نے بیالیس برس اور گیارہ مہینے جہاں بانی کی اور حسنِ سلوک سے زندگانی کاٹی ۔

راجا بھوپت[1] بن راجا سوجرتھ

راجا ہوا ۔ اٹھاون برس اور تین مہینے امور سلطنت کو انتظام دیا کیا ۔ بعد اس کے :

راجا سوپن[2] بن راجا بھوپت

راج پر قائم ہوا۔ پچپن برس اور آٹھ مہینے حکومت کرتا رہا ۔ پھر :

راجا میدھاوی بن راجا سوپن

باون برس اور نو مہینے فرماں روائی اور کشور ستانی کرتا رہا ، آخر اس جہان سے راہی ہوا ۔ بعد اس کے :

راجا سرون[3]چر بن راجا میدھاوی

نے پچاس برس اور آٹھ مہینے ریاست کی اور مملکت کو رونق بخشی ۔ پھر :

راجا بھیکم بن راجا سرون چر

نے سینتالیس برس اور نو مہینے راج کیا ، سپاہ و رعیت کو خوش نود رکھا اور جہان کو عدل و انصاف سے آراستہ کر دیا ۔ بعد اس کے :

۱۔ راجہ بھوپ بن راجہ سوجرت ۔ (خلاصہ ص ۱۲۵) ۔

۲۔ راجہ سوبن بن راجہ بھوپ (خلاصہ ص ۱۲۵) ۔

۳۔ راجہ سرون چرّ بن راجہ میدھاوی (خلاصہ ص ۱۲۵) ۔

راجا پدارتھ بن راجا بھیکم

نے پینتالیس برس گیارہ مہینے سپاہ[1] رعیت کو پالا اور عالم کو نوازا - پھر :

راجا وسوان بن راجا پدارتھ

راجا ہوا اور چوان لیس (چوالیس) برس نو مہینے سپاہ و رعیت کو اُس نے امن میں رکھا - پھر :

راجا آونی[2] بن راجا وسوان

نے چوان‌لیس (چوالیس) برس راج کیا اور خلق کی تالیفِ قلوب کرتا رہا - اُس کے بعد :

راجا آھنی[3] بن راجا آونی

اکاون برس تلک راج پر قائم رہا ، سپاہ و رعیت کو داد و دھش سے نوازا کیا - پھر :

راجا دند پال[4] بن راجا آھنی

اٹھتیس (اڑتیس) برس نو مہینے راجا رہا اور خلق کو آرام دیا کیا -

---

۱- ''سپاہ و رعیت'' نسخۂ سوم (ص ۲۰۴) نسخۂ چہارم (ص ۲۴۴) میں ''واو'' ہے لیکن نسخۂ اول اور دوم میں نہیں - خلاصۃ التواریخ (ص ۱۲۵) میں واو عاطفہ ہے -

۲- راجه اونی بن راجه وسوان مدت چهل و چهار سال و دو ماه در تسخیر قلوب جهانیان و ترفیه احوال عالمیان همت گماشت (خلاصۃ التواریخ ، ص ۱۲۵) چوالیس سال دو مہینے ترجمہ ہوتا - افسوس نے مہینے چھوڑ دیے ، یا سہو مصنف ہے یا طباعت کی غلطی - (فائق)

۳- راجه اینی پر بن راجه اونی (خلاصه ص ۱۲۵) -

۴- راجه وند پال (دندماں) بن راجه اینی (خلاصه ص ۱۲۵) -

راجا درسال[1] بن راجا دند پال

پینتالیس برس تخت حکومت پر جلوس فرمایا ۔ خلائق کو اپنے سایۂ حمایت میں آرام سے رکھا اور گردن کشوں کو سرنگوں کیا ۔ پھر

راجا شیباک[2] بن راجا درسال

چھتیس برس امور سلطنت کو انتظام دیا کیا اور مفسدوں خونیوں کا لهو پیا کیا ۔ بعد اس کے :

راجا کھیم[3] بن راجا شی باک

اٹھاون برس پانچ مہینے اپنے باپ کا قائم مقام رہا اور جد و کا نام روشن کیا ۔ پھر :

راجا کھیمن بن راجا کھیم

راج پر بیٹھا لیکن امور سلطنت میں کاہلی اور عدالت کے طریقے میں سستی کرتا تھا ، مطلق مالی ملکی کاموں کی طرف دھیان نہ دھرتا ۔ بے پروائی و لاوبالی اس نے اپنا شغل کیا ، ندان سلطنت کو ہاتھ سے کھو دیا ، بلکہ اپنی جان بھی دی ۔ خلّاقِ کون مکان نے جہان کو جب سے پیدا کیا ، سر رشته انتظامِ امورِ خلائق کا شاہانِ عظیم الشان کے ہاتھ میں دیا ۔ پس ان کو لازم ہے کہ خلق کی رفاہ ہر آن میں چاہیں اور عدل انصاف کے چلن به خوبی چاہیں ، نہیں تو سلطنت چھن جائے گی بلکہ جان پر بھی آفت آئے گی ۔

۱۔ ” راجه در سال بن راجه دندپال “ مدت چهل و دو سال و سه ماه همت والا نهمت در مالش گردن‌کشان سرتابان گماشت (خلاصه ص ۱۲۵) افسوس نے ۴۵ برس حکومت لکھی ہے خلاصۃ التواریخ سے بیالیس سال دو ماہ حکومت متعین ہے ۔ اختلاف کی وجہ معلوم نہ ہو سکی ۔ (فائق)

۲۔ راجه شنباک (سنیاک) بن راجه درسال (خلاصه ص ۱۲۵) ۔

۳۔ راجه کهیم بن راجه شنباک (خلاصه ص ۱۲۶) ۔

بیت

نہ ہو پروا جو شہ کو مملکت کی
ہر اک کو چونپ ہووے سلطنت کی

جب راجا کھیمن کو امرا وزراء نے بہ مرتبہ غافل اور امور ملکی و مالی میں کاہل پایا، جو وزیر کہ کاروبار سلطنت کا مختار تھا، اس کو امیدوار سلطنت کیا ۔ ندان اس کو بھی حرص سلطنت کی ہوئی، سوزنِ طمع نے چشمِ مروت اس کی سی دی ۔ ایک دن قابو پا کر اس نے راجا کو مار لیا اور آپ راج پر قائم ہوا ۔ غرض راجا کھیمن نے اٹھتالیس برس اور گیارہ مہینے راج کیا ۔ پانڈوں کے خاندان میں سلطنت اسی تلک تھی ۔ قضا و قدر سے اٹھارہ سے چوسٹھ[1] برس اُن کے گھرانے میں بادشاہت رہی ۔ راجا جدشٹر سے لے کر راجا کھیمن تلک تیس شخصوں نے ریاست کی ۔

راجا بسراد[2]

کہ مرتبۂ وزارت سے پایۂ سلطنت کو پہنچا اور حکومت پر بیٹھا، اکثر اوقات کاروبار سلطنت میں مشغول رہتا اور صعوبتیں واسطے خلق کے بہ رغبت سہتا، لیکن ہر گاہ کہ احوال اُس کی اولاد کا مفصل معلوم نہ تھا، اس واسطے مختصر کیا، فقط ہر ایک کا نام اور مدت سلطنت لکھ دی ۔ قصہ مختصر راجا بسراد نے ستر (سترہ) برس

۱- ''چوسٹھ''، نسخۂ اول (ص ۲۶۴)، نسخۂ دوم (ص ۱۸۸)، نسخۂ سوم (ص ۲۰۵)، ''چونسٹھ''، نسخۂ چہارم (ص ۲۳۶) ۔

۲- راجہ بسروا کہ از پایۂ وزارت بہ درجۂ سلطنت رسید بعد اتمام کار راجہ کھیمن بر تخت جہان داری جلوس نمود ۔ مدت سلطنت راجہ بسروا ہفت دہ سال و چہار ماہ (خلاصۃ التواریخ ص ۱۲۶) ۔

سترہ سال چار مہینے کی جگہ آرائش محفل میں ستر برس چار مہینے ہیں، جو غالباً طباعت کی غلطی ہے ۔ (فائق)

چار مہینے راج کیا ۔ پھر :

راجا سورسین

اس کے بیٹے نے اپنے باپ کے بعد بیالیس برس اور آٹھ مہینے رعیت و سپاہ کو اپنے سایۂ عدالت میں آرام سے رکھا ۔ آخر ملک عدم کو اکیلا چلا گیا ۔ پھر :

راجا بیر ساہ راجا سورسین کا بیٹا

باپ کی مسند پر بیٹھا اور باون برس دو مہینے اس نے خلق کو اپنی پناہ میں رکھا ۔ بعد اس کے :

راجا آھنگ ساہ بن راجا بیرساہ

تخت نشین ھوا ۔ سینتالیس برس اور نو مہینے اس نے بھی عدل گُستری اور رعیت پروری کی ۔ اس کے بعد :

راجا برجنت[1] ساہ بیٹا راجا آھنگ ساہ

کا تخت نشین ھوا ۔ پینتیس برس گیارہ مہینے اس نے راج کیا اور رونق افزاے مملکت رھا ۔ پھر :

راجا دھیر[2] راجا برجیت کا خلف

راج پر بیٹھا ۔ چواں (چوا) لیس برس اور تین مہینے حاکم رھا ۔

۱۔ ''برجنت''، نسخۂ اول (ص ۲٦۴) ، نسخۂ دوم (ص ۱۸۸) ، نسخۂ سوم (ص ۲۰٦) ۔ ''برجیت''، نسخۂ چہارم (ص ۲۴٦) ۔
''راجه برجهت بن راجه آهنگ ساه''۔ خلاصة التواریخ (ص ۱۲۷) ۔
راجه درتھ بن ، راجه بری چهت (خلاصة التواریخ ص ۱۲۷) ۔

۲۔ دھیر بن راجا برجیت نسخۂ اول (ص ۲٦۵) ، نسخۂ دوم (ص ۱۸۸) ۔
دھیر بن راجا برجنت ، نسخۂ سوم (ص ۲۰٦) ۔
دربھ راجا برجیت کا خلف ، نسخۂ چہارم (ص ۲۴٦) ۔

بعد اس کے :

راجا سودیال[1] بن راجا دہیر

نے تخت سلطنت پر جلوس فرمایا ، مملکت کو بہ خوبی بسایا ۔ بعد تیس برس نو مہینے کے اس جہان کو تجا ، بیکنٹھ میں جا بسا ۔ اس کے بعد :

راجا پورمست[2] راجا سودپال کے بیٹے

نے تخت سلطنت کو زیب دیا اور آوازہ عدل و انصاف کا بلند کیا ۔ آخر بیالیس برس اور دو مہینے کے بعد ملک بقا کا راہی ہوا ۔ پھر :

راجا سنجی

راجا پور مست کا پور اپنے باپ کے مقام پر بیٹھا ۔ بتیس[3] برس تین مہینے وہ بھی امور ملکی کے انتظام میں لگا رہا ۔ بعد اس کے :

راجا امرجودھ بن راجا سنجی

فرماں روا ہوا اور ستائیس برس چار مہینے امور جہاں بانی کے بندوبست میں رہا ۔ پھر :

۱۔ ''سودیال'' نسخۂ اول (ص ۲٦۵) ، نسخۂ دوم (ص ۱۸۸) ، نسخۂ سوم (ص ۲۰٦) ۔

''سودہ پال'' ، نسخۂ چہارم (ص ۲۴۷) ۔

راجہ سودہ پال بن راجہ درتھ ۔ مدت سی سال و سہ ماہ ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۱۲۷) ۔

۲۔ ''پورمست'' ، نسخۂ اول ، دوم ، سوم میں یہی املا ہے لیکن نسخۂ چہارم ، (ص۲۴۷) میں ''پورمت'' ہے ۔ ولدیت بھی راجا سودہ پال لکھی ہے ۔ راجہ پورمت بن سودہ پال ، (خلاصۃ التواریخ ، ص ۱۲۷) ۔

۳۔ ''بتیس'' چاروں نسخوں میں ہے لیکن نسخۂ انجمن میں تیس لکھا ہے ۔

نام راجہ سہنجی بن راجہ پورمت (خلاصۃ التواریخ ص ۱۲۷) ۔

راجا امین (این)[1] پال بن راجا امر جودھ

نے نقارا سلطنت کا بجایا۔ بائیس برس گیارہ مہینے تلک قضیہ جھگڑا خلق اللہ کا واجبی واجبی چکایا۔ بعد اس کے:

راجا سردھی[2] بن راجا امین پال[3]

نے کشور ستانی و ملک گیری میں اوقات گزاری۔ آخر سینتالیس برس سات مہینے کے بعد بیکنٹھ باسی ہوا۔ پھر:

راجا پدارتھ بن راجا بردھی[4] (سردھی)

نے رایتِ فرماں دھی کو بلند کیا۔ پچیس برس پانچ مہینے عدل و انصاف کا ڈنکا دیا۔ بعد اس کے:

راجا ندھمل[5] (بدہ مل) راجا پدارتھ کا بیٹا

مسند حکومت پر بیٹھا لیکن سپاہ و رعیت کی طرف متوجہ نہ ہوا، عیش و عشرت میں پڑ گیا۔ بھنگ پینا اختیار کیا، نشے میں غرق رہنے لگا۔ امرا وزرا سے بد سلوکیاں شروع کیں، آنکھیں یک مرتبہ بند کر لیں۔ راہ و رسم رئیسوں کی بھلا دی، تالیف قلوب ترک کی۔ آپ میں نہ رہا، خطبی سا ہو گیا۔ رئیس کو لازم ہے کہ کسی نشے کی کثرت نہ کرے اور عادت نہ ڈالے، نہیں تو خاصیت جہاد کی پیدا کرے گا اور انسانیت سے جاتا رہے گا۔ خصوصاً بھنگ بد ترین

۱- راجہ این پال بن راجہ امرجود (خلاصۃ التواریخ، ص ۱۲۷)۔
۲- "سردھی"، نسخۂ اول (ص ۲۶۵)، نسخۂ دوم (ص ۱۸۹)، نسخۂ سوم (ص ۲۰۶)، نسخۂ چہارم (ص ۲۴۷)۔
۳- راجہ سروھی بن راجہ این پال (خلاصۃ التواریخ، ص ۱۲۷)۔
۴- "بردھی"، نسخۂ اول (ص ۲۶۵)، نسخۂ دوم (ص ۱۸۹)، نسخۂ سوم (ص ۳۰۷) "سردھی" نسخۂ چہارم (ص ۲۴۷)۔
۵- "ندھمل"، نسخۂ اول، دوم، سوم میں، نسخۂ چہارم میں "بدہ مل" ہے۔ راجد بدہ مل بن راجہ پدارتھ (خلاصۃالتواریخ ص ۱۲۷)۔

نشا ہے۔ اگرچہ ابتدا میں قدرے سرور لاتی ہے بلکہ بھوک بھی لگاتی ہے لیکن آخرکار آلو بناتی ہے ، سُدھ بُدھ ساری بھلاتی ہے۔ بڑھنا اس کا جثّے کو گھٹاتا ہے ، رنگ نیم کا پتا سا ہو جاتا ہے۔ اگر شیر اسے پیے، بکری سے ڈرے اور جو گینڈا اس کا عادی ہو تو بھیڑ سے بھاگا کرے۔

ابیات[1]

جسے بھنگ پینے کی عادت ہوئی
اسے جود و ہمت سے نفرت ہوئی

اگر هووے کیسا هی چالاک و چست
پر اس کو پیے تو وہ ہو جائے سست

نہ چہرہ هی اس کا فقط زرد ہو
جو کثرت کرے اس کی نامرد ہو

سمجھنے لگے پھر تو رسّی کو ناگ
اگر ٹک هلے وہ تو بس جائے بھاگ

القصہ جب راجا بھنگ کی افراط سے ازخود رفتہ ہو گیا ، ارکانِ دولت سے بد خوئیاں کرنے لگا ؛ تب بیرماہ وزیر نے لوگوں کو ورغلانے سے قابو پا کر ایک دن اس کو مارا اور ملک کا مالک ہو بیٹھا۔ واقعی جب ریاست و حرصِ سلطنت آدمی کو حقوق محسن کے بھلا دیتی ہے بلکہ خوف الٰہی دل سے اٹھا دیتی ہے ؛ تب جان بوجھ کر اس امر کا مرتکب ہوتا ہے جس کے سبب

۱- خلاصة التواریخ میں یہ دو شعر ہیں :

بنگ خوردن کسے کہ عادت کرد
دو علامت ازو شود ظاهر

حسن اخلاق می رود از وے
زشت خوئی ازو شود باهر

خوبیٔ عقبیٰ کھوتا ہے ۔ قصہ مختصر اس مقتول نے اکتیس برس اور آٹھ مہینے راج کیا ۔ اس کے بعد راجا بسراد کی اولاد سے سر رشتۂ سلطنت منقطع ہو اور خاندان میں گیا ۔

بیت

نہ بد ھی رہا اس جہاں میں نہ نیک
کہانی رہی آن کی اک عمر لیک

حاصل یہ ہے کہ راجا بسراد سے لے کر اس راجا تلک چودہ شخصوں نے پانچ سو برس سلطنت کی ۔ پھر :

راجا بیرماہ[1]

پایۂ وزارت سے جو مرتبۂ سلطنت کو پہنچا ، پینتیس برس تخت نشین رہا ، بعد اس کے ۔

راجا جنجاب[2] سنگھ

راجا بیر ماہ کا بیٹا ستائیس برس اور سات مہینے راج کرتا رہا ، آخر اس جہان کو تج گیا ۔ پھر :

راجا شیرکھن[3] بن راجا جنجاب سنگھ

مسند نشین ہوا اور اکیس برس اس نے راج کیا ۔ اس کے بعد :

راجا مہی پت بن شیرکھن (سترکھن ؟)

پچیس برس اور چار مہینے اپنے باپ کا قائم مقام رہا اور امور ملکی کو

۱۔ ’’ باہ ‘‘ نسخۂ چہارم (ص ۲۴۸) ۔

۲۔ ’’جنجاب سنگھ‘‘ نسخۂ اول (ص ۲۶۶) ، نسخۂ سوم (ص ۲۰۸) نسخۂ چہارم (ص ۲۴۸) ۔
’’جچاب سنگھ‘‘ ، نسخۂ دوم (ص ۱۹۰) ، ’’جچاپ‘‘ ، نسخۂ **انجمن** ’’ جنجاب سنگھ ‘‘ (خلاصة التواریخ ص ۱۲۸) ۔

۳۔ ’’راجہ نبرکھن‘‘ (سترکھن) بن راجہ جنجاب سنگھ ، (خلاصة التواریخ ، ص ۱۲۸) ۔

انتظام دیا گیا۔ بعد اس کے :

راجا بھارمل[1] مہی پت کا بیٹا

تخت ریاست پر قائم ہوا اور چونتیس برس آٹھ مہینے طریقے ریاست و حکومت کے بجا لایا ۔ پھر :

راجا سروپ دت راجا بھارمل (مہابل ؟)

کا بیٹا راجا ھوا ۔ اٹھائیس برس اور تین مہینے جیا ۔ بعد اُس کے :

راجا مترِ سین بن راجا سروپ دت

نے چوبیس برس تین مہینے مسند حکومت کو زینت دی۔ سپاہ و رعیت کی پرورش و درستی میں اوقات گزاری ۔ پھر :

راجاسکھ دان[2] راجا مترسین

کا بیٹا حاکم ھوا اور ستائیس برس دو مہینے اس نے راج کیا۔ بعد اس کے :

راجا جی مل[3] بن سکھدان

اٹھائیس برس دو مہینے راجا رھا۔ آخر آگ میں جل کر راکھ ھوا۔ اس کے بعد :

راجا کل نک[4] راجا جی مل

کا پور اپنے باپ کی مسند پر بیٹھا اور انتالیس برس چار مہینے حاکم رھا ۔ پھر :

۱- راجہ ''مہابل (بہامل)'' بن راجہ مہی پت ، خلاصۃ التواریخ (ص ۱۲۸)۔

۲- ''سکھ دان (سکنواں)'' (خلاصۃ التواریخ ، ص ۱۲۸) ۔

۳- ''راجہ جیت مل'' ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۱۲۸) ۔

۴- ''راجہ کل مک بن راجہ جیت مل'' (خلاصۃ التواریخ ، ص ۱۲۸)۔

راجا کل من راجاِ کل نک

کے نور چشم نے جگ اجالا کیا ۔ چھالیس برس تلک سوادِ ظلم کو مملکت میں آنے نہ دیا ۔ بعد اس کے :

راجا ستر مردن[۱] بن راجا کل من

نے تخت سلطنت کو آرائش دی ۔ آٹھ برس گیارہ مہینے دنیا میں حکومت کی ۔ اس کے بعد :

راجا جیون[۲] جاٹ راجا ستر مردن

کا بیٹا قائم مقام اپنے باپ کا ہوا ۔ چھبیس برس نو مہینے خلق کو اُس سے فیض پہنچا ۔ پھر :

راجا ہرن[۳] جک جیون جاٹ

کا بیٹا راجا ہوا اور تیرہ برس دو مہینے تلک امور ملکی کو انتظام دیتا رہا ۔ اُس کے بعد :

راجا بیرسین بن راجا (ہری) ہرن جک

نے تخت حکومت پر جلوس فرمایا ۔ پینتیس برس دو مہینے طریقے ریاست و حکومت کے بجا لایا ۔ بعد اُس کے :

راجا ادھٹ بن راجا بیرسین

رئیس ٹھہرا لیکن اُس نے جوانی و فرماں روائی[۴] کے غرور سے

۱۔ ''راجہ سر مرون'' ۔ (خلاصۃ التواریخ ص ۱۲۸) ۔

۲۔ راجہ جیون جات بن راجہ سر مرون ۔ مدت سلطنت بست و شش سال (خلاصۃ التواریخ ص ۱۲۸) ۔ افسوس نے چھبیس برس نو مہینے مدت سلطنت لکھی ہے ، خلاصۃ التواریخ میں صرف چھبیس برس ہے ۔ (فائق)

۳۔ ''راجہ ہری جک بن راجہ جیون جات'' ۔ (خلاصۃ التواریخ ۔ ص ۱۲۹)

۴۔ ''فرما روائی''۔ نسخۂ اول (ص ۲٦۸) میں فرمان کا ''ن'' نہیں ۔

امور مملکت کی طرف سے غفلت کی ، عیش و عشرت میں اوقات کاٹنے لگا ، اکثر اوقات محل میں رہنا اختیار کیا ۔ فی‌الواقع عیش و عشرت جوانی میں نہایت خوب ہے ، چناں‌چہ ہر ایک جوان کو مرغوب ہے ؛ خصوصاً جس کو جوانی میں دولت ہو ، اُس کے تو حق بہ طرف ہے لیکن جن کو خدا نے عقل دی ہے ، وہ سوچ سمجھ کر عیاشی کرتے ہیں ۔ اس قدر لگ نہیں پڑتے ، امور مملکت کو سب باتوں سے مقدم جانتے ہیں اور کہا اپنے دولت خواہوں کا جان و دل[1] سے مانتے ہیں ۔ جو حاکم عیاش ہوا ، وہ دین و دنیا سے گیا ۔ نتیجہ[2] عیاشی کا غفلت ہے اور کاہلی کا ذلت ۔ اکثر تخت نشین غفلت کے باعث صاحب حصیر ہوئے ، بہتیرے سلاطین کہالت کے سبب حقیر ہوئے ۔ القصہ جب بے پروائی و لاوبالی راجا کی بہت بڑھ گئی اور نارسائی اس کی سب کے نزدیک ثابت ہوئی ، ارکان دولت و اعیان سلطنت نے وزیر سے اتفاق کیا اور راجا کو مار کر اس کو راج پر بٹھا دیا ۔ حاصل یہ ہے کہ غفلت بادشاہوں کی اُن کے تخت سلطنت کو خاک میں ملاتی ہے اور وزیروں کو پایۂ وزارت سے اورنگِ شاہی پر بٹھاتی ہے ۔ غرض راجا ادھت[3] نے تیس برس

۱۔ ''جان و دل'' نسخۂ اول (ص ۲٦۸) ، نسخۂ دوم (صفحہ ۱۹۱) نسخۂ سوم (ص ۲۰۹) صحیح ۔

''بجان و دل'' نسخۂ چہارم (ص ۲۵۰) غلط ۔

''دل'' نسخۂ انجمن (ص ۳۰۹) میں ۔

۲۔ ''نتیجا'' نسخۂ اول (ص ۲٦۸) نسخۂ دوم (ص ۱۹۱) میں 'الف' سے ہے ۔ بقیہ میں نتیجہ 'ہ' سے ۔

۳۔ مدت سلطنت راجہ ادھت بست و سہ سال و یازدہ ماہ از ابتدائے سلطنت راجہ بیر ماہ لغایت سلطنت راجہ ادھت شانزدہ تن مدت چہار صد و چہل و شش سال بہ امور سلطنت پرداختند ، ازیں جا نسل راجہ بیر ماہ منقطع گردید ۔ (خلاصۃ التواریخ ص ۱۲۹) ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۳ پر)

گیارہ مہینے راج کیا، آخر اپنے کیے کی سزا کو پہنچا ۔ قصہ کوتاہ راجا بیرماہ سے لے تا راجا ادھت سولہ اشخاص نے سلطنت کی ۔ چار سو چالیس برس کے بعد ان کے خاندان سے ریاست گئی ۔

نظم

تو دنیا کو اک فاحشہ کر قیاس
ھے آج اِس کے پاس اور کل اُس کے پاس
اسے نت نیا یار درکار ھے
وفا سے ھمیشہ یہ بے زار ھے
زیادہ کبھو اس سے تو لگ نہ چل
بہ جز داغِ حسرت نہ دے گی یہ پھل
نہ بھول اس کے یہ کرّوفرّ دیکھ کر
کہ ھے داغِ حسرت ھی اس کا ثمر

جب راجا دندھر منصبِ وزارت سے درجۂ سلطنت کو پہنچا، اکتالیس برس چھ مہینے سپاہ و رعیت کی غور و پرداخت کرتا رہا، آخر نقارہ رحلت کا بجا گیا ۔ پھر :

راجا سین دھوج بن راجا دندھر

راج پر بیٹھا ۔ پینتالیس برس خلق کا کام اس کے ھاتھ سے جاری رہا ۔ بعد اس کے :

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

افسوس نے راجا ادھت کی مدت سلطنت تیس برس گیارہ مہینے لکھی ھے ''خلاصۃ التواریخ'' میں تئیس برس گیارہ مہینے صحیح ھے ۔ غالباً طباعت کی غلطی ھے مگر کل مدت سلطنت ''خلاصۃ التواریخ'' میں چار سو چھیالیس سال ھے اور افسوس نے چار سو چالیس لکھی ھے اس لیے یہ سہو بھی افسوس کا ھے ۔ (فائق)

راجا مہاگنگ[1] راجا سین دھوج کا بیٹا

حاکم ہوا اور اکتالیس برس دو مہینے کے بعد اس نے رختِ ہستی کو باندھا ۔ اس کے بعد :

راجا مہاجودھ بن مہاگنگ

رئیس ہوا ۔ تینتیس[2] برس امور سلطنت کو انجام دیتا رہا ۔ پھر :

راجا ناتھ بن راجا مہاجودھ

اٹھائیس برس حاکم رہا ۔ آخر پیمانہ اپنی عمر کا بھر گیا ۔ اس کے بعد :

راجا جیون راج بن ناتھ

راج پر قائم ہوا ۔ پینتالیس برس سات مہینے کاربار سلطنت کا کرتا رہا ۔ اس کے بعد :

رجا آدے سین[3] راجا جیون راج

کا بیٹا تخت حکومت پر بیٹھا اور سینتیس برس پانچ مہینے دنیا میں رہا ۔ پھر :

راجا انند جل آدے سین

کا بیٹا اکاون برس حکومت کرتا رہا ۔ آخر تخت سلطنت کو چھوڑ گیا ۔ پھر :

۱- ''راجہ مہی گنگ'' (خلاصۃ التواریخ ، ص ۱۲۹) ۔

۲- راجہ مہاجودھ بن راجہ مہی‌گنگ مدت سی سال و سہ ماہ جہان بانی و کامرانی کردہ رخت ہستی بر بست ۔ (خلاصۃ التواریخ ص ۱۲۹) ۔

افسوس نے مدت تینتیس برس لکھی ہے حالاں کہ ''خلاصۃ التواریخ'' میں تیس برس تین مہینے ہے ۔ کسی نسخے میں ممکن ہے ۳۳ برس ہو ۔ (فائق)

۳- راجہ اودے سین (خلاصہ ص ۱۳۰) ۔

راجا راج پال بن راجا انند جل

نے تخت حکومت پر جلوس کیا ، خلق اللہ کو آرام دیا ، جہاں بانی و ملک ستانی پر مصروف ہوا ، بہ زور شمشیر بہت سے ملکوں پر قبضہ کر لیا اور اکثر گردن کشوں کو اپنا مطیع کیا ۔ تب تو شرابِ نخوت کا نشہ خوب سا چڑھا اور تکبر حد سے زیادہ بڑھا ؛ چناں چہ اکثر بادشاہوں کو خاطر میں نہ لاتا تھا اور سلوکِ متکبرانہ سے پیش آتا ۔

نظم

هوا جاہ و دولت سے یاں تک دماغ
کہ مہ کو لگا وہ سمجھنے چراغ

جو درگہ تھی اُس کو ز راہِ غرور
سمجھتا تھا اوجِ فلک سے بھی دور

حاصل یہ ہے کہ کثرتِ لشکر و تسلط سلاطین پر بہ غرور زندگانی کرتا تھا ۔ حکما و عقلا نے فرمایا ہے اور تجربے میں بھی آیا ہے کہ جن نے تکبر و نخوت و رعونت کی اندک ، زمانے میں ایسی سرچنگ[1] کھائی کہ خاک میں مل گیا اور جس نے غرور سے پگڑی پھیر رکھی ، وہی پگڑی اس کی فوراً گلوگیر ہوئی ، گلا اُس کا گھونٹا اور دم خفا کیا ، آخر کار خاک مذلت پر وہ گرا ۔

نظم

تکبر ہوا جس کو حق کے سوا یہ ٹھوکر لگی اس کو اوندھا گرا
تکبر ہے پھبتا اُسی کے تئیں سزا وار اس کا تو بندہ نہیں

۱- ''سرجنگ'' نسخۂ اول (ص ۲۷۰) ، نسخۂ دوم (صفحہ ۱۹۳) ، نسخۂ انجمن (ص ۳۱۱) ۔
''سرچنگ'' نسخۂ سوم (ص ۲۱۰) نسخۂ چہارم (ص ۳۵۲) ۔

قصہ کوتاہ سکھونت نامی راجا کہ دامنۂ کوہ کماؤں میں تھوڑے سے ملک پر متصرف تھا ، ساتھ اس کے خراج بھی اسے دیتا تھا ۔ ایک دن وہ اپنے ارکانِ سلطنت و وزرائے مملکت کو لے کر معہ لشکر مہاراج پر چڑھ گیا اور فتح یاب ہوا ۔ خدا کی قدرت سے عجب کیا ھے ۔ اگر وہ ارادہ کرے تو پہاڑ کو برگ کاہ اکھاڑے اور مور مار کو مار لے ۔ چناں چہ راجا راج پال باوجود اس قدرت و قوت کے اس ضعیف کے ھاتھ سے مارا پڑا اور وہ ملک کا مالک ہو بیٹھا ۔

نظم

جو چاھے خداوند چرخ بریں
تو دشوار یہ بات ھرگز نہیں
قوی کو ھر اک ناتواں ڈالے مار
کرے شیر گربہ سے دائم فرار

راجا راج پال[1] نے چھبیس برس راج کیا ۔ حاصل یہ ھے کہ راجا دندھر سے لے کر اس راجا تلک نو شخصوں نے ریاست کی ۔ آخر سلطنت اُن کے خاندان سے بعد راجا راج پال کے منقطع ھوئی ۔

بیت[2]

نہ دیکھا جہاں میں کوئی خاندان
کہ دولت رھی ھو ھمیشہ جہاں

۱- از ابتدائے راجہ ولدھر بغایت راجہ راج پال نہ تن سی صد و چہل و ھفت سال فرمان روای کردند ۔ (خلاصہ ص ۱۳۰)
انسوس نے کل مدت حکمرانی ۳۴۷ برس کا ترجمہ چھوڑ دیا ۔

۲- خلاصۃ التواریخ (ص ۱۲۸) میں بیت کے عنوان سے یہ شعر درج ھے :

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۷ پر)

نہ لینا بہ خواہش کبھو اس کا ناؤں
کہ یہ بے وفا ڈھلتی پھرتی ہے چھاؤں

جب راجا سکھونت[1] کوھی والی ممالک محروسہ کا ھوا ، اُس کے مزاج میں بھی نہایت غرور آ گیا - امرا وزرا سے سلوک ناشایستہ کرنے لگا ، نشہ مئے سلطنت کا سنبھال نہ سکا - کم ظرف تو تھا ھی اُبل چلا ، بد مست ھو گیا اور یہ حالات بادشاھوں کے شایاں نہیں بلکہ خوش خلقی و سپاہ پروری و رعیت نوازی و قدردانی اُن کو لازم ھے - جس سلطان نے ان فعلوں کو ترک کیا ، سر رشتہ سلطنت کا اس کے ھاتھ سے گم ھوا ، اور یہ تو اس بد کرداری اور ناھنجاری کے ساتھ پوسی بھی تھا ؛ بہ سبب اس کی افراط کے عقل اس کی بالکل زائل ھو گئی تھی - اکثر اوقات نشے میں سرشار بے خودی میں لیل و نہار رھتا تھا - حاکموں کو کوئی نشا کھانا پینا سزاوار نہیں ؛ خصوصاً پوست کہ فقط پوست و استخوان ھی باقی رکھتا ھے - قوی کو ضعیف بناتا ھے اور صحیح کو مریض - سرو قامت اس کی کثرت سے کبڑے ھو جاتے ھیں اور تنومند تنکا سے بن جاتے ھیں ؛ گردن جھکی جاتی ھے ، پینک چلی آتی ھے ، رات کو جاگا کرتا ھے اور دن کو سویا کرتا ھے ؛ صورت اصلی پر نہیں رھتا ، مسخ ھو جاتا ھے - القصہ راجا مدھوشی کے باعث چڑچڑا ھو گیا تھا ، رعیت پر تعدی اور سپاہ کے حق میں نادھندی شروع کی - سردار تو اس کی بدسلوکیوں سے شاکی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بس لامور بہ زیر زمیں دفن کردہ اند
کز ھستیش بروئے زمیں یک نشاں نماند

آرائش محفل (نسخۂ انجمن ، ص ۳۱۲) میں بیت عنوان ھے اور رباعی لکھی ھے - افسوس نے بیت کا مفہوم ادا کیا ھے -

۱- ’’راجہ سکونت کوھی‘‘ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۱۳۱) -

تھے ھی ، منحرف ھو گئے ۔

بیت

جو حاکم ھوا عدل کر اختیار
کہ ظالم کی دولت نہیں پاے دار

جب یہ خبر اطراف میں مشہور ھوئی ، راجا بیر بکرما جیت اُجین کا راجا فوج کشی کر کے اس پر چڑھ آیا اور یہ بھی اپنی فوج لے کر اس کے مقابل ھوا ۔ دونوں لشکر آپس میں خوب لڑے اور ھزاروں جوان مارے پڑے ۔ میدان دریاے خوں ھوگیا ، رزم گاہ کا حال دگرگوں ھوگیا ۔ اجسام بہادروں کے تیروں کی کثرت سے نیستان بن گئے اور سینے دلاوروں کے پیکانوں کی بہتایت سے یک لخت چھَن گئے ۔ آبِ تیغ کی موجوں نے فوجوں کو موت کے گھاٹ لگا دیا بلکہ رختِ ھستی ھر ذی حیات کا ایک لخت بہا دیا ۔ آفریں صد آفریں دلاورانِ طرفین کی جرأت و شجاعت پر کہ ھر ایک نے حیات کے رشتے کو توڑا لیکن دمِ واپسیں تلک دم خنجر و شمشیر سے منہ نہ موڑا ۔ آخر راجا سکھونت کو ھی کو مقاومت کی تاب نہ رھی ، پانوں[1] اُس کے اُٹھ گئے لیکن رزم گاہ ھی[2] میں مارا پڑا اور راجا بیر بکرما جیت فتح یاب ھو کر پھرا ۔ غرض راجا سکونت کی حکومت چودہ برس رھی ۔

۱۔ ”پانؤں“ نسخۂ اول (ص ۲۷۲) مطبوعہ ۱۸۰۸ء کا یہی املا ہے ۔ نسخۂ دوم (ص ۱۹۴)) اور نسخۂ چہارم (ص ۲۵۴) اسی کے موافق ہے : البتہ نسخۂ سوم (ص ۲۱۲) میں ” پاوں “ چھپا ہے ۔ نسخۂ انجمن (ص ۳۱۳) میں ”پانؤ“ ہے ۔

۲۔ ”رزم دھی“ نسخۂ اول (ص ۲۷۲) ، نسخۂ دوم (ص ۱۹۴) ، ”رزم گاہ ھی“ نسخۂ سوم (ص ۲۱۲) ، نسخۂ چہارم (ص ۲۵۴) صحیح ۔

نظم

اگر شیر سے گرگ آکر لڑے
مقرر وہ نا فہم مارا پڑے

جو سُن مکھ ہو شہ زور سے ناتواں
تو جاتی رہے جان اس کی نداں

راجا بیر بکرما جیت بن گندھرپ سین

اُس کی ولادت کے احوال میں اختلاف بہت ہے اور صاحب ''خلاصۃ الہند'' یہ لکھتا ہے کہ بعضی تاریخوں اور اکبر نامے سے یوں دریافت ہوا ہے کہ آبا و اجداد سے یہ اُجین کا راجا تھا۔ باپ اس کا گندھرپ سین لیکن ''سنگھاسن بتیسی'' کے ترجمے سے یہ بوجھا جاتا ہے کہ ایک دن مجلس نشاط میں راجا اندر کے سامہنے (سامنے) کتنی اچھرائیں ناچ رہیں تھیں۔ عجائب سماں بندھ رہا تھا کہ عین مزے میں گندھرپ سین بن اندر کی نگاہ ایک اچھرا پر پڑنے لگی، بلکہ دم بہ دم اُس سے آنکھ لڑنے لگی اور وہ راجا کی منظورِ نظر بھی تھی۔ راجا اس حالت کو دیکھ کر نہایت برہم ہوا۔ وونھیں (ووں ھی) اپنے بیٹے کو سراپا کہ عالمِ علوی سے عالمِ سفلی میں جا کر دن بھر گدھے کے بھیس میں رہے اور رات بھر انسان کے؛ یہاں تک کہ ایک راجا عظیم الشان اس کا پیکرِ حماری آگ میں جلاوے، تب اپنی صورتِ اصلی میں آکر پھر عالمِ ملکوت کی طرف مراجعت کرے۔ فی الفور گندھرپ سین اپنے مکان سے جدا ہو، گدھے کی صورت بن، متصل دھارا نگر کے ایک تالاب میں گرا اور وھیں ساکن ہو، اس ارادے پر کہ یہاں کے راجا کی بیٹی لیجیے تا اس جثۂ حماری سے نجات پائیے کیوں کہ راجا اس کو مقرر جلاوے گا اور میں شکل اصلی سے متشکل ہو کر اپنے مکانِ مانوس

کو راهی هوں گا ۔ وہ اس اندیشے میں تھا کہ ایک برهمن نہانے کو اس تالاب کے کنارے وارد هوا ۔ گندهرپ سین اس کی آهٹ سن کر پانی میں سے بولا ''اے بامنھ! میں گندهرپ سین راجا اندر کا بیٹا هوں ۔ یہاں کے راجا سے جا کر کہہ اپنی بیٹی کو مجھ سے بیاہ دے، پھر جو کچھ اس کی حاجت هوگی، اسے بر لاؤں گا اور جو نہ مانے گا تو اس کی ساری مملکت خاک میں ملاؤں گا'' ۔ بامنھ نے اس دن تو اس آواز کا اعتبار نہ کیا، جب دو تین روز پیہم سُنی، ناچار راجا دھار سے اس کی حقیقت کہی ۔ راجا متجب هو کر آپ اس کے کنارے پر آیا اور اس صدا کو بہ گوش خود سنا ۔ بعد اس کے یوں کہا کہ اگر واقعی تو راجا اندر کا بیٹا ھے اور قدرت امورِ غریبہ کے سر انجام کی رکھتا ھے تو ایک شہر پناہ آهنی اس شہر کے گرد بنا دے تا مجھے تیرے قول کا اعتماد هووے؛ پھر اپنی بیٹی کی شادی تجھ سے کر دوں ۔ گندهرپ سین نے فی الفور قاضی الحاجات کی درگاہ میں مناجات کی ۔ معمارِ حقیقی کی قدرت سے بدون معمار ارر لوهار کی مدد ایک حصار آهنی نہایت مستحکم شہر کے گردِ نمود هوا ۔

بیت

حصار اس طرح کا عریض و بلند
نہ پہنچے جہاں وهم کی بھی کمند
نہ دیکھا کسی نے کبھی نے سنا
سو لوھے کا اک آن میں بن گیا

خلق اس سانحۂ عجیب کو دیکھ کر اچنبھے میں پڑ گئی اور راجا کی عقل جاتی رهی؛ وونھیں (ووں هی) وفاے وعدہ کے لیے تالاب پر جا کر پکارا کہ اس امرِ عجیب کے ظاهر هونے سے مجھے تیری

بات کا یقین ہوا ، دغدغہ مطلق نہ رہا ۔ اب تو پانی میں سے نکل کہ اپنی بیٹی کا جلد تجھ سے عقد کر دوں ۔ گندھرپ سین فی الفور بہ ہیئت حماری اس آب گیر سے باہر نکلا ۔ راجا اس کو دیکھتے ہی گرداب حیرت میں غرق ہو اور عرقِ خجالت میں ڈوب گیا ، جب اس حالت سے نکلا جی میں سوچا اگر اپنی بیٹی اسے دوں تو اپنے بیگانے شماتت کریں گے اور جو نہ دوں تو یہ قدسی نژاد مجھے میرے اہل مملکت سمیت خاک سیاہ کر دے گا بلکہ ایک متنفس کو جیتا نہ چھوڑے گا ۔ گندھرپ سین اس کے من کی بوجھ کر بولا : ''اے راجا ! مجھ کو اس پیکر میں دیکھ کر غم‌گین مت ہو ۔ یہ حکمت الٰہی ہے کہ دن کو گدھے کی صورت رہتا ہوں اور رات کو آدمی کی شکل بنتا ہوں ۔ القصہ راجا دھار کی یہ مجال نہ ہوئی کہ اس امر سے پھرے ، چار و ناچار اپنی بیٹی کو اس کے ساتھ بیاہ دیا ۔ گندھرپ سین دن کو تو گدھے کی شکل ہو طویلے میں گھاس کھاتا اور رات کو محل میں جا کر اپنی دلھن کے ساتھ عیش مناتا ، لیکن راجا دھار دشمنوں کی شماتت اور ہرزہ گوؤں کی طعنہ زنی سے رنجیدہ و خجل رہتا تھا اور ہمیشہ اس امر کے تدارک میں تفکر و تردّد کیا کرتا ۔ ایک شب کا ذکر ہے کہ گندھرپ سین بہ عادتِ معہود جثّۂ حماری چھوڑ کر بہ صورت انسان حرم سرائے میں گیا تھا۔ راجا نے جو قابو پایا، اس جسم کو آگ میں جلا کر راکھ کر دیا ۔ گندھرپ سین اسی وقت باہر نکل آیا اور کہنے لگا ''اے راجا! مجھے جس وقت اندر نے سراپا تھا ، اس وقت یہ کہا تھا: 'جب اس گدھے کی کھال کو ایک راجا جلا چکے گا ، میں پھر عالمِ سفلی سے مکان اصلی کو جس شکل سے تھا ، ویسا ہی ہو کر جاؤں گا' ۔ تو نے بڑا احسان کیا کہ اس کو جلا کر میرا کال کاٹا اور وبال

دور کیا، خدا تجھے جزائے خیر دیوے۔ اب تیری خدمت میں التماس کرتا ہوں پہلے ایک بیٹا بھرتری نام میرے یہاں ایک چیری سے پیدا ہو چکا ہے، اب تیری بیٹی جو پیٹ سے ہے، یہ بکرما جیت ایک لڑکا جنے گی، ہزار ہاتھی کا زور اس کے جسم میں ہوگا۔ غرض صفحۂ روزگار پر ان دونوں کا نام تا روزِ قیامت ثبت رہے گا۔ اب اثرِ اندر کی دعائے بد کا نبڑ چکا ہے، مجھے عالمِ علوی میں جایا[1] چاہیے۔ بس تم سے رخصت ہوتا ہوں''۔ یہ کہہ کر آسمان کی طرف اڑا اور نظروں سے غائب ہوا۔ راجا اس امرِ عجیب کے مشاہدے سے ہکا بکا سا رہ گیا، ندان پچتانے لگا کہ اس قدسی نژاد کی مجھ سے افسوس کچھ خدمت نہ ہو سکی، اتفاق حسنہ سے یہ اس عالم میں وارد ہوا تھا۔ ساتھ اس کے جب یہ دھیان کیا کہ میری بیٹی سے اس کا ایک لڑکا ایسا شہ زور پیدا ہوگا کہ ہزار ہاتھی کی قوت اس میں ہوگی، تب ڈرا کہ احیاناً اس کا تسلط جو اس عالم میں ہوا تو اپنے قوت بازو سے میری سلطنت چھین لے گا اور میں اس سے مقابلہ نہ کر سکوں گا۔ کتنے اشخاص تعینات کیے کہ جب یہ لڑکی بیٹا جنے، اس کو میرے پاس فی الفور اٹھا لاویں کہ میں اس کا کام تمام کروں اور اس کے شر سے بچوں۔ وہ لڑکی ایک تو گندھرپ سین کی آتشِ فراق سے جلتی بلتی تھی، جب دیکھا کہ یہ گروہ اس بات پر متعین ہوا ہے کہ جس وقت میں لڑکا جنوں، اس کو ٹھکانے لگاوے، زندگی اس کو اور بھی دوبھر ہوئی۔ دیکھا کہ اس صدمے کی تاب نہ لا سکوں گی؛ پیش از اس کے ایک چھری سے اپنا شکم چاک کر ڈالا اور رشتہ حیات کا قطع کیا۔ اتفاقاً نواں مہینہ لگ چکا تھا اور ارادۂ الٰہی میں یہ

۱۔ ''جایا'' چاروں نسخوں میں ہے اس لیے نسخۂ انجمن (ص ۳۱۶) میں ''جانا'' غلط ہے۔

ٹھہرا تھا کہ یہ لڑکا دنیا میں پیدا ہووے اور وے کام کرے کہ کسی بشر سے نہ ہوئے ہوں اور نہ ہو سکیں ۔ بنا بر اس کے بیر بکرما جیت اس کے پیٹ سے جیتا نکل پڑا اور نو پیدایش بچوں کی مانند رونے لگا ۔ نگہ بان اسی وقت راجا کے حضور اس کو لے گئے، کیفیت اس کی ماں کے مرنے کی اور حقیقت اس کی پیدایش کی من و عن عرض کی ۔ راجا ،گندھرپ سین کے لیے پہلے سے مغموم تھا ، اب جو بیٹی کا مرنا سنا ، غم اس کا زیادہ بڑھا ۔ غرض اس طفل یتیم کو دیکھتے ھی مہر دل میں آ گئی ۔ اسی وقت اس کی پرورش کے لیے دودھ پلائی دائیاں کئی رکھ دیں ۔

رباعی[1]

تو بھول کے بھی ستم ضعیفوں پہ نہ کر
ھے آہ سحر میں اُن کی شعلے کا اثر
زنہار صغیروں کو نہ ایذا دینا
کرتے ھیں ترحّم اُن پر شیر و اژدر

اور اسی طرح بھرتری کی بھی پرورش و تربیت پر متوجہ ہوا ۔ فضل الٰہی سے دونوں بھائی تھوڑے دنوں میں بڑے ہوئے لیکن بیر بکرما جیت کی جبین مبین سے جو علامتیں سلطنت و ریاست کی ہویدا تھیں ، اس سبب راجا اس کو بہت پیار کرتا تھا ۔ جب جوان ہوا ، صوبہ داری مالوے کی اس کے لیے مقرر کی ۔ پھر بکرما جیت

۱۔ فارسی قطعہ جس کا ترجمہ افسوس نے رباعی کی صورت میں کیا ھے ، یہ ھے :

بخشبی بر صغیر کن شفقت — کیست کو ایں دقیقہ فہم کند
نیست بے رحم تر ز شیر کسے — شیر ھم بر صغیر رحم کند
(خلاصہ ، ص ۱۳۵)

نے راجا کی حکومت میں درخواست کی کہ بڑے بھائی کے ہوتے میں حکومت کا سزاوار نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ناظم وہ ہو اور دیوانِ میں ہوں۔ راجا نے یہ بات اُس کی نہایت پسند کی ؛ حکومت وہاں کی بھرتری کو بخشی اور دیوانی بکرماجیت کو۔ پھر دونوں کو رخصت کیا۔ جب یے (یہ) صوبۂ مذکور میں پہنچے، بھرتری نے اُجین کو دارالامارت مقرر کیا۔ وہیں مسند حکومت پر بیٹھا اور بیر بکرماجیت بھی پایۂ وزارت پر قائم ہوا ، نظم و نسق امور ملکی و مالی کے بہ خوبی کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ دونوں بھائیوں نے اکثر ملک جو متصل اس ولایت سے تھے ، اُن پر قبضہ کر لیا اور کتنے حاکموں کو اپنا محکوم کیا۔ پھر تو حکم ان کا اکثر ملکوں پر جاری ہوا اور آبادی اُجین کی طول میں تیرہ کوس اور عرض میں نو کوس ٹھہری۔ راجا بھرتری از بس کہ اپنی رانی کو کہ نام اس کا سیتا[1] تھا ، بنگلا (پنگلا) بھی اس کو کہتے تھے، بہت چاہتا تھا ؛ اس واسطے اکثر محل میں رہتا اوقاتِ عزیز اپنی اس کے ساتھ عیش و عشرت میں کھوتا ، ملکی مالی مقدمات کی طرف متوجہ کم ہوتا ، بالکل مدار مہاتِ حکومت و سلطنت کا بیر بکرماجیت پر تھا ؛ وہ خیر خواہی سے راجا کو بیش تر نصیحت کیا کرتا کہ محل سرا میں بیش تر اوقات بسر کرنا ، امور سلطنت پر دھیان نہ دھرنا مناسب نہیں۔ رانی اس واسطے اُس سے یا اس لیے کہ مدارالمہام سلطنت کا تھا ، آزردہ تھی۔ سخت سست راجا کو کہہ کر اس بات پر لائی کہ بیر بکرماجیت کو مملکت سے اخراج کرے اور خدمت

۱- ازاں جا کہ راجہ بھرتری را با اہلیۂ خویش کہ اننگ سیتا نام داشت و آں را ''پنگلا'' نیز گفتندے ، الفت بسیار بود۔ (خلاصہ ، ص ۱۳۵)۔

افسوس نے صرف ''سیتا'' نام لکھا ہے اور ''خلاصۃ التواریخ'' میں ''اننگ سیتا'' ہے۔ دوسرا نام ''بنگلا'' نہیں ''پنگلا'' ہے۔ (فائق)

مختاری کی اس سے لے لی۔ وہ مسلوبِ عقل محکومِ زن بھائی سے ایسا پھر گیا ، نہ برادری کا لحاظ کیا ، نہ حقوق جاں فشانی کے سمجھا ؛ ایک عورت خانہ بر انداز ناقص العقل کی خاطر سے اُس انسانِ کامل کو شہر بدر کیا ، اپنے ہاتھ سے اپنا بازو توڑ دیا ۔

نظم[1]

محبت پہ عورت کی ہرگز نہ جا
کہ انجام اس کا نہیں جز دغا
لگاوٹ ہے اس کی سراسر فریب
نہ کہنا اس کا تو اے برادر فریب
اگر مکر کا اپنی پھیلائے دام
تو پھس[2] جائیں دنیا کے دانا تمام
قوی اُس کا ہے مکر شیطان سے
تدارک ہو کب اُس کا انسان سے

۱۔ ''خلاصۃ التواریخ'' (ص ۱۳۶) ۔ میں صرف یہ تین شعر ہیں جن کا آزاد ترجمہ افسوس نے چار شعروں میں کیا ہے :

عزیزاں را کند کید زناں خوار
بہ کید زن شود دانا گرفتار
ز کید زن دل مرداں دو نیم است
زناں را کید ہائے بس عظیم است
زن از پہلوے چپ شد آفریدہ
کس از چپ راستی ہرگز نہ دیدہ

۲۔ ''پھس'' نسخۂ اول (ص ۲۷۸) ، نسخۂ دوم (ص ۱۹۸) ، نسخۂ سوم (ص ۲۱۷) ۔

''پھنس'' نسخۂ انجمن (۳۱۹) ۔ طبع اول میں نون ''پھس'' کے ساتھ نہیں لکھا ہے ، اساتذۂ قدیم بھی اشعار میں ''پھس'' کا قافیہ ''بس'' سے باندھتے تھے ۔

جب ایک مدت اس پر گزری ، اتفاقاً ایک برهمن کے قوت ریاضت سے ایک ایسا پهل هاته لگا که جو کوئی اُسے کهائے حیات ابدی پائے ؛ چناں چه اس نے وہ امرت پهل وجه معاش کی اُمید پر اپنی جورو کے کہنے سے راجا کی آ کر نذر کیا اور اپنی مراد کو پہنچا ۔ راجا از بس که اپنی زوجه سے تعشق رکهتا تها ، اس میوۂ جان بخش کو اُس کے حوالے کیا ۔ وہ قحبه اصطبل[1] کے داروغے سے گرفتار تهی ، اس تحفۂ عدیم المثل کو اُس نے اُسے دے ڈالا ۔ وہ لکها بیسوا[2] کی زنجیر عشق میں پاے بند تها ، اس نے اس ثمرِ نایاب کو لے جا کر بے تامل اس کے آگے رکھ دیا ۔ اس کی سمجھ میں یه آیا که زندگی جاوداں پرهیز گاروں اور نیک کرداروں کو چاهیے ، هم سیه کاروں کے حق میں اتنی هی زیست وبال هے ؛ بهتر یه هے که اس امرت پهل کو راجا کی خدمت میں گزرانیے کیوں که اس کے فیض عام سے ایک خلق نہال هے اور ایک عالم خوش حال ۔ بس ایسے شخص کی زندگانی اگر جاودانی هوجائے تو خلق الله تا قیامت آرام پائے ۔ ندان راجا کی خدمت میں آ کر اس پهل کو گزرانا ۔ راجا اس کو پہچان کر حیران رہ گیا ۔ آخرُ اس ماجرے کو تحقیق کیا اور رانی کے راز نہانی سے واقف هوا ۔ جب اس مکرهائی نے دیکها که بات اپنے هاته سے جاتی رهی ، مارے ڈر کے ایک اُونچے کوٹهے سے گر پڑی اور اسفل السافلین میں جا پہنچی ۔ راجا اس چهنال کی محبت سے نادم هوا ، اپنی عمرگراں مایه کے رایگاں جانے پر تاسف کیا ۔

۱۔ ''اسطبل'' نسخۂ اول (ص ۲۷۸) ، نسخۂ دوم (ص ۱۹۸) ، نسخۂ سوم (ص ۲۱۷) ۔

''اصطبل'' نسخۂ چهارم (ص ۲۵۹) اور نسخۂ انجمن (ص ۳۱۹) ۔

۲۔ لاکها نام (لاکها بیسوا) ۔ خلاصة التواریخ (ص ۱۳۶) ۔

بیت

زن بدکارہ کا مرنا بھلا ہے
نتیجہ زیست کا اُس کی برا ہے

لیکن اور کتابوں میں رانی کی چاہت کو میراخور سے اور مرنا اس کا اس وضع سے نہیں لکھا بلکہ اُس کی عصمت ثابت کی ہے اور موت اس کی یوں لکھی ہے ، کہ ایک دن راجا بھرتری شکار کھیلنے کو سوار ہوا تھا ۔ قریب شہر سے ایک موضع میں جو پہنچا ، کیا دیکھتا ہے کہ ایک رنڈی اپنے خصم کی ارتھی کے ہم راہ آ کر ہنسی خوشی اس کے ساتھ جل کر راکھ ہو گئی ۔ راجا نے اُس سراپا عصمت کی دوستی و وفاداری پر بہت سی تحسین و آفرین کی بلکہ ماجرا اس کا محل میں آ کر رانی کے سامنے بیان کیا ۔ اُس نے سن کر کہا کہ صاحبِ عصمت رنڈیوں کی محبت سے یہ بات بعید ہے کہ اپنا کام جلنے تک پہنچائیں اور ایک آہ سرد کے ساتھ نہ مر جائیں ۔ راجا کے دل میں یہ بات اس کی کھٹکا کرتی تھی ۔ ایک دن آزمایش کے لیے شکار گاہ میں سے کئی آدمی نالاں و گریاں بھیجے کہ شہر میں جا کر کہیں کہ راجا میں اور ایک دیو میں لڑائی ہوئی تھی ، آخر دیو غالب ہوا اور راجا مارا گیا ۔ انھوں نے اسی حالت سے اس خبر کو پہلے تو جا بہ جا منتشر کیا ، ندان رانی تلک بھی پہنچایا بلکہ اس کی صدق کے لیے راجا کا لباس خاص خون آلودہ دکھایا ۔ رانی کہ چاہت میں پکّی اور محبت میں پوری تھی ، جھوٹ سچ کی امتیاز نہ کی ، فی الفور جی سے گزر گئی ۔ دعوا اپنی محبت کا اثبات کیا اور نام اپنا نیک ناموں کے دفتر میں لکھوا دیا ۔

بیت

محبت میں جنھوں نے جی گنوایا
انھوں ہیں (ھی) نے مزا جینے[1] کا پایا

اور بعضی کتابوں کی رُو سے یوں معلوم ھوتا ھے کہ راجا بھرتری کے دو جوروئیں تھیں اور دونوں کو چاھتا تھا ۔ ایک تو میرا خور کی محبت کے نتیجے سے کوٹھے سے گر کر ھلاک ھوئی ؛ نام اس کا سیتا (اننگ سیتا) تھا ۔ دوسری جو راجا کے مرنے کی خبر سن کر بلا توقف مر گئی ، وہ پنگلا کر مشہور تھی ۔ قصہ کوتاہ راجا بھرتری اس فاسقہ کے مرنے کے بعد غیرت سے یا اس زنِ صالحہ کی موت کے غم سے سلطنت کو چھوڑ صحراے تجرد کا راھی ھوا ، آخر منزلِ مقصود کو پہنچا ۔ ریاضت و عبادت کی کثرت سے نورِ ھدایت اس کے باطن میں پیدا ھوا ، پردہ تاریکی کا دیدۂ دل کے آگے سے اٹھ گیا ، دوست کا جمال دم بہ دم دیکھنے لگا ۔ اجل کے صدمے سے بھی بچا ، حیات جاودانی کے محوطے میں مقیم ھوا ۔ سبب اس کا یا وہ امرت پھل ھے یا عباداتِ شاقّہ ۔ غرض ھنود کے نزدیک وہ اب تک جیتا ھے اور چھپے چھپے عالمِ سفلی کی سیر کرتا ھے ۔

بیت

ملی جن کو حیاتِ جاودانی
حقیقت ان کی یارو کس نے جانی

جب راجا بھرتری نکل گیا ، ملک بے والی ھوا ؛ پھر ایسا کون تھا کہ دیؤں (دیووں) کے شر سے خلق اللہ کو بچاتا ۔ چناں چہ اطرافِ ممالک

۱۔ نسخۂ اول (ص ۲۷۹) ، پر ”جینا“ لکھا ھے ۔ نسخۂ دوم (ص ۱۹۹) اور نسخۂ سوم (ص ۲۱۸) میں ”جینے“ ھے جو صحیح ھے ۔

میں ہزاروں عفریت پھیل گئے اور آدمیوں کو اذیت حد سے زیادہ پہنچانے لگے ۔ شہر آجین میں بھی پرتھپال[1] نام ایک دیو جس کے فرماں بردار بہتیرے دیو مردم آزار اور اکثر عفریت آدم خوار تھے ، وارد ہوا اور وہاں کے لوگوں کو ستانے بلکہ کھانے لگا ۔ اکثر تو اس کے کام ناکام کے لقمہ ہوئے اور بہتیرے اپنی جان بچا کر وہاں سے بھاگ نکلے ۔ وہ شہر آباد کہ برابر ایک مملکت کے تھا ، تھوڑے دنوں میں آجاڑ ہو گیا ۔ سچ ہے کہ ولایتِ بے والی حکم تنِ بے سر کا رکھتی ہے ۔

بیت

جہاں باں سے ہے گا جہاں کا وقار
نہ ہو سر جو تن پر تو جُثّہ ہو خوار

جب اس ملک کے باشندے بہت سے وہ بے رحم کھا چکا ، تب وہاں کے سرداروں نے آپس میں مشورت کر کے اس سنگ دل سے یہ التماس کیا کہ اپنی خورش کی تعین کرو تا ایک آدمی اپنی باری میں حاضر ہووے اور باقی اشخاص اس روز آفت سے بچے رہیں ۔ یہ بات اس نے قبول کی اور فرمایا کہ اپنی باری کے دن وہ شخص مسندِ حکومت پر حکم راں ہو اور سارے ارکانِ دولت اُس کے حکم سے امورِ ملکی و مالی اس روز تا شام جاری رکھیں بلکہ ہر متنفس ایک بات کا بھی اس کی تکرار نہ کرے اور سرِ اطاعت اُس کے آگے دھرے ۔ جب رات پڑے تب وہی شخص میرا لقمہ ہووے ۔ سبھوں نے بہ حسب ضرورت اس بات کو قبول کیا اور اہل شہر پر اس نوبت کو قرار دیا ۔ چناں چہ ہر روز ایک شخص اُن میں سے اپنی باری کے دن تا شام سلطنت کرتا

۱۔ در شہر اوجین بیر بتال نام دیوے بود ۔ (خلاصہ ، ص ۱۳۷) ۔

اور وقت شب اس کا لقمہ بنتا اور باقی باشندے شہر کے باورچی خانے کی بکریوں کے مانند مترصد ہلاکت کے رہتے ۔ اے یارو جو اپنے احوال پر نگاہ[1] کرو تو یہی صورت تمھاری عفریت اجل کے ہاتھ سے ہے ۔ چناں چہ نوبت بہ نوبت ہر ایک تم میں سے اس کا لقمہ ہوتا ہے ۔ تس پر اوقات اپنی غفلت میں کھوتا ہے ۔ جان لو کہ کوئی متنفّس اُس کے ہاتھ سے نہ بچے گا اور سلامت ہمیشہ نہ رہے گا ۔

نظم

جہاں کسں سے کرتا ہے بھائی وفا
تو خالق سے بس اپنے دل کو لگا
جہاں کی نہ رھنا تو امید پر
کہ مارے ھیں تجھ سے بہت پال کر

جب ایک مدت اس پر گزری ، اتفاقاتِ حسنہ سے ایک جماعت بنجاروں کی گجرات سے آ کر اُجین کے قریب دریا کے کنارے اتری ۔ بیر بکرما جیت بھی بہ عہدۂ نوکری اس سفر میں بنجاروں کا رفیق تھا ۔ جب رات ہوئی بہت سے گیدڑ اپنی عادت پر بولنے لگے ۔ ان میں ایک گیدڑ اپنی زبان میں یوں کہنے لگا کہ بعد دو تین گھڑی کے ایک مردہ اس دریا میں بہتا ہوا آتا ہے ، چار لعل بیش قیمت اُس کی کمر میں بندھے ھیں اور ایک فیروزے کی انگوٹھی انگلی میں ۔ جو کوئی اس مُردے کو نکال کر مجھے کھلاوے ، سلطنت ہفت اقلیم کی اس کے ہاتھ آوے ۔ بیر بکرما جیت چرند پرند کی بولی سمجھتا تھا ۔ اس کا کلام سن کر دریا کے کنارے آ کر منتظر کھڑا رہا ۔ بعد دو ساعت کے کیا دیکھتا ہے ، ایک مردہ دریا میں بہتا چلا آتا ہے ؛ وونہیں (ووں ھی) اس کو اٹھا لیا ۔ انگوٹھی اس کی انگلی

۱- ''نظر'' نسخۂ انجمن (ص ۳۲۲) میں ہے ۔

میں دیکھی اور لعل کمر میں پائے ۔ تب گیدڑ کے تئیں سچا جان کر اس جسم بے جان کو اس کے آگے لا کر ڈال دیا اور آپ امید وار سلطنت کا ہوا ۔ دوسرے دن اجین کی سیر کو گیا ۔ بہ سبب اس کے کہ وہ اس کا مسکنِ مالوف تھا ، ہر کوچہ و بازار میں پھرنے لگا ۔ جب ایک کمھار کے دروازے پر پہنچا ، کیا دیکھتا ہے کہ سواری مع تجمّلات شاہی وہاں کھڑی ہے اور سب ارکانِ دولت بھی سپاہ سمیت حاضر ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اس کے بیٹے کو ہاتھی پر سوار کرکے تخت گاہ کی طرف لے جائیں ۔ طرفہ تر یہ ہے کہ باپ اس کے گریبان چاک اپنے دروازے پر کھڑے خاک اڑاتے ہیں اور اشکِ خونیں اپنی آنکھوں سے متصل بہاتے ہیں ۔ بیر بکرما جیت یہ حالت دیکھ کر حیران ہوا کہ یے تو سب اسباب شادی کے ہیں ، پھر گریہ و زاری کس باعث ۔ آخر رہ نہ سکا ، اس ماجرے کو کسی سے دریافت کیا ۔ بعد اس کے کمھار کے بڑھاپے پر اور اس کے بیٹے کی جوانی پر رحم کر کے مخاطب ہوا کہ اے بیر مرد ! تو ہرگز غم نہ کھا اور مطلق نہ رو کہ میں تیرے بیٹے کے عوض اس دیو کے آگے جاتا ہوں ۔ یا مدد الٰہی سے اس کو مار خلق اللہ کو اس کے پنجۂ ظلم سے چھڑاتا ہوں یا مارے جا کر بہشت کی نعمتوں کے مزے اٹھاتا ہوں ، کیوں کہ جو کوئی کسی کے بدلے مارا جاوے ، البتہ اس عالم میں راحتِ ابدی پاوے ۔ یہ سن کر کمھار اور اکثر اشخاص بولے ”ہمیں کیا لازم ہے کہ ایک مسافر کو نا حق لقمہ دیوِ مردم خوار کا بنائیں ۔ بالفرض اگر آج یوں کیا تو کل کیا کریں گے ، یعنی کس کو اس کے عوض بھیجیں گے ۔ بہتر یہی ہے کہ اوروں کی طرح یہ بھی اپنی باری کے دن آپ جا حاضر ہووے“۔ القصہ بیر بکرما جیت نے

اس مقدمے کے بیچ نہایت جد و کد کر کے اس کمہار کے بیٹے کی نوبت اپنے پر لی اور بہ طورِ معین پوشاکِ شاہانہ پہن کر عطر پاکیزہ ملے؛ پھر سلاح و یراق سج کر فیلِ کوہ پیکر پر سوار ہو نہایت تزک و تجمل سے شادیانے بجاتا قلعے میں داخل ہوا اور تخت شاہی پر اجلاس فرمایا ۔ ارکانِ دولت بہ قدر مراتب اپنے اپنے پائے پر قائم ہو کر امورِ مملکت میں مشغول ہوئے اور حسب الحکم حضور قسم قسم کے کھانے اور طرح بہ طرح کے شربت قلعے کے اُس دروازے پر کہ جو دیو کی گزر گاہ تھا، مہیا کیے لیکن بیر بکرما جیت کی پیشانی پر آثار سلطنت کے نمودار جو دیکھے، تمام دن اُس کی سلامتی کے لیے دست بہ دعا رہے ۔ جب رات ہوئی، دیو نے بہ دستور وہاں آکر بہ خواہش تمام وے نفیس نفیس طعام زہر مار کیے اور شربت بھی انواع و اقسام کے پیے ۔ بعد اس کے اندر گیا، دیکھا کہ ایک جوان نہایت وجیہ تخت پر بیٹھا ہے ۔ چاہتا تھا کہ آگے بڑھے، بیر بکرما جیت دیکھتے ہی اُسے مستعد جنگ کا ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا ۔ آخر دونوں میں کشتی ہونے لگی ۔ کبھی دیو غالب ہوتا تھا، کبھی وہ ۔ آخر کام کشتی سے گزر گیا؛ تب بیر بکرما جیت نے تلوار میان سے لی کہ کام اُس نا بکار کا تمام کرے ۔ دیو متامل ہوا کہ یہ جوان بھی بڑا زور آور قوی ہیکل ہے، اس سے صلح کیجیے اور راہ نجات کی لیجیے ۔ یہ سوچ کر لڑنے سے باز رہا اور یوں مخاطب ہوا کہ اے جوان! تو نے میری ضیافت بہ آئینِ شایستہ کی، کھانے لذیذ لذیذ کھلائے اور شربت لطیف لطیف پلائے، بنا بر اس کے میں نے تیری جان بخشی کی بلکہ تیری خاطر سے تمام شہر کو امان دی ۔ اب میں جاتا ہوں، سلطنت اس ملک کی تجھ کو مبارک ہو، کسی اور کو قابل اس امر کے نہ دیکھا تھا ۔

جب کوئی سہم تجھے در پیش ہو، مجھے یاد کیجیو، بلا توقف اپنے پاس پہنچا جانیو، کیوں کہ میں تیرا دل سے دوست اور ہوا خواہ ہوا؛ گاڑھ[1] کے وقت تیرا شریک ہوں گا بلکہ تیرے عوض آفت اپنے سر پر لوں گا۔ بیر بکرما جیت بولا ”میں چاہتا تھا کہ تجھے جان سے ماروں اور ایک خلق کے خون کا انتقام لوں لیکن تیرا کلام محبت سن کر قتل سے دست بردار ہوا اور تجھ کو بہل (بحل)[2] کیا۔ پس تقاضا محبت کا یہ ہے کہ تو یہاں سے چلا جا۔ جب مجھے ضرورت پیش آئے گی تجھ کو بلا بھیجوں گا“۔ عفریت بعد اس کلمہ و کلام کے آجیں سے چلا گیا۔ علی الصباح لوگ جو قلعے میں آئے، اُس کو جیتا دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ بھی تو انسان ہی تھا، پھر کیوں کر اس دیو مردم خوار سے بچ رہا بلکہ اُس پر غالب ہوا۔ شکر ہے قادر لا یزال کا جس نے ایسا زور آور بہادر جوان یہاں بھیجا کہ اس کی قوتِ بازو سے ایسا ظالم اس شہر سے نکلا۔ پھر تو ہشاش[3] بشاش ہو کر تمام اہلِ شہر کو جا خبر کی۔ امرا وزرا نے وہاں آ کر جو اُسے زندہ دیکھا، جانا کہ دیو اُس سے عہدہ بر آ نہ ہوا اور بھاگا۔ متامل ہوئے کہ یہ شخص کوئی قدسی نژاد ہے یا صلب کسی بادشاہ بلند اقبال کا یا بیربکرماجیت راجا بھرتری کا بھائی؛ و الاّ انسان کی کیا قدرت کہ اُس سے اپنے

۱۔ ہرگاہ مہمے بہ تو روے دہد۔ (خلاصۃ التواریخ، ص ۱۳۰) ”سہم“ کا ترجمہ افسوس نے ”گاڑھ“ کیا ہے، (فائق)

۲۔ ”بہل“ نسخۂ اول (ص ۲۸۴) نسخۂ دوم (ص ۲۰۲) نسخۂ سوم (ص ۲۶۵) غلط۔ ”بحل“ نسخہ سوم (ص ۲۲۲) صحیح۔ ”بہل“ (خلاصہ ص ۱۳۰)۔

۳۔ ”حشاش“ چاروں نسخوں میں یہی املا ہے، نسخۂ انجمن (ص ۳۲۶) میں ”ہشاش“ ہائے ہوز سے صحیح ہے۔

تئیں بچاوے ، اور یہ تو محال ہے کہ اُس کو بھگاوے ۔ ندان پرسشِ احوال سے معلوم ہوا کہ پیر بکرما جیت ہے لیکن اُسے نکلے ایک مدت جو گزرگئی تھی ، پہچانا نہ جاتا تھا ۔ آخرکردار و آثار اُس کے جو بہ غور دیکھے ، شاد ہوئے کہ خدا کا شکر ہے دیو کا تسلط اس مملکت پر سے گیا اور حق بہ حق دار پہنچا ۔ پھر سبھوں نے کمرِ خدمت باندھی اور اطاعت اُس کی اپنے پر لازم پکڑی ۔ امورِ مملکت بہ خوبی جاری ہوئے ، ظالم سرکش ظلم و سرکشی سے عاری ہوئے ۔ ہر ایک نے موافق اپنے حوصلے کے مجلسِ نشاط ترتیب دی ، شراب عیش متصل چلنے لگی ۔ شہر میں کوئی گھر نہ تھا جہاں مبارک سلامت نہ تھی ، جس میں ناچ راگ کی صحبت نہ تھی ۔ پیر و جوان کا غنچہ خاطر وا ہوا بلکہ غنچۂ تصویر بھی کِھل گیا ۔ باشندے شہر کے یک لخت شاد ہوئے ، ملک نئے سر سے آباد ہوئے ۔ نغمہ پردازوں کی صدا سے گنبدِ فلک گونج اٹھا اور سازوں کی نوا سے فرش سے لے عرش تلک بھر گیا ۔ رقاصوں کی گتیں دیکھ زہرہ کو مورچھا گت آنے لگی اور اُن کی چمک تمک کی ادا سے بجلی کی سرت جانے لگی ۔ عجب طرح کا جشن اہل شہر نے کیا کہ اِندر کی سبھا کا ہوش کھو دیا ۔ کوچہ بہ کوچہ نوبتیں بجنے لگیں ، گھر بہ گھر شادیاں مچ گئیں ۔ آخر فوج نشاط و انبساط کی یہ کثرت بڑھی کہ سپاہ درد و غم کی سب کی سب پائمال ہوئی ۔

ابیات[۱]

لگے بجنے قانون و بین و رباب
بہا ہر طرف جوئے عشرت کا آب

۱۔ خلاصة التواریخ میں صرف دو شعر نظم کے عنوان سے لکھے ہیں اور افسوس نے سات شعر لکھے ہیں ، اس لیے اسے ترجمہ نہیں کہہ سکتے
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴۵ پر)

لگی تھاپ طبلوں کی مردنگ کی
صدا اونچی ہونے لگی چنگ کی
کماچوں کو سارنگیوں نے بنا
خوشی سے ہر ایک آن کے سر میں ملا
لگا موم تاروں پہ منہ چنگ کے
طنبوروں کے سر کھینچے اک رنگ کے
ستاروں کے پردے بنا کر درست
بجانے لگے سب وہ چالاک و چست
ہر اک گھر میں تھا مطربوں کا ہجوم
پڑی ناچ اور راگ کی جگ میں دھوم
فلک پر بھی سازوں کی پہنچی گمک
اٹھا گنبد چرخ سارا دھمک

اتفاقاً وے دن ہولی کے تھے؛ چناں‌چہ ہر مجلس میں رنگ بھی پڑنے لگا۔ اور گلال عبیر اڑنے ۔ قمقمے جدھر تدھر لگے مارنے اور آئے آئے ہر طرف لگے پکارنے ۔ رنگت ہر ایک کے منہ کی ارغوانی ہوئی اور پوشاک زعفرانی ۔

نظم

عبیر اس قدر خاک اوپر گرا
طبق اک زمیں کا عبیری ہوا

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

دونوں کے شعر دیکھیے اور افسوس کی قادر الکلامی کی داد دیجیے ۔

خروش کوس و بانگ نائے برخاست
زمیں چوں آسماں از جائے برخاست
جہاں گردید یکسر خورمی دوست
فلک را بر درید از خورمی پوست

پڑے بس کہ بھوڈل کے ہر جا کنک
گئے جیسے تارے زمیں پر چھٹک

القصہ راجا کے تخت سلطنت پر بیٹھنے کے بعد قدر دانی اُس کی دیکھ کر وزیر، امیر، سردار، اهل کار مسرور ہوئے اور لطف و کرم سے اُس کے اکثر بے مقدور صاحبِ مقدور ہوئے۔ طریقہ فریاد کا جہان سے اُٹھ گیا، عدالت کا عملہ اکثر معطل رہنے لگا۔

بیت

ہوا عدل کا اس کے جگ میں یہ شور
مسافر کی چوکی لگے دینے چور

کوئی کنجی اور قفل کاہے کو لے
کہ رہتے ہیں دروازے اب یاں کھلے

سیر چشمی نے بھی اُس کی سپاہ و رعیت کو مرفہ حال کر دیا اور داد و دهش نے فقرا غربا کا گھر باہر[1] بھر دیا۔ پھر تو ہر متنفس اُس کے حق میں صبح و شام دعا کرنے لگا اور ہر ایک شخص مدام اس کی مدح و ثنا کرنے۔ ایام ریاست میں اس کے مینہ وقت پر برسا کیا، کال کبھو نہ پڑا۔ مفلس ایک متنفس نہ رہا، فقہ کسی نے نہ کیا۔ پرائے مال پر دست انداز کوئی نہ ہو سکا، ظلم و ستم کا رستہ مسدود ہو گیا، دزدی[2] و رہ زنی کا چلن مفقود ہو گیا۔

۱- چاروں نسخوں میں ''باہر'' ہے۔ نسخۂ انجمن (ص ۳۲۸) میں ''بار''۔

۲- ''دوزدی'' نسخۂ اول (ص ۲۸۵)، نسخۂ دوم (ص ۲۰۳)۔ ''دزدی'' نسخۂ سوم (ص ۲۲۳)، نسخۂ چہارم (ص ۲۶۷)۔

بیت

هر اک عہد میں اُس کے مامون تھا
بہ از خانہ ہر کوہ و ہامون تھا
کسی ملک میں تھا نہ چوروں کا ڈر
دکانیں کھلیں رہتی تھیں رات بھر

از بس کہ راجا کو سوائے علم و فضلِ ظاہری کے تصفیۂ باطنی بھی تھا ، بہ سبب اس کے ہر ایک کے دل کی بوجھ لیتا تھا اور غیب دانی بھی تھی ؛ چناں چہ گزشتہ و آیندہ کی بھی اکثر خبر دیتا تھا ۔

نظم

ہر اک راؤ و راجا کا سردار تھا
وہ اپنے زمانے میں اوتار تھا

شجاعت و ہمت بھی اُس کی ایسی تھی کہ دکھن اور اڑیسہ بنگالہ اور گجرات سومنات تلک لے لیا ، حکام کو وہاں کے اپنا محکوم کیا ۔ آخر راجا سکھوپت کو مار کر دلی بھی چھین لی ، تا کابل عمل کر لیا ۔ احوال راجا سکھوپت کے مارے جانے کا سابق اس سے لکھنے میں آیا ہے ۔ الغرض راجا کو از بس کہ معاونتِ فلکی و غیبی تھی ، بہ سبب اس کے حاجتیں ہر ایک محتاج کی اور مرادیں صاحبانِ مراد کی بلا مہلت بر لاتا ۔ کوئی اس کے در دولت سے محروم نہ جاتا بلکہ بعضے بعضے مطالب و مقاصد اہل غرض کے کہ قوتِ بشری سے خارج و احاطۂ عقلی سے باہر تھے ، اُن سے بھی منہ نہ پھیرتا اور بہ وجہ احسن سر انجام کر دیتا ۔ چناں چہ اُس کی حاجت روائی کی نقلیں عجیب عجیب کتنی کتابوں میں لکھی ہیں لیکن ''سنگھاسن بتیسی'' میں بیش تر ، کیوں کہ اس کتاب میں

فقط اُسی راجا عالی ہمت کا احوال ہے ، کسی اور کا نہیں ۔ باوجود اس کے اکثر اشخاص رئیسوں کی مجلسوں میں اُن کو مجلس افروز سمجھ کر بیان کرتے ہیں اور وے اُن کے مضامین پر بہ خوبی دھیان کرتے ہیں ۔

بیت

سُن بہ دل اہلِ سلف کی واردات
ایک دن کام آئے گی تیرے یہ بات

جب راجا بیر بکرماجیت دار فانی سے سرائے جاودانی کو گیا ، پانسو بیالیس برس کے بعد راجا بھوج نام ایک راجا بڑا نیک ذات ، خجستہ صفات ، صاحب عدل و داد ، عالی نژاد مالوے کا حاکم ہوا ، اور بررچ[1] (برج) پنڈت اس کا دیوان بھی نہایت خوش نیت و نیک دیانت تھا ؛ اسی واسطے راجا نے اس کو اپنا کلید عقل و مدارالمہام مقرر کیا تھا ۔ الغرض حکایات و نواقل عجیب و غریب اس راجا عالی مقدار اور اُس کے وزیر باوقار کی بھی ، بعد راجا بیر بکرماجیت کے ، زمانے میں تا ہنوز شہرت رکھتی ہیں ۔

اتفاقاً ایک دن راجا بھوج شکار کھیلنے ایک جنگل میں گیا تھا ؛ دیکھتا کیا ہے ، کہ بہت سے لڑکوں نے ایک طفلِ خورد سال کو بادشاہ ، اور ایک کو وزیر ، ایک کو[2] کوتوال ٹھہرا کر تمام عملہ فعلہ سلطنت کا اُن کے مطیع کیا ہے اور کھیل رہیں (رہے) ہیں ۔ بادشاہ بھی اُن کا ایک پشتے پر متانت و حکومت سے بادشاہوں کی مانند اجرائے امور سلطنت و احکامِ عدالت میں حکم کر رہا ہے ۔ راجا کے

۱۔ وزیرے برج پنڈت نام از فرط دانش کلید عقل راجہ و مدار علیہ ملک او بود (خلاصہ ص ۱۴۳) ۔

۲۔ ''کو'' نسخۂ اول (ص ۲۸۸) میں نہیں ، بقیہ نسخوں میں ہے ۔

آنے سے اصلا متردد نہ ھوا ، اُسی طرح بے پرواہ بیٹھا رھا ۔ مشہور ھے کہ اس بادشاہ بازی نے لعل کی چوری کا جھگڑا جو کسی بادشاہ والا جاہ سے انفصال نہ ھوا تھا ، اس کو اس خوبی سے چکایا تھا کہ عقلاے زمانہ حیران و بہ رنگِ تصویر نگران رہ گئے تھے ۔ راجا اس ماجرے کو سن کر اور اُس کی حکومت کو دیکھ کر متعجب ھوا اور بولا ''اس کو میرے پاس لے[1] آؤ''۔ جب اُسے پشتے سے نیچے اُتارا ، راجا کی ھیبت اُس پر غالب آئی ، لڑکوں کی طرح رونے لگا ۔ پھر راجا کے حکم سے پشتے پر لے گئے ، بہ دستور سابق جس طرح حکم رانی کرتا تھا ، پھر کرنے لگا ۔ راجا نے یہ حالت اُس کی دیکھ فرمایا کہ یہ تاثیر اس پشتے کی ھے ۔ اس لڑکے کا یہ حوصلہ نہیں ، اس کو جلد کھودو ۔ حسب الحکم جو اس کو کھودا ایک تخت جواھر نگار نپٹ اسلوب دار نکلا ؛ تب تو مہاراج کو یقین ھوا کہ سبب حکم رانی کا اس کی فقط یہی تخت تھا ، و الاّ یہ بے چارہ لڑکا امورِ عدالت و حکومت کو کیا جانے ۔ آخر کمال خوش و خرم ھو کر اپنے دارالسلطنت میں لے گیا ۔ چاھتا تھا کہ اُس پر پاؤں رکھے کہ بتیس پتلیوں میں سے ایک پتلی خدا کے حکم سے بول اٹھی کہ اے راجا بھوج ! یہ سنگھاسن راجا بکرماجیت کی ھے ، تو اُس کا سا ساکا کرے ، جب اس پر بیٹھ ۔ راجا اس کے بولنے سے متحیر ھو کر کہنے لگا '' اے پتلی ! وہ کون سا کام نادر راجا بیر بکرماجیت نے کیا ھے؟ بیان کر''۔ غرض بتیس پتلیوں نے بتیس کہانیاں عجیب و غریب راجا بھوج کے سامنے کہیں ۔ راجا اُن کو سن کر ساکت رہ گیا اور بررج پنڈت نے اُن کو

۱- ''کے'' نسخۂ اول (ص ۲۸۸) میں غلط ھے ۔ ''لے'' دوسرے نسخوں میں صحیح ھے ۔

سنسکرت[1] کی بھاکھا میں بہ خوبی لکھا۔ پھر اُس مجموعے کا نام ''سنگھاسن[2] بتّیسی'' رکھا ۔ چناں چہ وہ کتاب الی الآن ممالک محروسہ میں مشہور ہے ۔

بیت

کیے اُس نے وے کام زیرِ فلک
کہ بھیچک رہیں سُن کے جن کو ملک

یہیں سے دانایانِ روزگار و شاہانِ عالی مقدار نے مقرر کیا کہ جو بادشاہ و رئیس کہ بہ سبب کارہاے عمدہ شہرۂ آفاق ہو جاے اور اُس کا نظیر عدل و انصاف میں کم ہاتھ آئے ، تاریخ اُس کے جلوس کی اطراف و اکناف میں شائع ہو۔ اغلب کہ حاکمانِ عصر اُس کے رویے پر چلیں[3] اور امور خلق کو اُسی نہج سے انتظام دیویں۔ چناں چہ بہتیرے راؤ اور کتنے راجا عظیم الشان مملکت ہندوستان میں گزرے ہیں۔ تاریخ ہر ایک کی اُن میں سے اُن کی سلطنت ہی تلک رہی۔ جب کہ وہ ہستی سے اُٹھ گئے ، وہ بھی نیست و نابود ہو گئی ، مگر تاریخ راجا جدشتر کی کہ جا بجا مشہور ہوئی تھی ، الحال بھی موجود ہے۔ چناں چہ سابق احوال اُس کا کچھ کچھ لکھنے میں آیا ہے - پھر راجا بیر بکرماجیت بھی کہ صفاتِ محمودہ سے موصوف اور ملک ستانی و حاجت روائی میں معروف تھا ،

۱- ''سنسکیرت'' نسخۂ اول (ص ۲۸۹) ، نسخۂ دوم (ص ۲۰۶) -
''سنس کرت'' نسخۂ سوم (ص ۲۲۵) ، نسخۂ چہارم (ص ۲۷۰) -

۲- وبرج پنڈت وزیرش کہ در فضائل کمالات مشہور وقت خوش بود آں حکایات غریبہ را بہ زبان سنسکرت بہ تحریر در آوردہ کتاب مسمیٰ بہ سنگھاسن بتیسی درست کردہ ۔ (خلاصہ ص ۱۴۴) -

۳- ''چلن'' نسخۂ اول (ص ۲۸۹) ، نسخۂ دوم (ص ۲۰۶) -
''چلیں'' نسخۂ سوم (۲۲۶) ، نسخۂ چہارم (۲۷۰) صحیح -

تاریخ اس کے بھی جلوس کی مالوے کی سلطنت سے یا جس روز کہ راجا سکھوپت (سکونت) کو مار سلطنت دلی کی چھین لی تھی ، راجا جدشٹر کے تین ہزار چوان لیس (چوالیس) برس کے بعد اہل ہند کے دفتروں میں ثبت ہوئی اور اب تلک کہ اٹھارہ سے کئی برس اُس کے عہد کوگزرے ہیں ، نام اُس کا اور راجا بھرتری کا صفحۂ روزگار سے حک نہیں ہوا ۔ اغلب کہ تا انقضاے زمانہ باقی رہے ۔

بیت

جو موا اس دھر میں ہو نیک نام
تا ابد زندہ رہے گا اُس کا نام

پس ہر اہل حشمت و صاحبِ ریاست کو لازم ہے کہ حاجت روائی خلق میں اوقات بسر لے جائے اور لالچ کو کام نہ فرمائے ، کیوں کہ دنیا کی جاہ و حشمت کا کچھ اعتبار نہیں اور اُس کو مطلقاً و اصلا قرار نہیں ۔ ہستی اُس کی سرتاپا نیستی اور آبادی اُس کی مشرف بہ خرابی ۔ گُل اُس کے چمن کے خاردار اور نسیم بہار سمومِ کردار ۔ جس کو اُس نے دولت و نعمت سے کام ران کیا ، آخر اُسی کو افلاس و آلام سے سرگرداں کیا ۔

بیت

شہد ڈالا اُس نے جس کے کام میں
زہر گھولا آخر اُس کے جام میں

اکبر نامے میں لکھتا[1] ہے کہ راجا بیر بکرماجیت نے اواخرِ عمر ارادہ ملک گیری کا کیا اور دکھن میں جا کر سالباہن سے

۱- ''لکھتا'' نسخۂ اول (ص ۲۹۰) ، نسخۂ دوم (۲۰۷) ، نسخۂ سوم (ص ۲۲۷) ، نسخۂ چہارم (ص ۲۷۱) -
''لکھا'' نسخۂ انجمن (ص ۳۳۳) -

لڑا ۔ اتفاقاً اُس کے ھاتھ گرفتار ھو گیا ۔ جب دیکھا کہ وہ قتل کرتا ھے ، ملتجی ھوا کہ میرے سن اور تاریخ دفتر روزگار سے معدوم نہ ھوویں ، یہی ھوس ھے اور بس ۔ سالباھن نے اس کو قبول کیا اور بہ دستور سابق ان کو بحال رکھا ۔ چناں چہ اب تلک بھی زمانے میں رائج ھیں ، اور سن راجا سالباھن کے اس واسطے رھے کہ ایسے راجاے عالی شان رفیع المکان کو اسیر کر کے اُس نے قتل کیا ، پر ''راجاؤلی'' اور ''راج ترنگنی'' میں یوں نہیں لکھا بلکہ اُس کا مرنا سمندر پال جوگی کے ھاتھ سے ثابت کیا ھے ۔ تقریر اس کی یوں ھے :

جب راجا بیربکرماجیت دولت و ریاست سے کام یاب و کام ران ھو چکا ، ایک مدتِ مدید سلطنت اُس نے کی اور راحت خلق کو بخشی ، آخر گلشن جوانی کو صرصرِ پیری لگی اور قامت اس کی سرو سی بڑھاپے کے صدمے سے جھک گئی ۔ چہرے پر جُھریاں پڑیں ، آنکھوں کی بینائی گھٹی ، دانت ٹوٹ گئے ، کان سننے سے رھے ، دماغ ضعیف ھوگیا ، حواس میں خلل پڑا ، گوشت بدن پر نہ رھا ، استخوانوں پر پوست رہ گیا ، زندگی بد تر از مرگ ھو گئی ، حرکت غیر پر موقوف رھی ۔

بیت

نپٹ شیریں ھے جگ میں زندگانی
اگر دائم رھے عہدِ جوانی

اسی حالت میں سمندر پال جوگی بڑا جادوگر ، منتر جنتر سیکڑوں اُس کو یاد ، طلسم کے فنون میں اُستاد ۔ جس کو چاھے بات کہتے موہ لے ، ایک آن میں دیوانہ کر دے ۔ ساتھ اس کے علم خلع بدن میں بھی بڑی دست گاہ رکھتا تھا ؛ بارے کسی ڈھب سے راجا کی صحبت میں داخل ھوا اور اپنے فسانہ و فسوں سے اُس کو فریفتہ کیا بلکہ

وزرا امرا کو بھی مسخر کر لیا ۔ غرض اس قدر مسلط ہوا کہ راجا اور ارکانِ دولت اُس کے کہنے سے سر مو تفاوت نہ کرتے تھے اور اُس کے جادۂ اطاعت سے ایک قدم باہر نہ دھرتے تھے ۔ ایک دن مکر و فریب سے راجا کو کہنے لگا کہ بدن عنصری تیرا بہ سبب پیری کے نہایت زار و ناتواں ہو گیا ہے ، طاقت حرکت کی بھی نہیں رہی ۔ صلاح یہ ہے کہ خلع بدن کا طریقہ مجھ سے سیکھ کر اس جثۂ ضعیف کو چھوڑ اور کسی جوان کے ہیکرِ قوی میں کہ روح اُس سے تازہ جدا ہوئی ہو، در آ ، تا دُبارا[1] دولتِ جوانی و لذتِ جسمانی سے بہرہ مند ہو۔ راجا کے ایامِ زندگانی تمام ہو چکے تھے ، فوراً جوگی کے دم میں آ گیا اور اُس علم کو اُس سے سیکھ کر اپنی روح کے تئیں ایک جوانا مرگ کے جسم میں ڈال دیا۔ جوگی تو اس علم کا مشتاق تھا ، ووںہیں (ووں ہی) اپنی روح اُس نے راجا کے جسم میں ڈال دی اور بلا توقف اُس کو قتل کیا ؛ پھر تختِ حکومت پر قائم مقام اُس کا ہوا ۔

بیت

بہتیرے گرے خاک کے چڑھ گئے ہیں فلک پر
اور چرخ کے ساکن موے ہیں خاک میں رل کر

ہرچند کہ یہ حکایت مشہور ہے لیکن اہل خرد اور صاحبان تمیز اس کے قائل نہیں، اس کو ٹھیک نہیں جانتے ، کیوں کہ روح ایک ماہیت مجردہ و لطیف ہے ، بہ ذاتِ خود پیری و جوانی و ضعف ناتوانی سے مبرا ، مگر بہ واسطۂ بدن وے کیفیتیں اِسے عارض ہوتی ہیں ۔ ہرگاہ کہ راجا کا بدن بہ سبب پیری کے ناتواں ہو چکا تھا

۱۔ ''دبارا'' نسخۂ اول (۲۹۲) ۔
''دوبارا'' نسخۂ دوم (ص ۲۰۷) ، نسخۂ سوم (ص ۲۲۸) ، نسخۂ چہارم (ص ۲۷۳) ۔

اور حواس و قوئ بھی جواب دے چکے تھے ، پھر کیوں کر جوگی کی روح نے اُس کے بدن میں آ کر جوانی کی حالت بہم پہنچائی اور مصدر افعال مطلوبہ کا بہ خوبی ہوئی ، اس لیے کہ قوت و نقاہت اُس کی موقوف بدن پر ہے۔ سوائے اس بات کے تکذیب پر یہ بھی ایک دلیل ہے کہ جب راجا کے جسم سے جوگی کی روح نے علاقہ پکڑا ، پھر سمندر پال اُس کو کہنا کس واسطے تھا ، کیوں کہ علاقہ نام کا تشخص خاص سے ہے ، وہ بدون جسم کے ہوتا نہیں اور روح کچھ محسوس نہیں کہ اس کو زید یا عمر کہہ کر پکاریے ۔ یہ بات اگر فی الحقیقت ہوتی تو راجا بکرماجیت ہی اُس کو کہتے ۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ حکایت خلعِ بدن کی صحت نہیں رکھتی ، لیکن سمندر پال جو اُس کا انیس و جلیس جمیع اوقات تھا ، سوائے اس کے سحر و جادو کے سبب بھی راجا کو اُس نے مبہوت کر دیا تھا ، ساتھ اس کے ارکان دولت بھی اس سے گرویدہ تھے ، جب راجا اپنی موت مر چکا یا سالباهن نے اُسے مارا ، اهل کاروں نے متفق ہو کر اُسے تخت پر بٹھا دیا ۔ غرض جیسے کہ راجا بیر بکرماجیت کی پیدائش میں اختلاف ہے ، ویسا ہی اُس کے مرنے میں بھی چند در چند ہے ۔

بیت[1]

کیا فائدہ گو حشر تک اے یار تو جیتا رہا
ہونا ہے آخر تیرے تئیں اک روز لقمہ موت کا

۱۔ فارسی شعر جس کا ترجمہ افسوس نے کیا ہے ، یہ ہے :
گر تا قیامت زندہ ای آخر فنا آخر فنا
ور همچو خور تابندہ ای آخر فنا آخر فنا

کہتے ہیں کہ راجا کی عمر[1] گیارہ سے برس کی ہوئی اور د لی کی سلطنت نوے[2] برس کی ۔ پھر راجا سمندر پال کہ مملکتِ فقر چھوڑ کر پابند سلطنت کا ہوا ، ابتدا میں بہ ظاہر دن رات عبادت میں لگا رہتا تھا ، پر باطن میں اپنے صاحب سے ہمیشہ جدا رہتا تھا ۔ لوگوں کے فقط دکھانے کو جوگ سادھا تھا لیکن دل میں اس کے کچھ اور ارادہ تھا ۔ خاک سارے جثے پر نہ واسطے خاکساری کے لپیٹی تھی بلکہ اپنے باطن کی کدورت ظاہر کی تھی ۔ بہ صورت درویش تھا لیکن بہ معنی دنیا کی کوفت سے دل ریش تھا ۔ دھیان اس کو نہ خدائے لایزال کا تھا ، وہ بیتل[3] مال بندہ بیر بتال کا تھا ۔ اگرچہ زبان ظاہری اس کی بند رہتی تھی ، پر لسانِ باطنی کیا کیا کچھ کہتی تھی ۔ چہرے پر اس کے بھبھوت لگا تھا لیکن دل کو اس کے بھوت لگا تھا ۔ جپ تپ اس کی دھوکے کی[4] ٹٹی تھی ، ریاضت اس کی خاک اور مٹی تھی ۔ دستِ ظاہر اس نے دنیا سے اٹھایا تھا لیکن دل کا ہاتھ اس کی خواہش میں بڑھایا تھا ۔ چشمِ ظاہر بیں اس نے دنیا کی طرف سے موند لی تھی ، پر آنکھ

۱۔ مدت عمر راجہ یک هزار و یک صد سال ازاں جملہ جہاں بانی دهلی نود و سہ سال ۔ (خلاصة التواریخ ص ۱۴۷) ۔

راجا بکرماجیت کی مدت حکومت خلاصة التواریخ میں ۹۳ سال ہے ، افسوس نے نوے سال لکھی ہے ۔ (فائق)

۲۔ ''نوہ'' نسخۂ اول (ص ۲۹۳) ۔

۳۔ ''بیتل مال'' نسخۂ اول (ص ۲۹۳) ، نسخۂ دوم (۲۰۹) ، نسخۂ چہارم (۲۷۴) ۔

''بیت المال'' نسخۂ سوم (ص ۲۲۹) ۔

۴۔ ''کی'' نسخۂ اول میں نہیں ، بقیہ نسخوں میں ہے ۔

دل کی آس کے انتظار میں کھول دی تھی ۔ ظاہر میں شیروں کی شکل بنا تھا لیکن باطن میں وہ دنیا کا کتا تھا ۔

ابیات

حرص دنیا سے ہو باطن میں بَری
ورنہ لا حاصل ہے فقرِ ظاہری

اے تپشّی دل سے لے صاحب کا نام
ورنہ توتا بھی کہے ہے رام رام

ہاتھ مت بہرِ ریاضت کر بلند
اے مرائیٔ مکر کی ہے یہ کمند

باطن اپنا صاف کر لے اوّلا
جب بھبھوت اپنے بدن پر تو لگا

لے کے مالا ہاتھ میں مت دے دغا
اپنے داتا سے تو دل میں لو لگا

جگ میں اُس سا کوئی بھی ہے بد نہاد
دین کے بدلے لے کے دنیا جو ہو شاد

اس کی آرایش پہ اے غافل نہ بھول
جز غم و حسرت نہیں اُس کا حصول

اس کی دولت کو نہیں ہرگز قیام
صبح گر آئی تو پھر جاوے گی شام

دولتِ عقبیٰ کو دائم ہے بقا
اُس کو اس فانی کے پیچھے مت گنوا

غرض بہتیرے[1] کم عقل فسوں سازی کے باعث اُس کے دام

۱۔ نسخۂ اول (ص ۲۹۴) میں '' یائے مجہول '' رہ گئی ہے ۔

میں آ گئے اور کتنے ناقص شعبدے بازی کو اُس کی کرامت سمجھ کر سر جھکا گئے ۔ سیکڑوں کیمیا کے لالچ سے اُس کے خاکِ پا ہوئے اور ہزاروں کُشتے کی ہوس سے اُس کی محبت میں موئے ؛ حاصل یہ ہے کہ ایک عالم اُس مکار کا گرفتار و فرماں بردار ہوا ۔ ریاضت سے جو نتیجہ اُسے مطلوب تھا ، سو ملا ، یعنی حصیرِگدائی چھوٹا اور تختِ بادشاہی ہاتھ لگا ، لیکن فی الحقیقت گوگردِ احمر کو گنوایا ، اور آہنِ زنگ آلود کو لیا ، بلکہ آسماں کو چھوڑا اور زمین کو پکڑا ۔ واہ واہ ! تھوڑی سی زندگی پر اور چند روز کے عیش کی خاطر سمندر پال نے دھرم سی دولت اور فقر کی مملکت گنوا کر کس کس محنت و مشقت سے سلطنت دنیا حاصل کی ، آخر حسرت و ندامت سمیت ملکِ عدم کی راہ لی ۔

بیت

سدھ نہ جس کو صبح کی نےَ شام کی
بے خبر کی زندگی کس کام کی

مدت اس کی سلطنت کی چوبیس برس دو مہینے ۔ پھر :

راجا چندر پال

بیٹا راجا سمندر پال کا پینتالیس برس اور پانچ مہینے تخت حکومت پر مقیم رہا ، آخر مسافر راہِ عدم کا ہوا ۔

راجا نتن[1] پال بن راجا چندر پال

نے اکاون برس اور پانچ مہینے کوسِ حکومت بجایا ، آخر

۱۔ ''نتن پال'' نسخۂ اول (۲۹۵) ، نسخۂ دوم (ص ۲۱۰) نسخۂ سوم (ص ۲۳۰) ''نین پال'' نسخۂ چہارم (ص ۲۷۵) ۔ خلاصۃ التواریخ ، (ص ۱۴۸) ۔

ملک عدم کو کوچ کیا۔

راجا دیس[1] پال ولد راجا چندر پال (نین پال)

سینتالیس برس دو مہینے فرماں روائی کرتا رہا ، ندان دنیا سے گزر گیا۔

راجا نرسنگ[2] پال راجا دیس پال

کا بیٹا اٹھتالیس (اڑتالیس) برس تین مہینے سلطنت سے کام یاب رہا ، بعد اس کے حسرت و ندامت ساتھ لے گیا۔

راجا سونھ[3] پال ولد راجا نرسنگ پال

نے سینتیس برس گیارہ مہینے راج کیا۔ آخر سب کچھ چھوڑ گیا۔

راجا لکھ[4] پال ابن راجا سونھ پال

اٹھتیس (اڑتیس) برس تین مہینے اپنے باپ کا قائم مقام رہا اور امور سلطنت کو انتظام دیا کیا۔

۱- راجہ دیس پال بن راجہ نین پال ۔ (خلاصه ص ۱۴۸) ۔

۲- ''راجہ نرسنگھ پال بن راجہ دیس پال'' مدت سی و هفت سال فرماں روائی کرد۔

خلاصة التواریخ میں مدت حکمرانی ۳۷ برس ہے اور افسوس نے اڑتالیس سال لکھی ہے۔ (فائق)

۳- ''سونھ پال'' نسخۂ اول (ص ۲۹۵) نسخۂ دوم (ص ۲۱۰) نسخۂ سوم (۲۳۰) ۔

''سوبھا پال'' نسخۂ چہارم (ص ۲۷۵) ۔

۴- ''لکھ پال'' نسخۂ اول (ص ۲۹۵) نسخۂ دوم (ص ۲۱۰) نسخۂ سوم (ص ۲۳۰) ۔

''نکھ پال'' نسخۂ چہارم (ص ۲۷۶) ۔

راجا امرت[1] پال راجا لکھ پال

کے بیٹے نے ستائیس برس چھ مہینے حکومت کی اور عدل و انصاف سے خلق کو آسائش دی ۔

راجا بینی[2] پال[3] امرت پال

۱- '' آرائش محفل'' میں اس نام سے پہلے افسوس سے ایک نام چھوٹ گیا ہے ۔ خلاصۃ التواریخ سے نقل کیا جاتا ہے ''راجہ گوبند پال بن راجہ لکھ پال مدت بست و ہفت سال و شش ماہ سلطنت راند''۔ ترجمہ یہ ہے : ''راجہ گوبند پال بیٹا راجہ لکھ پال کا ستائیس سال چھ مہینے حکومت کی'' ۔ (فائق)

راجہ انبرت پال بن راجہ گوبند پال مدت سی و نہ سال و دو ماہ مملکت آرا گشت ، (خلاصہ ، ص ۱۴۸) ۔

راجہ امرت پال کی مدت حکومت افسوس نے ستائیس برس چھ مہینے لکھی ہے ، جو اس کے باپ گوبند پال کی مدت ہے ۔ خلاصۃ التواریخ میں اس کی مدت حکومت ۲۹ سال دو ماہ لکھی ہے ۔ (فائق)

۲- راجہ بینی پال بن راجہ انبرت پال ۔ مدت پنجاہ و پنج سال و سہ ماہ کمر بہ جہاں کشائی بر بست (خلاصہ ، ص ۱۴۸) ۔

سجان رائے بینی پال کی مدت حکمرانی پچپن برس تین مہینے لکھتا ہے اور افسوس ۳۹ سال ۲ (ماہ ؟)

۳- ''بینی پال ۔ امرت پال کا'' نسخۂ اول (ص ۲۹۵) ، نسخۂ دوم (ص ۲۱۰) ، نسخۂ سوم (ص ۲۳۰) ۔

''سہی پال ۔ انبرت پال کا'' نسخۂ چہارم (ص ۲۷٦) اس کا حال بھی غلط ہے ۔ '' بیٹا پچپن برس پانچ مہینے تلک کاروبار مملکت میں مشغول رہا اور سپاہ و رعیت کو داد و دہش سے نوازا کیا '' ۔ یہ حال راجہ گوبند پال ولد راجا بینی پال کا ہے ، تینوں نسخوں میں ۔

کا بیٹا آنتالیس برس دو مہینے حاکم رہا ۔ آخر الامر بیکنٹھ میں جا بسا ۔

راجا گوبند[1] پال ولد راجا بینی پال

پچپن برس پانچ مہینے تلک کاروبار مملکت میں مشغول رہا اور سپاہ و رعیت کو داد و دھش سے نوازا کیا ۔

راجا ہر پال[2] بن راجا گوبند پال

نے چوبیس برس نو مہینے ریاست کی اور خلق کو عدل و داد سے راحت بخشی ۔

۱۔ خلاصۃ التواریخ میں راجا بینی پال بن انبرت پال کے بعد راجا مہی پال کا ذکر ہے ۔ افسوس نے راجا گوبند پال ولد راجا بینی پال کا حال لکھا ہے ؛ مدت حکومت بھی مختلف ہے اس لیے افسوس کے بیان پر خلاصۃ التواریخ کو ترجیح دی جائے گی ۔ خلاصۃ التواریخ (ص ۱۴۸) میں ہے :

''راجہ مہی پال بن راجہ بینی پال مدت بست و چہار سال و نہ ماہ سریر جہان بانی را زیب داد'' ۔

ترجمہ : راجا مہی پال ، راجا بینی پال کے لڑکے نے ۲۴ سال نو مہینے حکومت کے تخت کو زینت بخشی ۔ (فائق)

۲۔ راجہ ہرپال بن راجہ مہی پال ۔ مدت چہل و ہشت سال و ہشت ماہ قلاع حصہ بر کشاد ۔

افسوس نے چوبیس برس نو مہینے حکومت لکھی ہے ، ولدیت گوبند پال (خلاصہ ، ص ۱۴۸) درج کی ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ افسوس سے مدت حکومت اور ناموں میں سہو ہوا ہے اور ترتیب بدل گئی یا افسوس کے پیش نظر جو نسخہ تھا اس کی بنا پر اختلاف ہے ۔ (فائق)

راجا بھیم[1] پال ھر پال

کے بیٹے نے اٹھتالیس (اڑتالیس) برس آٹھ مہینے امورِ مملکت کو انتظام دیا ، ندان بیکنٹھ میں جا باسا لیا ۔

راجا گوبند پال[2] راجا بھیم پال

کا بیٹا بعد اپنے باپ کے اکیس برس دو مہینے قلعے کشائی اور ملک آرائی کرتا رھا ، آخر کار ملکِ عدم کا راھی ھوا ۔

راجا مدن[3] پال ولد راجا گوبند پال

ستائیس برس نو مہینے ملک ستانی میں رھا ۔ ندان فانی ھوگیا ۔

راجا کرم پال بن راجا مدن پال

نے پینتالیس برس پانچ مہینے جہاں داری میں اپنی اوقات گزاری ، آخر عدم کی راہ لی ۔

۱- راجه بهیم پال بن راجه هری پال ۔ مدت سی و یک سال و دو ماه جهان آرا و مملکت سرا بود (خلاصه ، ص ۱۳۹) ۔
بھیم پال کی مدت سلطنت ''خلاصۃ التواریخ'' میں اکتیس سال دو مہینے ھے ۔

۲- راجه مدن پال بن راجه بهیم پال ۔ مدت سی و هفت سال و نه ماه گیتی سرای نمود ۔ (خلاصه ، ص ۱۳۹) ۔
افسوس نے گوبند پال نام لکھا ھے مدت بھی خلاف سجان رائے ۳۷ سال نو مہینے لکھتا ھے ۔

۳- افسوس نے راجا مدن پال ولد راجا گوبند پال کا حال لکھا ھے لیکن خلاصۃ التواریخ میں مدن پال بن گوبند پال کوئی نہیں ۔ مدن پال بن امر بھیم پال البتہ ھے ۔ اس سے افسوس اور خلاصۃ التواریخ کے مؤلف کے بیان میں اختلاف پیدا ھوتا ھے جس کی مطابقت نہیں کی جا سکتی ۔ ھم خلاصۃ التواریخ کے اندراجات صحیح ماننے پر مجبور ھیں ۔ (فائق)

راجا بکرم پال راجا کرم پال

کا بیٹا جب باپ کے قائم مقام ہوا ، ملک گیری پر اُس نے کمر باندھی ۔ اکثر حاکموں کو اپنا محکوم کیا اور خراج اُن سے لیا لیکن اس پر بھی حرص ملک گیری کی اس سے نہ گئی ۔ چناں چہ فوج کشی کر کے اکثر بلاد پر چڑھ جاتا اور اقبال کی یاوری اور بازو کی زور آوری سے فتح پاتا ۔ اسی طرح سے ایک مدت ملک آرائی و قلعہ‌کشائی اُس نے کی اور فرماں روائی کو رونق بخشی ۔ جب اُس کی زندگانی فانی کے دن تھوڑے رہے اور ارادۂ الٰہی میں یہ ٹھہرا کہ سلطنت اس خاندان سے ٗاور قوم میں جائے ، راجا مذکور بہ سبب غرور و رعونت کے بے وجہ تلوک چند بہرائچ کے راجا پر چڑھ گیا ۔ وہ بھی اپنے لشکر کو آراستہ کر کے مقابل ہوا ۔ بڑی لڑائی ہوئی ، خوب تلوار چلی ؛ ہزاروں جوان مارے گئے ، سیکڑوں دلیروں بہادروں کے سر اُتارے گئے ۔ کشتوں کے انبار ہاتھیوں کی مستک تلک پہنچے اور لاشوں کے تودے رزم‌گاہ میں منارے بن گئے ۔ آخر مشیت ایزد متعال سے راجا بکرم پال شکست کھا کر مارا گیا اور راجا تلوک چند فتح یاب ہوا ۔ القصہ راجا بکرم پال نے چواں لیس (چوالیس) برس تین مہینے راج کیا ۔ سلطنت اس کے خاندان میں سمندر پال سے لے کر اس تلک سولہ شخصوں نے تین سو تینتالیس برس کی ۔ بعد اس کے ٗاورگھرانے میں منتقل ہوئی ۔

بیت[۱]

یہ دنیا ہے تحقیق دارِ فنا
نہیں اس کی دولت کو ہرگز بقا

۱۔ ایک بیت کا افسوس نے دو شعروں میں ترجمہ کیا ہے ، عنوان ''بیت'' ہی رہنے دیا حالاں کہ ''ابیات'' ہوتا :

عالم ہمہ ہیچ و کار عالم ہمہ ہیچ
اے ہیچ زبہر ہیچ در ہیچ مپیچ

کدھر یہ چمن زار اور تو کہاں
نہ پھول ایک دم کے لیے غنچہ ساں

دیکھ راجا تلوک چند بہرائچ کا حاکم تھوڑے سے ملک کا مالک تھا ، کبھی کبھی اندر پرست کے بادشاہ کو خراج دیتا تھا ۔ طاقت اس کی نہ تھی کہ بکرم پال سے بہادر عالی جاہ بادشاہ کو جس کے ساتھ یہ فوج کی بہتات اور اسبابِ جنگی کی کثرت ، شکست دیوے ؛ فقط اقبال اُس کا یاور ہوا کہ اندر پرست کی سلطنت اُسے نصیب ہوئی اور وہاں کا بادشاہ ہوا لیکن مرگ نے امان اُس کو نہ دی ۔ ہمہ جہت دو برس حکومت کی ۔ پھر :

راجا کاتک[1] چند

اُس کا بیٹا راج پر بیٹھا ۔ چار برس اور تین مہینے جیا ۔ بعد اس کے :

راجا رام چند[2]

۱۔ راجا کاتک چند کے ذکر سے پہلے بکرم چند بن تلوک چند کا ذکر خلاصۃ التواریخ میں ہے ۔ افسوس نے راجا کاتک چند کو تلوک چند کا بیٹا لکھا ہے ۔ خلاصۃ التواریخ سے راجا بکرم چند کا حال نقل کیا جاتا ہے (ص ۱۵۰) ۔

''راجہ بکرم چند بن راجہ تلوک چند ۔ مدت بست و دو سال و سہ ماہ رایت جہاں کشائی درساحت فرماں روائی بلند ساخت'' ۔ (خلاصہ ، ص ۱۴۹) ۔

ترجمہ : راجا بکرم چند ، راجا تلوک چند کے بیٹے نے بائیس سال تین مہینے تک فتوحات کا جھنڈا حکمرانی کے میدان میں لہرایا ۔ (فائق)

اس کے بعد راجا کانک چند کا اس طرح احوال لکھا ہے :

''راجہ کانک چند (کام چند) بن بکرم چند ۔ مدت چہار سال و سہ ماہ بہ کامرانی و کامیابی بہ امر سلطنت پرداخت'' ۔ (خلاصہ ، ص ۱۵۰) ۔

۲۔ راجہ رام چند بن راجہ کانک چند (خلاصہ ، ص ۱۵۰) ۔

اُس کا خلف چودہ برس اور گیارہ مہینے تلک سلطنت کی نوبت بجاتا رہا ، آخر اس جہان سے کوچ کر گیا ۔ اس کے بعد :

راجا ادھر چند

رام چند کا چشم و چراغ اٹھارہ برس دو مہینے تلک بزم سلطنت کا ضیا بخش رہا ، ندان صرصرِ اجل کے جھوکے سے بجھ گیا ۔ پھر :

راجا کلیان چند راجا ادھر چند

کا فرزند تخت نشین ھوا ۔ پندرہ برس اور سات مہینے تلک عیش و آرام اُس نے کیا ۔ آخر الامر بدن خاکی اپنا آگ کو سونپا ۔ بعد اس کے :

راجا بھیم چند ولد راجا کلیان چند

اٹھارہ برس تین مہینے ملک ستانی و شمشیر زنی میں رھا ، آخرکار کشتہ تیغِ اجل کا ھوا ۔ پھر :

راجا لوہ چند بھیم چند کا خلف

پچیس برس پانچ مہینے باغ سلطنت میں ثمر بخش رھا ، آخر کو داغِ حسرت سینے پر لے گیا ۔ بعد اس کے :

راجا گوبند چند لوہ چند کا بیٹا

بائیس برس دو مہینے شرابِ دولت و حکومت سے سرشار رھا ، ندان اپنی عمر کا پیمانہ بھر گیا ۔ پھر :

رانی پیم[1] دیوی راجا گوبند چند

۱۔ مسماۃ رانی پیم دیوی منکوحہ راجہ گوبند چند بعد رحلت راجہ گوبند چند پسرے کہ قایم مقامش بودہ انتظام مہام جہاں داری تواند نمود نماند ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مدت سلطنت ھمگی یکسال از ابتدائے راجہ تلوک چند

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴٦۵ پر)

کی بیٹی کو تخت نشین کیا ، اس لیے کہ راجا مذکور کے بیٹا نہ تھا ۔ اہل کار جو اس کے نپٹ نیک نہاد تھے، حق نمک کو نہ بھولے، وفاداری کا شیوہ گم نہ کیا ، اپنی مخدومہ کو تخت پر بٹھا دیا ۔ اطاعت و فرماں برداری اس کی قبول کی اور کمرِ خدمت سب نے محکم باندھی ۔ اہلِ خدم حسب‌الارشاد اس کے امورِ مالی و ملکی کو انتظام دینے لگے اور اپنے اپنے اہلِ کاروں سے بہ خوبی کام لینے لگے، لیکن اس عفیفہ کو مرگ نے اماں نہ دی ۔ ایک برس کے بعد جہان سے پُر ارمان گئی ۔ القصہ راجا تلوک چند سے بیم دیوی تلک دس شخصوں نے ایک سو پچپن برس سلطنت کی ۔

بیت

مہلت کسی بشر کے تئیں اک زماں نہ دی
ہر چند چاہا مرگ نے لیکن اماں نہ دی
دولت کہیں دوبارہ بھی بخشی ہے اے فلک
لیکن کسی کی لی ہوئی پھر تو نے جاں نہ دی

پھر :

راجا ہر پریم

کہ گدائی سے درجۂ بادشاہی کو پہنچا ، تخت نشین ہوا ۔ ماجرا

(بقیہ حاشیۂ گزشتہ صفحہ)

لغایت مسماۃ بیم دیوی دہ تن مدت یک صد و چہل و پنج سال سلطنت کردند ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۱۵۰) ۔

خلاصۃ التواریخ کا مصنف رانی بیم دیوی کو راجہ گوبند چند کی بیوہ لکھتا ہے لیکن افسوس نے اسے بیٹی لکھا ہے ۔ مصنف نے دس افراد کی مدت سلطنت مجموعی ایک سو پنتالیس سال لکھی ہے ، افسوس نے نام تو نو لکھے ہیں لیکن دس شخصوں کا ایک سو پچپن برس سلطنت کرنا لکھا ہے ۔ اختلاف کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی ۔

آس کا یوں ہے کہ جب کوئی راجا گوبند چند اور رانی پیم دیوی کے وارثوں میں نہ رہا اور مملکت کو بادشاہت سے خالی دیکھا ، ارکانِ دولت و ہوا خواہانِ سلطنت نے قسمیہ ہو کر باہم مشورت کی ؛ امورِ مملکت کے انتظام کے لیے اور سلطنت کے کام کے لیے فرماں روا ضرور ہے ، پس ہر پریم درویش کہ سراپا اخلاق و خلاصۂ آفاق ہے ، ایک خلق اس کی خدمت میں ارادت رکھتی ہے بلکہ امیر بھی آس کے معتقد ہیں ، کسی کو آس کی اطاعت اور فرماں برداری ناگوار نہ ہوگی ؛ ہر ایک آس کی خدمت سعادت جانے گا اور کہا آس کا دل سے مانے گا ۔ بہتر یہ ہے کہ آس کو تخت پر بٹھائیے اور نظم و نسق مملکت میں جو آس کا حکم ہو ، آسے بجا لائیے کیوں کہ وہ درویش خدا پرست و دانا بندگانِ خدا کی برائی نہ چاہے گا ، رویّہ عدل و انصاف کا بہ خوبی نباہے گا ۔ قصہ مختصر وزراء امراء نے جا کر بہ منت آس کو حصیرِ گدائی پر سے اٹھایا اور تختِ بادشاہی پر بٹھایا ۔ سات برس اور پانچ مہینے آس نے سلطنت کی ، آخر ملکِ عدم کی راہ لی ۔

راجا گوبند پریم

نے اپنے باپ کے بعد تخت سلطنت پر جلوس فرمایا اور بیس برس تین مہینے تلک خلق کو آرام پہنچایا ۔ ندان اپنے بدنِ خاکی کو آگ میں جلایا ۔ پھر :

راجا گوپال پریم گوبند پریم

کا بیٹا قائم مقام اپنے باپ کا ہوا ۔ پندرہ برس تین مہینے تلک کاروبار سلطنت میں مشغول رہا، آخر الامر آس نے بھی ملکِ عدم کا رستا پکڑا ۔

راجا مہا پریم[1] گوپال پریم کا خلف

۱- ''مہا پریم'' نسخۂ اول (ص ۲۹۹) ، نسخۂ دوم (ص ۲۱۳) ، نسخۂ سوم (ص ۲۳۳) ۔
''مہا پریم'' نسخۂ چہارم (ص ۲۸۰) ۔

بعد اپنے باپ کے تختِ سلطنت پر بیٹھا ۔ بہ ظاہر امور ملکی ، مالی میں مشغول بھی رہتا لیکن باطن میں اُسے دنیا و مافیہا سے کمال نفرت وکراہت تھی ۔ اکثر اوقات درویشوں اور آزاد منشوں سے ملا کرتا بلکہ سخن اہلِ معرفت و صاحبانِ ریاضت کے گوش دل سے سنا کرتا ۔ حاصل یہ ہے کہ سلطنت دنیوی سے دل اُس کا آلودہ نہ تھا اور دولت آزادگی سے باطن اُس کا کمال آسودہ تھا ۔ عروسِ دنیا ہر چند ایک نئے بناؤ سے ہر روز اُس کے آگے آتی لیکن اُس کی چشمِ حق بیں میں ایک ذرّہ جگہ نہ پاتی ۔ حقّا کہ جس کی آنکھ میں تصور یار کا سمایا ہے ، اس کی نظروں میں غیر کب خوش آیا ہے ۔ جس کا دل نورِ ہدایت سے روشن ہوا ، اُس کو شمعِ سلطنت کا اُجالا کب بھلا لگا ۔ جس کو منزلِ بقا کا سیدھا رستہ ملا ، وہ اس سرائے فنا کی ٹیڑھی راہوں میں کب بھٹکا ۔ فی الواقع آراستگی و آزادگی دولت بے زوال اور نعمت عدیم المثال ہے ۔ حشمتِ دنیا دولتِ عقبٰی سے نہیں بہتر ، خرقۂ گدائی خلعتِ بادشاہی[1] سے کہیں بہتر ۔ جس نے گوشۂ تنہائی قبول کیا ، وہی اس سرائے فانی میں پاؤں پھیلا کر سویا ۔ آخر اس آزاد منش کو فقر کی کشش نے اپنی طرف کھینچا ، تاجِ سلطنت اُس نے خاک پر پھینکا اور کلاہِ قناعت کو سر پر رکھا ، سر بہ صحرا نکلا ۔ آفریں اُس کی عقلِ دوراندیش پر کہ نعمتِ آئندۂ آخرت کو جاودانی سمجھ کر دنیا کی دولتِ بالفعل کو چھوڑ دیا ۔

۱۔ ''بادشائی'' نسخۂ اول (ص ۳۰۰) میں یہی املا ہے ، غالباً افسوس نے ''جو بولو ، وہی لکھو'' پر عمل کیا اور ہائے ہوز کی جگہ ہمزہ لکھی ۔ دوسرے نسخوں میں ہائے ہوز ہے ۔

ابیات

خوشا وہ بارِ دنیا جس نے پھینکا
سبک دوشی کا لطف اُس نے ھی پایا
بہ رنگِ کوہ ٹھہرا جوکہ اک ٹھاؤں
نہ دامن سے نکالا اُس نے پھر پاؤں
جہاں کے خوان سے جلدی اٹھا جو
رھے گا سیر دونوں جگ میں بس وو
طمع کی آنکھ رکھی جس نے نت بند
رہا وہ مرتے مرتے شاد و خورسند
بہ جز نامِ خدا کچھ اور مت لے
قناعت کو نہ ھرگز ھاتھ سے دے

سلطنت اُس درویش طینت نے چھ برس آٹھ مہینے کی ۔ الغرض راجا ھر پریم سے لے کر مہا[1] پریم تک چار شخصوں نے ترپن برس اورنگِ شاھی پر جلوس فرمایا ۔ آخر آگ نے اُن کو جلا کر راکھ بنایا ۔ جب مشہور ھوا کہ اندر پرست کے بادشاہ نے دنیا کو ترک کیا اور گوشۂ تنہائی لیا ، تختِ شاھی خالی ھے اور مملکتِ وسیع بے والی ، ھر ایک ملک کے حاکم نے ارادہ کیا کہ مملکت کو چھینیے ؛ بنا بر اس کے سب نے لشکر کشی کی لیکن راجا ادھر[2] سین بنگالے کا راجا سب سے پہلے ایک لشکرِ عظیم ساتھ لے کر نہایت جلد اندر پرست میں پہنچا ۔ حاکم تو وھاں کوئی تھا ھی نہ جو

۱- ''مہا پریم'' نسخۂ اول (ص ۳۰۰) ، نسخۂ چہارم (ص ۳۴۷) ، نسخۂ انجمن (ص ۲۸۱) ۔
''مہا پریم'' نسخۂ دوم (ص ۲۱۴) ، نسخۂ سوم (ص ۲۳۵) ۔
۲- راجہ وھی سین کہ از بنگالہ آمدہ سریرآرای گردید (خلاصہ ، ص ۱۵۲) ۔
افسوس نے ادھر سین نام لکھا ھے اور سجان رائے نے وھی سن ۔

مقابلہ کرتا ؛ بدون جنگ و جدل مملکت پر قبضہ کر لیا اور تختِ سلطنت پر جلوس فرمایا ۔ امیر وزیر اہلِ کار جتنے تھے، آ حاضر ہوئے ۔

بیت

یہی ہے جہاں کی ریاست کا طور
جو اک اٹھ گیا آن بیٹھا اک اور

القصہ اس نے بھی اٹھارہ برس پانچ مہینے سلطنت کے امور کو آراستہ کیا ، آخر اپنی موت موا ۔ پھر :

راجا[1] بلاول سین ادھر سین

کے بیٹے نے بارہ برس چار مہینے حکومت کی ، ندان بیکنٹھ میں جا سکونت کی ۔ بعد اس کے :

راجا کیسو[2] سین (کنور سین) بلاول[3] سین

کا فرزند باپ کا قائم مقام پندرہ برس آٹھ مہینے رہا ۔ آخرکار اس جہان سے گزر گیا ۔ اس کے بعد :

راجا مادھو سین کیسوسین (کنورسین)

کے بیٹے نے مملکت کو عدل و انصاف سے گیارہ برس اور چار مہینے تلک آباد رکھا ، ندان ملک فنا کا رستا پکڑا ۔ بعد اس کے :

۱۔ ''بلاول'' نسخۂ اول (۳۰۱) ، نسخۂ چہارم (ص ۲۸۲) ۔
''بلارل'' نسخۂ دوم (ص ۳۱۴) ، نسخہ سوم (ص ۲۳۵) ، نسخۂ انجمن (ص ۳۴۸) ۔

۲۔ راجہ کنوز سین بن راجہ بلاول سین ۔ (خلاصۃ التواریخ ، ص ۱۵۳) ۔

۳۔ دیکھیے حاشیہ ۱۔ راجہ بلاول سین بن راجہ وھی سین ۔ (خلاصہ ، ص ۱۵۳) ۔

راجا سورسین مادھو سین

کا بیٹا تخت نشین ہوا اور بیس برس دو مہینے تلک اُس نے سلطنت کا بہ خوبی بندوبست کیا ۔ آخر الامر اپنا رختِ ہستی باندھا ۔ پھر :

راجا بھیم سین سورسین

کا بیٹا پانچ برس دو مہینے تلک شرابِ دولت سے مخمور رہا ، ندان اُس کی بھی عمر کا پیمانہ لبریز ہوا ۔ بعد اُس کے :

راجا کاتک[۱] سین بھیم سین

کے بیٹے نے مسند حکومت پر قدم رکھا اور چار برس نو مہینے کے بعد عدم کا رستا پکڑا ۔ اُس کے بعد :

راجا ہری سین کاتک سین

کا خلف تخت پر بیٹھا ۔ بارہ برس دو مہینے تلک امور مملکت میں مشغول رہا ، آخر خالی ہاتھ اس جہان سے گیا ۔ پھر :

راجا گھن (کھن) سین راجا ہری سین

کے نور چشم نے آٹھ برس گیارہ مہینے اپنے باپ دادا کا نام مملکت میں روشن رکھا ، آخر اُس کا بھی چراغِ ہستی صرصرِ نیستی نے بجھا دیا ۔ بعد اُس کے :

راجا نرائن سین گھن (کھن) سین

کے بیٹے نے دو برس تین مہینے سلطنت کی ، ندان جان اپنی جہان آفریں کو سونپی ۔ اُس کے بعد :

۱- راجہ کانک سین بن راجہ بھیم سین (خلاصہ ، ص ۱۵۳) -

راجا لکھمن[1] سین نراین سین

کا[2] نور دیدہ بزمِ سلطنت کا ضیا بخش ہوا۔ چھ برس گیارہ مہینے تلک اُس نے شمع عدالت سے جہان کو منور رکھا ، ندان صرصرِ اجل سے چراغِ حیات اُس کا بھی بجھ گیا۔ پھر :

راجا دامودرسین لکھمن (لکھمی) سین

کا بیٹا اپنے باپ کے بعد تختِ حکومت پر بیٹھا لیکن جوانی کی جہالت اور نادانی کی غفلت اُس کی طبیعت پر آ گئی۔ سُدھ بُدھ اُس میں نام کو نہ رہی۔ صحبت میں ارزال و بد اطوار در آئے ، قاعدے اور طریقے اگلوں کے اُس نے سراسر بھلائے۔ عدل و انصاف سے مزاج اُس کا پھر گیا ، ظلم و ستم کا پیشہ اختیار کیا۔ سچ ہے کہ بُرا مصاحب شیطانِ مجسم ہے۔ اٹھتے بیٹھتے ہر وقت تجھے ورغلائے گا اور راہِ راست نہیں دکھائے گا ، بلکہ شام و پگاہ تجھے گم راہ کرے گا۔ زنہار ایسے کو اپنے پاس آنے نہ دیجیو اور اُس کی صحبت سے حذر کیجیو۔ جیسے خزاں گلشن کا آب و رنگ خاک میں ملاتی ہے ، ویسی ہی بد اندیش کی صحبت دولت کے کمال پر زوال لاتی ہے۔

نظم

صحبتِ اجلاف سے کر اجتناب
ورنہ ہووے گی تری طینت خراب

۱۔ راجہ لکھمی سین بن راجہ ناراین سین۔ مدت بست و شش سال و یازدہ ماہ واسطہ معموری جہان گردیدہ از جہان رفت (خلاصہ ، ص ۱۵۴)۔

افسوس نے بجائے چھبیس سال گیارہ مہینے کے چھ سال گیارہ مہینے لکھے ہیں۔ اختلاف کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ (فائق)

۲۔ ''کا'' نسخۂ اول (ص ۳۰۲) میں نہیں ، بقیہ نسخوں میں ہے۔

دوستی بھوتوں سے اے غافل نہ کر
لائیں گے آفت یے آخر جان پر
مت چراغ غول پر تو دھیان کر
صرف اندھیرا ہے قدم اودھر نہ دھر
مان کہنا اُس طرف ہرگز نہ جا
اپنے تئیں اندھے کوئے میں مت گرا

القصہ راجا نے اپنی طینتِ بد سے یا بدوں کی ترغیب و کد سے ملازمانِ دولت خواہ کو اور ہوا خواہانِ درگاہ کو رتبے سے گرا دیا ، خراج گزاروں اور زیر دستوں پر ظلم کرنا شروع کیا ۔ جب مفسدوں اور فتنہ انگیزوں نے اُس کے یے اطوار دیکھے ، مردم آزاری ندھڑک کرنے لگے ، اہلِ خرد اور رعیت کا مال و متاع بے تحاشا لوٹنے لگے ۔ چند روز کے عرصے میں مملکت کی رونق جاتی رہی اور آبادی اُجاڑ ہونے لگی ۔ آمدنی ملکوں کی گھٹ گئی ، سلطنت میں خرابی پڑی ۔ ارکانِ دولت نے کنارہ کیا ، راجا اپنے کیے کی سزا کو پہنچا ۔ گیارہ برس تین مہینے وہ ظالم حاکم رہا ۔ غرض راجا دھر سین سے راجا دمو در سین تلک بارہ اشحاص نے ڈیڑھ[1] سو برس راج کیا ۔

راجا دیب[2] سنگ کوہی

کہ کوہستانِ سوالک کا والی تھا ، سپاہ اس کی بہ کثرت تھی اور عدالت کی نہایت شہرت ۔ راجا دمودرسین کے اہلِ کار صوبہ دار از بس کہ اس کی بد سلوکی و ایذا دھندی سے تنگ آئے

۱- ”ڈیر“ نسخۂ اول (ص ۳۰۳) ۔
”ڈیڑھ“ نسخۂ دوم (ص ۲۱۵) ، نسخۂ سوم (ص ۲۳۷) ۔
۲- ”راجہ دیپ سنگھ کوھی“ (خلاصہ ، ص ۱۵۵) ۔

تھے، کوھستان میں جا کر تمام اپنی حقیقت اور رعیت کی حالتِ سپاہ کی برھمی ، اھلِ خدم کی بے اتفاق اُس کے حضور بیان کی اور اندر پرست کی سلطنت پر رغبت دلائی - سنتے ھی اس نوید کے اُس نے طبل شادی کا بجوا دیا اور فوج بے شمار سے مملکت مذکور کی طرف کوچ کیا ، الغاروں چلا - چناں چه عرصۂ قلیل میں آ پہنچا اور اُس شرابِ غفلت کے مدھوش کو قید کر لیا - بعد اس کے آپ ساعت نیک دیکھ کر تختِ حکومت پر بیٹھا اور شمعِ عدالت سے تاریکیٔ ظلم کو دور کر کے جہان کو روشن کیا - ستائیس برس دو مہینے تلک کاروبار سلطنت میں لگا رھا - آخرالامر ملک عدم کا راھی ھوا - بعد اس کے :

راجا رن سنگ راجا دیپ[1] سنگ

کا فرزند بائیس برس پانچ مہینے حاکم رھا ، آخر اپنی موت موا - پھر :

راجا راج سنگ رن سنگ

کے نور چشم نے مملکت کو عدل و انصاف سے فروغ بخشا اور سپاہ کو نہایت راضی رکھا ؛ ندان نو برس اور آٹھ مہینے گزرے، عدم کا رستا پکڑا - بعد اُس کے :

راجا[1] برسنگھ[2] بن راجا راج سنگھ

نے تخت سلطنت کو رونق بخشی اور عدل و انصاف سے جہان

۱- ”دیپ“ نسخۂ اول (ص ۳۰۳) نسخۂ دوم (ص ۲۱۶) نسخۂ سوم (ص ۲۳۷) لیکن نسخۂ چہارم (ص ۲۸۴) میں ”دیب“ ہے -
۲- ”برسنگ“ (برسنگھ) - نسخۂ اول، دوم -
”بیر سنگھ“ نسخۂ سوم (ص ۲۳۷) -
”هرسنگھ“ نسخۂ چهارم -
راجه نرسنگھ بن راجه راج سنگھ (خلاصه ، ص ۱۵۵) -

میں کمال نیک نامی حاصل کی ۔ آخر چھیالیس برس اور ایک مہینے کے بعد منزلِ فنا کی راہ لی ۔ پھر :

راجا نرسنگھ[1] ولد راجا برسنگھ[2]

قائم مقام اپنے باپ کا ہوا اور اسی کی طرح سپاہ و رعیت کو سخاوت و عدالت سے اس نے بھی شاد رکھا ۔ آخر پچیس برس تین مہینے گزرے ، بیکنٹھ کا رستا لیا ۔

راجا جیون سنگھ راجا نرسنگھ (ہرسنگھ)

کا خلف جب تخت نشین ہوا ، اس کی نوجوانی تھی ؛ چناں چہ اپنی زندگانی وہ عیش و عشرت میں بسر کرنے لگا ۔ بے پروائی و لا وبالی سے امور مملکت کی طرف متوجہ نہ ہوا ۔ سچ ہے کہ آغاز شباب میں شہوتِ نفس نہایت غالب ہوتی ہے اور طبیعت انسان کی عیّاشی کی طالب ہوتی ہے ۔ ہر ایک کا کام نہیں جو اپنے تئیں اس ہنگام میں باوجود نشۂ دولت کے اس مزے سے باز رکھے اور مرتکب بدکاری و شراب خواری کا نہ ہووے ۔ وے بڑے مرد ہیں کہ ایسے وقتوں میں نفس کشی کرتے ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں ۔ فی الواقع دنیا میں نیک نامی اور عقبیٰ میں شادمانی انھیں کے واسطے ہے ۔

رباعی

ہنگام جوانی میں جسے دولت ہو
اور عیش و نشاط سے اسے نفرت ہو
اس سا نہیں کوئی مرد بڑا دنیا میں
عقبیٰ میں وہی موردِ صد رحمت ہو

۱- راجہ ہرسنگھ (ہری سنگھ) بن راجہ نرسنگھ (خلاصہ ص ۵۵۰) ۔
۲- دیکھئے حاشیہ ۲ صفحہ گزشتہ ۔

قصہ کوتاہ سلطنت اُس محو غفلت و مائل عشرت کے ہاتھ نہیں رہتی۔ چناں چہ تھوڑے ہی دنوں میں ریاست اس کے ہاتھ سے جاتی رہی اور دشتِ غربت کی راہ اس نے لی۔ پھر وہیں رہ نورد بادیۂ عدم کا ہوا۔ مدت اس کی سلطنت کی بیس برس[1] پانچ مہینے۔ راجا دیپ سنگھ سے لے کر جیون سنگھ تلک چھ شخصوں نے ایک سو انتالیس برس راج کیا۔

احوال راجا پرتھی راج مشہور بہ پتھورا

جب بادشاہ حقیقی کا ارادہ یہ ہوا کہ رائے پتھورا بیراٹھ کا والی کہ ہمیشہ جیون سنگھ سے امیدوار رہتا تھا، مالک اتنی بڑی سلطنت کا ہو جائے اور ایک مملکت وسیع اُس کے قبضے میں آئے، راجا جیون سنگھ نے بہ سبب حماقتِ ذاتی کے یا کوئی مہم اُسے در پیش ہوئی، تمام سرداروں کو فوج سمیت کوہستان کی طرف کہ اُس کے جد و آبا کا وہی مسکن تھا، بھیج دیا اور آپ کتنے مصاحبوں سے دارالسلطنت میں رہا۔ رائے پتھورا اُسے تنہا اور غافل جان کر ایک لشکر عظیم سے یکایک آن پہنچا۔ راجا جیون سنگھ نے جو دیکھا کہ سامان جنگ کا مطلقاً نہیں، اس جماعت قلیل سمیت کوہستان دشوار گزار کی طرف بھاگا۔ آخر وہیں اُس کا پیمانۂ عمر لبریز ہوا اور رائے پتھورا شادیانے فتح کے بجوا کر تختِ سلطنت پر بیٹھا۔

بیت

اگر سانپ سے ہوئے وہ بے خطر
تو عاقل نہ چھوڑے کبھی گنجِ زر

۱۔ مدت سلطنت ہشت سال و پنج ماہ۔ (خلاصہ ص ۱۵۶)۔
افسوس نے بیس سال اور پانچ مہینے مدت سلطنت لکھی ہے اور خلاصۃ التواریخ میں آٹھ سال پانچ مہینے، افسوس نے ہشت کو بست پڑھ کر بیس ترجمہ کر دیا۔ (فائق)

جب پندرہ برس اُس کی سلطنت پر گزرے ، سلطان شہاب الدین غوری غزنین سے کئی مرتبہ آیا اور کئی بار لڑا ۔ آخر مقام نرائنی[۱] میں کہ تلاوڑی کر مشہور ہے ، راجا مذکور کو اُس نے مار لیا اور آپ تخت سلطنت پر اجلاس فرمایا ۔

الغرض راجاؤں کا احوال یہ جو لکھنے میں آیا ، مطابق ''راجا ولی'' اور ''راج ترگنی[۲]'' کے ہے لیکن ''اکبر نامے'' کے تیسرے دفتر میں اور بعضے اور نسخوں کے بیچ یوں کر ہے کہ بیر بکرماجیت کے چار سو انتیسویں سن میں راجا اٹکپال[۳] (اننگ پال) تونور نے بادشاہ ہو کر اندر پرست کے قریب شہر دھلی بسایا اور اس کی اولاد سے بیس شخصوں نے چار سو آنیس برس ایک مہینے ستائیس روز نقارہ سلطنت کا بجایا ۔ آخر الامر بیسواں پور اُس کا کہ پرتھی راج کر اشتہار رکھتا تھا ، بابو بلدیو چوھان سے لڑا اور کام آیا ۔ غرض بیر بکرماجیت کے آٹھ سو اٹھتالیس (اڑتالیس) سن میں سلطنت تونور کی قوم سے نکل کر چوھانوں کے قبضے میں گئی لیکن راجا بلدیو نے اور اس کی اولاد سے سات شخصوں نے تین سو پچاسی برس سات مہینے بادشاھت کی ۔ جب بلدیو کے ساتویں پوتے کو کہ جس کا نام پتھورا تھا ، نوبت حکومت کی پہنچی ، سلطان شہاب الدین غوری نے سات مرتبہ یورش کی اور لڑا لیکن ہر مرتبہ شکست کھا کر پھر گیا ۔ باوجود اس کے بھی مملکت ہند کے لینے کی تدبیر میں اکثر اوقات رھتا تھا پر کچھ بن نہ پڑتی تھی ۔ اس اثنا میں راجا جے چند راٹھور قنوج کا راجا اکثر راجاؤں پر غالب ھوا ، بنا بر اس کے جگ راجسو کے بجا لانے کا اُس نے قصد کیا ۔

۱- در موضع نراین عرف تلاوڑی (خلاصہ ص ۱۵۶) ۔
۲- از نسخۂ راجا ولی و راج ترنگنی (خلاصہ ص ۱۵۶) ۔
۳- اننگ پال تونور رایت فرماں روائی بر افراخت (خلاصہ ، ص ۱۵۷) ۔

شرح اس جگ کی سابق لکھی گئی ہے ۔ غرض راجا مذکور نے سامان و سر انجام کو اُس کے ارشاد فرمایا ۔ ساتھ اس کے یہ بھی ارادہ کیا کہ اس مجلس میں اپنی بیٹی کو کسی بڑے راجا کے ساتھ بیاہے ، اس واسطے ہر ایک ملک کے راجا بلوائے ۔ پتھورا نے بھی بہ موجب اُس کی طلب کے ارادہ اُس سمت کا کیا کہ ناگہاں اُس کے متوسلوں میں سے کسی کے منہ سے نکلا کہ مہاراج کے ہوتے ہوئے اس جگ کا قصد جے چند کرے ، یہ جائے تعجب ہے اور آپ کا تشریف لے جانا اُس میں اس سے عجیب تر ۔ سنتے ہی اس کو راجا آگ ہو گیا اور اُس کے ملک پر بہ ارادۂ جنگ چڑھ دوڑا ۔ راجا جے چند بھی اس خبر کو سن کر مارِ سیاہ کی مانند پیچ کھانے لگا لیکن ساعت جگ کی جو قریب پہنچی تھی ، بہ سبب اس کے مصلحتاً وقفہ کیا اور ایک سونے کی مورت پتھورا کی شکل بنوا کر دربانوں کی طرح اُس کو دروازے پر بٹھا دیا ۔ رائے پتھورا اس حالت کو سن کر مارے غصے کے الغاروں چلا اور تھوڑے دنوں میں وہاں پہنچ کر اپنی تصویر کو اٹھا لڑتا بھڑتا اپنے ملک کی طرف پھرا ۔ لوگ بہت کام آئے لیکن راجا جے چند نے بہ‌ہر صورت جگ سے فراغت کی ، پر اُس کی بیٹی نے کسی راجہ کو پسند نہ کیا مگر پتھورا کی شجاعت و جواں مردی دریافت کر کے کمال مشتاق ہوئی ؛ اسی واسطے اُس کے باپ نے اپنے محل سے اُس کو نکال دیا اور ایک جُدی حویلی میں رکھا ۔ رائے پتھورا اس حالت سے واقف ہو کر نہایت خواہش مند اُس کا ہوا اور چاندا باد فروش کو کمال مہربانی سے راجا جے چند کے پاس بھیجا اور آپ چیدہ چیدہ لوگ ساتھ لے کر نوکروں کی مانند اُس کے ہم راہ ہوا ۔ جب بھاٹ قنوج میں پہنچا ، رائے پتھورا نے دخترِ مذکور کو جواں مردی سے لیا اور دھلی

کی طرف کوچ کیا ۔ راجا جے چند اس ماجرے کو سنتے ہی مع فوج چڑھ دوڑا ، ندان آپس میں جنگ عظیم ہوئی ، سات ہزار آدمی طرفین کے مارے گئے ، پر رائے مذکور نے اُس نازنین کو نہ چھوڑا اور لڑائی سے منہ نہ موڑا ۔ آخر اپنی دولت سرا میں جا اوتارا اور یہاں تلک اُس کے دامِ محبت میں گرفتار ہوا کہ ملکی مالی کاروبار سے دست بردار ہوا ۔ جب ایک برس اسی طرح گزرا ، سلطان شہاب الدین غوری کو بھی یہ خبر پہنچی ۔ اس نے راجا جے چند کے ساتھ دوستی کی بنا ڈالی اور بیر بکرماجیت کے بارہ سے تیں تیس سن میں ہجری بھی اُس وقت پانسو اٹھاسی تھے ، سلطان مذکور آٹھویں مرتبہ ایک لشکرِ عظیم جمع کر ملک گیری کے ارادے دہلی کی طرف متوجہ ہوا بلکہ بہت سے محال لے لیے ، اُس وقت کسی کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ راجا سے اس امر کی اطلاع کرے ؛ آخر ارکانِ دولت نے مشورت کر کے چاندا بھاٹ کو حرم سرائے میں بھیجا کہ اُس پری پیکر سے یہ حقیقت کہے تا وہ راجا تلک پہنچائے ۔ چناں چہ راجا مطلع ہوا لیکن کئی مرتبہ سلطان پر جو فتح یاب ہوا تھا ، اس کو کچھ چیز نہ سمجھا اور سبب غرور و نخوت کے خاطر میں نہ لایا ۔ چناں چہ تھوڑی سی فوج ساتھ لے کر نکلا اور راجا جے چند نے بھی اس کا ساتھ نہ دیا بلکہ سلطان کا شریک ہوا ۔

القصہ شعلہ جدال و قتال نہایت بھڑکا ، راجا کا دل بجھ گیا ؛ ندان سلطان کے رفقا نے اُس کو پکڑ لیا اور سلطان اُس کو قید کر کے غزنین میں لے گیا[1] ۔ جب چاندا باد فروش نے حقیقت حال سے اطلاع پائی

۱- رائے پتھورا بدست کسان سلطان گرفتار شد و سلطان او را دست گیر نمودہ بہ غزنین بردہ میل در چشمان کشد ۔ (خلاصہ ، ص ۱۵۸)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۹ پر)

غزنین کی راہ لی ۔ آخر وہ سلطان کی ملازمت حاصل کر کے مورد الطاف کا ھوا ۔ بعد اُس کے پتھورا کی بھی خدمت میں پہنچا اور زندان میں دم سازی اُس کی کرنے لگا ۔ ایک دن بہ مشورت پتھورا کے تیر لگانے کی تعریف بادشاہ کے رو بہ رو یہاں تلک کی کہ وہ بہ مرتبہ مشتاق ھوا اور اُس کو بلوا بھیجا بلکہ اُسی وقت اجازت تیر اندازی کی بھی دی ۔ رائے مذکور نے تیر و کمان ووں ھی اُٹھا لیا اور ایک تیر اُس نشانۂ ناوک تقدیر کے ایسا ھی مارا کہ کام اُس کا تمام ھوا ۔ اُسی وقت بادشاھی نوکروں نے بھی راجا کو چاندا بھاٹ سمیت مار لیا ، لیکن فارسی تاریخوں میں پتھورا کا مارا جانا تلاوڑی کے میدان میں لکھا ھے اور سلطان شہاب الدین کا قتل ھونا ایک مدت کے بعد فدائی کھوکھر کے ھاتھ ۔ حاصل یہ ھے کہ اس ماجرے میں اختلاف بہت ھے ، العلم عنداللہ ۔ غرض راجا پتھورا کے مارے جانے کے بعد ھندوستان کی حکومت ھنود سے گئی اور سلاطینِ مسلمین کے ھاتھ جا پڑی ۔ الغرض راجا جدشٹر سے لے کر پتھورا تلک ایک سو بیس اشخاص نے چار ھزار چار سو آٹھ برس سلطنت کی ، پھر ھر ایک نے منزلِ عدم کی راہ لی ۔ من جملہ اس کے پتھورا کے ایّامِ سلطنت اُنچاس برس ھیں ۔ جب سے خلّاقِ کون و مکان نے عالمِ کون و فساد کو جلوہ گر کیا ، کسی ذی حیات کو خلعت حیات ابدی کا نہیں بخشا اور ریاست کو بھی ایک قوم سے مخصوص نہیں کیا ۔ ھر ایک شخص کو موت آتی ھے اور سلطنت و ریاست بھی ایک خاندان سے خاندان دیگر میں جاتی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

افسوس نے رائے پتھورا کی آنکھوں میں سلائی پھیرے جانے (اندھا کرنے) کا ترجمہ نہیں کیا ۔ اس سے مقصد روایت کو دل چسپ بنانا ھوگا ۔ (فائق)

ہے - پس ہر عاقل کو لازم ہے کہ مال و دولت کو اپنا نہ جانے اور اس حیاتِ مستعار پر نہ بھولے اور دولتِ ناپائے دار پر نہ پھولے -

ابیات[1]

پاؤں جس نے تختِ شاہی پر دھرا
آخرش تختے پہ وہ ساکن ہوا
تھے جو راکب سیکڑوں رہوار کے
وے گئے آخر کو کاندھے چار کے
اینڈتے ہیں سر پہ رکھ جو تاجِ زر
خاک اک دن کھائے گی اُن کا بھی سر
خلق جو اس دارِ فانی میں ہوا
ایک دن راہی عدم کا ہوئے گا
واقعی دنیا برادر ہیچ ہے
جاہ و حشمت یہ سراسر ہیچ ہے
ٹیپ ٹاپ اس فاحشہ کی دیکھ کر
محو مت ہو یہ دغا ہے سر بہ سر
قلب میں اس کے نہیں بوئے وفا
آنکھ میں اس کی نہیں شرم و حیا
بھول کر بھی اس کی تو خواہش نہ کر
داغِ حسرت سے نہ بھر اپنا جگر
دامِ حرص و آز میں ناداں نہ پھس
جگ میں ہے اللہ بس باقی ہوس

۱- خلاصۃ التواریخ میں آٹھ شعر بہ عنوان نظم لکھے ہیں جن کا آزاد ترجمہ افسوس نے نو شعروں میں بہ عنوان ابیات کیا ہے - دونوں کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۱ پر)

یہ تاریخ حاویٔ فضائل ، علم عربی میں کامل ، فاضلوں میں افضل ، فارسی دانِ بے بدل ، مقبول عالم مولوی محمد اسلم کی طبع زاد ہے ۔ بنا بر افزایش آرایش کتاب لکھنے میں آئی ۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

پڑھنے سے زور طبع کا اندازہ ہو سکے گا اس لیے فارسی نظم لکھی جاتی ہے :

آں کہ اوجِ فلک نشیمن ساخت
عاقبت زیرِ خاک مسکن ساخت

آں کہ بر فرق تاج از زر کرد
در لحد رفت و خاک بر سر کرد

آں کہ گہوارہ ساخت مسکنِ خویش
رفت ، تابوت کرد مامنِ خویش

ہیچ کس در جہاں قدم نہ زند
کہ قدم جانبِ عدم نہ زند

تا توانی دل از جہاں بگسل
رشتہ از بہرِ این و آں بگسل

جاوداں نیست عالمِ فانی
تو دریں جاوداں کجا مانی

روے در ملکِ جاودانی کن
ترکِ ایں کنجِ دیرِ فانی کن

پائے در دام پیچ پیچ منہ
ہمہ ہیچ اند دل بہ ہیچ منہ

(خلاصۃ التواریخ ، ص ۱۵۹)

اس کے بعد خلاصۃ التواریخ میں حسب ذیل عبارت ہے :

'' تدریس مدرس قلم ، افادت شیم ، در مدرسۂ بیان احوال سلاطین مسلمین ''۔ اس حصے کا ترجمہ اس کتاب میں نہیں ۔

گزینِ آلِ خیرِ خلق و شبلِ ضیغمِ یزداں
که آمد از سما شیرِ علی خوش اسمِ آن افضل

چه اوصافش بیاں سازم که هست او جامعِ هرفن
به نظم و نثر و طبّ و حکمت و فقه وکلام اکمل

تخلص می کند افسوس دارد لهجهٔ اردو
ز هم طرحانِ خود دارد دریں فن بهرهٔ اشمل

چو تاریخِ دیارِ هند طبع نکته آرایش
نمود آراسته با زیب و زینت نیمهٔ اول

چناں رطب اللّساں گردیده در تحریر ایں نسخه
که شد از حرف عذبش بر خطِ مسطر رواں جدول

شده از محفل آرائیش نام آرایشِ محفل
سواد روشنش سازد عیونِ ناظراں اکحل

رقم زد سال تاریخش برائے یادگار اسلم
بحمد الله به تکمیل آمده آرایشِ اول

۱- نسخهٔ اول (ص ۳۱۰) ، پر عنوان ''قطعه تاریخ'' درج نہیں ہے لیکن نسخهٔ دوم (ص ۲۲۰) پر ''ابیات'' درج ہے ۔ نسخهٔ سوم (ص ۲۳۲) ، ''ابیات تاریخ'' درج ہے ۔

۲- ''گزتن'' نسخهٔ اول (ص ۳۱۰) -
''کزتن'' نسخهٔ دوم (ص ۲۲۰) ، نسخهٔ سوم (ص ۲۳۲)- ''گزین'' صحیح ہے -

۳- ''زیغم'' نسخهٔ اول (ص ۳۱۰) نسخهٔ دوم (ص ۲۲۰) -
''ضیغم'' نسخهٔ سوم (ص ۲۳۲) صحیح -

فہرس

آرایش محفل

اشاریہ

فہرست اسمائے اشخاص

ب

پ

ر

ز

س

ش

ص

ظ

ع

غ

ف

ق

ک

فہرست امکنہ

الف

پ

ت

ٹ

ج

س

ش

ظ

ع

غ

ف

گ

فہرست کتب

صحت نامه

غلط	صحیح	صفحه
تویسد	نویسد	حاشیه ص ۱۵
می گردد	می گیرد	حاشیه ص ۱۵
چَهَک	چَهْک	ص ۱۹ ، س ۲
مستی	مِسّیِ	ص ۲۲
معین	معیں	ص ۲۳
سکھ ، درسن	''سکھ درسن''	ص ۲۵
مقاموں	بعضے مقاموں کا	ص ۲۸
او	اور	ص ۳۱ ، س ۲۴
چنیوں	چینوں	ص ۳٦
گیوں	ہیرا گیوں	ص ۵۴ ، س ۱
×	میں	ص ۵۷ ، س ٦
عبقیٔ	عقبیٰ	ص ٦۵ ، س ۴
ایک	اک	ص ٦۹ ، س ۱۰
۲۸۹	۲۷۹	ص ۹۲ ، س ۹
سرند	سهرند	حاشیه ص ۹۴ ، س ۱۵
۱۲۱۲ھ	۱۲۰۲ھ	حاشیه ص ۱۰۰ ، س ۹
معز الدین	فخر الدین	ص ۳۷ ، س ۱۲
کے	که	ص ۱۰۱ ، س ۴
دانوں	وانوں	ص ۱۱۱ ، س ۱٦

غلط	صحیح	صفحه
پڑاں	پیراں	ص ۱۲۶ ، س ۱۲
انگناء	انگنائی	ص ۱۲۸ ، س ۳
منا	بنا	ص ۱۳۵ ، س ۱۲
سلطان لودھی	سلطان سکندر لودھی	ص ۱۴۳ ، س ۲
هوتا که آئین اکبری هی	هوتا ہے که آئین اکبری	حاشیه ص ۲۱۷ ، س ۱۳
پان سوآڑے	پانسواڑے	ص ۲۲۶
رائے سیسن	رائے سین	ص ۲۲۶ ، س ۴
وھی	دھی	ص ۲۴۴ ، س ۱۷
گوردھر گوبند	گورو هر گوبند	ص ۲۶۴ ، س ۴
بڑ	بڑا	ص ۲۸۰ ، س ۸
چینه	چنبه ؟	ص ۲۹۰ ، س ۲
پدمنی	پدمتی	ص ۳۱۴ ، س ۹
		حاشیه ص ۳۱۵ ، س ۱۸
وه یعقوب	دہِ یعقوب	ص ۳۲۰ ، س ۳
سرلین	سربن	حاشیه ص ۳۳۲ ، س ۷
درازی	درازمی	حاشیه ص ۳۳۳ ، س ۶
وساسن	دساسن	ص ۳۵۵ ، س ۹ ، ۱۹
		ص ۳۵۶ ، س ۱۴
		ص ۳۶۵ ، س ۷
شکس	شگن	ص ۳۶۵ ، س ۷
وفا	وغا	ص ۳۶۶ ، س ۱۸
قائل	قابل	ص ۳۷۴ ، س ۱۷
پچتر	بچتر	ص ۳۷۹ ، س ۱۶
تدور	تدرو	ص ۳۸۷ ، س ۱۷
حنمی	جنمی	ص ۴۰۸ ، س آخری

غلط	صحیح	صفحہ
وندپال	دندپال	ص ۴۱۲ ، حاشیہ س ۴
خطبی	خبطی	ص ۴۱۷ ، س ۱۵
پانچ سو برس	پان سو ایک برس	ص ۴۱۹ ، س ۸
رجا	راجا	ص ۴۲۴ ، س ۱۰
پوسی	پوستی	ص ۴۲۷ ، س ۱۰
بنس	بس	ص ۴۳۶ ، س ۵